اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی گھڑت ہیں اسی طرح امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ بالکل غلط اور محض بے بنیاد ہے

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی

۱۵ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء سے یہ کتاب چھپنی شروع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد

حمد سوائے اس ذات وحدہ لا شریک کے اور کس کی ہو سکتی ہے جس نے اسلام جیسا دین اور محمد جیسا نبی دنیا میں بھیجا۔ ایسا دین جس نے باطل معبودوں کی پرستش سے انسانی شرافت کو ذلیل نہیں ہونے دیا اور ایسا نبی جس نے مختلف الحال لوگوں میں ایسا بندھن پیدا کیا کہ سب کو برابر کا بھائی بنا دیا۔ جس نے اسلام اور انسانیت کے آگے رشتہ داری اور قومیت کی بیخ کنی کر کے سب کو ایک خدا کا بندہ کر دیا۔ وہ تفرقہ جو پشت ہا پشت سے آدمی کی رشتہ داری پر زمانہ قدیم سے چلا آتا تھا بالکل مٹا دیا۔ مساوات اور انصاف کو یہاں تک رواج دیا کہ خود دین کی نظر میں فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایک یہودی عورت میں کچھ فرق نظر نہیں آیا۔

حمد اور کس کی ہو سکتی ہے کون کائنات کو بنا سکتا ہے اور کائنات کا لب لباب انسان پیدا کر سکتا ہے۔ اسی کی حمد مجھے زیبا ہے جس نے کل مخلوق میں آدم کو شرف بخشا اسیطرح کل ادیان میں اسلام کو ترجیح دی اور اس عزت کو ایسا نمایاں کیا کہ دنیا نے آنکھوں سے

میں ہی جا کے پڑ سکتا ہے وہ ہر جگہ دوگانہ نماز ادا کر سکتا ہے اور اسے بالکل آزادی ہے نماز کے لئے نہ اُسے کسی امام کی ضرورت ہے اور نہ کسی پیشوا کی وہ آپ ہی اپنا امام اور آپ ہی اپنا پیشوا بن سکتا ہے کسی خاص لباس کسی خاص سامان اور کسی خاص مکان کی ادائیگی نماز کے لئے اسے حاجت نہیں ہے صرف ایک پاک اور متوجہ دل کی ضرورت ہے اور بس۔ اسکے غمی اور شادی کی تقریبات بالکل اسی کے ہاتھ میں ہیں اسے نکاح میں نہ قاضی کی ضرورت ہے نہ کسی مولوی کی صرف دو گواہ ایجاب وقبول کے اسکے لئے بس ہیں اسیطرح کسی مردے کی تجہیز وتکفین میں نہ کسی مُلّا کی ضرورت ہے نہ امام کی وہ خود ہی اپنے مردے کو نہلا سکتا ہے خود ہی کفنا سکتا ہے اور خود ہی دفن کر سکتا ہے ایسی حالت میں شریعت اس سے کچھ باز پرس نہیں کرنے کی ہر ایک شخص اپنے اعمال کا آپ ذمہ وار بنایا گیا ہے کسی کے نیک و بد اعمال کا سوال دوسرے شخص سے نہیں کیا جائے گا جب ہر شخص اپنے اعمال کا آپ ذمہ وار ہوگا تو پھر اسے دوسرے کی پرستش کی کیا ضرورت ہے اگر کوئی شہید ہے اپنے لئے ہے اگر کوئی ولی ہے اپنے لئے ہے اسے کسی سے کچھ تعلق نہیں ہے غیر معبودوں کے ساتھ اسکے تعلقات اسی لمحے سے قطع ہوچکے جس لمحے مکہ معظمہ سے دین حق کی صدا بلند ہوئی تھی اور جسے تیرہ سو برس گزر چکے ہیں۔

کیا کسی انسان کا زہرہ ہے کہ وہ سوائے اس خدائے لایزال کے کہ جسنے اپنی اشرف المخلوقات یعنی انسان کے دوسروں سے تعلقات قطع کرکے اپنے ساتھ جوڑنے کے لئے کسی دوسرے کی حمد کرے۔ یقیناً اور بلاشک میرا دل اپنے پورے جذبات اور توجہ سے اور میرا قلم اپنی پوری قوت اور روانی سے اسی ذات وحدہٗ لاشریک کے حمد کرنے کے لئے وقف ہوچکا ہے جتنی اسکی بساط ہے اور جتنی اسکی قوت ہے اسمیں تو نہ دل ہمت ہارے گا اور نہ زور قلم باقی جس طرح انبیاء تک اسکی پوری حمد کرنے میں عاجز ہیں اسیطرح اس عجز کا اعتراف کرنے میں مجھے بھی کوئی باک نہیں ہے۔

اتنا دل و گردہ کوئی کہاں سے لائے کہ اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ کی حمد پر قلم اٹھائے جس اللہ نے ہمیں ایک ایسی فطری کتاب مرحمت فرمائی جس نے تمام عرفی شرافت عرفی تجحّر عرفی وجاہت اور عرفی قومیت کا بالکل تختہ الٹ دیا اور اسکے خلاف ایک زبردست قانون وضع فرمایا جو تیرہ سو برس سے رائج ہے اور جب تک دینِ خدا قائم ہے وہ اس کرۂ ارض پر رائج رہے گا اور وہ قانون یہ ہے "جو زیادہ پرہیز گار ہے وہی خداوندِ قدوس کی نظروں میں زیادہ معزز ہے" خاندانی اختلاف۔ قومی بوقلمونی۔ دولت کی وجاہت کا امتیاز انسانی مخلوق کے لئے وبالِ جان بن رہا تھا مغرور دولت مند مغرور عرفی شرافت کا مالک مغرور عرفی وجاہت رکھنے والے خدا کی غریب مخلوق کو سخت بیدردی سے اپنے قدموں کے نیچے کچلے ڈالتے تھے اخیر غیرتِ حق کو حرکت ہوئی مظلوموں کی آہ آسمان کے طبقوں کو پھاڑ کے نکل گئی اور سحابِ رحمت کی بارش ہونے لگی یعنی دینِ اسلام کا نزول ہوا۔ مظلوم و بیکس غیر انسانی سنگدل دولتمندوں اور عرفی شریفوں کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر دئے گئے غلاموں نے آقائی کا تاج پہنا شہنشاہ اور خود مختار شہنشاہ بنے صدہا برس تک دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنتوں پر حکمرانی کی اور آج بھی انہیں وہ شرف اور آزادی حاصل ہے کہ ممالکِ اسلامیہ میں ایک کروڑپتی شریف ونجیب عرب اور ترک اپنے غلام کو اپنی بیٹی دیدینے میں کوئی باک نہیں کرتا۔

ہم اس خداوندِ قدوس کے سوا دوسرے کی حمد کیونکر کر سکتے ہیں جس نے ہمیں نجات ہی نہیں بلکہ کائنات کی کنجی یعنی دینِ اسلام سے شرف بخشا وہ دینِ اسلام جس نے ہمیں سب سے بے نیاز بنا دیا اور صرف اپنے معبود کے سوا اور کسی سے کچھ سروکار نہ رکھنے دیا۔ واللہ باللہ ثم باللہ یہ وہ اسلام ہے کہ کوئی شخص کھڑے ہو کے حسینؓ اور علیؓ تو ایک طرف رہے اگر صاف طور پر یہ انکار کر دے کہ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ اور عثمانؓ دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے

تھے تو ذرہ برابر بھی اسکے اسلام میں فرق نہیں آتا جس دل کی لگن اپنے مالک سے لگ چکی ہو اس دل میں دوسرے کی گنجائش کہاں تم حسین حسین یا علی علی پکارتے ہو واللہ پچاس لاکھ حسین اور پچاس لاکھ علی اسلام میں پیدا ہوتے اور گزر جاتے جب بھی اسلام کی کوئی وقعت زیادہ نہ ہوتی دینِ خدا اور اسے بندوں سے احتیاج اور عاجز انسانوں سے فضیلت استغفر اللہ تو یہ تو بچھلی مثال ہے اسے سمجھ لو کہ اگر آج یہ کرہ ارض غارت کر دیا جائے اور یہ چھوٹا سا سیارہ کسی دمدار ستارے سے ٹکرا کے پارہ پارہ ہو جائے اور پھر اسکے ٹکڑے مختلف سیاروں میں جا ملیں اسوقت بھی آفتاب کی تابانی اور چاند کی خنک نورانی چاندنی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آسکتا کوئی بد دماغ سے بد دماغ اور جاہل سے جاہل مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر ابو بکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ حسن۔ اور حسین پیدا نہ ہوتے تو کیا دینِ اسلام میں جسکی نسبت خود خداوندِ قدوس کامل ہونے کا دعوے کرتا ہے کسی قسم کی خامی یا خرابی آسکتی تھی ہرگز نہیں اور کبھی نہیں اگر بدبختی سے کوئی انسان لمحے کے لیے اسکے خلاف خیال بھی کرے تو وہ دینِ اسلام کی نظر میں یقیناً کشتنی ہے۔

اس خالقِ ارض و سما کی کیوں نہ حمد کی جائے جسنے اپنی خاص امانت اپنی مخلوق کو سپرد کی مخلوق کے ایک حصے نے اسے قبول کیا وہ امین اور سربلند ہوگیا مگر مخلوق کے دوسرے حصے نے اسے قبول نہیں کیا وہ مقہور بارگاہِ صمدی رہا۔ قبول کرنے والے کا امین و سربلند ہونا دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا یعنی بزرگی اور ولایت کی کسی خاص قبیلے اور خاص قوم کے ساتھ تخصیص نہیں رکھی جسنے پاک اور متوجہ دل سے خدا کو یاد کیا وہی ولی کامل وہی غوث اور وہی قطب بن گیا جس طرح اسکے کل کاموں میں امتیاز نہیں ہے اسیطرح اس خاص روحانی معاملے میں بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا آفتاب کی روشنی خواہ شریف ہو یا رذیل امیر ہو یا غریب فقیر ہو یا بادشاہ سب کو برابر پہنچتی ہے گنہگار کا امتیاز نہیں

نہ بجھے گا۔ کالوں کا فرق ہے نہ غیروں کا۔ اسی طرح بارش قیصر شاہی پر بھی ہوتی ہے اور
ایک بیوہ کے کلبہ احزان پر بھی۔ خوبصورت چمنستان پر بھی ہوتی ہے اور ایک غریب کسان کے
کھیت پر بھی۔ نہ بارش کے پانی کی مقدار میں کوئی فرق ہوتا ہے نہ کیفیت اور ہدایت
بھی اسی طرح ہے۔ ہدایت کی ایک روحانی بارش ہے جس نے دنیا کو سیراب کیا اور یکساں
سیراب کیا جو زمین قابل تھی وہ بار آور ہو گئی جو ناقابل تھی وہ بنجر کی بنجر رہی۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اس خداوند قدوس کی حمد جس نے ہدایت اور گمراہی میں فرق پیدا کر دیا ایک انسان
کے لئے کیسی سزاوار ہے گویا کہ یہی انسانیت ہے کہ اپنے حقیقی محسن اور خالق کے حمد
کے الفاظ ورد زبان رکھے اور ورد زبان پر ان الفاظ کا مفہوم کندہ ہو کس وضاحت سے
ہدایت اور گمراہی کو علیحدہ علیحدہ کیا ہے کہ ہر شخص خواہ کتنا ہی جاہل اور کیسا ہی وحشی ہو
اچھی طرح پہچان سکے کہ یہ گمراہی ہے اور یہ ہدایت ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ناقوس بج رہا
ہے۔ گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی ہیں لوگوں کے ہاتھوں میں پھولوں کے دونے ہیں جو بہ
شوق قدموں سے اوپر چڑھ رہے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی کا دیکھنے والا اوپر جا کے یہ سماں
آنکھ سے دیکھے گا کہ ایک پتھر کی مورت رکھی ہوئی ہے اس پر پھول چڑھائے جا رہے ہیں
اسکے منہ سے کھلانے کے لئے مٹھائی لگائی جا رہی ہے یہ سماں دیکھتے ہی اسکا کلیجہ کانپ
جائے گا کہ اشرف المخلوق ایک پتھر کے آگے سجدہ کرے۔ بیشک یہ ہدایت نہیں ہے۔

اسی طرح ایک گرجا میں جہاں نغمہ اور خوش آوازی کے ساتھ خدا کی حمد پڑھی جا رہی ہے
اسکا گذر ہوا تو اس نے دیکھا کہ لباس صورتیں اور ظاہری صفائی تو اچھی ہے مگر وہی اشرف
انسان چند عورت و مرد کی تصویروں کے آگے سربسجود ہے یہاں بھی اسے ہدایت کا پتہ

نہ لگا۔

پھر وہی شخص ایک امام باڑہ میں پہنچا جہاں اسے کاٹ کی بنی ہوئی ضریح۔ کاٹ کا ایک گھوڑا۔ چاندی کے پنجے دکھائی دیئے دیکھا کہ یہاں بھی وہی کیفیت ہے کہ اشرف انسان ان کے آگے سجدے کر رہا ہے اور انپر بوسے دے رہا ہے۔ یہاں بھی اس نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ہدایت کا نام ونشان نہیں ہے۔ اسیطرح مختلف محفلوں میں جا کے کہیں تو یا علی کے نعرے سنتا ہے اور کہیں یا حسین کی صدائیں اسکے کان میں آتی ہیں۔ اسی طرح دوسری محفلوں میں لوگ اپنے اپنے بزرگ کا نام لیکے پکارتے ہیں۔ ان آوازوں ہی سے وہ اچھی طرح دلنشین کرے گا کہ ہدایت تو یہ نہیں ہوسکتی ہے کہ سوا خدا کے دوسرے کو جو مر چکا ہے پکارا جائے۔

اب ان سب مقامات کی سیر کرنے کے بعد اسکا گزر ایک سادی سیدھی مسجد میں ہوا جہاں نہ کوئی تصویر ہے نہ بت ہے کچھ بھی نہیں۔ چند آدمی نماز پڑھ رہے ہیں اور خداوند قدوس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ آنکھوں میں آنسو ہیں۔ آواز جھرجھری ہے۔ نہ آنے والے کی خبر نہ جانے والے کی خدا کی طرف خدا کے بندے پورے رجوع ہیں نہ یہاں علی کا ذکر ہے نہ حسین کا یہاں ان لوگوں کے حقیقی خالق کا ذکر ہے اور اسیکا وظیفہ ہے۔ ان کا ایک ہی معبود ہے اور یہ اُسی کو پکارتے ہیں۔ دیکھنے والے نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ یہ ہدایت ہے بلاشک وشبہ اور اسکے علاوہ سب گمراہی ہے۔

بس اس سے زیادہ وضاحت ہدایت وگمراہی کی اور کیا ہوگی سچی بات یہ ہے کہ حمد تو اسیکو شایاں ہے جس نے بتا دیا کہ سنت اللہ تبدیل نہیں ہوتی اور ایک انسان جتنی اسکی ہستی ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ نہ عرش کے پایہ کے پاس اُسے کھڑا ہونیکی ضرورت ہے اور نہ فرشتوں کا قضیہ چکانے اور عالم جنات کو قتل کرنے کی وہ اس کرہ

ارض میں پیدا کیا گیا ہے یہاں اسکے کرنے کے بہت سے کام ہیں۔ یہی سنت اللہ رہی اور اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ انسان سب کچھ بن سکتا ہے مگر خدا نہیں بن سکتا یہ راز اسی نے ہمیں بتا کے پورا خدا پرست بنا دیا نبی اور غیر نبی میں اسیطرح پورا امتیاز کرکے آنکھوں سے دکھا دیا۔ اسپر بھی ہیئے کے چھوٹے نبی اور غیر نبی کو نہ پہچان سکیں یا نبی کو غیر نبی اور غیر نبی کو نبی بنالیں تو ہدایت و گمراہی پہلے ہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

حمد سوائے اسکے اور کسی کی کسی طرح نہیں ہوسکتی کہ اس نے انسان جیسا ایک عجیب الخلقت جاندار پیدا کیا جو خود اپنے صانع کی کاریگری کا شاہد ہے اور جس کی رگوں کے جال میں جو کھال میں چھپا ہوا ہے صدہا معجزے پوشیدہ ہیں اور وہ ایسے معجزے ہیں جن کی پوری کنہ تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ نہ حکیم۔ نہ دانا نہ فلسفی۔

نعتِ سرورِ کائنات

کسی کے احسان کو ماننا اسکا ذکر کرنا اور سب سے زیادہ اسکا عملی احساس یہ عین انسانیت اور شرافت کا ایک جوہر ہے۔ اس کرۂ ارض پر لاکھوں مخلوق پیدا ہوئی اور فنا ہو گئی۔ ہزاروں بادشاہتیں بنیں بگڑیں اور پھر برباد ہو گئیں۔ ہزاروں ہادی۔ مصلح۔ پیشوا اور سردار پیدا ہوئے اور پھر اسی گرد روزگار میں جا ملے جس میں ان سے پہلے اور مخلوق مل چکی تھی۔

مخلوق ہی میں سے کوئی بادشاہ بنا اور کوئی ہدایت کرنے والا۔ قومی درد رکھنے والوں اور وطن کے محبوں نے بڑے بڑے کام کئے جن میں سے بعض کے نشانات ابھی تک موجود ہیں مگر زمانے نے ان کی طرف سے لوگوں کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیا۔

اور اب وہ مجسمہ سے ہیولیٰ اور ہیولیٰ سے ایک موہوم صورت بن گئے۔ مگر آج دنیا انھیں بھولی ہوئی ہے۔ اس دنیا نے کیا کیا تغیر و تبدل دیکھے کتنی بار اس میں طوفان آئے وہ طوفان کہ طوفان نوح بھی ان کے آگے پانی بھرے۔ کس قدر بنی نوع انسان برباد ہوئی۔ خدا کی مخلوق پر کتنی کتنی آفتیں آئیں۔ فطرت کے لاڈلے فرزند کس طرح ذبح کئے گئے اور کس بے دردی سے انسانی خون بہایا گیا۔ پھر کس طرح آبادی بڑہی دنیا باوجود اس آسمانی تشدد و سختی کے بڑہتی چلی گئی اور آج اسکی ترقی معراج کمال پر پہنچ گئی ہے۔ یہ ساری باتیں اور یہ ساری تبدیلیاں قدرت کا ایک راز تھا جو ہزاروں سال گزرنے پر اخیر محمدؐ بن عبداللہ کے مبارک لبوں سے کھلا۔

ہزاروں موسئے اور ہزاروں عیسئے اسیطرح اور بہت سے پیغمبر گزر گئے جن کے زبانی یا دلی معتقدوں کی تعداد لاکھوں سے گزر کے کروروں تک پہنچی ہوئی ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان میں سے کس موسئے اور کس عیسے نے مخلوق خدا کے ساتھ کیا کیا۔ موسئے کی تو تمام عمر محض بنی اسرائیل سے تو تو میں میں کرنے اور جنگ و جدل میں مشغول رہنے میں گزر گئی اور انھوں نے گو ایک جدید شریعت کی بنیاد ڈالی مگر ان کا دائرہ ہدایت یا شریعت بنی اسرائیل سے آگے نہ بڑہ سکا۔ بس ان کی قومی۔ ملکی اور انسانی خدمات کی یہی کائنات ہے۔

پھر مسیح ابن مریم پیدا ہوئے جنھیں لوگوں نے ان کی ماں کے نام سے پکارا کیونکہ یوسف ان کے والد کی شخصیت معدوم قرار دی گئی۔ جو کچھ انھوں نے تعلیم پائی۔ یحیٰی سے اسی کے دعظ سنے اور اُسی سے جذبات دلی کا اُبھار ہوا۔ چونکہ مطلق تعلیم یافتہ نہ تھے اسلئے کوئی نئی شریعت یا نیا قانون بنا نہیں سکتے تھے۔ کئی سال تک وہ اپنے باپ کی دکان میں بسولے کی آوازیں سنتے رہے اور پھر یحیےٰ کے وعظوں ہی پورے

متاثر ہو کے علیحدہ منادی کرنے لگے۔ چونکہ سمجھ دار تھے انھوں نے موسے کی شریعت پر گردن جھکا دی اور یہ بھی صاف کہدیا کہ میں تو فقط بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو رستہ یا پگڈنڈی پر ڈالنے آیا ہوں۔ اول تو ان کے کچھ کارنامے تھے نہیں اور جو کچھ تھے بھی تو ان پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ دنیا نے فقط ان کا نام یاد رکھا مگر ان کے کاموں کو مطلق بھلا دیا۔ بایں ہمہ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے اپنی زندگی میں خدا کی مخلوق کی اصلاح کی۔ کوئی اعلیٰ تمدن قایم کیا۔ اور عملی طور پر مخلوق خدا کو شایستگی کی تعلیم دی +

اب بھی موسے ویسے یا ان جیسے صدہا بلکہ ہزارہا انبیا کی بعثت سے مخلوق میں کچھ اصلاح نہیں ہوئی۔ جب خود غرض پیشواؤں اور ظالم بادشاہوں نے فطرت کے لاڈلے بچوں یعنی انسانوں کو ذبح کرنا شروع کیا تو غیرت حق کو حرکت ہوئی خداوند قدوس کی رحمت کا ابر آیا جس میں انسانی زندگی کی بجلیاں چمکیں۔ امن کے نقارے بجے۔ مساوات کی بارش ہوئی اور آناً فاناً میں دنیا کا ایک حصہ سیراب ہو گیا۔ یعنی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب مکہ میں پیدا ہوئے۔ بت پرست عورت کے دودھ سے پرورش پائی۔ بت پرست رشتہ داروں میں پلے اور بڑے ہوئے۔ بتوں کے درمیان اپنی عمر کا ابتدائی حصہ بسر کیا کیونکہ کعبہ بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک ناہنجار قوم میں بود و باش رکھی جو جنگلی بھی تھی۔ وحشی اور بیدرد بھی تھی اور جاہل بھی تھی جسکا۔ کوئی تمدن تھا نہ اُسے کسی خارجی تمدن کی ہوا لگی تھی۔ نہ تجارت تھی نہ فلاحت مختلف قبائل اپنا اپنا راگ اور اپنی اپنی ڈفلی الگ الگ بجا رہے تھے نہ دنیا کی شایستہ قوموں کے علوم و فنون کی انھیں ہوا لگی تھی نہ انھیں ایسی باتوں کا کچھ مذاق تھا۔ ہاں اونٹ اور گھوڑے کی محبت اور خاندانی شجاعت کے جذبہ نے انھیں اچھا شاعر بنا دیا تھا اور بس۔

مگر جب ان ہی میں سے ایک بچہ نے ان ہی کی گودیوں میں اسی آب وہوا میں پرورش
پا کے اور بڑا ہو کے انھیں اپنی ایک چھنگلیا سے جنبش دی تو وہ چونکتے ہوئے جب چونکتے
ہو کے چاروں طرف ہکا بکا دیکھنے لگے تو ان ہی کے سامنے اس دوہرے یتیم بچہ نے
کرہ ارض کو اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا یعنی کڑکتے ہوئے اور گرجتے ہوئے لہجہ میں کہا میں تمام
دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں اور مجھے عالم کی رحمت بنایا گیا ہے۔ چنانچہ اس
صادق کا یہ قول سچا اترا بال برابر اس میں فرق نہ آیا۔ مقدس فطرت اور خداوند قدوس
کا برگزیدہ بندہ اپنے اس دعوے میں ایسا سچا اترا کہ دنیا سناٹے میں رہ گئی۔ آپ کی
مبارک زندگی کے کارناموں میں ایک کام بھی ایسا نہیں جو دنیا کو حیران وششدر نہ بنادے
ابھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک نوجوان شخص تن تنہا بغیر کسی ساتھی اور مددگار کے ایک
بلند جگہ کھڑا ہوا خدا کے دین کی منادی کر رہا ہے۔ مکہ والے یعنی جن میں اس نوجوان
نے پرورش پائی تھی ہنس رہے ہیں، مونہ چڑا رہے ہیں بعض برا بھلا کہہ رہے ہیں جو زیادہ
دنی الطبع تھے وہ مونہ بھونہ گالیاں اور کوسنے دے رہے ہیں مگر پلک جھپکتے ہی جو مڑ کے
آپ نے دیکھا تو سماں ہی دوسرا نظر آرہا ہے۔ یہی نوجوان شخص ہے ہزاروں سردار
اور سپاہی اسکے آگے جھکے پڑتے ہیں اُسکے مونہ سے جب کوئی لفظ نکلتا ہے تو کس شوق
وذوق سے سنتے ہیں وہ آج مکہ کا خودمختار بادشاہ ہے۔ آس پاس کے قبائل کے سردار
اسکی خدمت میں آآکے اظہار اطاعت کر رہے ہیں۔ یہ نقشہ دیکھ کے دیکھنے والا دنگ
رہ جاتا ہے مگر جب اسے اپنی حیرانی سے ہوش آتا ہے تو وہ اور ہی نقشہ دیکھتا ہے یعنی
وہ خود تو اپنے متبعین میں موجود نہیں ہے مگر اسکے جانشینوں کے قدموں پر قیصر وکسرے
کے زرخیز ممالک کی کنجیاں پڑی ہوئی ہیں یہ معجز نما حالت کو دیکھ کے وہ اور بھی سکتہ میں رہ
جاتا ہے اور جب سکتہ سے افاقہ پاتا ہے تو اسی نوجوان شخص کے متبعین جسے اس نے ایک

دن مکہ میں تن تنہا دیکھا تھا چین وماچین ۔ یورپ ۔ افریقہ اور ہندوستان میں لاکھوں کروڑ لی
کی تعداد میں پاتا ہے ۔ بڑے بڑے شہنشاہ اسکی حلقہ بگوشی پر فخر کر رہے ہیں اور اسی کے کلمہ
پر اپنی دینی اور دنیاوی نجات سمجھتے ہیں ۔ اس سے زیادہ روشن اور دائمی معجزے کسیکو
بھی نصیب نہیں ہوئے ۔ اسکے متبعین اور دوسرے انبیار وغیرہ کے متبعین میں بعد المشرقین
ہے ۔ ان کی مذہبی روح مرچکی ہے اور اسکے پیرواں کی مذہبی روح اسی طرح زندہ
ہے ۔ اسکے دین میں بھی ایک خاص معجزہ اور آن بان ہے کہ باوجود سلطنتوں کی بربادی
کے بھی دین کی قوت میں فرق نہیں آیا ۔ محمد بن عبداللہ کے دین کو برخلاف دوسرے
ادیان کے نہ سلطنت کی حمایت کی ضرورت ہے نہ تلوار اور روپے کی مدد کی وہ پانی کی
رَو کی طرح پھیل رہا ہے اگرچہ یورپ کا دروازہ اسپر بند کر دیا گیا ہے مگر افریقہ ۔ چین اور
دوسری ولایتوں کے دروازے اسکے لئے کھلے ہوئے ہیں ۔ ان ممالک میں پوری
فتح جب پائے گا پھر یقیناً یورپ کی کنجیاں اسکے قدموں پر پڑی ہوئی دکھائی دیں گی ۔ ہر
مقام پر روپیہ اور تلوار سے اسکا مقابلہ کیا جا رہا ہے مگر وہ مغلوب نہیں ہوتا ۔ بلکہ حملہ آور
خود ہی مغلوب ہو جاتے ہیں ۔ اسکی حمایت میں نہ کبھی تلوار اٹھی نہ روپیہ خرچ ہوا وہ فطرت
کا ایسا خودرَو پودا ہے جو بغیر آب یاری کے بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ سلطنتوں کی اکھیڑ پچھاڑ ۔
خاندانوں کی بربادی ۔ خانوادوں کی تباہی ۔ فلسفہ اور سائنس کا زور اور اس کی روز
افزوں ترقی ۔ حیرت انگیز آلات کی ایجاد ۔ انسان کا ہوا میں اڑنا اسلام کی ترقی میں
مطلق ہارج نہ ہوسکا ۔ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس دین کی تلقین کی وہ
دین روز پیدایش سے آج تک سب پر غالب ہوتا آیا ہے اور اسیطرح کل دنیا کو
ایک دن فتح کر کے چھوڑے گا ۔

اس غیر معمولی اور پر از معجزہ عظیم الشان انسان کی جو سچے سچ تمام دنیا کا سچا محسن تھا

جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اسکے احسان سے دنیا کی کوئی قوم ہرگز محروم نہیں رہی اسوقت دنیا کے چالیس کرور انفاس اسکے احسانات کا کھلے الفاظ میں شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ یوماً فیوماً برابر احسان مانتے اور ماننے کی زبانی اور قلبی شہادت دے رہے ہیں بہت سے سکوت میں ہیں مگر سر ضرور ہلا رہے ہیں کوئی دن جاتا ہے کہ یہ بھی اسکا احسان مانکے اسکے حلقہ بگوش غلاموں کے حلقہ میں آجائیں گے۔ یہ بھی اسکا بہت بڑا معجزہ ہے کہ اسکے متبعین اگرچہ بعض عقاید مختلفہ کی وجہ سے گروہ گروہ بن گئے ہیں مگر اسکا احترام ہر گروہ اور ہر فرقہ میں جوں کا توں موجود ہے اور وہ سب اس امر پر ایسے متفق ہیں کہ اگر کسی مخالف کی طرف سے اسکی شان اقدس واطہر میں کچھ بھی سوء ادبی صادر ہوجائے تو یک لخت سب یکساں بھڑک اُٹھتے ہیں اور ان میں یہ بھی مادہ ہے کہ وہ اپنے اس محسن پر جان فدا کرنے کے لئے ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہوجائیں ایک روحانی آگ ہے جو تیرہ سو برس ہوئے مکہ میں سلگائی گئی تھی مگر آجتک اس آگ کی تندی جوں کی توں موجود ہے چند لفظوں کا ایک کلمہ ہے جس کے ہر ہر حرف میں روحانی آتشی مادہ مضمر ہے جہاں وہ کلمہ زبان سے نکلا رونگٹے رونگٹے مین بجلی دوڑ گئی اور انسان فوراً اپنے پاک جذبات میں دب گیا۔ وہ کلمہ یہ ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ

اگرچہ اس عظیم الشان انسان نے اپنی شاندار وجاہت کو پورا محسوس کرلیا تھا مگر پھر بھی وہ جب انبیاء گزشتہ کا ذکر کرتا تھا تو صاف طور پر اپنے متبعین کو منع کر دیتا تھا۔ کہ مجھ میں اور ان میں کچھ فرق نہ کرو حالانکہ پچاس ہزار عیسے اور پچاس ہزار موسے وہ تو وہ اسکے متبعین کے مقابلہ میں بھی کوئی ہستی نہیں رکھتے۔ ایک ابو بکر کل انبیاء کا خلاصہ موجود ہے نہ موسے اسکی برابری کرسکتے ہیں نہ عیسے خداوند قدوس نے خود اس سے باتیں

کیں اور مصیبت و تکلیف میں اسکی تسکین فرمائی۔ اسکا تحمل اسکا صبر۔ خداوند قدوس اور اسکے برگزیدہ بندہ سے اسکا تعشق۔ اسکا ایثار۔ راہ خدا میں اپنے کل مال کا تصدق باوجود خلیفہ ہونے کے محنت سے زندگی بسر کرنا اور بیت المال سے ایک پیسہ نہ لینا اور جب صحابہ کی طرف سے اصرار ہو تو چند آنوں پر قناعت کرنا غرض دنیا نے کیا تو آنکھ کھول کے محمد بن عبداللہ کو کامل اور عظیم الشان انسان دیکھا یا ابوبکر کو اگرچہ جلوہ فاروقی اپنی جگہ پر خوب چمکا اور اس نے بھی بنی اسرائیل کے انبیا کی بہت سی روشنیوں کو ماند کر دیا۔ مگر ابوبکر کی ذات کچھ اور ہی ذات تھی اسکی زندگی میں اسکا اعزاز ہوا لاکھوں جنگ جو عربوں اور مختلف قبائل نے اسکے آگے گردنیں خم کر دیں جسوقت بیعت لینے کے لئے اسکا ہاتھ اٹھا ہے مخالف و موافق سب نے بخوشی بیعت کر لی سوائے ایک تن واحد کے جو بعد ازاں اپنے کئے پر پشیمان ہو کے اخیر حلقہ بگوش بن گیا۔

سچ پچ دنیا کی لاکھوں برس کی کمائی محمد بن عبداللہ ہیں جو مدینہ طیبہ میں تشریف رکھتے ہیں اگرچہ ان کا مقدس جسم ہم سے چھپا ہوا ہے مگر ہر وقت وہ ہمارے ساتھ موجود ہیں۔ جہاں مدینہ کے بازاروں میں کسی نے آواز سے باتیں کیں یا تو تو میں میں ہونے لگی تو رہگیر چلتے چلتے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انگلی اٹھا کے کہتے ہیں ہائیں تمھیں خبر نہیں رسول اللہ موجود ہیں ایسی گستاخی کرتے ہو وہ شخص یا اشخاص فوراً خاموش ہو جاتے ہیں اور اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاتے ہیں۔ یہی کیفیت کم وبیش ساری دنیا کی ہے حضور انور علیہ الصلوۃ والسلام کا مبارک نام برقی اثر رکھتا ہے جو فوراً دلوں کو موم بنا دیتا ہے۔

آج یہ خداوند قدوس کا برگزیدہ بندہ دنیا کا عجیب وغریب اور عظیم الشان انسان مدینہ منورہ میں آرام فرماتا ہے مگر ہمیں وہی قوت باقی ہے یعنی اپنے روضۂ مبارک کے اندر سے

دنیا کے چالیس کروڑ انسانوں کو کلمۂ توحید پر قایم رکھے ہوئے ہے۔ سوائے بعض متعصب اور دنی الطبع مصنفوں کے دنیا کے کل مختلف المذہب۔ ملک اور قوم کے مصنفوں نے آپ کی نعت میں نثر میں قصیدہ خوانی کی ہے۔ ملحد ہو یا نصرانی۔ بت پرست ہو یا ستارہ پرست سب نے اس اشرف الانسان کی تعریف ہی کی ہے اور بہت بڑا مصلح مانا ہے اگرچہ آپ کے مذہب سے اختلاف کیا ہو۔ غرض دوست تو دوست ہے دشمن بھی آپ کا تقدس اور بزرگی تسلیم کرتے ہیں جوں جوں تحقیق وسیع ہوتی جاتی ہے آپ کی شان دوبالا ہوتی جاتی ہے۔ اور اب بڑے بڑے مخالف بھی راہِ راست پر آنے لگے ہیں۔

آپ کمل پوشی میں شہنشاہانِ عالم سے زیادہ جلال اور دبدبہ رکھتے تھے کسی سلطنت کی بنیا دڈالنا آپ کا باعث توہین تھا۔ لیکن کھجور کی چٹائی پر کمل پوشی میں نشست فرمانا قیاصرہ اور کسریٰ کے زرنگار تختوں کو شرمندہ کرتا تھا۔ مجال نہ تھی کہ آپ کے پر جلال چہرہ کو کوئی نظر بھر کے دیکھ سکتا۔ باوجودیکہ آپ تبسم آمیز لہجہ میں ہمیشہ اپنے صحابہ اور آنے والوں سے گفتگو فرماتے تھے مگر پھر بھی مجال نہ تھی کہ ادب سے کسی کی آنکھ اونچی ہو سکے۔ صرف ایک بار کی تنبیہ سے کہ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو بدوؤں میں بھی وہ تہذیب پیدا کر دی تھی کہ سب پست لہجہ میں نیچی نگاہیں کرکے ہم کلام ہوتے تھے جواب میں حضورِ انور کا ایک لفظ بڑی تقریر کرنے والے کو مطمئن کر دیتا تھا۔

مجال نہ تھی کہ مثل موسیٰ و عیسیٰ کے آپ سے جھک جھک کی جاتی۔ آپ سے بھی بیشک سوالات ہوتے تھے مگر زیادہ تر سوالات یہودی اور نصرانی علماء کرتے تھے محض اس آزمایش کے لئے کہ اگر سچا نبی ہے تو بتا دے گا کہ ہماری کتابوں میں یہ لکھا ہے آپ بیان فرمایا کرتے تھے اور وہ لوگ قائل ہو کے چلے جاتے تھے یا ایمان لے آتے تھے۔ قرآن مجید کے قصص اسکے شاہد موجود ہیں۔ یہودی وغیرہ علماء کی کتابوں میں یہ سب کچھ

بھرا پڑا تھا۔ وہ امتحاناً حضور انور سے سوالات کیا کرتے تھے کیونکہ جن کتابوں میں یہ قصے لکھے ہوئے تھے وہ عامہ خلایق کے ہاتھ میں نہ تھیں۔ لہٰذا ان قصوں کی صداقت وغیر صداقت کا قرآن مجید ذمہ دار یا جواب دہ نہیں ہے۔

اس عظیم الشان وجاہت پر آپ کی منکسر المزاجی۔ سادگی اور خلق حقیقت میں ایسا حیرت انگیز ہے کہ نہ آج تک کسی پیغمبر کا ہوا اور نہ کسی نے اسکا کسی نوشتہ یا تاریخ میں ذکر کیا۔

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کے دربار میں سرداران قریش حاضر ہیں۔ آپ دین خدا کی تلقین فرما رہے ہیں اور سب ہمہ تن گوش ہو کے آپ کی زبان فیض ترجمان سے خداوند قدوس کے پاک کلام کو سن رہے ہیں کہ اتنے میں ایک نابینا آتا ہے اور وہ اس مجمع میں بیٹھ جاتا ہے سلسلہ گفتگو برابر جاری ہے کہ یہ نابینا بات کاٹ کے کچھ سوال کرنے لگتا ہے۔ آپ کو ناگوار گزرتا ہے اور آپ ترشروئی سے اپنا روئے مبارک اسکی طرف سے پھیر لیتے ہیں اور وہ گھگیا کے خاموش ہو رہتا ہے۔ مگر آناً فاناً میں آپ کا ایک سائل نابینا سے یہ برتاؤ اور اس سے اسکی دل شکنی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے اور آپ اس سے ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ آپ کے قلب منور میں وحیوں کا ایک چشمہ ابلنے لگتا ہے اور خداوند قدوس کی طرف سے آپ کے مصفا دل پر پے در پے یہ تہدید آمیز کلام نازل ہوتا ہے جس کا اظہار آپ فوراً فرما دیتے ہیں۔ اس جوشیلے قدوسی کلام میں انسان کی ہستی کا ذکر ہے۔ امارت اور غربت کی کہانیوں کو مٹا کے درجہ مساوات کی تعلیم دی گئی ہے۔ نبی کا مرتبہ بتایا گیا ہے اور اسکی ذمہ داری کو کہ وہ ضرور ہی ایک شخص کو راہ ہدایت پر لائے اٹھایا گیا ہے نبوت کا صرف اتنا ہی فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ خدا کا

کلام اسکی مخلوق میں پہنچا دے اور بس اسکی تک و دَو نہ کرے کہ فلاں شخص کو ہدایت ہوئی یا نہیں۔ اس کے بعد کلام کا تقدس اور اسکی بلند پایگی بتائی گئی ہے کہ یہ کیسا کلام ہے جو ہم اپنے بندہ محمد بن عبداللہ کی معرفت لوگوں میں پہنچاتے ہیں۔ پھر انسان کی ناشکری کی حالت بتائی گئی ہے کہ با وجود ان انعامات کے وہ کیسا احسان فراموش ہے اور اسکی احسان فراموشی کی حد یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر اُس جرم میں اسے ہلاک کر دیا جائے تو نامناسب نہیں ہے۔ چنانچہ وہ وحی یہ ہے جسکا فوارہ آپ کے مبارک قلب میں جوشزن ہوکے اُچھلا تھا۔

عبس وتولیٰ۔ ان جاءہ الاعمیٰ۔ وما یدریک لعلہ یزکیٰ۔ او یذکر فتنفعہ الذکریٰ۔ اما من استغنیٰ۔ فانت لہٗ تصدیٰ۔ وما علیک الا یزکیٰ۔ واما من جاءک یسعیٰ۔ وھو یخشیٰ۔ فانت عنہ تلھیٰ۔ کلا انھا تذکرہ۔ فمن شاء ذکرہٗ۔ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطھرۃ بایدی سفرۃ۔ کرام بررۃ۔ قتل الانسان ما اکفرہ۔ من ای شیٔ خلقہ من نطفۃ خلقہ فقدرہٗ۔ ثم السبیل یسرہٗ ثم اماتہٗ فاقبرہٗ۔ ثم اذا شاء انشرہٗ کلا لما یقض ما امرہٗ۔ فلینظر الانسان الی طعامہ انا صببنا الماء صبا۔ ثم شققنا الارض شقًا فانبتنا فیھا حبا۔ وعنبا وقضبا وزیتونًا ونخلا۔ وحدائق غلبا۔ وفاکھۃ وابا۔ متاعا لکم ولانعامکم۔ فاذا جاءت الصاخۃ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ۔ وصاحبتہٖ وبنیہ۔ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ وجوہ یومئذ مسفرۃ۔ ضاحکۃ مستبشرۃ۔ ووجوہ یومئذ علیھا غبرۃ ترھقھا قترۃ۔ اولٰئک ھم الکفرۃ الفجرۃ *

(محمد) ترشرو ہوگئے اور منہ پھیر لیا اس بات سے کہ اُنکے پاس نابینا آیا اور (اے نبی) تم کیا جانتے ہو شاید وہ (اُسوقت تمھاری تعلیم سے) پاکیزہ ہو جاتا یا نصیحت مانتا اور نصیحت ماننا (اُسوقت) اسکو فائدہ دیتا لیکن جو بے پروا ہے تم اسکی (ہدایت کے)

در پے ہو حالانکہ تپر کچھ گناہ اس بات کا نہیں ہے کہ وہ پاکیزہ نہ ہو۔ اور لیکن جو شخص تمھارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (خدا سے، ڈر رہا ہے تو تم اُس سے غفلت کرتے ہو (کچھ خوف کی بات) نہیں بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اسے یاد کرے بزرگ بلند (مرتبہ) پاکیزہ ورقوں میں (لکھا ہوا) ہے۔ بزرگ نیکوکار لکھنے والوں کے ہاتھ ہیں ہلاک کر دیا جائے انسان کہ وہ کیسا ناشکر ہے۔ (یہ نہیں دیکھتا کہ اللہ نے) اُسکو کس چیز سے پیدا کیا ہے ایک نطفہ سے اسکو پیدا کیا پھر اُسکا اندازہ بنایا پھر اُس پر راہ (ہدایت) آسان کی۔ پھر اسکو موت دی پھر اُسکو قبر میں جگہ دی پھر جب چاہے گا اُسے زندہ کرے گا۔ نہیں نہیں انسان نے نہ کیا جو اللہ نے اُسے حکم دیا پس چاہیئے کہ انسان اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ بیشک ہم نے پانی زور سے برسایا پھر ہمنے زمین کو پھاڑ کر چیرا۔ پھر ہمنے اُس میں دانہ اُگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور چھوہارا اور میوہ اور چارہ تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے فائدہ کے لئے پس جب وہ شور (قیامت) آجائیگا جبدن کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بی بی سے اور اپنے بیٹے سے ان میں سے ہر شخص کے لئے اسدن ایک فکر ہے جس میں وہ مشغول ہے۔ کچھ (لوگوں) کے چہرے اُس دن روشن ہونگے ہنستے ہوئے بشاش اور کچھ (لوگوں کے) چہروں پر اُسدن غبار ہوگا اس پر تاریکی چھا رہی ہوگی یہی لوگ بدکار کافر ہیں۔ فقط

آپ سچے جو عالم کی رحمت بنا کے بھیجے گئے تھے اس لئے نرم دلی۔ تواضع اور خلق میں آپ کا کوئی ثانی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ انصاف اور غور سے خیال کرو اور گزشتہ اور موجودہ واقعات پر غور کرو۔ اس نیم وحشی زمانہ کو بھی دیکھو اور موجودہ متمدن عصر کو بھی خیال کرو کہ مخالف سے اسکے مظالم کا کس طرح انتقام لیا جاتا ہے اور پھر حضور انور رسول خدا

صلے اللہ علیہ وسلم کی ان تکالیف پر غور کرو جو آپ کو اپنے ہموطنوں سے مکہ میں پہنچیں۔ دونوں ہی قسم کی تکلیفیں اہل مکہ نے حتی الامکان آپ کو پہنچائیں روحانی اور بدنی آپ کا مذاق اڑایا گیا۔ آپ کو کوسنے اور گالیاں دی گئیں آپ کی عبادت کی جگہ پر کانٹے بچھائے گئے آپ پر اونٹوں کی اوجھڑیاں پھینکی گئیں۔ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر دانہ پانی بند کیا گیا اور ساتھ ہی لین دین بھی موقوف ہو گیا۔ ان مسکین غلاموں پر جو آپ پر ایمان لے آئے تھے وہ مظالم توڑے گئے جنھیں سنکے انسان کا کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ انھیں جلتے ہوئے پتھروں پر برہنہ کرکے لٹایا گیا پھر مزید براں ان کی چھاتی پر وزنی پتھر رکھے گئے کوڑے مار مار کے ادھموا کیا گیا۔ خود حضور انور کو ایسا مجبور کیا کہ آپ نے اپنے چچا ابوطالب کی ایک گھاٹی میں آخر کار پناہ لی۔ بہت سے معتقد آپ کے ساتھ تھے جنکا دانا پانی قریشوں نے بند کر دیا تھا۔ اسپر بھی قریشوں کو صبر نہ آیا اس بے بسانہ حالت پر بھی انھوں نے رحم نہ کیا آپ کے قتل کی تدبیریں کیں۔ انعام کا لالچ دے کے چند نوجوان قریش مقرر کئے کہ آپ کا سر اتار لیں۔ اخیر ایسی حالت میں آپ کو بادل ناخواستہ اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ جب آپ نے مدینہ میں آکے پناہ لی تو یہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا اور برابر حملے کئے۔ ان حملوں سے آپ کو سخت تکلیف پہنچی۔ آپ کا ایک دانت شہید ہو گیا آپ کے بہت سے ساتھی اور عزیز چچا مارے گئے۔ غرض ان تمام مظالم اور کشت و خون کے بعد جب آپ نے مکہ فتح کیا ہے تو گزشتہ ہی نہیں بلکہ موجودہ فنون جنگ یا سیاست کی رو سے قتل عام کا حکم دیدیا جاتا مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نے حکم دیدیا تھا کہ سوائے مدافعت کے مطلق حملہ نہ کیا جائے چنانچہ اسیطرح آپ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ آپ کے ایک فوجی دستہ پر ابوجہل کے بیٹے نے عقب سے حملہ کیا اور اس میں چند جانیں ضائع ہو گئیں بس سوا اسکے نکسیر تک نہ چھوٹی بلکہ اس واقعہ پر بھی آپ نے افسوس کیا تھا۔ اس وقت

مکہ اور گرد و نواح کے کل قبائل بالکل آپ کے رحم پر تھے آپ اگر انتقام لینا چاہتے تو آپ کی تلوار سے ایک متنفس بھی نہ بچتا۔ مگر آپ چونکہ رحمت بناکے بھیجے گئے تھے آپ نے رحم فرمایا نہ کسی شخص کو ستایا نہ لوٹا اور نہ کسی کی توہین کی۔ دشمن سے دشمن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسکا قصور معاف کر دیا یہ بات بہت ہی توجہ سے دیکھنے کے قابل ہے۔ انصاف سے بے رو رعایت غور کرو کہ آیا دنیا میں کبھی ایسا ہوا ہے؟

یہی کیفیت طائف کی تھی جہاں حضور اہل مکہ کے مظالم سے پناہ لینے گئے تھے وہاں کیا ہوا اہل طائف نے اپنے مہمان کی خاطر گالیوں، سب وشتم اور پتھروں سے کی۔ اس قدر آپ کو پتھر مارے کہ آپ کی مبارک پیشانی لہولہان ہو گئی مگر آپ نے سخت زخمی ہوکے اور خون میں نہا کے صرف یہ دعا کی "اے عرش و کرسی کے مالک جو کچھ میری حالت ہو تو دیکھتا ہے۔ میں صرف تیرا کلام سناتا ہوں مجھے اس بستی میں ان کا شکار نہ بنائیو۔ ہدایت تو تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ تو انپر رحم فرما اور انھیں ہدایت کر۔"

بس کل مظالم اور لہولہان کرنے کا یہ انتقام یا جواب تھا جو آپ کی طرف سے دیا گیا مگر جب زمانہ نے ایک کروٹ بدلی اور طائف پر دین خدا کے پیرو غالب ہوئے۔ تو کوئی نہیں بتا سکتا کہ ایک متنفس بھی انتقام نبوی کا شکار ہوا ہو۔ سب کو امان دی گئی کسی کا گھر نہیں لوٹا گیا نہ کسیکو ستایا گیا سب پر رحم کیا گیا۔ اور وہ اپنی حالت میں جوں کے توں قایم رہے۔

آپ کے رحم و کرم کی واللہ یہ دو ایک ہی نظیریں نہیں ہیں۔ آپ اعلیٰ درجہ کے شہسوار اور بہادر تھے۔ آپ کی شجاعت کی ادنے دلیل یہ ہے کہ ہر جنگ میں آپ سب سے آگے رہتے تھے۔ مگر اس شان کو دیکھئے کہ جب تلوار اٹھائی خلق اللہ کی حفاظت کی غرض سے اور جب حفاظت کا مدعا پورا ہو گیا تو تلوار کی پھر کسی نے صورت نہ دیکھی۔

آپ نے بلا وجہ ایک بار بھی کسی قبیلہ یا شہر پر حملہ نہ کیا جب تک آپ نے یہ نہ دیکھ لیا کہ فلاں قبیلہ یا جماعت برسر پرخاش ہے اور اسکا اثر امن عامہ پر مضر پڑے گا کبھی جنگ کی تیاری نہ کی۔ آپ نے کسی حالت میں کبھی عہد شکنی نہیں کی لہذا قدرتاً آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ میرے ساتھ بھی کوئی عہد شکنی نہ کرے۔ مگر مشرکوں اور یہودیوں نے اسکی پروانہ کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بغیر تلوار کے حجاز عرب سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیئے گئے قدم قدم پر خواہ آپ کسی حالت میں ہوں خدا پرستی کی تعلیم سے آپ کا کوئی لمحہ خالی نہ ہوتا تھا۔ آپ ایک درخت کے نیچے تشریف رکھتے ہیں اور بالکل تنہا ہیں کہ اسی عرصہ میں ایک خونخوار سوار ہاتھ میں شمشیر برہنہ لئے ہوئے آموجود ہوا۔ آپ جیسے تنہا تھے ایسے ہی نہتے تھے۔ سوار سر پر تلوار کھینچ کے کھڑا ہوگیا اور کہا اب بتایئے کہ میرے حربہ سے آپ کو کون بچا سکتا ہے۔ ارشاد ہوا خداوند تعالیٰ اس نے مضحکہ خیز لہجہ میں کہا اچھا تو اپنے خدا سے کہئے کہ آپ کو بچائے یہ کہتے ہی اس نے تلوار کا وار کیا کہ یکایک اسکے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ چراغ پا ہوا تلوار اسکے ہاتھ سے گر پڑی حضور انور نے وہ تلوار اٹھالی اور کہا اب بول تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے وہ گھبرا کے لرزتے ہوئے لہجہ میں بولا اب تو میری جان آپ ہی کے ہاتھ میں ہے اگر آپ بچائیں تو میں بچ سکتا ہوں حضور انور نے اپنے دست مبارک سے تلوار پھینک دی اور فرمایا انسان کی ہستی نہیں کہ وہ کسی کو بچا سکے خداوند قدوس ہی بچا سکتا ہے۔ جا اور مخلوق خدا پر رحم کرتا کہ تجھپر بھی رحم کیا جائے اور سوائے خدا کے اپنا کوئی معبود نہ سمجھ۔ یہ کیفیت دیکھ کے وہ ششدر رہ گیا اور بطیب خاطر مسلمان ہوگیا۔ بھلا کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس نبی نے اپنے دشمن کے آگے تلوار پھینک کے غیر مسلح اُسے دین حق کی تلقین کی ہو اور وہ مسلمان ہوگیا ہو اس نبی کا دین تلوار سے کیونکر پھیل سکتا ہے واللہ باللہ ثم باللہ سوائے مسلمانوں کے اور کوئی قوم

دعوے نہیں کرسکتی کہ ہمارا مذہب تلوار سے نہیں پھیلا۔ فرضی اور زبانی الزام تو اور چیز ہیں کسی تاریخ سے کوئی یہ ثابت کر نہیں سکتا کہ اسلام کی اشاعت کے لئے ایک بار بھی تلوار اٹھائی گئی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ایشیا اور یورپ کے بڑے حصہ میں غیر مذہب کا نام ونشان بھی نہ رہتا۔

آپ ایک طرف تو پیشوائے مذہب ہادی برحق اور رہبر کامل تھے اور دوسری طرف اچھے سپاہ سالار اور اعلیٰ درجہ کے مدبر اور منتظم تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں دو عظیم الشان کام کئے اور وہ دونوں اپنی اپنی نوعیت میں لاثانی اور ایک بے نظیر دماغ کے فکر وخوض کا نتیجہ ہیں۔ پہلا اور سب سے بڑا کام آپ نے یہ کیا کہ تمام باطل معبودوں کی ہستی کو مٹا کے انسان کو ان کی ناپاک اطاعت کے بندھنوں سے سبکدوش کردیا اور ساری مخلوق کے عبادتی تعلقات کو توڑ کے صرف ایک ہی تعلق سے وابستہ کردیا یعنے سب کو خدا پرست بنا دیا۔ اب پرستش کے لئے نہ کوئی ولی رہا نہ پیر شہید نہ غوث ابدال حتی کہ پیغمبر تک نہیں ہر انسان کا تعلق براہ راست خداوند قدوس کے ساتھ مستقل اور مضبوط طریقہ سے قایم کردیا۔ یہ اور بات ہے کہ امت مرحومہ کے بعض افراد نے اپنی شومی طالع سے خدا پرستی کے رنگ کو بیرنگ کردیا اس سے اس تعلیم اور عقیدہ میں کچھ نقص نہیں آسکتا۔ دنیا کے پردے پر ایسا کوئی مذہب نہیں ہے جس نے خدا پرستی کی ایسی صاف اور سادے الفاظ میں تعلیم دی ہو۔ یہ تو حضور کا پہلا عظیم الشان کام ہوا جس کی مثال نہ انبیاء میں ملتی ہے نہ غیر انبیاء میں اب دوسرا عظیم الشان کام لیجے وہ تمدن ہے جس سے بہتر تمدن نہ آجتک بنا اور نہ بن سکتا ہے۔ نہ یہودیوں کا کوئی تمدن تھا نہ نصرانیوں کا پرانے رومی اور ایرانی تمدن مٹ مٹا کے خاک میں مل چکے تھے اسلام کے تمدن نے چند ہی سال کے بعد پرانے تمدنوں کو مغلوب کرلیا اور ایشیا اور یورپ کے بہت بڑے

حصہ میں اسلامی تمدن پھیل گیا۔ ان کی عمارات۔ محلات۔ قصور مشیدہ۔ لباس۔ اثاث البیت یونیورسٹیاں۔ مدارس۔ کالج۔ شفا خانے۔ سڑکیں۔ انتظام مملکت۔ تعلیم کی آزادی۔ مذہبی رواداری نہ آجتک ہوئی نہ ہوسکتی ہے۔ اسلام کے تمدن میں ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ فقیرانہ زندگی گزارو تو کچھ نکتہ چینی نہیں۔ امیرانہ طرز معاشرت اختیار کرو تو کچھ گناہ نہیں برہنہ بسر رہو تو کوئی برائی نہیں۔ کلاہ تتری پہنو تو کوئی عیب نہیں ایک چھوٹے سے حجرہ میں زندگی گزارو تو کچھ مضایقہ نہیں یا ایک زمرد نگار محل میں رہو تو کوئی ہرج نہیں۔ لباس چاہے جیسا پہنو۔ کھانا خواہ کیسا کھاؤ۔ مکان کسی وضع کا کیوں نہ ہو اسلام کو اس معاملہ میں کچھ حجت نہیں بلکہ اسلام دین کے ساتھ دنیا کو قایم رکھنا چاہتا ہے۔ خوشی اسلام کا ایک بہت بڑا جزو ہے نہ اس میں قیدیں ہیں نہ پابندیاں ہیں۔ ایک عجیب وغریب آزادی ہے جو دنیا میں کسیکو نصیب نہیں۔ تمدن اور اعلیٰ تمدن کا بڑا جزو مساوات ہے وہ اسلام ہی میں ملتی ہے اور کہیں بھی مساوات کا نام ونشان دیکھنے میں نہیں آتا۔ سب اسلام ہی کے تمدن کے کنوڑے ہیں اور ابھی تک انھیں تمدن کی پوری برکتیں حاصل نہیں ہوئیں۔ یورپ جو اپنے کو متمدن اور دوسری قوموں کو اپنے غرے میں نیم وحشی کہتا ہے ایک ناکامل تمدن کا مالک ہے یہاں ذات پات کا امتیاز اور جھگڑا موجود ہے۔ ایک میز پر ہر قسم کے آدمی بیٹھکے کھانا نہیں کھا سکتے بلکہ یہاں تک کہ اعلیٰ خاندان کے یورپی ادنے خاندان والوں سے مصافحہ تک کرنا اپنی تذلیل جانتے ہیں۔ اسلام کے تمدن کو دیکھیے کہ آقا اور غلام ایک ہی دسترخوان پر ایک ہی رکابی میں آزادی سے بیٹھ کے کھانا کھاتے ہیں۔ ملتے ہیں۔ مصافحہ کرتے ہیں آقا غلام کو سلام کرتا ہے سب ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں نہ صدر ہے نہ پائین کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ باتیں دوسری قوموں میں کہاں نصیب ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ شیخ سید مغل پٹھان کی کہانیاں بس ہندوؤں کے اثرات اور ان میں سلسلہ ازدواج پیدا کرنیکی وجہ سے

ہمالیہ کے اس طرف پیدا ہو گئی ہیں ورنہ تمدن اسلام میں نہ کوئی سید ہے نہ مغل ہے نہ پٹھان ہے نہ شیخ ہے سب مسلمان ہیں اور سب کی ایک ہی ذات ہے یعنی اسلام اور بس۔ جامی نے سچ کہا ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

عشق سے مطلب اسلام ہے جب تو نے اسلام قبول کر لیا پھر ذات پات کا ناپاک جھگڑا سب جاتا رہا صرف اتقا اور پرہیزگاری پر فضیلت وغیر فضیلت کا انحصار ہو گیا۔ خداوند قدوس کی نظروں میں وہی زیادہ عزیز ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے کوئی ہے جو دنیا کے کسی اور مذہب کو پیش کر کے اسکی یہ اعلیٰ تعلیم اور ایسا عالیشان تمدن دکھائے؟ اس سے زیادہ اس ہادی برحق رسول خدا امی و ہاشمی نبی فخر دوجہاں کی عظمت اور بزرگی کیا ہو سکتی ہے جس نے دنیا میں ایک نیا تمدن قائم کر کے ہدایت۔ ترقی اور مساوات حقوق کی لہریں پیدا کر دیں اور ظلمتکدہ میں نور چمکا دیا۔ پھر بھلا ایسے کامل اور دنیا کے عظیم الشان انسان یعنی محمد بن عبداللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس کی نعت کی جا سکتی ہے۔ دیکھو ذات پات کے جھگڑے سے عرب کے باشندے جنھوں نے ہندوستان فتح کیا تھا اس تقسیم سے بالکل ناواقف تھے بایں ہمہ اسلام اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اثر اس ملک میں بھی ضائع نہیں ہوا۔ کل شاہانہ مغلیہ بایں شان وشوکت مساجد میں حاضر ہوتے اور اپنی رعایا کے دوش بدوش نماز پڑھا کرتے تھے۔

اس تمدن اعظم کا جسکا مختصر خاکا آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا ایک اور بھی جزو ہے اور وہ ایسا جزو ہے جسپر آج نام نہاد متمدن یورپ اور امریکہ کو فخر ہے یعنی مجالس شوریٰ کا انعقاد یا جمہوریت کا طریقہ۔ مگر ابھی تک یہ ایک ناکامل صورت میں ہے اسکی کامل صورت تو تیرہ سو برس ہوئے متمدن خطہ

حجاز میں نظر آئی تھی اور پھر ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے غائب ہوگئی۔ اگرچہ یورپ اور امریکہ اسکی ناکامل نقل پیش کر رہے ہیں مگر ہو بہو مجلس شوریٰ کی وہ کامل صورت ابھی تک تو دیکھنے میں نہیں آئی۔ مثلاً فرانس ہی کو لو جہاں جمہوریت پورے زور کے ساتھ موجود ہے لیکن اس جمہوریت کے پریزیڈنٹ اور خودمختار شاہ کی شان و شوکت اور معاشرت و تمدن میں کچھ ایسا بین فرق نہیں ہے، رعایا کا انتخاب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پریزیڈنٹ اور غیر پریزیڈنٹ میں کچھ فرق نہ ہو۔ وہ مثل اور بھائیوں کے سڑک پر چلے۔ اس کے مکان میں کچھ تزک و احتشام اور پہرہ چوکی نہ ہو۔ جس سے وہ اپنے اور بھائیوں سے ممتاز ہو۔ ہر ادنے سے ادنے شخص جس وقت چاہے آزادی سے اس سے مل سکے اور اپنا درد دکھ کہہ سکے وہ اپنے غریب بھائیوں کے زمرہ میں آزادی سے اُٹھے بیٹھے۔ ان کی مجالس اور ان کی تقریبوں میں اگر بلایا جائے تو بطیب خاطر شریک ہو جائے اور کچھ تکلف نہ کرے۔ اپنی خدمات کا معاوضہ اسیقدر ہے کہ اگر اس کے کام پر کوئی اور ملازم رکھا جائے تو اسکی تنخواہ میں اور اسکے معاوضہ میں کچھ فرق نہ ہو۔ اس کی معاشرت۔ اسکے اخراجات اور اسکے کاموں پر اگر رعایا میں سے ایک ادنے فرد چاہے تو آزادی سے نکتہ چینی کر سکے۔ ان میں سے ایک بات بھی فرانس کے جمہوری بادشاہ میں نہیں پائی جاتی۔ ہزاروں ہندو مسلمان ابھی تک فرانس جا چکے ہیں۔ اسکے پائے تخت پیرس میں رہ چکے ہیں۔ انھوں نے ضرور وہاں کے جمہوری بادشاہ کی سواری دیکھی ہوگی کہ جس سڑک پر سے وہ گزرتا ہو اسوقت اس سڑک کے چلنے والوں کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ دوطرفہ راستے چند منٹ کے لئے بند کر دیئے جاتے ہیں پولس پہرہ پر آجاتی ہے جب جمہوری بادشاہ کی سواری نکل جاتی ہے پھر کہیں جا کے رستہ کھلتا ہے۔ اسکے بعد اسکی شان و شوکت کو دیکھئے اسکا اصطبل کچھ کم شان کا نہیں ہوتا۔ اسکا مکان اور اسپر سنتریوں کے پہرے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ دیگر اہلِ شہر سے ممتاز ہے۔

مگر اسلام میں یہ بات نہ تھی۔ حضور انور کی تعلیم نے سب کو سگا بھائی بنا دیا تھا حکومت مدینہ کے پریزیڈنٹ اور فرانس و امریکہ کے پریزیڈنٹ کی معاشرت اور رعایا کے ساتھ برتاؤ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ممکن ہے کہ یورپ دو سو چار سو سال کے بعد جب اپنی مصنوعی جمہوریت کو اسکی اصلی صورت میں لائے گا تو شاید اسلام کی جمہوریت کا رنگ اس میں پیدا ہو جائے۔ یہ باتیں عقیدتمندی اور خیال آفرینی پر ہرگز مبنی نہ سمجھی جائیں۔ مقابلہ میں آپ گورنمنٹ یا حکومت مدینہ کے پہلے پریزیڈنٹ کی حالت کو دیکھئے۔ آپ یعنی ابوبکر صدیق جب پریزیڈنٹ منتخب ہوئے تو کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ جیسے اب بھی فرانس و امریکہ کے پریزیڈنٹ کوئی نہ کوئی تجارت کرتے ہیں۔ پریزیڈنٹ نامزد ہونے کے بعد بھی آپ نے اپنی کپڑے کی تجارت کو نہ چھوڑا۔ یہ تجارت کچھ بہت بڑے پیمانہ پر نہ تھی کہ بڑا کارخانہ ہوتا بیسیوں متصدی اور منیجر ہوتے بلکہ یہ تجارت تھانوں یا پارچوں پر محدود تھی۔ آپ بوقت فرصت وہ کپڑا بیچنے نکلجاتے تھے اور اس طرح اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کرتے تھے۔ خیال کیجے کہ حکومت حجاز عرب کا پریزیڈنٹ کس سادگی اور غربت سے مدینہ کی شاہراہوں میں گاڑھے کے تھان بیچتا پھرتا ہے۔ کوئی ملازم ساتھ نہیں ہے کہ کپڑوں کی گٹھری اٹھانے میں اسے مدد دے بلکہ گٹھری کیا تو اسکی بغل میں ہے۔ یا کندھے پر ہے نہ اسے اپنی وجاہت کا خیال ہے نہ اس بات کا تردد ہے کہ کوئی مجھے کیا کہیگا وہ بہت آزادی سے شاہراہوں میں پھر رہا ہے۔ اور کپڑا بیچ رہا ہے۔ ایک قیمت کہدیتا ہے خواہ کوئی لے یا نہ لے۔ جو کچھ بکا وقت مقررہ میں بک گیا اور پھر وہ اپنی جگہ پر آکے پریزیڈنٹی یا اسلامی محاورہ کے بموجب خلافت کے اہم ترین امور اپنی کونسل میں بیٹھ کے بھگتانے شروع کر دیتا ہے۔ جب کچھ عرصہ اس رنگ میں گزر گیا تو کل کونسلیوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ابوبکر کو پارچہ فروشی کی اس تکلیف مالایطاق سے سبکدوش کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ وہ سب باہم مشورہ کرکے آپ کے پاس آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ابوبکر تم خلیفہ رسول اللہ ہو تمھارے پاس اسقدر

خلافت کے اہم ترین [illegible] موجود ہیں کہ تمہیں کم سے کم اس مشقت سے سبکدوشی تو ہوئی [illegible] سے دریافت کرتے ہیں تو پھر میری اور میرے بال بچوں کی معاش [illegible] کیا ہوگی. صحابہ رسول اللہ یا آپ کے کونسلی یہ کہتے ہیں کہ آپ بیت المال سے لے سکتے ہیں. یہ سنتے ہی آپ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں ہائیں یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ میں بیت المال سے اپنی پرورش کروں. اس میں میرا حق کیا ہے وہ تو عامہ مسلین کا مال ہے اور میں اسکا امین ہوں مجھے تو اس میں سے ایک حبہ لینا بھی گوارا نہیں ہے. کونسلی ششدر رہ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آپ اپنا اتنا قیمتی وقت محض انتظام مسلین کے لئے دیتے ہیں تو آپ اتنے بھی مستحق نہیں کہ بیت المال سے اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کی مقدار کے مطابق لیلیں. غرض اسی طرح ردو بدل ہوتی ہے. صحابہ رسول اللہ یا آپ کے کونسلی اسپر زور دیتے ہیں کہ ہم کپڑا تو آپ کو ہرگز نہ بیچنے دیں گے اگر ایسا ہوا تو عامہ مسلین کی صریح نا انصافی ہوگی. جب آپ مجبور ہو جاتے ہیں تو لرزتے ہوئے لہجہ میں کہتے ہیں اچھا تم سب لوگ ملکے قسم کھا سکتے ہو کہ بیت المال سے اس طرح لینا بُرا تو نہیں ہے. سب پاک دلی اور سچے جوش کے ساتھ قسمیں کھاتے ہیں اور اسوقت آپ سوا روپیہ روز قبول کر لیتے ہیں.

ہر شخص سوال کر سکتا ہے کہ کیا یورپ اس جمہوریت اور مساوات حقوق کی الف بے تے تک بھی پہنچا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہاں تک پہنچنے میں اُسے صدہا برس چاہئیں. دیکھا ہمارے پریزیڈنٹ کی یہ شان تھی اور اسوقت نام نہاد فرانس وامریکہ اور ان کے پریزیڈنٹوں کی یہ شان ہے جو آپنے ملاحظہ فرمائی.

اب اسکے بعد سچے اور حقیقی ایثار کی دوسری مثال سنئے جبوقت اسلام کے اس عظیم الشان خلیفہ یا محاورہ یورپ کے مطابق اس عالیشان پریزیڈنٹ کا انتقال ہونے لگا ہے تو اس نے

اپنے جانشین کو (جو مجمع عام میں اسکا صحیح جانشین نامزد ہو چکا تھا اور جسکی جانشینی پر بذریعہ اعلان کے عامۃ مسلمین سے رائے لی گئی تھی اور سب اسپر متفق ہو گئے تھے) بلایا اور کہا میری ایک وصیت ہے اسے سنو اور یاد رکھو اسپر عمل کرنا۔ میرا جو کچھ اثاثہ ہے وہ ایک لونڈی ایک اونٹ دو چادریں اور چند ہتیاریں۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ مجھے بیت المال سے ملتا تھا اس میں سے چند پیسے ضرور پس انداز ہوتے تھے۔ لہذا موجودہ اثاثہ ہیں وہ بچے ہوئے پیسے یا انکا کوئی حصہ ضرور لگا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ بار مجھپر رہے کیونکہ بیت المال کا ایک ایک حبہ عامۃ مسلمین کا ہے بس میری قوت لایموت میں جو کچھ صرف ہوا وہ تو ہوگیا باقی یہ کل مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ عمر فاروق حکومت اسلام کے دوسرے پریزیڈنٹ یا خلیفہ رسول اللہ نے کہا میں نے آپ کی وصیت کو سنا اور یاد کر لیا اور آپ کی وفات کے بعد اسپر عمل کرونگا چنانچہ آپ کی وفات ہوگئی تجہیز وتکفین وتدفین کے بعد عمر فاروق ابوبکر کے گھر میں آئے انکی بیٹی عائشہ صدیقہ کو ان کے عالیشان باپ کی وصیت سنائی۔ صدیقہ نے بہت آمادگی سے کہا لے جاؤ یہ سب چیزیں موجود ہیں منجملہ اور چیزوں کے ایک لونڈی بھی تھی جسکا ذکر ابھی آپ اوپر پڑھ چکے ہیں وہ لونڈی صدیق اکبر کے ایک سالہ بچہ کو دودہ پلاتی تھی اسکا بچہ سے جدا کرنا بہت مشکل تھا مگر اسکی پروانہ کی گئی اور وہ لونڈی بھی لیگئی۔ جب یہ کل سامان بیت المال میں پہنچ گیا اوہر لونڈی اور اونٹ بھی بیت المال کی فہرست میں داخل ہوگئے تو اب جو خلیفہ اعظم کے گھر میں نظر کی تو سوائے ایک چکی۔ ایک چولے اور ایک چادر کے جو صدیقہ کے بدن پر تھی کچھ نہ رہا تھا۔

صحابہ نے یہ کیفیت سن کے عمر فاروق سے کہا یہ آپ نے کیا کیا۔ ابوبکر کا یکسالہ بچہ کیونکر پرورش پائے گا۔ صدیقہ ایک چادر میں کیا کریں گی۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس رب کی جس نے محمد کو رسول برحق بنا کے بھیجا کہ میں رسول اللہ کے یار غار اور افضل المسلمین کی وصیت سے نہ انحراف کرنا چاہتا

ہوں تو اپنے خدا کے ہاں کا کوئی مواخذہ رکھنا چاہتا ہوں۔ اس جواب سے سب خاموش ہو رہے۔ اس سے بہتر تو کیا اسکے مساوی بھی بلکہ اس سے دویم درجہ کا بھی خلیفہ اعظم کے ایثار کا نمونہ یقیناً دوسری قومیں پیش نہیں کرسکیں۔

اے امی بنی ہاشمی ومطلبی اے فخر موجودات اے ہادی برحق اے دنیا کی رحمت آپ کی مقدس تعلیم اور آپ کی ذاتی معاشرت کا جو آپ کے صحابہ نے آپ کی دیکھی تھی یہ اثر تھا۔ سچ ہے زبانی گفتگو کا اتنا اثر نہیں پڑتا جتنا عمل کا پڑتا ہے۔ آپ کا ادب آپ کے صحابہ اسقدر کرتے تھے کہ دنیا میں کسی خود مختار سے خود مختار شاہ کو بھی یہ بات میسر نہ ہوئی۔ اسلئے ۲۳ برس میں آپ سے بہت ہی کم سوالات کئے گئے۔ جو کچھ آپ کرتے تھے صحابہ وہی کرنے لگتے تھے آپ وضو فرمارہے ہیں صحابہ دیکھ رہے ہیں پھر اسیطرح خود بھی وضو کرنے لگتے تھے۔ آپ کی نشست وبرخاست طریقہ گفتگو۔ طرز خطبہ خوانی۔ کھانا پینا وغیرہ غرض ہر حرکت کو صحابہ اپنے لئے بہت بڑا سبق جانتے تھے۔ آپ یقیناً مجسم تعلیم تھے آپ نے جمہوریت کی ایسی بنیاد ڈالی کہ نہ پہلے تھی اور نہ ابھی تک اسکا نام ونشان کہیں نظر آتا ہے۔ آپ کی مسجد جو آپ نے بنوائی تھی اور جس کی تعمیر میں آپ نے خود بھی کام کیا تھا۔ پارلیمنٹ۔ ہاؤس اف لارڈ۔ ہاؤس اف کامنز۔ چیمبر۔ کیبنٹ کونسل غرض جو کچھ تھی وہی مسجد تھی۔ تمام دینی احکام تمام امور سلطنت سب وہیں ہوتے تھے۔ آپ باوجود پیغمبر ہونے کے امور جہانداری۔ جنگ وصلح۔ پیش قدمی۔ انتظام اور دیگر امور ملت میں آزادی سے صحابہ سے مشورہ لیتے تھے اور بغیر مشورہ کے کوئی کام نہ کرتے تھے یا اگر مشورہ کسی معاملہ میں ٹھیک نہ بیٹھا تو آپ وحی کا انتظار کرتے تھے۔ وہ وحی جیسا کہ خود خداوند تعالے فرماتا ہے ونزلہٗ علی قلبک آپ کے پاک اور مقدس دل میں جوش مارتی تھی اور پھر اسکا چشمہ اُبلتا تھا۔ غرض آپ نے اپنی نیک اور بے نظیر معاشرت سے یہ تعلیم اپنے صحابہ کے دلوں میں مضبوطی سے جما دی کہ بغیر مشورہ کے کچھ نہ کرنا۔ ایک امیر کا ہونا تو بے شک ضروری ہے مگر امیر بغیر مشورہ کے کچھ

نہ کرے۔ یہ مشورہ ہی جمہوریت کی بنیاد ہے اور یہی اسلام کا بہت بڑا اصول ہے جسکا حکم قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔

سچے سچ نعت تو اسی خیر البشر کی زیبا ہے جس نے اس کرہ ارض کی ستم رسیدہ مخلوق کو آزادی اور راحت بخشی اور ایسے تمدن کی بنیاد ڈالی جس سے راجا و پرجا امیر و غریب یکساں راحت سے زندگی بسر کریں۔ اس نے دولتمندی یا حسب نسب کے کل امتیازات اڑا کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا نہ امیر نے اپنے کو امیر سمجھا نہ غریب نے غریب۔ اس کی شان جمہوریت اسکے خدام میں ایسی جلوہ نما ہوئی جس سے آجکب یورپ کی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوتی ہے مثلاً فاروق اعظم کی خلافت یا پریزیڈنٹی کا زمانہ لو جس نے ایک ایسا سماں پیدا کر دیا ہے کہ دوسری نام نہاد متمدن قومیں ہونٹ چاٹتی ہیں۔ اور ان سے بن نہیں آتا عین جلسہ میں جبکہ خلیفہ اعظم خطبہ پڑھ رہا ہے یعنی اپنی پارلیمنٹ میں معاملات سلطنت پر بحث کر رہا ہے۔ ہزاروں آدمی اس کا بیان سن رہے ہیں اور اس کے ایک ایک لفظ کو سلطنت کا ایک زبردست قانون خیال کر رہے ہیں کہ اسی اثنا میں ایک بڑھیا اٹھتی ہے اور کہتی ہے کہ بس ہم تیری اطاعت نہیں کرنا چاہتے۔ نہ تیری بات سنا چاہتے ہیں تو چور ہے لہذا چور خلیفہ نہیں بن سکتا۔ خلیفہ اعظم چار لاکھ جرار سپاہ کا مالک شام۔ مصر۔ قادسیہ۔ ایران یعنی قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے بہت سے ممالک کا حکمراں۔ حجاز عرب۔ عراق عرب کا بادشاہ کہتے کہتے چپکا ہو رہتا ہے اور ملائمت سے اس بڑھیا سے دریافت کرتا ہے کہ میں نے کیا چوری کی۔ وہ جواب دیتی ہے کہ یمن کی چادریں جب تقسیم ہوئی تھیں تو مثل اوروں کے تیرے حصہ میں بھی ایک چادر آئی تھی مگر تو گرانڈیل لمبے قد کا جوان ہے ایک چادر میں تیری قمیص نہیں بن سکتی ہر شخص اس قمیص کو جو تو پہنے ہوئے ہے دیکھ کے کہدے گا کہ ہرگز یہ ایک چادر کی بنی ہوئی نہیں ہے۔ اس آتش بیانی اور ہتک آمیز الفاظ کا جواب گردن جھکا کے اور بہت ہی نرمی سے یہ دیا جاتا ہے۔ ہاں یہ تو سچ کہتی ہے کہ میری

قمیص ایک چادر میں نہیں بلکہ ڈیڑھ چادر میں بنی ہے مگر نصف چادر میں نے چرائی نہیں بلکہ اپنے بیٹے عبد اللہ سے لی ہے کیونکہ اسکی نصف چادر میں کرتا بن گیا۔ اسی پر ہی اکتفا نہیں ہوتا بلکہ اس عظیم الشان دربار میں اپنے بیٹے کو بھی بطور شہادت پیش کیا جاتا ہے جو صاف دلی اور دلیری سے کہتا ہے کہ نصف چادر اپنے حصہ میں سے بیٹے اپنے باپ کو دی ہے۔

قحط پڑ رہا ہے گرد و نواح سے فاقہ کش مدینہ میں جمع ہو رہے ہیں اور خلیفہ اعظم رات رات بھر آٹے کی بوریاں اور سامان خورد و نوش اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے مختلف مقامات میں فاقہ کشوں کو تقسیم کرتا پھرتا ہے۔ بعض صحابہ مُصر ہوتے ہیں کہ آٹے کے تھیلے ہمیں دیجیے۔ ہم سے چلیں جواب دیا جاتا ہے آخر کیوں یہ فرض تو میرا ہے مجھے یہ بار اُٹھانا چاہیئے تم اس بار کے اٹھانے کی کیوں تکلیف برداشت کرو۔

جنگ قادسیہ کی خبر لینے کے لئے آپ روزمرہ کئی کئی میل تک نہایت اضطرابی سے جا رہے تھے اخیر ایک دن فتح کی خبر کے قاصد آ ہی گیا آپ نے رستہ میں اُس سے دریافت کیا اُس نے خلیفہ کو نہ پہچانا مگر خوشی میں فتح کی خبر سنا دی آپ اس کے گھوڑے کی باگھ پکڑے ہوئے کئی میل تک بھاگے ہوئے پا پیادہ مدینہ تک آئے راستہ میں اس سے باتیں کرتے رہے اور جنگ کے متعلق جو کچھ اسے معلوم تھا وہ سب دریافت فرماتے رہے۔ جب مدینہ شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں نے تعجب سے دریافت کیا کہ امیرالمومنین آج ایک معمولی سپاہی کے گھوڑے کی باگھ پکڑے ہوئے کہاں سے آ رہے ہیں تو اسوقت اس سوار کو معلوم ہوا وہ بیچارہ گھوڑے پر سے اُتر آیا۔ مگر خلیفہ اعظم پہلے ہی سے مسجد نبوی کی طرف قدم اُٹھا چکے تھے۔

حضرت علی اپنے زمانہ پریزیڈنٹی میں بنفس نفیس ایک یہودی پر دعوے کرنے کے لئے قاضی کی عدالت میں آئے۔ مقدمہ ایک زرہ کے متعلق تھا جس پر آپ نے دعوے کیا تھا۔

مثل عام مدعیوں کے آپ نے قاضی کی عدالت میں آکے اپنا حلفیہ بیان دیا اور مقدمہ کی مثل وروں کے پیروی کی۔

یہ خلفا رتھے یہ ان کی سادگی تھی اور یہ قانون مساوات کی پابندی تھی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ موجودہ زمانہ میں یورپ وامریکہ کسی ریاست میں بھی اسکے پریزیڈنٹ کے یہ اوصاف ہوں گے نہیں ناممکن ہیں۔ سچ یہ ہے ابھی تک یورپ وامریکہ کو اُس عالیشان تمدن کی ہوا تک بھی نہیں لگی ہے جو محمد بن عبداللہ دنیا کے عظیم الشان مصلح نے قایم کیا تھا۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یورپ نے بہت سی باتیں ہماری لیلی ہیں مگر اسکا تمدن ادھری تمدن ہے جسکی نہ کوئی بنیاد ہے اور نہ کوئی مضبوط اصول ہے یہی وجہ ہے کہ یورپ کے تمدن کے اصول روز بروز تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ہرگز نہ سمجھئے کہ وہ زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے جب اس قسم کی سادگی کام دے جاتی تھی۔ اگر آج وہی طریقہ برتا جائے تو لوگ کیا کا کیا سمجھنے لگیں۔ آپ اگر کچھ واقفیت رکھتے ہیں تو فرانس کے دو پریزیڈنٹوں کی معاشرت پر خیال فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گی کہ اب بھی فرضی متمدن یورپ اسی تمدن کو زیادہ پسند کرتا ہے جو اسلام کے بہت ہی قریب ہو۔ چنانچہ فرانس کا سابق پریزیڈنٹ شاہانہ جاہ وجلال رکھتا تھا۔ اسکے اصطبل میں کم سے کم سو سوا سو گھوڑے بندے رہتے تھے علاوہ اور پہروں کے اُس کے بستر کے پاس چند سنتریوں کا پہرہ لگا رہتا تھا جو گھنٹہ گھنٹہ بھر کے بعد بدلتا رہتا تھا۔ جب اسکی سواری نکلتی تھی تو راستے رُک جاتے تھے۔ بغرض جس طرح خودمختار سلاطین کی معاشرت ہوتی ہے کم وبیش یہی معاشرت سلطنت جمہوری فرانس کے پریزیڈنٹ کی تھی۔ مگر جب پنکاری نامی پریزیڈنٹ حال ہی میں (۱۹۱۳ء کے آغاز میں) اسکی جگہ ہوا تو اس نے اصطبل وغیرہ سب گاؤخورد کردئے۔ بستر کا پہرہ اٹھوا دیا سواری میں یہ سادگی برتی کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ پریزیڈنٹ جا رہا ہے یا دفتر کا کوئی معمولی کلرک۔ اس طرز معاشرت سے اسکی بہت تعریف ہوئی اور یورپ کی نظروں میں بہت ہی ہر دلعزیز بنا۔ دیکھو جس معاشرت اور تمدن کا

قرب اسلام سے ہوگا اسکی آج اس الحادی زمانہ میں بھی تعریف کیجائے گی۔ اس بداہت سے تو کبھی کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

مسیح ابن مریم کی کوئی تعلیم نہ تھی۔ نہ انھوں نے کوئی تمدن قایم کیا نہ ان کی کوئی مستقل معاشرت تھی نہ وہ بحیثیت مصلح کے کامیاب ہوسے۔ پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ ان کے فرضی یا اصلی متبعین ایک مستقل اصول تمدن اسپنے ہاں قایم کرتے اور اسکا رواج دیتے۔ نام نہاد نصرانیوں نے تو جو کچھ سیکھا مسلمانوں سے سیکھا جن کی تعلیم کامل ہوئی وہ مسلمان بن گئے اور جو پوری تعلیم نہ پاسکے وہ ادھورے رہ گئے۔

آج اسلامی شان وشوکت مٹ رہی ہے اور ہماری بداعمالی سے اُسے تنزل ہو رہا ہے تو بھی اسلامی تمدن کا جلوہ کچھ نہ کچھ نمایاں ہوہی جاتا ہے۔ آپ ٹرکی میں جائے جہاں انتظام وغیرہ کی ابتریاں دیکھیں گے وہاں یہ ضرور ملاحظہ کریں گے کہ والی یعنی گورنر جنرل معمولی لباس ہی عام مسلمانوں میں پھرتا نظر آئے گا مسجد میں اسی انکساری سے جو اسلام کا خاصہ ہے۔ نماز پڑھنے چلا آئے گا۔ غربا کے دوش بدوش بغیر کسی اکراہ کے کھڑے ہوکے دوگانہ نماز کا ادا کرے گا۔ ہر شخص اس سے آزادی سے ملکے باتیں کرسکتا ہے کسی قسم کا جاہ وحشم اس کے ساتھ نہیں ہونے کا۔ جب تک کوئی شناسا نہ ہو پہچان نہیں سکتا کہ یہ گورنر جنرل ہے۔ ایک ہی دسترخوان پر امیر غریب شیخ سید مغل پٹھان کھانا کھاسکتے ہیں اور کھاتے ہیں کسی قسم کا اکراہ نہیں ہوتا۔ آنے والا بیٹھنے والے کو خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو سلام کرتا ہے۔ مصافحہ کرتا ہے مزاج پرسی کرتا ہے اور بخندہ پیشانی باتیں کرتا ہے برخلاف یورپ کے کہ یہ ساری باتیں وہاں مفقود ہیں۔ وہ بالکل غیر غیر ہیں۔ امتیاز اس قدر رائج ہے کہ آہی تو بہ حسب نسب کا بہت بڑا خیال ہے اپنے سے کم مرتبہ سے ہاتھ ملانا سخت ذلت خیال کیا جاتا ہے دوسرے تکلفات ایسے بڑھے ہوئے ہیں جنھوں نے اصلی تمدن کو خاک میں ملا دیا ہے ہر

معاملہ میں بڑائی چھوٹائی کا ضرور لحاظ کیا جاتا ہے اور امتیاز مدارج تو اس قدر برتا جاتا ہے کہ یورپ بھر میں مساوات کا کہیں نام ونشان نہیں۔ مثلاً یہ مقررہ قاعدہ ہے کہ بڑا آدمی چھوٹے درجہ کے آدمی کی طرف مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے ہاتھ بڑھانے سے سمجھ لیا جائے گا کہ یہ بڑا آدمی ہے اور اگر کسی نے اسکے خلاف کیا اور بدقسمتی سے چھوٹے آدمی کا ہاتھ پہلے مصافحہ کے لئے بڑھ گیا تو اس سے زیادہ بدتہذیب اور نامعقول کوئی بھی نہیں ہے۔

ہم ایسے عظیم الشان نبی کی کیوں نہ نعت کریں جس نے ایک ایسے اتحاد کی بنیاد ڈالی۔ کہ باوجود انتزاع سلطنت کے بھی وہ اتحاد جوں کا توں باقی ہے۔ اور اسکا جلوہ ہر وقت نظر آتا ہے مثلاً آپ کہیں سفر کریں خواہ چین اور افریقہ میں جائیں آپ کی خواہ کیسی ہی صورت اور لباس ہو جہاں آپ نے السلام علیکم کہا جماعت کی جماعت نے سمجھ لیا کہ آپ بھی اسلام کے عالیشان کنبہ کے ایک رکن ہیں جماعت خواہ چینی مسلمانوں کی ہو خواہ افریقی مسلمانوں کی۔ نہ تعارف کرانیکی ضرورت ہے اور نہ جان پہچان اور سفارش کی حاجت۔ سب اسیوقت مثل سگے بھائیوں کے ہو جاتے ہیں اختلاف مرز وبوم۔ زبان۔ قومیت اور معاشرت کچھ بھی نہیں رہتا۔ بظاہر مسلمان مختلف الخیال ضرور ہیں مگر اصول میں سب متحد ہیں۔ ایک قبلہ۔ ایک نبی اور ایک خدا کو سب مانتے ہیں اور جب ضرورت ہو اور کوئی زبردست طبیعت کا شخص چاہے تو یہی مختلف الخیال مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکتے ہیں۔

ہمارے شاندار پیغمبر کی تعلیم کا اثر دیکھئے کہ باوجود ملکی لڑائیوں اور خونریزیوں کے بھی سب سگے بھائی بنے رہے اگرچہ ان کی بدقسمت جنگوں سے سلطنت کا زوال ضرور ہوا مگر اسلامی اتحاد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سب سے بڑی مثال ہندوستان کو لو یہاں مختلف الخیال ہی نہیں بلکہ مختلف العقاید لوگ آباد ہیں۔ فرقہ بندی جتنی مسلمانوں میں یہاں ہے اور کسی اسلامی ملک میں ایسی نہ ہوگی اور فرقہ بندی کا احساس جیسا یہاں قوی اور پر زور ہے شاید ہی اور کسی ملک میں ہو۔ رہا بی۔

اہل حدیث۔ مقلد۔ صوفی۔ رافضی۔ نیچری۔ گورپرست۔ اور ان کے علاوہ مختلف العقاید مسلمان
اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ العظمۃ للہ مگر جب یورپ کی بعض جابر سلطنتوں نے ترکوں کے
ممالک پر تاخت و تاراج کی تو سب ایک ہی زبان ہو گئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سب نے زبان
سے اور روپیہ سے اپنے بھائی ترکی مسلمانوں کو مدد دی۔ نہ وہابی اس اتحاد سے علیحدہ رہے
نہ اہلحدیث اور مقلد نہ رافضی اور نیچری۔ ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک
ایک لہر تھی جو خاص اس امر میں اتحاد کی پیدا ہو گئی تھی۔ ایسا عالمگیر اتحاد کسی دوسرے پیغمبر کی
اُمت میں نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ سات آٹھ کروڑ مسلمانوں میں ایک فرد واحد بھی تو ایسا نہیں معلوم ہوا
جو اس اتحاد سے خارج ہوا ہو۔ سب کے دل پر ایک چوٹ تھی اور سب اپنے بھائی ترکوں کی زار
حالت سُن سُن کے آبدیدہ ہوئے چلے جاتے تھے۔ ایک اس زندہ اور توانا مثال سے حضور
انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ آپ نے دیکھ لیا دوسری مثال اسی ہندوستان
میں اور اسی زمانہ میں یہ دیکھئے کہ جب خداوند قدوس نے ترکوں کی پھیری اور انھوں نے
دوبارہ ایڈریانوپل فتح کیا ہے تو ہندوستان کے کل مسلمانوں نے بلا امتیاز عقاید یکساں
خوشی منائی ان کے اخبارات ان کے خیالات کے ترجمان موجود ہیں کیونکہ اسوقت قریب قریب
کل مسلمان فرقوں کے اخبارات شایع ہوتے ہیں سب بہجت و انبساط کا یکساں ترانا گاتے رہے
ہر شہر میں خوشی کے جلسے ہوئے ان جلسوں میں جوق جوق مختلف العقاید مسلمان شریک ہوئے
شہر چراغاں کئے گئے اور جو کچھ اس اظہار خوشی میں خرچ ہوا اس میں کل مختلف العقاید مسلمانوں
نے بلا اکراہ چندہ دیا۔ بس اس سے زیادہ اس آخرالزماں نبی۔ خاتم النبیین۔ فخر موجودات۔
کا زندہ اور دائمی معجزہ نہیں ہو سکتا۔ جل جلالہ و عم نوالہ کہ تو نے ایسے شاندار اور بے نظیر نبی
کی امت میں ہمیں پیدا کیا اور اسلام ہمارا دین بنایا۔ ہمیں زیبا ہے کہ ہم اپنے نبی کی شان
اقدس و اطہر میں یہ زمزمہ سنجی کریں اور اسپر سلام بھیجیں۔

السلام اے قیمتی تر گوہر دریائے جود — السلام اے تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود

السلام اے آنکہ تا از جبۂ آدم بتافت — نور پاکش کس نبرد از قدسیاں ورا سجود

السلام اے آنکہ زنگ ظلمت کفر و نفاق — صیقل تیغ تو از آئینہ گیتی زدود

السلام اے آنکہ نامد در ہمہ کون و مکاں — تیز بینان را بجز نور تو در چشم شہود

السلام اے آنکہ بہر فرش راحت یافت مہر — اطلس را کش ز شب کردند تا را ز روز بود

السلام اے آنکہ ابواب شفاعت روز حشر — جز کلید لطف تو بر خلق نتواند کشود

السلام اے آنکہ تا بودم دریں محنت سرائے — در سرم سودا و در جانم تمنائے تو بود

صد سلامت می فرستم ہر دم اے فخر کرام
بو کہ آید یک علیکم در جواب صد سلام

علی بن ابیطالب

آپ ہی دنیا میں ایسے شخص ہوئے ہیں جن کی شخصیت عجیب وغریب مختلف پیرایوں میں دیکھی جاتی ہے ایک گروہ آپ کو خداوند تعالے کا مجسمہ مانتا ہے اسکا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالے علی کی صورت میں دنیا میں آئے تھے۔ دوسرا گروہ آپ کو خدا کا چھوٹا بھائی یقین رکھتا ہے اسکا یہ بھی خیال ہے کہ خدا نے کائنات کے کل کام علی کے سپرد کر دئے ہیں اور آپ گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ جبرئیل بہک گیا وحی تو بھیجی تھی علی کے پاس لے آیا محمد کے پاس۔ ایک اور جماعت کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیا۔ کی کل صفتیں علی میں ہیں اور اپنے اس ادعا کو ثابت کرنے کے لئے انھوں نے حدیثیں بھی بنالی ہیں۔ ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ معرفت۔ طریقت ولایت وغیرہ علی کی ذات سے نکلی ہے اور علی ان اوصاف کے معدن ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ باقی تین صحابہ سے افضل ہیں اور خلیفہ برحق ہیں۔ پھر ایک گروہ اور ہے جو کہتا ہے کہ سوائے ان کے کوئی خلیفہ یا حقیقی جانشین رسول اللہ کا نہیں ہوا یہی وصی تھے یہی سچے خلیفہ تھے اور یہی حامل شریعت اور روحانیات میں رسول اللہ کے رازدار تھے۔ ان ہی کو سب کچھ رسول اللہ نے بتا دیا جو یہ جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ ایک کتاب بھی انھیں لکھی ہوئی دی گئی اور وہ کتاب قرآن مجید سے دگنی تگنی بڑی ہے اور وہ امام غایب کے زانو پر رکھی ہوئی ہے اس میں جو کچھ دنیا میں گزر چکا ہے اور جو آیندہ گزرے گا۔ سب حال من وعن درج ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ علی برحق خلیفہ ضرور ہیں مگر ان کا مرتبہ باقی تین خلفاء سے نیچے ہے۔ فقط

یہ تو وہ گروہ ہوئے جو آپ کے مداح ہیں بعض نے مبالغہ اور بہت مبالغہ سے کام لیا ہے

اور بعض نے کم مبالغہ سے مگران کے مقابلہ میں مسلمانوں ہی میں کئی گروہ اور موجود ہیں۔ جو آپ کو دشمن اسلام۔ اول درجہ کا اسلام میں فساد پھیلانے والا۔ دشمن رسول اور کافر بلکہ اکفر جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں پہلے اسی شخص نے تلوار چلائی اور اسی شخص نے ہمیشہ کے لئے اسلام میں فساد کا بیج بویا۔ یہ بہت ہی نادان اور لالچی شخص تھا اس نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ عیش ونشاط میں گزارا۔ یہ زندگی میں سدا رسول خدا کا دشمن رہا اور اس بات کی کوشش میں لگا رہا کہ رسول اللہ کل عہد سے مفتوحہ ممالک کے اور اپنے کل کام یعنی اپنا کل دروبست میرے سپرد کر دیں۔ اس نے ہمیشہ رسول اللہ اور ان کی صاحبزادی خاتون محشر کو رنج دیا۔ رسول اللہ دنیا سے علی سے سخت رنجیں رخصت ہوئے اور اُن کی صاحبزادی کو تو جلا جلا کے مار ڈالا یا زہر دے دیا۔

باوجود خوشحالی اور ثروت ہونے کے بھی بنت رسول پر وہ ظلم کرتا تھا کہ آپ ہی تو بہ چکیاں پسوائیں۔ مسالے رگڑوائے۔ کپڑے سلوائے اور پھر پیٹ بھر اور روٹی کبھی نہ دی۔ رات دن کا فضیحتی رکھی اور بندۂ خدا نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک دم خوش نہیں گزارا۔

اسکی کوشش تھی کہ سب کچھ میں ہی بن جاؤں۔ ابوبکر کے زمانہ خلافت میں بہت کچھ سازشیں کیں مگر کامیاب نہیں ہوا پھر عمر فاروق کے زمانہ میں سازشوں کے جال بچھائے مگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ باوجود ناکامی کے اس شخص نے اپنی سازشی چالیں برابر جاری رکھیں اور اخیر عثمان کے زمانہ میں پوری بغاوت کرادی۔

محض اس خیال سے کہ لوگ مجھے قاتل عثمان نہ خیال کریں۔ اپنے دو بیٹوں کو عثمان کی نگرانی کے لئے اسوقت بھیجا کہ جب باغیوں نے مکان کا محاصرہ کرلیا تھا اسپر لطف یہ کہ ان کے دونوں صاحبزادے کھڑے بھی ہوئے تو اس دروازہ پر جہاں پہرہ دینا فضول تھا۔ بایں ہمہ علی کی کم عقلی نے اس بات کو آشکارا کر دیا کہ عثمان کے خون میں علی کا ہاتھ یقینی ہے علی جوش دشمنی

یا طمع خلافت میں اپنے انتقامی جذبات کو نہ دبا سکے اپنے دو بیٹوں حسن حسین کو تو فرضی نگہبان بنا کے ایک دروازہ پر بھیج دیا مگر اپنے پروردے محمد بن ابی بکر کو تلوار دے کے بھیجا کہ تو باغیوں کے ساتھ ورانا گھس جا اور عثمان کی ڈاڑھی پکڑ کے اسکی گردن کاٹ لا۔ چنانچہ حکم ملتے ہی وہ گیا اُس نے آگے بڑھ کے ڈاڑھی پکڑ لی۔ تلوار مارنی چاہتا تھا کہ عثمان نے پر اثر لہجہ میں یہ کہا۔ محمد یہ وہی ڈاڑھی ہے جسکی تیرا باپ عزت کرتا تھا۔ اس جملے نے بجلی کی طرح اثر کیا اور محمد ڈاڑھی چھوڑ باہر نکل آیا۔

محمد بے شک ابوبکر کا بیٹا ہے مگر ابوبکر کے انتقال پر شاید اس کی عمر زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی سال کی ہوگی۔ ابوبکر کی بیوہ سے جس کے بطن سے محمد تھا علی نے نکاح کر لیا اور اب محمد کی پرورش کا دارومدار علی ہی پر رہا۔ گویا محمد علی کا لے پالک بچہ تھا چونکہ بیوی کی خاطر منظور تھی اس لیئے علی نے محمد کو بہت محبت سے پالا۔ محمد علی ہی کی آغوش میں پلے اور بڑے ہوئے وہ حسنین سے زیادہ علی کی اطاعت کرتا تھا۔ لہذا ان تعلقات کی بنا پر ہوشیار تو درکنار ایک ناداں سے ناداں شخص بھی یہ نہیں سمجھ سکا کہ ایسا خوفناک اور نازک امر یعنی باغیوں کے ساتھ محل خلافت میں گھس جانا اور سب سے پہلے خلیفہ کی ڈاڑھی پکڑ لینا اور گردن مارنے کے لئے تلوار سوت لینا۔ بغیر علی کے حکم اور ہدایت کے نہ محمد کو جرأت ہو سکتی تھی نہ وہ ایسا غیر متعلق فعل کر سکتا تھا۔ عثمان کا محمد سے کوئی تنازع نہ تھا نہ اس کے باپ سے کوئی بگاڑ تھا اسے کیا غرض پڑی تھی کہ وہ بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی ذمہ داری اور ایک مظلوم خون اپنی گردن پر لیتا۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو علی کو منافق اور عہد شکن بتاتا ہے اسکا یقین ہے کہ علی منافقوں سے ملا ہوا تھا اور ان سے کئی بار رسول اللہ کو زہر دینے کا مشورہ کر چکا تھا۔ چونکہ نبی کو کھٹکا تھا انھوں نے جب اپنی بیٹی فاطمہ زہرا کا نکاح علی کے ساتھ کیا ہے تو یہ اقرار نامہ لکھوا لیا تھا کہ فاطمہ کی زندگی میں وہ دوسرا نکاح ہرگز نہیں کرنے کا۔ مگر علی اس عہد پر قایم نہیں رہا اس نے

فاطمہ کی زندگی ہی میں ابوجہل کی بیٹی سے ساز باز شروع کر دی یہاں تک کہ منگنی ہو گئی جب رسول کریم کو معلوم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور علی پر اپنی سخت ناراضی اور غصہ کا اظہار فرمایا۔ اسی گروہ کا یہ خیال ہے کہ علی کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی مسلمان نہیں ہوا۔ اور اگر ابوبکر و عمر و عثمان نہ ہوتے تو کبھی کا رسول اللہ کو مار اتارتا۔ فقط

ان مختلف خیالات کے لوگ عرصہ دراز سے مسلمانوں میں موجود ہیں۔ اور ان کے نام جداجدا ہیں۔ رافضی۔ سنی۔ بدعتی۔ خارجی۔ ناصبی اور غالی۔ جو خیالات اوپر ظاہر کئے گئے وہ ان ہی گروہوں کے ہیں۔ میں نے ان فرقوں کی کتابوں کو غور سے پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ دراصل افراط تفریط میں یہ کل گروہ ڈوبے ہوئے ہیں۔ سچی سچی باتیں ایک جماعت میں بھی رائج نہیں ہیں۔ واقعات میں جہاں عقاید کا میل ہو گیا بس پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کبھی الگ الگ نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ہاں بڑا ستم یہی ہے کہ تاریخ اور روایت میں عقیدہ کو دخل دے دیا ہے جس نے واقعات کی صحت کو ملیامیٹ کر کے خاک میں ملا دیا۔ اس سے لوگ ایسے گمراہ ہوئے کہ ایک ہی شخص کو ایک گروہ خدا سمجھ رہا ہے تو دوسرا شیطان۔ باہمی منافرت اور پھر عداوت کی یہی وجہ ہوئی۔ کہ ایک شخص کے اصلی حالات پر تو پردہ پڑا رہا۔ اسکے مداحوں نے اُسے آسمان پر چڑھا دیا اور اسکے مخالفین نے اسے تحت الثریٰ میں پہنچا دیا۔ پھر روایت بازی ہونے لگی۔ نسلاً بعد نسلٍ جماعت اور فرقہ بندی ہوتی گئی ایک نے علی کو مشکلکشا کا لقب دیا تو دوسرے نے اسلام میں مشکلات پیدا کرنے والا اسے خیال کیا۔ ایک مقام پر یاعلی کے نعرے سنائی دیتے ہیں تو دوسرے مقام پر لعن طعن کی آوازیں آرہی ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ تیرہ سو برس میں ابھی تک ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جسمیں حضرت علی کے حالات صحیح صحیح بیان کئے جاتے نہ عقیدہ کو کام میں لایا جاتا اور نہ تعصب کو فی الواقع اگر ایسی کوئی کتاب ہوتی تو سنی اور شیعوں میں جو اختلاف پیدا ہو گیا ہے اس میں بہت کچھ سہولت ہو جاتی۔ اس سے یہ بھی نتیجہ پیدا ہوتا کہ نہ تو حضرت

علی خدا یا خدا کے بھائی اور معصوم قرار دیئے جاتے اور نہ کافر و منافق بنائے جاتے قاعدہ ہے کہ جب دو فریق میں ایک معاملہ کی نسبت اختلاف پیدا ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ اختلاف کی بہت سی شاخیں نکل آتی ہیں اور وہ روز بروز بڑھتی جاتی ہیں اور پھر ایک علیحدہ مذہب قایم ہوجاتا ہے اگر خداوند تعالے نے ہماری مدد کی تو ہم دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ایسا علیحدہ کرکے دکھا دینگے کہ پھر سنی و شیعوں میں کسی کو دم زدن کا یارا نہ ہوگا کیونکہ دونوں فریق کی مسلمہ روایتوں سے بحث کی جائے گی اور دکھایا جائے گا کہ روایتوں کے بے سرو پا طوفان نے حضرت علی کی اصلی شخصیت کو کس قدر تاریکی میں ڈال دیا ہے کہ ان روایتوں کا دیکھنے والا حضرت علی کے حالات پڑھ کے بھی نہیں سمجھ سکتا کہ حضرت علی انسان تھے یا فرشتہ تھے یا کوئی اور مخلوق تھے۔ ان کی شخصیت مطلق سمجھ میں نہیں آتی ان کے اصلی حالات پر روز پیدایش سے لیکے روز وفات تک ایسا پردہ ڈالا گیا ہے کہ دیکھنے والا پریشان ہوجاتا ہے کہ میں اصلی حالات کا پتہ کیونکر لگاؤں۔

ہم نے اسکی اس قدر تحقیق کی ہے کہ باید و شاید سالہا سال تک اسی کی کوشش میں گزار دئے کہ حضرت علی کے صحیح حالات بہم پہونچائیں اور وہ ایسے صحیح حالات ہوں کہ کوئی فریق مطلق ہوں ہاں نہ کرسکے اور اُسے ماننا ہی پڑے۔ اسیطرح پھر حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے حالات ہیں جن پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ کتابوں میں تو سب کچھ موجود ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ جس طرح بحر ذخار میں غوطہ لگانے اور جستجو کرنے کے بعد بمشکل سے موتی بہم پہنچتا ہے اسیطرح بیسیوں ضخیم کتابوں کے دیکھنے کے بعد صحیح واقعات بمشکل ملتے ہیں مگر جب وہ واقعات مل جاتے ہیں تو جس طرح پانی کا نکلا ہوا موتی بغیر کسی اختلاف کے دُرِّ شاہوار تسلیم ہوتا ہے اسیطرح یہ چھنے ہوئے صحیح واقعات تاریخ کے زریں صفحات بن جاتے ہیں ان میں خاص طور پر ایک کشش کا مادہ ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ کیونکہ جب صداقت

میں ایک زبردست قوت مانی گئی ہے تو وجہ نہیں کہ صحیح حالات ہیں و وقوت نہ ہو اور لوگ خواہ کسی عقیدہ اور مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کریں۔

ہم نے یہ التزام کیا ہے کہ پہلے حضرت علی کے واقعات زندگی صحیح صحیح اور پورے پورے درج کردیں اور پھر حضرت امام حسن اور امام حسین کے حالات زندگی ضبط تحریر میں لے آئیں مگر محض واقفیت عامہ اور ساتھ ہی تفنن طبع کے لئے یہ انتظام کریں گے کہ ہر صفحہ کے دو حصہ قرار دیں گے ایک اوپر والے حصہ میں تو اپنی تحقیق سے واقعات درج ہونگے اور نصف ذیل کے حصہ میں جسے لوگ حاشیہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں من وعن وہ حالات لکھدیں گے جو ہمارے شیعی بھائیوں کے مایۂ ناز ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے کل مذہب کا دارومدار ان ہی حالات پر ہے۔ وہ حالات حقیقت میں ایسے دلکش ہیں کہ جنھیں قصہ یا ناول خوانی کا مذاق ہو گا وہ ان حالات کے پڑھنے کے بعد پھر کسی قصہ یا ناول کو ہاتھ بھی نہ لگائیں گے انھیں کہیں بوستان خیال کا مزا آئے گا کہیں فسانہ عجائب کا کہیں داستان امیر حمزہ کا کہیں الف لیلہ اور کہیں چار درویش کا۔ وہ وہ واقعات ہوں گے کہ جن کے پرکھنے یعنی انتقاد کی مطلق ضرورت نہیں ہوگی جس طرح قصہ کہانیوں کے واقعات پر نہ نکتہ چینی کی ضرورت ہوتی ہے نہ جانچنے اور انتقاد کی اور پڑھنے والا محض یہ خیال کرکے کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں تفنن طبع کے طور پر پڑھے چلا جاتا ہے اسی طرح حضرت علی اور حضرت حسین کے حالات ہوں گے جو علمائے شیعہ نے ترتیب دیئے ہیں اور جن پر شیعی مذہب کا مدار ہے۔ یہ حالات جیسا کہ ابھی آپ نے پڑھا ہے حاشیہ میں درج ہوں گے۔

ان حالات کو خوب غور کے بعد پڑھنے سے آپ پر روشن ہو جائے گا کہ جس گروہ نے ایسی ایسی خیالی باتیں اپنے ائمہ کی نسبت تراش لیں جن کے آگے بوستان خیال کے سارے قصے گرد ہو گئے اس کے آگے یہ کونسی بڑی بات تھی کہ وہ شہادت حسین کا ایک فسانہ ایجاد کرتا اور اس میں اس کوشش سے خیال آفرینیوں کا طومار جمع کرتا کہ مشاق قصہ گو بھی مونہ

جاتا ہوا رہ جائے۔

اس کے علاوہ کم سے کم ایک خیال کے مطابق اور سب سے مقدم دوسرے خیال کے مطابق یہ ضرور کیا جائے گا کہ ان تینوں باپ بیٹوں کے واقعات زندگی کو قرآن مجید یعنی فرقان حمید سے جانچا جائے کہ وقتاً فوقتاً جن واقعات کا حدوث ان کے ذمہ لگایا جاتا ہے آیا وہ باتیں قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف ہیں ؟ اور جب خلاف ثابت ہوگئیں تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ آیا ان بزرگوں سے توقع کی جائے کہ وہ باوجود علم کے ایسی صریح مخالفت قرآن مجید کی کرتے تھے یہاں تک کہ سچ مچ انھوں نے کلام خدا کو پس پشت ڈالدیا تھا ہم ایسا خیال کبھی نہیں کر سکتے نہ انکی ذات سے ہمیں ایسی امید رکھنی چاہیئے یہ بات تو اور ہے کہ انسان سے اغلاط یا کسی فروگزاشت کا ہوجانا خلاف قیاس نہیں ہے مگر یہ بات عقل باور نہیں کرتی کہ عمر بھر وہ غلطیاں ہی کرتا رہے اور کبھی اپنی اغلاط کی اصلاح نہ کرے۔

مشکل ایک اور بھی ہے اور اس میں سنی شیعہ دونوں ہی گرفتار ہیں یعنی یہ لوگ اپنے بزرگوں کے حالات انھیں اپنا سا انسان سمجھ کے نہ لکھتے ہیں نہ ترتیب دیتے ہیں نہ پڑھتے ہیں بلکہ عقیدہ نے انھیں مجبور کردیا ہے کہ جب وہ بزرگوں کے حالات جمع کریں تو ان کی انسانی ہستی سے ایک بالاتر ہستی قرار دیں اور بشر مثلکم کو بھول کے انھیں ایک ایسی ذات خیال کریں۔ جو خداوند تعالےٰ سے کسی قدر کم مگر باقی گزشتہ وموجودہ اور آیندہ مخلوق سے بالاتر ہو جسکا قیام سات آسمانوں کے بیچ میں یا عرش خداوند قدوس کے مضافات یا قرب وجوار میں ہو۔ اب خیال کیجیے جب ایسی بنیاد قایم کی جائے اور اسی بنیاد پر اپنے عقاید کی عمارت چن جائے تو پھر فرمایئے اصلی واقعات کا کیسا بیج مارا جائے گا اور سوائے خوش عقیدہ کی خیال آفرینیوں اور تخیل کی تیزروی کے آگے صداقت بالکل گرد ہوجائے گی ۔ مسلمانوں کی بدمذہبی یا ضعف اسلام کی بڑی بھاری وجہ یہی ہے کہ وہ بزرگوں کے حالات قصہ کہانیوں کے طور پر

پڑھنے کے عادی ہیں جس سے نفس اسلام اور قرآن مجید کی تعلیم میں بہت کچھ رکاوٹ پیدا ہو گئی اور اسی رکاوٹ کی وجہ ہے کہ آج مسلمان ایسے ذلیل بن رہے ہیں۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں دو گروہ ایسے پائے جاتے ہیں جن کے عقاید اور مذہب کا دار و مدار محض لاطائل قصے کہانیوں کے سوا واقعات پر مطلق نہیں ہے۔ ان میں سے ایک گروہ شیعوں کا ہے اور دوسرا گروہ صوفیوں کا۔ شیعوں میں فرضی اہلبیت اور فرضی ائمہ کی کہانیاں اس کثرت سے رائج ہیں کہ اگر انھیں ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایسا انبار قصے کہانیوں کا جمع ہو جائے کہ بوستان خیال بغنانہ عجائب۔ الف لیلہ کا جن اور اسکے کرتب گرد ہو جائیں اسی طرح اگر صوفیوں کے فرضی اور اصلی پیروں کے معجزوں یا کرامتوں کو ترتیب دیا جائے تو سچے پچ داستان امیر حمزہ ہی نہیں بلکہ بوستان خیال کی خیال آفرینیاں ان کے آگے پانی بھرنے لگیں۔ فی الواقع یہ قصے کہانیاں ان فسانوں کے آگے جو دونوں گروہوں کے عقاید کی بنا قرار دیئے گئے ہیں کوئی حقیقت نہیں رکھتے ایک سے ایک زیادہ اور ایک سے ایک مبالغہ آمیزی میں ید طولے رکھتا ہے اگر شیعہ اپنے کسی اصلی یا فرضی امام کے معجزات یا کہانیوں کا ایک دفتر بے پایاں رکھتے ہیں تو صوفی اپنے ایک ایک پیر کی کرامتوں کا وہ عظیم الشان دفتر رکھتے ہیں کہ اس میں سے کئی بوستان خیال ترتیب پا سکتے ہیں۔ ایک طرف شیعوں نے اپنے امام کو معصوم ہی نہیں بلکہ کل خدائی قوتوں کا بازگشت قرار دیا ہے۔ تو دوسری طرف صوفیوں نے تمام خزائن آسمانی کی کنجیاں اپنے پیروں کے سپرد کر کے انھیں خدائی کا مالک بنا دیا ہے۔ مقابلہ میں ایک دوسرے سے بڑھا چڑھا ہے اور اتنا بڑھا چڑھا ہے کہ بس ان کے خیالات کے پرواز کی کوئی حد ہی متعین نہیں کر سکتا۔

ہمیں اس مقام پر صوفیوں کی کہانیوں سے بحث نہیں ہے کیونکہ اس کتاب کا یہ موضوع ہی نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنے احباب شیعوں کی بلند پروازیوں کا تماشا دکھانا ہے۔ دانعمہ

با اسمہم بااللہ کسی مصور کا خود سر قلم اور کسی شاعر کا بے لگام خیال بھی ان کی تک و دو کو نہیں پہنچ سکتا۔

اسکی ایک خاص وجہ ہے کہ جب کوئی شخص انسانی اوصاف سے معرا ہوتا ہے تو ناچار اسکے معتقد اسکا انسانی جامہ اتار لیتے ہیں اور اسے ایک ایسا مافوق انسان نہیں بلکہ ایک خیالی حُلّہ پہنا دیتے ہیں کہ وہ گو انسان کی جون میں تو نہیں رہتا ہاں ایک ایسی ہستی بن جاتا ہے جس کے سمجھنے کے لیے صرف خیال تو کچھ مدد دے سکتا ہے باقی واقعات ہیں آنکھیں اسے دیکھنے اور ایک صحیح دماغ اسے سمجھنے میں مجبور ہو جاتا ہے مثلاً وہ شخص بغیر پروں کے آسمان پر اڑایا جاتا ہے۔ ہوا اسے اپنے کاندھوں پر بٹھا کے سات آسمانوں کی سیر کراتی ہے۔ وہ فرشتوں میں ہو کے گزرتا ہے ان کے جھگڑوں کو چکاتا ہے اور اگر ضرورت ہوتی ہے تو تلوار سے فرشتوں کے دو فریق میں فیصلہ کرتا ہے۔ وہ دم کے دم ہزاروں لاکھوں فرشتوں کو قتل کر ڈالتا ہے جن کا خون مثل بارش کے زمین پر برستا ہے اور پھر غالب فریق کو آسمان کے اس حصہ کی حکومت دیکے چلا آتا ہے وہ خدا کی ذات کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے جس طرح خداوند قدوس کی ذات کی ابتدا اور انتہا نہیں ہے اسیطرح اسکی ذات کی بھی ازلیت اور ابدیت نہیں ہوتی۔ خداوند تعالےٰ اس کرۂ ارض کو پیدا کرتا ہے اور یہاں جتنے واقعات ہوتے ہیں سب کو اسی شخص یا روح کے ہاتھ سے کراتا ہے۔ مثلاً طوفان نوح جب دنیا میں ابھی علی کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر وہ فوراً آسمان پر سے بھیجے گئے تاکہ نوح کی کشتی کو طوفان سے بچالیں کہ اسی اثنا میں ایک بدکردار زشت رو جن پیدا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ علی کے ہاتھ سے بچا کے نوح کی کشتی کو معہ نوح کے ڈبو دے مگر علی لپک کے تلوار کا ایک ہاتھ اُسے مارتے ہیں۔ اسکا ہاتھ کٹ جاتا ہے اور وہ چیختا ہوا اور روتا ہوا بھاگتا ہے اور اس طرح علی اس ظالم کے پنجہ سے نوح کو بچا لیتے ہیں اور پھر ہوا میں اڑ کے آسمانوں پر چلے جاتے ہیں اور جب ہزار ہا برس کے بعد خاتم

النبیین پیدا ہوتے ہیں تو علی بھی انسانی جون میں اس دنیا میں بھیجے جاتے ہیں تاکہ اشاعت دین حق میں خاتم النبیین کے مددگار ثابت ہوں کہ اسی اثنا میں جبکہ رسول اللہ اپنے صحابہ کے مجمع میں تشریف رکھتے ہیں یکایک ایک دست جن حاضر دربار نبوی ہو کر آپ سے کچھ عرض کرتا ہے اتنے میں ابوطالب کے صاحبزادے علی آموجود ہوتے ہیں جن علی کی صورت دیکھ کے خوفزدہ کانپنے لگتا ہے۔ خاتم النبیین وجہ دریافت فرماتے ہیں جن کہتا ہے کہ یہ کون نوجوان ہے اس سے میں لرز رہا ہوں۔ خاتم النبیین فرماتے ہیں یہ میرا بھائی ہے میرا وصی ہے میرا جانشین ہے میرا بلافصل خلیفہ ہے مگر تیرا اور میرے اس بھائی کا کیا تعلق تو کیوں کانپا جاتا ہے وہ جواب دیتا ہے کہ کئی ہزار برس پہلے طوفان نوح میں جب میں نے نوح کی کشتی ڈبونی چاہی تو اسی جوان نے بڑھ کے ذوالفقار کا ایک ہاتھ مارا اور میرا ہاتھ کٹ گیا۔ خاتم النبیین نے اور صحابہ کی طرف خطاب کرکے فرمایا دیکھا یہ ہے میرا وصی جس نے نوح کی اس خوفناک جن سے جان بچائی۔ پھر دربار نبوی میں کسی روز ایک کوئیں کے ڈول کی بحث ہوتی ہے کہ فلاں کوئیں میں جب کوئی شخص پانی بھرنے کے لئے ڈول ڈالتا ہے تو اسکا ڈول کوئیں کے اندر کاٹ لیا جاتا ہے۔ خاتم النبیین ابوبکر سے ارشاد کرتے ہیں کہ تم جاؤ اور اس کوئیں سے پانی بھر کے لاؤ وہ خائف و ترساں جاتے ہیں کنوئیں میں ڈول ڈالتے ہیں اور ان کا ڈول بھی کاٹ لیا جاتا ہے۔ پھر عمر فاروق اور عثمان باری باری سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ڈول کھو کے گردنیں جھکائے شرمندہ صورت رسول اللہ کے دربار میں چلے آتے ہیں۔ پھر رسول اللہ اور صحابہ کی طرف نظر فرماتے ہیں مگر کوئی کوئیں سے ایسی خوفناک بازی کھیلنے کی جرأت نہیں کرتا اخیر اسد اللہ الغالب علی بن ابیطالب پر نظریں اٹھتی ہیں کہ آپ ہی اس خونی مسئلہ کو حل فرمائیں گے۔ آپ حکم نبی ہوتے ہی ذوالفقار گردن میں ڈال کے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ کوئیں پر پہنچ کے ڈول ڈالتے ہیں آپ کا ڈول بھی مثل اوروں کے

پکڑا جاتا ہے مگر آپ ڈول کے رُکتے ہی فوراً کوئیں میں کود پڑتے ہیں۔ دیر تک تیرتے رہتے ہیں اخیر ایک دروازہ کی چوکھٹ پر آپ کا ہاتھ پڑتا ہے۔ آپ چوکھٹ پکڑ کے آگے ہٹتے ہیں تو اپنے کو ایک چٹیل میدان میں پاتے ہیں۔ ذوالفقار کا گنڈا گلے میں ڈالے ہوئے آگے بڑھتے ہیں تو آپ کو کچھ گرد سی اُڑتی ہوئی نظر آتی ہے جب آپ اس گرد کے قریب ہوتے ہیں ایک جرار لشکر آپ کو دکھائی دیتا ہے جو آپ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا چلا آتا ہے آپ تلوار سوت کے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اب جنگ شروع ہوجاتی ہے آپ اس لاکھوں سپاہ میں گھس جاتے ہیں ایک وار میں ہزاروں گردنیں آپ کے آگے آپڑتی ہیں۔ غرض کئی گھنٹے تک فرضی ذوالفقار فرضی میدان اور فرضی فوجوں میں چلتی رہتی ہے اور جب سروں کے کئی ٹیلے بن جاتے ہیں تو مخالف بھاگ کھڑے ہوتے ہیں آپ ہوا کے تخت پر بیٹھ کے ان کا تعاقب کرتے ہیں اور پھر قتل عام شروع ہوتا ہے۔ اخیر ان فوجوں کا بادشاہ دست بستہ حاضر ہوتا ہے اسلام قبول کرنے کی آرزو کرتا ہے۔ اسکی خطابخشی کی جاتی ہے اور اس سے کلمہ پڑھوا لیا جاتا ہے۔ یہ ساری جماعت سرکش جنات کی قرار دی گئی ہے جسے علی بن ابی طالب نے قتل کیا تھا۔

کئی گھنٹے کی غیر حاضری سے مدینہ میں تلکم مچ جاتی ہے کہ علی کہاں غائب ہوگئے۔ خاتم النبیین پریشان ادھر اُدھر پھر رہے ہیں کہ میرا وصی کوئی میں کہاں غائب ہوگیا کہ یکایک علی خون ٹپکتی ہوئی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے کوئیں سے برآمد ہوجاتے ہیں اور قتال وجدال کا سارا قصہ حضور نبوی میں عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنے عرصے میں پچاس ساٹھ لاکھ جنوں کو میں نے قتل کیا ہے۔ سب سن کے ششدر رہجاتے ہیں اور خاتم النبیین فرماتے ہیں دیکھو میرا انتخاب کیسا اچھا ہے۔

ایک دن خاتم النبیین دربار فرما رہے ہیں سب صحابہ معہ ابوبکر و عمر و عثمان حاضر ہیں کہ اتنے میں

رسول کریم فرماتے ہیں کوئی ہے جو اصحاب کہف سے مل کے آئے ان سے باتیں کرے انکا
حال دریافت کرے اور ساری موجودہ حالت ان کی دیکھ کے آئے۔ سب یہ سن کے آنکھیں
نیچی کر لیتے ہیں بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے رسول کریم پھر دریافت فرماتے ہیں بولو بولتے
کیوں نہیں اب بھی سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہیں دیا جاتا کہ اسی اثنا میں علی بن
ابی طالب آگے بڑھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ مجھے حکم ہو میں اصحاب کہف سے مل کے
اور ان کے کل حالات دریافت کر کے آتا ہوں۔ یہ سن کے حضور انور مارے خوشی کے پھولے
نہیں سماتے اور اسی خوشی کے عالم میں مجمع کی طرف خطاب کر کے فرماتے ہیں دیکھو یہ ہے
میرا بھائی یہ ہے میرا وصی اور یہ ہے میرا خلیفہ پھر علی آسمان کی طرف دیکھ کے کچھ پڑھ کے
پھونکتے ہیں کہ فوراً ہوا کا تخت رواں آموجود ہوتا ہے اور صحن مسجد میں ایک دھوم مچ جاتی ہے
علی حضور نبوی میں عرض کرتے ہیں کہ ابو بکر و عمر و عثمان کو میرے ساتھ کر دیجئے۔ چنانچہ ان
تینوں کو حکم ہوتا ہے اور یہ تینوں اس تخت رواں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ علی حکم دیتے ہیں کہ تخت
اڑے۔ تخت فوراً حرکت میں آتا ہے اور آہستہ آہستہ اوپر کی طرف اٹھ کے پھر یکایک غایب
ہو جاتا ہے اور فضا میں مطلق نظر نہیں آتا۔

یہ تخت بلند ہوتا ہے اور خوب بلند ہوتا ہے ابو بکر و عمر ڈرتے ہیں ابو طالب کے صاحبزادے
کہتے ہیں ڈرو نہیں آخر میں بھی تو تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ غرض خوب کل کرۂ ارض کا چکر
لگایا جاتا ہے اور پھر ہوا کا تخت رواں ایک پہاڑ کے دامن میں جا کے قرار پکڑتا ہے۔ علی معہ
ابو بکر و عمر و عثمان اس تخت سے اترتے ہیں اور پہاڑ کے دامن ہی دامن میں ایک ایسے مقام پر
پہنچتے ہیں کہ جہاں ایک وزنی اور بہت وزنی پتھر کسی دروازہ پر حائل نظر آتا ہے۔ علی یہاں ٹھہر
جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی اصحاب کہف کی سکونت کی جگہ ہے۔ اس پتھر کو یہاں سے
ہٹانا چاہتے ہیں ابو بکر و عمر و عثمان پہلے علیحدہ علیحدہ اور پھر تینوں ملکے زور لگاتے ہیں۔

مگر پتھر ذرا بھی نہیں سرکتا۔ یہ تینوں جب زور لگا کے تھک جاتے ہیں تو ابو طالب کے صاحبزادے انھیں ہٹا کے آگے بڑھتے ہیں اور پتھر کو اُٹھا کے دور پھینک دیتے ہیں کہ یکایک ایک دروازہ نمودار ہو جاتا ہے آپ اندر داخل ہوتے ہیں اور ان تینوں کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔ اندر گھس کے دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا مکان ہے۔ اصحاب کہف جن کی پلکیں سفید ہو کے زمین پر لٹک آئی ہیں بیٹھے ہوئے ہیں ان کے پاس ان کا کتا بیٹھا ہوا دُم ہلا رہا ہے۔ پیروں کی آہٹ سن کے اصحاب کہف ہاتھوں سے اپنی پلکوں کا پردہ اٹھاتے ہیں اور اوپر نگاہ کر کے دیکھتے ہیں اور سخت متعجب ہو کے کہتے ہیں ہائیں خاتم النبیین کے وصی کہاں آگئے۔ پھر علی ان ہی کی زبان میں ان سے باتیں کرتے ہیں جس زبان کو ان کے تینوں ساتھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے بعد علی باہر نکل آتے ہیں لیکن باہر نکلنے سے پہلے خاتم النبیین کا سلام اُنھیں پہنچا دیتے ہیں۔ جب باہر آتے ہیں تو اپنے ساتھیوں سے مسکرا کے کہتے ہیں کہ اس پتھر کو اٹھاؤ اور یہاں رکھ دو ساتھی خوفزدہ ہو کے کہتے ہیں اے وصی رسول بھلا ہم میں یہ تاب و تواں کہاں ہم اگر ستّر آدمی بھی ہوں جب بھی اس پتھر کو جنبش نہیں دے سکتے یہ تو آپ ہی کا کام ہے یہ سن کے ابو طالب کے صاحبزادے مسکراتے ہیں اور بہت بے تکلفی سے وہ پتھر اُٹھا کے جگہ پر رکھ دیتے ہیں اور پھر ہوا کے تخت رواں پر بیٹھ کے دربار نبوی میں حاضر ہو جاتے ہیں اور رسول کریم سے سارا قصہ عرض کر دیتے ہیں۔

اور قصہ سنئے کہ دربار نبوی میں یکایک فرشتوں کا نزول شروع ہوتا ہے۔ صحابہ دیکھ کے گھبرا جاتے ہیں کہ آج غول کے غول فرشتوں کے کیوں آ رہے ہیں چنانچہ وہ سب فرشتے صف بستہ مسجد نبوی میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خاتم النبیین دریافت فرماتے ہیں تمھارے آنے کی وجہ کیا ہے فرشتے جواب دیتے ہیں ہم میں سخت تنازع ہو رہا ہے اور عنقریب تلوار چلنے کو ہے۔ ہم مظلوم ہیں اور ہمارا اور ہماری جماعت پر فریق مخالف نے یہ ستم بپا کر رکھا ہے ہمنے

جناب باری میں فریاد کی تھی وہاں سے حکم ملا کہ زمین پر جاؤ میرے نبی کے دربار میں حاضر ہو وہاں تمھیں نبی کا وصی ملے گا وہ تمھاری داد کو پہنچیگا۔ لہذا ہم حضور نبوی میں حاضر ہوئے ہیں اپنے وصی کو حکم دیجئے کہ وہ ہم ستم رسیدوں کی مدد کرے۔ رسول کریم اپنے سب صحابہ کی طرف خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ تم میں سے ایسا کوئی ہے جو ان فرشتوں کی داد کو پہنچے سب لرزاں وخایف نیچی نظریں کر لیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہم میں یہ مجال نہیں ہے۔ کہ ہم آسمان پر جائیں فرشتوں سے قتال کریں اور فریق مظلوم کی داد کو پہنچیں۔ پھر رسول کریم اپنے بھائی اپنے وصی یعنی ابوطالب کے صاحبزادے کی طرف دیکھتے ہیں۔ علی اپنی ذوالفقار آگے کرکے اس اہم اور خونریز کام کو اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ اور حکم ہوتے ہی ایک فرشتہ کے پروں پر بیٹھ کے آسمان پر اُڑ جاتے ہیں اور وہاں جاکے ظالم سرکش بے دین گروہ پر حملہ کرتے ہیں، یہ سرکش فرشتے علی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ذوالفقار میان سے نکل آتی ہے پھر جو بازار جدال وقتال گرم ہوتا ہے العظمۃ للہ۔ آسمان سے خون کی بارش شروع ہوجاتی ہے مدینہ کے رستہ خون میں ڈوب جاتے ہیں۔ رستہ چلنا مشکل پڑجاتا ہے مگر علی اتنا احسان کرتے ہیں کہ چند وفادار فرشتے مسجد نبوی میں متعین کر دیتے ہیں کہ سرکش باغی فرشتوں کا خون نہ مسجد نبوی میں داخل ہو نہ اسپر برسے۔ غرض جب پچاس ساٹھ لاکھ باغی فرشتہ قتل ہوچکتا ہو تو بقیۃ السیف مونہ میں تنکے لیکے ابوطالب کے صاحبزادے کے قدموں پر آگرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ ذوالفقار کو نیام میں کرلیا جائے ہم نے اپنے کیے کی سزا پائی۔ علی انکی التجا قبول کرکے ان کی خطا معاف کر دیتے ہیں اور پھر کسی فرشتہ کے پر دن پر بیٹھ کے مدینہ چلے آتے ہیں۔ اور حضور نبوی میں حاضر ہوکے یہ سرخ خون آلود داستان سنا دیتے ہیں۔

منجملہ ہزاروں دلکش داستانوں کے سب سے بڑی دلکش داستان جبرئیل اور علی کے تعلقات کی ہے۔ اور یہ ایسی عجیب وغریب کہانیاں ہیں کہ ان سے دل کش شاید ہی کوئی

مشرقی کہانی ہو۔ اب آپ نمبروار ملاحظہ فرماتے جائیے۔

حضرت علی متفکر بیٹھے ہوئے ہیں کیونکہ دوسرے دن عید ہے اور ان کے بچوں کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہیں ہیں کہ یکایک دستک کی آواز آتی ہے۔ آنے والے شخص کو اندر بلایا جاتا ہے تو یہ تماشا نظر آتا ہے کہ جبریل امین کے سر پر کپڑوں کی کشتی ہے اور وہ آکے اسی ہیئت کذائی سے سلام کرتے ہیں، حضرت علی دریافت کرتے ہیں کہ جبریل تم کیسے آئے اور یہ کیا لائے۔

جبریل۔ خداوند تعالی نے آپ کے بچوں کے لئے کپڑے بھیجے ہیں۔ یہ بہشت کے بنے ہوئے اور حوروں کے ہاتھ کے سلے ہوئے ہیں۔ آپ اسوقت غمگین تھے آپ کا غمگین ہونا خدا کو رنجیدہ بنا دیتا ہے اس نے فوراً جوڑوں کی تیاری کا حکم دیا اور جب وہ تیار ہو گئے تو مجھے حکم ہوا کہ تو جا اور علی کو جاکے دے۔ چنانچہ کپڑوں کے جوڑوں کی کشتی سر پر رکھ کے میں بہشت سے آیا ہوں یہ سنکے علی نے کپڑے لئے اور اپنے بچوں کو وہ کپڑے دیئے بچے ان کپڑوں کو دیکھ کے بہت خوش ہوئے۔

دوسرے دن عید تھی کپڑے تو خداوند تعالےٰ نے بھیجدیئے تھے مگر کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بچے ضد کرنے لگے کہ ہمیں سودا سلف لا دو آج عید کا دن ہے یہ سن کے علی مغموم ہوئے کہ ہاتھ میں پیسہ نہیں کھانے کو تو ہے نہیں سودا کہاں سے لاکے دوں۔ اسی فکر میں سر پکڑے بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دروازہ پر پھر دستک کی آواز آئی۔ آنے والے کو حسب قاعدہ اندر آنے کی اجازت دی گئی جب وہ مکان میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ جبریل ہے۔ سر پر خوان ہے اس پر خوان پوش پڑا ہوا ہے۔ بیچارے جبریل نے وہ خوان سر پر سے اُتار اُسے کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ بہشت کے تر و تازہ میوے ہیں۔ جبریل نے دست بستہ عرض کیا کہ یہ خاص میوے ہیں جو خداوند تعالےٰ نے آپ کے اور آپ کے بچوں کے

لئے بھیجے ہیں۔ اُسے معلوم ہوا تھا کہ آپ کے بچے ضد کر رہے ہیں کہ آج عید کا دن ہے۔
ہمیں پھل ترکاری بازار سے لا دو اور آپ روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے غمگین تھے۔ چنانچہ مجھے
حکم ہوا کہ بہشت کے خاص خاص میوے توڑ کے ابھی بھیجو۔ میں نے فی الفور حکم کی تعمیل کی
اور یہ میوے پائیں آپ بھی کھائیے اور اپنے بال بچوں کو بھی کھلائیے۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز دلکش داستان سنئے آپ کی یعنی حضرت علی کی جوتی
ٹوٹ گئی ہے اور آپ سکے سینے کے فکر میں ہیں۔ ڈورے اور سوئے کی تلاش میں
پریشان ہیں کہ اتنے میں آنکھ اُٹھا کے دیکھا تو جبریل کھڑے ہوئے ہیں ہاتھ میں سُوا اور ڈورا ہے
علی کہتے ہیں جبریل تو نے کیوں تکلیف کی جبریل جواب دیتے ہیں کہ خدا کا حکم ہوا کہ میرے
حبیب کا وصی اس وقت متفکر ہے اور جوتی گانٹھنے کے لئے اس کے پاس سُوا اور ڈورا نہیں
ہے تو ابھی جا اور اسکی جوتی گانٹھ کے آ۔ چنانچہ جوتی جبریل کو دیدی جاتی ہے اور وہ اُسے
گانٹھ کے آسمان پر اُڑ کے چلے جاتے ہیں۔

اور سنئے علی گھر میں آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ چولہا گرم نہیں ہے اپنی بیوی یعنے بیوی
فاطمہ حضرت خاتون محشر سے دریافت کرتے ہیں کہ آج کچھ پکایا یا نہیں وہ جواب دیتی ہیں کہ
چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ آج ان چھالوں میں ایسی تکلیف
تھی کہ میں چکی نہ پیس سکی اس لئے روٹی نہیں پکی۔ علی پریشان ہو کے بیٹھ جاتے ہیں۔ کہ کیا
کیا جائے کہ اتنے میں دستک کی آواز آتی ہے۔ پردہ ہونے کے بعد دستک دینے والے
کو اندر بلایا جاتا ہے۔ دستک دینے والا جب اندر آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جبریل ہے۔
حضرت علی متحیر ہو کے دریافت کرتے ہیں کہ جبریل تم کہاں۔ جبریل جواب دیتے ہیں کہ مجھے
خداوند تعالےٰ کا حکم ہوا ہے کہ میں جا کے آپ کا آٹا تیار کر دوں اور چکی پیس دوں جبریل
کو غلہ دیدیا جاتا ہے اور چکی بنا دی جاتی ہے چنانچہ وہ چکی پیسنے بیٹھ جاتے ہیں اور آٹا تیار

کرکے چلے جاتے ہیں۔

جب آٹا تیار ہو جاتا ہے اور پردہ ہو چکتا ہے تو علی خاتون محشر سے کہتے ہیں کہ لو روٹی پکا لو آٹا تیار ہے۔ خاتون محشر ہاتھ دکھا کے کہتی ہیں پھلکے ہتیلیوں میں ایسے پڑ گئے ہیں کہ نہ ئیں چکی پیس سکتی تھی نہ روٹی پکا سکتی ہوں۔ علی یہ سن کے پھر متفکر ہو جاتے ہیں کہ کیا کیا جائے کہ اتنے میں پھر دستک کی آواز آتی ہے۔ دوبارہ پردہ ہوتا ہے اور دستک دینے والا اندر بلایا جاتا ہے۔ جب وہ اندر آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جبریل ہیں۔ علی متعجب ہو کے دریافت فرماتے ہیں خیر ہے خدا کے ہاں کی کیا خبر لائے۔ جبریل دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ سب خیر سلا ہے میں فقط روٹی پکانے آیا ہوں کیونکہ آپ بہت بھوکے ہیں اور خاتون محشر آپ کی بیوی اور بنت رسول چھالوں کی وجہ سے مریض ہیں لہذا حکم خداوندی سے میں روٹی پکانے آیا ہوں۔ غرض جبریل آگ سلگاتے ہیں ایندھن کم ہوتا ہے تو لکڑیاں چننے کے لئے جنگل چلے جاتے ہیں اور حضرت علی کے لئے روٹی تیار کر دیتے ہیں اور جب اپنے فرض سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ایک فراٹا بھر کے آسمان پر چلے جاتے ہیں۔

اور سنئے امام حسین بچوں میں کھیلتے کھیلتے کہیں دور نکلے چلے جاتے ہیں اور پھر گھر کا رستہ بھول جاتے ہیں یہاں حضرت علی اور خاتون محشر سخت پریشان ہوتی ہیں اور پھر علی اپنے بچہ کو ڈھونڈنے نکلتے ہیں مگر امام حسین نہیں پاتے اور روہا دل بریاں آہ کے نعرے مارتے ہوئے واپس آجاتے ہیں۔ گھر میں ایک شور قیامت ہوتا ہے جب بیتابی اور غم کی حد ہو جاتی ہے تو حضرت علی جو دروازہ کے باہر کھڑے ہوئے ہیں دیکھتے کیا ہیں کہ جبریل انگلی پکڑے ہوئے امام حسین کو لا رہے ہیں۔ حضرت علی اپنے بچہ کو دیکھ کے خوش ہو جاتے ہیں جبریل امام حسین کا ہاتھ میں ہاتھ دے کے آسمان پر پرواز کر جاتے ہیں۔

غرض اسی قسم کی اور بہت سی دلکش کہانیاں ہیں جو آپ آگے معہ پتہ اور نشان کے بالتفصیل

ملاحظہ کریں گے۔ آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب کسی شخص میں کوئی انسانی جوہر نہیں ہوتا اور نہ اس سے اسکی زندگی میں کارنمایاں ہوتے ہیں تو اسکے معتقد مجبوراً اسے انسانیت سے خارج کرکے کوئی ایسی روحانی یا خدائی قوت بنا دیتے ہیں کہ جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اسی بنا پر خیالی قوت سے صدہا کہانیاں تراش لی جاتی ہیں اور وہ کہانیاں ایسی ہوتی ہیں کہ دنیا کے کل قصے ان کے آگے گرد ہو جاتے ہیں، جن کہانیوں کا نمونہ آپ نے اوپر دیکھ لیا۔

اسی طرح شیعوں نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علی کی ذات انسانی صفات سے خالی ہے نہ انھوں نے اپنی زندگی میں ایسے کارنمایاں کئے کہ وہ بیان کرنے کے قابل ہوں تو انھوں نے مجبوراً حضرت علی کو ایک ایسی ہستی تسلیم کیا جس ہستی میں انسانیت کا وہم وگمان بھی نہ ہو سکے اور جو ہستی اخیر جا کے خداوند قدوس کی ذات وصفات کے ساتھ ٹکر کھائے ایرانیوں کی چرب زبانی اور داستان گوئی آج تمام دنیا میں مسلم ہے لہذا اس داستان گوئی کی قابلیت سے انھوں نے علی کے بارے میں اپنے تخیل کی بلند پروازی پوری دکھا دی اور ایسی دکھا دی کہ دنیا کا کوئی خیال یا نفس متخیلہ آئندہ ایسی کہانیاں ایجاد کرنے سے عاجز ہو گئی ہم چاہتے ہیں کہ پہلے ان کہانیوں کا انتخاب کر دیں اور پھر باقاعدہ حضرت علی کے سوانحعمری تحریر کریں تاکہ ناظر کتاب اسے اچھی طرح سمجھے کہ جس قوم نے حضرت علی کی انسانی ہستی کو اپنے خیالات کی بلند پروازی سے بالکل اڑا دیا ہو اور خداوند قدوس کے ہم پلہ بنا کے اسی کے مطابق صدہا کہانیاں گھڑ لی ہوں ان کے آگے حضرت امام حسین کی شہادت کی کہانی بناتے کیا دیر لگتی ہے اور مشکل ہی کیا ہے کہ وہ شہادت کی کہانیاں گھڑ دیں۔ بہر حال شہادت حسین کی کہانیوں کا بیان تو اپنے موقع پر آئے گا پہلے آپ ان کہانیوں کو سنئے جو ان کے والد علی کی نسبت بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ نمبر وار وہ کہانیاں معہ پتہ اور نشان کے یہ ہیں۔

چوتھی کہانی

جنوں کا قتل عام

(از بحار الانوار[۵۱] جلد ۹ صفحہ ۴۴۰)

جابر انصاری کہتے ہیں کہ جب علی بن ابو طالب سے کئی روز تک میری ملاقات نہ ہوئی تو میں نے انھیں مدینہ میں دیکھا تو مجھے ان سے ملنے کا بہت شوق ہوا اور میں ان کا پتہ لگانے کے لئے ام سلمہ مخزومیہ کے پاس گیا۔ دروازہ پر پہنچ کے آواز دی تو انھوں نے دروازہ کی اوٹ میں آکے پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا مجھے جابر کہتے ہیں ام سلمہ نے کہا انصاری بھائی تم کیسے آئے۔ میں نے کہا کہ میں اپنے سردار علی کی تلاش میں آیا ہوں میں نے کئی روز سے انھیں مدینہ میں نہیں دیکھا کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ امیر المومنین علی کہاں گئے ہوئے ہیں۔

---

[۵۱] بحار الانوار ایک ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدوں میں تمام ہوئی ہے شیعی مذہب کی معتبر کتابوں میں اسکا شمار ہے جتنی کتابیں اردو فارسی کی اس کے بعد تصنیف ہوئی ہیں سب کو بحار الانوار کا خلاصہ سمجھنا چاہیے۔ یہ اتنی بڑی کتاب ہے کہ اگر اسکا پورا ترجمہ شایع کیا جائے تو بوستان خیال کے برابر ہو جائے اور تعجب نہیں کہ اس سے بھی ضخامت میں بڑھ جائے۔ شیعوں کو اپنی اس ضخیم کتاب پر بہت بڑا ناز ہے۔ ان کی مجالس میں اس کتاب کی روایتیں بڑی دھوم دھام سے پڑھی جاتی ہیں جن لوگوں نے شیعوں کی تصانیف دیکھی ہیں وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ عموماً کل تصانیف میں بطور شہادت یا بطور سند بحار الانوار کی روایتیں پیش کی گئی ہیں۔ ایک ایک جلد بہت ہی ضخیم اور طولانی ہے اور ان کل جلدوں میں اسی قسم کی دلکش کہانیاں بھری پڑی ہیں اس کتاب کو بغور دیکھنے کے بعد ہر شخص یقین کرے گا کہ حضرت علی کی شیعی مذہب میں ایک ایسی ہستی تسلیم کی گئی ہے جو انسانیت سے بالاتر اور خدا کی ذات سے ملی جلی ہے۔ حضرت علی کے آگے پیغمبروں کو لاشئے محض سمجھا گیا ہے۔ اور انھیں بالکل بے بس مانا گیا ہے برخلاف حضرت علی کے کہ وہ ہر مقام پر مثل خدا کے دکھائے گئے ہیں انھیں ایک ایسی ہستی تسلیم کیا گیا ہے جو خدا کی ہستی سے ٹکر کھاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالے علی کی صورت میں دنیا میں آیا تھا مقابلہ میں خاتم النبیین کی توہین کی گئی ہے اور جا بجا جہاں محمد و علی کا ذکر آیا ہے وہاں محمد کو علی کا دوست قرار دیا گیا ہے سردار کا لفظ خاتم النبیین کی نسبت بہت کم لایا گیا ہے یا بالکل نہیں لایا گیا۔ اب خیال فرمایئے جس فرقہ کے مذہب کی بنیاد ان خیال آفرینیوں پر ہو اسکے دینی عقاید کا کیا حال ہو گا۔ فقط

ام سلمہ نے جواب دیا جابر امیر المومنین سفر میں ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ کس ملک گئے ہیں، ام سلمہ بولیں علی تین دن سے برجات میں ہیں (برجات اس بے آب و گیاہ چٹیل میدان کو کہتے ہیں جہاں درخت اور کھیتی وغیرہ کچھ نہ ہو) اس پر (جابر نے) دریافت کیا کہ کس برجات میں گئے ہیں، ام سلمہ نے جواب دیا کہ اسکا پتہ تمھیں مسجد نبوی میں ملے گا اور ممکن ہے کہ علی بھی وہیں مل جائیں۔ میں رسول خدا کی مسجد میں آیا تو میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو مجسم نور تھا اور وہ سجدہ میں پڑا ہوا تھا۔ ساتھ ہی میں نے ایک نورانی ابر کو بھی دیکھا۔ مگر علی ابن ابی طالب مجھے یہاں بھی نہ دکھائی دیئے میں دل ہی دل میں خیال کرنے لگا کہ کہیں ام سلمہ نے مجھے دہوکا تو نہیں دیا یہاں تو علی کا پتہ بھی نہیں ہے۔ میں یہ خیال کر ہی رہا تھا کہ یکایک وہ نورانی ابر پھٹا اور اس میں سے علی بن ابی طالب نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی جس سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ نورانی شخص جو سجدہ میں پڑا ہوا تھا علی کی صورت دیکھتے ہی سرو قد کھڑا ہوگیا اور علی کو لپٹ گیا آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا اے امیر المومنین اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمھارے دشمنوں کے مقابلہ میں تمھاری مدد کی اور تمھیں فتح نصیب کیا اب آپ بتائیے کہ مجھ سے کوئی ضروری کام ہے تو میں تعمیل حکم کرنے کے لئے حاضر ہوں علی نے کہا ہاں مجھے تم سے یہ ضروری کام ہے کہ تم آسمان کے فرشتوں کو میرا سلام کہدینا۔ اور فتح کی خوشخبری انھیں سنا دینا۔ یہ سنکے وہ نورانی شخص نورانی ابر پر سوار ہوکے آسمان پر پرواز کر گیا۔ جب میدان صاف ہوا تو میں اپنے سردار علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے امیر المومنین میں نے چندروز سے آپ کو مدینہ میں نہیں دیکھا اسلئے مجھے آپ سے ملنے کا شوق ہوا تو میں آپ کا پتہ لگانے کے لئے ام سلمہ مخزومیہ کے مکان پر گیا تاکہ آپ کا حال ان سے دریافت کروں میں دستک دے کے دروازہ پر کھڑا ہوگیا وہ باہر آئیں اور دریافت کیا دروازہ پر کون ہے۔ میں نے کہا میں جابر

ہوں۔ اسپر انھوں نے کہا اے انصاری بھائی کس ضرورت سے یہاں آئے ہو۔ میں نے جواب دیا کئی روز سے میں امیر المومنین سے نہیں ملا نہ میں نے انھیں مدینہ میں دیکھا۔ میں تمہارے پاس اسلئے آیا ہوں تاکہ امیر المومنین کا پتہ پوچھوں کہ وہ کہاں گئے ہوئے ہیں انھوں نے کہا جابر تم مسجد کی طرف جاؤ انشاء اللہ وہاں امیر المومنین تمھیں مل جائیں گے انکی ہدایت کے مطابق میں مسجد میں آیا اور ایک نورانی آدمی کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا جو ابھی ابر پر سوار ہو کے آسمان پر اُتر گیا ہے۔ پھر میں نے ایک نورانی ابر کو دیکھا مگر امیر المومنین آپ مجھے نظر نہ پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نورانی ابر بیٹھا اور آپ اس میں سے برآمد ہوئے آپ کے ہاتھ میں تلوار ہے جس سے خون ٹپک رہا ہے اب آپ بتایئے کہ کہاں تشریف لے گئے تھے اور یہ خون آلود تلوار کیسی ہے۔ امیر المومنین علی بن ابو طالب نے کہا جابر میں تین دن سے برحات میں تھا۔ میں نے دریافت کیا آپ برحات میں کیا کر رہے تھے فرمایا اے جابر کیا تم بھول گئے تمہیں خبر نہیں کہ میری حکومت اور سلطنت تمام آسمان والوں پر اور نیز جو آسمانوں کے اندر ہیں اور تمام زمین والوں پر اور نیز جو زمین کے اندر ہیں پھیلی ہوئی ہے جنوں کے ایک گروہ نے میری حکومت کا انکار کر دیا تھا اس لئے میرے دوست محمد نے مجھے یہ تلوار دے کے بھیجا تھا جب میں جنوں میں پہنچا تو ان کے فرقے فرقے علیحدہ ہو گئے ایک فرقہ تو ہوا میں اڑ کے کہیں غایب ہو گیا جو مجھے نظر نہ آسکا اور ایک فرقہ مجھپر ایمان لے آیا۔ اسی فرقہ کے حق میں یہ آیت اخیر تک اُتری ہے قل اوحی الی مگر ایک فرقہ نے مجھ سے بغاوت کی اور میرے حق کا انکار کر دیا۔ تو میں نے اس بنا پر ان کے ساتھ قتال کیا اور اس تلوار سے جو میرے دوست محمد کی ہے ان سے ایسا لڑا کہ ایک ایک کو قتل کر دیا اور کسیکو بھی نہ چھوڑا (جابر کہتے ہیں) میں نے کہا اے امیر المومنین اللہ کا شکر ہے کہ اسس نے لاکھوں جنوں کو آپ سے قتل کرا کے آپ کو ان پر فتح دی مگر یہ تو فرمایئے

کہ وہ نورانی شخص جو سجدہ میں پڑا ہوا تھا اور پھر ابر پر سوار ہو کے آسمان پر چلا گیا کون تھا۔
آپ نے ارشاد کیا کہ وہ فرشتہ تھا اور جو اللہ کے نزدیک سب فرشتوں سے زیادہ معزز و
محترم ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے میرے سپرد کر دیا ہے۔ یہ اسکا معمول ہے کہ ہر جمعہ کو یہ آسمان
سے اُترتا ہے اور آسمانی خبروں کی رپورٹ بھی کرتا ہے اور فرشتوں کا سلام بھی پہنچاتا ہے
اور پھر میری طرف سے فرشتوں کے سلام کا جواب لیجاتا ہے۔ فقط

دوسری کہانی

اصحاب کہف کی شہادت

سلمان فارسی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ابوبکر۔ عمر اور عثمان تینوں ملکے حضرت رسول
اللہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ آپ ہر بات میں علی کو ہمپر
فضیلت دیتے ہیں اسکا جواب رسول اللہ نے یہ دیا میں علی کو تمپر فضیلت نہیں دیتا بلکہ خود
خداوند تعالیٰ نے فضیلت دیتا ہے اس میں میرا کیا بس ہے۔ تینوں نے دریافت کیا یا رسول
اللہ اسکی کیا دلیل ہے۔ اسپر رسول اللہ نے فرمایا تم لوگ میری بات کا تو یقین نہیں کرتے
لہٰذا میں تم تینوں کو اور علی کو اصحاب کہف کے پاس بھیجتا ہوں ان کی باتوں کا تو تمھیں یقین
آجائے گا۔ وہ لوگ اسوقت مُردہ ہیں۔ تم مع علی کے وہاں جاؤ اور سلمان کو اپنے ساتھ بطور
شہادت کے لے جاؤ۔ وہاں پہنچ کے تم اُنھیں سلام کرو اسی طرح علی بھی انھیں سلام کرے
اور پھر دیکھو وہ لوگ کس کے سلام سے زندہ ہوتے ہیں۔ جب تم میں سے کسی کے سلام
سے اللہ اُنھیں زندہ کر دے اور وہ اسکے سلام کا جواب دیدیں تو وہی سب سے افضل
رہے گا۔ چنانچہ یہ سن کے ابوبکر و عمر عثمان اور علی چاروں اسپر راضی ہو گئے۔ جب یہ حجت پوری
ہو چکی تو رسول اللہ نے ایک چادر بچھائی اور علی کو اس چادر کے بیچ میں بٹھا دیا اور باقی ابوبکر

وغیرہ کو چادر کے گوشوں پر بٹھایا۔ سلمان بھی ایک گوشہ پر بیٹھ گئے تین گوشوں پر ابوبکر وعمر وعثمان چوتھے گوشہ پر سلمان فارسی اور بیچ میں علی بٹھائے گئے۔ اسکے بعد رسول اللہ نے ہوا کو حکم دیا کہ تو انھیں اصحاب کہف کے پاس پہنچا دے اور پھر واپس اسی طرح صحیح وسالم انھیں یہاں میرے پاس پہنچا دے (جو دسلمان کہتے ہیں) حکم ہوتے ہی ہوا آئی اور چادر کے نیچے بھر گئی اور پھر یکایک ہم سب کو لیکے اٹھی اور فضا میں بلند ہوئی۔ ہم اڑتے رہے جب ہم بڑی دیر میں ایک غار کے پاس پہنچے تو ہوا نے ہم سب کو وہاں اُتار دیا اسوقت حضرت علی نے مجھ سے کہا سلمان یہ وہی کہف یعنی غار اور رقیم ہے تم ان تینوں سے کہدو کہ یہ آگے آگے ہولیں اگر یہ نہ مانیں تو پھر ہم دونوں آگے چلنے کو تیار ہیں حضرت علی کے حکم کے بموجب سلمان نے تینوں کا عندیہ لیا کہ آیا وہ آگے آگے ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔ تینوں نے کہا ہمیں آگے آگے چلنا منظور ہے۔ چنانچہ تینوں چادر پر کھڑے ہوگئے پہلے ہر ایک نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا مانگ کے آوازیں لگانی شروع کیں اصحاب کہف اصحاب کہف مگر صدائے برنخاست کا مضمون ہوا۔ اخیر زچ اور پریشان ہوکے اور چیخ چیخ کے یہ لوگ بیٹھ رہے۔ پھر حضرت علی اٹھے انھوں نے بھی دوگانہ نماز کا ادا کیا اور پھر اسی طرح دعا مانگی اور پھر للکار کے آواز دی۔ اصحاب کہف اصحاب کہف آواز کا دینا تھا کہ ادھر غار غل مچانے لگا اور اُدھر جتنے آدمی اسکے اندر تھے لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرنے لگے ایک شور قیامت برپا ہوا۔ پھر حضرت علی نے فرمایا اے جوانوں تم اپنے رب پر ایمان لائے تھے اب خوش ہو کہ اللہ نے تمہاری ہدایت اور زیادہ کردی تم پر سلام ہو اصحاب کہف نے جواب دیا اے رسول اللہ کے بھائی اور وصی اور امیر المومنین تم پر بھی سلام ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم سے اللہ تعالےٰ نے اس بات کا عہد لے لیا ہے کہ ہم اللہ پر اسکے پیغمبر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر اور تمہاری

ولایت پر قیامت کے دن تک ایمان لائیں۔ بس یہ دیکھنا تھا کہ ابو بکر و عمر و عثمان مارے خجالت کے مونہوں کے بل گر پڑے اور سلمان سے کہنے لگے اے ابو عبد اللہ تم ہمیں واپس لیچلو۔ میں نے کہا یہ میری قدرت میں نہیں ہے۔ ہوا میرے قبضہ میں نہیں ہے کہ میں اُسے حکم کروں کہ وہ تم لوگوں کو اٹھا کے تمھارے گھر پہنچا دے۔ ناچار تینوں نے حضرت علی سے التجا کی اور کہا اے ابو الحسن تم ہی ہمیں واپس لے چلو۔ یہ سنتے ہی حضرت علی نے حکم دیا اے ہوا آ اور ہمیں رسول اللہ کے پاس پہنچا دے۔ حکم ہوتے ہی ہوا آئی اسیطرح چادر میں بھری اور ہمیں اُٹھا کے بلند ہوئی اور چشم زدن میں ہم سب کو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

رسول اللہ نے ہماری صورت دیکھتے ہی جو کچھ گزرا تھا من و عن بیان کر دیا اور کہا۔ یہ ساری باتیں میرے دوست جبریل مجھے سُنا گئے ہیں۔ آخر تینوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ ہم پر علی کی فضیلت آپ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

(بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۳۹)

تیسری کہانی

فرشتوں کا آسمان پر جھگڑا

اور حضرت علی کی سرپنچی

زیاد بن وہب نے عبد اللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں فاطمہ زہرہ کی خدمت میں گیا اور ان سے دریافت کیا آپ کے شوہر علی کہاں ہیں۔ حضرت خاتون محشر نے فرمایا کہ انھیں جبریل آسمان پر لے گئے ہیں۔ میں نے متعجب ہو کے دریافت کیا [illegible]

پر جا کے کیا کرینگے۔ خاتون محشر نے جواب دیا کہ فرشتوں کی دو جماعتوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا اور جب وہ جھگڑا کسی طرح فیصل نہ ہوا تو فرشتوں نے خداوند تعالے سے دعا کی کہ ہم آدمیوں میں سے کسی شخص کو اپنا حَکَم بنانا چاہتے ہیں۔ اسپر خداوند تعالے نے فرشتوں سے کہا اچھا تو تم علی بن ابو طالب کو اپنا حَکَم بنالو۔

(بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۳۹)

چوتھی کہانی

حضرت علی پر علیحدہ قرآن نازل ہوتا تھا۔

عبد العزیز نے اپنے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ سے دریافت کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ نے حضرت علی کو یمن کا حاکم بنا کے بھیجا تو حکم دیدیا کہ وہاں کے لوگوں میں آپ فیصلے کیا کیجے۔ اسپر علی علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ جو مقدمہ میرے پاس آتا تھا تو میں اس میں حکم الٰہی اور حکم رسول کے ساتھ فیصلہ کر دیتا تھا۔ ابو عبد اللہ نے کہا واقعی یہ بات لوگ سچ کہتے ہیں۔ اسپر میں نے کہا بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ اسوقت تک سارا قرآن نازل بھی نہ ہوا تھا اور پھر یہ بات کہ رسول اللہ ان کے پاس نہ تھے کیونکہ علی علیہ السلام یمن میں تھے اور رسول اللہ مدینہ میں اسپر ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ حضرت علی کو جبریل علیحدہ قرآن مجید کی تعلیم کر دیا کرتے تھے۔ (یعنے قرآن کا جو حصہ ابھی تک نازل نہیں ہوا تھا وہ جبریل علی علیہ السلام کو بتا دیتے تھے یا بالفاظ دیگر قرآن انپر نازل ہو جاتا تھا)

(بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۳۹)

پانچویں کہانی

رسول اللہ کا خط حضرت علی کو جبرئیل لکھوا دیا کرتے تھے

رفاعہ بن موسیٰ ابو عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ حضرت علی سے خط لکھواتے لکھواتے جب سو جایا کرتے تھے اور ابھی خط پورا نہ ہوتا تھا تو حضرت علی اس خط کو پورا کر دیتے تھے۔ رسول اللہ علی کی گود میں سر رکھے ہوئے سوتے ہیں اور حضرت علی خط کو پورا کر رہے ہیں۔ جب رسول اللہ جاگ گئے اور حضرت علی کو خط لکھوانے لگے تو علی کہتے خط تو میں پورا کر چکا۔ اسپر رسول اللہ حیران ہو کے پوچھتے تھے تم نے بغیر میرے بتائے کس طرح خط پورا کر لیا اسکا جواب حضرت علی یہ دیتے تھے یا رسول اللہ آپ ہی نے تو خط کو پورا کرایا ہے۔ رسول اللہ فرمانے لگے نہیں وہ خط جبرئیل نے پورا کرایا۔

(بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۴۴)

چھٹی کہانی

خداوند تعالیٰ حضرت علی سے سرگوشی کیا کرتا تھا

حمران بن اعین کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ سے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں نے یہ بات سنی ہے کہ اللہ تعالے حضرت علی سے سرگوشی کیا کرتا تھا۔ ابو عبد اللہ نے کہا ہاں یہ صحیح ہے طائف میں اکثر سرگوشی ہوا کرتی تھی صرف جبرئیل خدا اور علی کے بیچ میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔

(بحار الانوار صفحہ ۱۴۴)

سرگوشی کی دوسری کہانی

محمد بن مسلم کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ سلمہ بن سہیل نے حضرت علی کے بارے میں مجھ سے ایک بات کہی تھی۔ انھوں نے دریافت کیا وہ کونسی بات تھی۔ میں نے کہا مجھ سے یہ بیان کیا تھا کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کو گھیر لیا تھا تو اسی زمانہ میں ایک دن رسول اللہ اور حضرت علی تنہا ایک مقام میں بیٹھے ہوئے تھے تیسرا اور کوئی نہ تھا۔ اسپر آپ کے صحابہ میں سے بعض نے کہا سخت تعجب کی بات ہے کہ ہم تو یہاں سختی میں مبتلا ہوں (اور ہماری بات نہ پوچھی جائے) اور وہاں رسول اللہ اس لڑکے سے سرگوشی کریں۔ اسیوقت رسول اللہ نے ارشاد کیا میں علی سے سرگوشی نہیں کر رہا ہوں (تمھیں مغالطہ ہوا ہے) علی سے تو ان کا پروردگار (بغیر واسطہ) سرگوشی کر رہا ہے (صفحات ۱۱۱)

سرگوشی کی تیسری کہانی

ابو [illegible] کہتے ہیں کہ خیبر کے دن جب رسول اللہ نے حضرت علی کو بلایا (تو حضرت علی کی سخت آنکھیں دکھتی تھیں) آپ نے اپنا لب حضرت علی کی آ[illegible] لگا کے فرمایا کہ جس وقت تم خیبر کو فتح کر لو تو لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہو جانا۔ یہ حکم خداوند تعالےٰ کا ہے۔ جو میں نے تمھیں پہنچا [illegible] ابو رافع کا بیان ہے یہ سنتے ہی حضرت علی روانہ ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا جب صبح ہوئی اور خیبر فتح ہو گیا تو حضرت علی حسب ہدایت خدا لوگوں کے بیچ میں جا کھڑے ہوئے اور بہت دیر تک کھڑے رہے۔ عام غل مچ گیا (کہ حضرت علی کے جو ہونٹ ہل رہے ہیں) یہ خداوند تعالےٰ سے سرگوشی کر رہے ہیں (ایک گھنٹہ تک خدا سے سرگوشی ہوتی رہی) پھر شہر کے لوٹنے کا حکم دیا (خدا اور علی میں لوٹنے کے

لوٹنے کے متعلق بحث ہو رہی ہوگی۔ ابو رافع کہتے ہیں جب میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا جب حضرت آپ نے حضرت علی کو لوگوں کے بیچ میں کھڑا ہونے کا حکم دیا وہ اسیطرح کھڑے رہے انھیں دیکھ کے بعض لوگ کہنے لگے یہ خدا تعالیٰ سے جیسے سرگوشی کر رہے ہے رسول اللہ نے فرمایا۔ ابو رافع ہاں واقعی طائف کے دن تبوک اور عقبہ کے دن اور حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی کی تھی۔

ساتویں کہانی

معراج حضرت علی کو رسول اللہ کے ساتھ ساتھ ہوئی تھی

بُریدہ اسلمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے حضرت علی سے فرمایا اے علی تمھیں اللہ نے ہر مقام پر میرے ساتھ ساتھ رکھا ہے پھر آپ نے ہر مقام کی تشریح فرمائی۔ معراج کا واقعہ پھر بیان کیا اور کہا میرے پاس جبریل آئے اور رات کو مجھے آسمان پر لے گئے۔ جب میں جبریل کے ساتھ آسمان پر پہنچا تو جبریل نے کہا یا رسول اللہ آپ کے بھائی کہاں ہیں میں نے کہا میں انھیں پیچھے چھوڑ آیا ہوں جبریل نے کہا کہ آپ اللہ سے دعا کریں وہ انھیں یہاں پہنچا دے گا (کیونکہ بغیر علی کے آسمانوں میں گھسنا نہیں ملنے کا) میں نے یہ سنتے ہی اللہ سے دعا کی اسیوقت تم میرے پاس آگئے پھر فوراً ہم دونوں کے آگے ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان کھول دیئے گئے۔ یہانتک کہ میں نے ان کے رہنے والوں کو ان کی عمارتوں کو اور ہر ہر فرشتہ کے مکان کو دیکھ لیا اور ان میں جتنی چیزیں میں نے دیکھی تھیں سب جوں کی توں تم نے بھی دیکھ لیں۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۴۴)

آٹھویں کہانی

محمد اور علی ایک مرتبہ رکھتے ہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس طرح اللہ تعالے نے پانچ چیزیں مجھے عطا کی ہیں اسی طرح پانچ ہی چیزیں علی کو بھی عطا ہوئی ہیں مجھے جوامع الکلم عطا کئے ہیں تو علی کو جوامع العلم عطا کئے ہیں۔ مجھے نبی بنایا ہے تو انھیں وصی بنایا ہے۔ مجھے کوثر عطا کیا ہے تو انھیں سلسبیل دی گئی ہے۔ مجھے وحی عطا کی ہے تو انھیں الہام (جو بمنزلہ وحی کے ہے) دیا گیا ہے۔ مجھے اللہ نے اگر اپنے پاس بلایا تھا تو ان کے لئے سب آسمانوں اور ان کے دروازوں کے پردے کھول دیئے کہ انھوں نے (شب معراج میں) مجھے دیکھ لیا اور میں نے انھیں دیکھ لیا اس کہنے کے بعد رسول اللہ رونے لگے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ روتے کیوں ہیں۔ فرمایا اے ابن عباس اللہ نے مجھ سے کہا تھا اے محمد تو نیچے نگاہ کر میں نے پردوں پر نگاہ کی تو وہ پھٹ گئے تھے اور آسمان کے دروازوں کو دیکھا تو وہ کھل گئے تھے۔ اسی وقت میں نے علی کو دیکھا تو وہ اپنا سر میری طرف اٹھائے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے گفتگو کی اور میرے پروردگار نے مجھ سے گفتگو کی۔ علی نے اسی وقت مجھ سے پوچھا بھائی اللہ نے تم سے کیا گفتگو کی میں نے کہا اے علی اللہ نے مجھ سے یہ کہا کہ علی کو میں نے تمھارا وصی تمھارا وزیر اور تمھارا جانشین بنا دیا ہے تم ان سے کہدینا۔ میں نے اللہ کے آگے یہ باتیں ان سے کہدیں۔ علی نے مجھ سے کہا اچھا مجھے یہ سب باتیں منظور ہیں (جوں ہی علی کی زبان سے منظوری کے الفاظ نکلے فلک پر خوشی کے شادیانے بجنے لگے) اللہ تعالے نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ سب ملکے اسکی خوشی کریں۔ (چنانچہ فرشتوں میں جشن اڑنے لگے) آسمان کے دورے میں فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرا اس نے مجھے مبارک باد

دی۔ اسی اثنا میں میں نے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اپنا سر زمین کیطرف جھکائے ہوئے تھے۔ میں نے متعجب ہو کے دریافت کیا کہ یہ حاملین عرش اپنے سروں کو نیچے کیوں جھکائے ہوئے ہیں۔ جبریل نے جواب دیا سوائے ان حاملین کے اور کل فرشتوں نے وفور انبساط سے علی کی طرف دیکھا۔ جب ان حاملین نے اجازت مانگی تو انھیں بھی علی کے مونہ کی طرف ٹکٹکی باندھنے کی اجازت مل گئی چنانچہ وہ بھی اسیطرح علی کا مونہ تکنے لگے (اسکے بعد رسول اللہ فرمانے لگے) جب میں نیچے اترا تو میں نے یہ خبریں علی کو دیں علی نے کہا مجھے سب کچھ معلوم ہے لو تم مجھسے ہی سن لو اسوقت میں سمجھا کہ جہاں کہیں میں گیا ہوں علی ساتھ ساتھ تھے۔

(بس رونے کی یہی وجہ تھی کہ میری بزرگی علی پر نہیں رہی۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۲۴)

نویں کہانی

چوتھے آسمان کے فرشتوں کا جھگڑا۔

محمد بن علی اپنے باپ داداؤں سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی رحمت میں جبریل آئے اسوقت رسول اللہ حضرت اُم سلمہ کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔ جبریل نے کہا اے محمد چوتھے آسمان کے فرشتوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ جھگڑا بہت طول کھینچ گیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ یہ فرشتے اس ابلیس کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جسنے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جسے خداوند تعالے نے قوم جنات میں قرار دیا ہے جب جھگڑے کو طول ہوا تو خداوند تعالےٰ نے ان کے نام وحی بھیجی کہ قضیہ حد سے گزر چلا ہے لہذا تمہیں مناسب ہے کہ تم آدمیوں میں سے اپنا کوئی حکم مقرر کر دو وہ تم میں فیصلہ کر دیگا انھوں نے کہا اچھا ہم امت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں سے کسی شخص کو حکم بنانا منظور کرتے ہیں پھر خداوند تعالےٰ نے ان سے دریافت کیا کہ تم کس شخص کو فیصلے کے لئے پسند کرتے ہو

فرشتوں نے کہا کہ علی بن ابوطالب کو۔ چنانچہ حکم ہوا پسندکرتے ہیں پہ کتے ہی خداوند تعالے نے
آسمان دنیا کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو فرش اور دو گدے دیکر زمین پر بھیجا وہ فرشتہ سید انبیا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری کیفیت آپ کی خدمت میں عرض کی
رسول اللہ نے علی بن ابوطالب کو بلایا انہیں فرش پر بٹھایا اور دونوں تکیے ان کے دو طرف
لگا دیئے اور دعا کی اے علی اللہ تعالے تمہارے دل کو ثابت رکھے اور تمہاری دلیل تمہاری
آنکھوں کے سامنے روشن کر دے پھر وہ فرشتہ حضرت علی کو غالیچے پر بٹھا کر آسمان پر لے
اڑا جب آپ آسمان سے واپس آئے تو رسول اللہ کے پاس آ کے آپنے کہا بھائی اللہ نے
تمہیں سلام کہا ہے اور یہ فرمایا ہے ہم جسکے چاہتے ہیں مرتبے بڑھا دیتے ہیں۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۴۳)

دسویں کہانی

حضرت علی کی ولایت تسلیم کئے بغیر خدا پر ایمان لانا فضول ہے

حسن بن یحییٰ الدہان کہتے ہیں کہ میں شہر بغداد میں بغداد کے قاضی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اسکا
نام سماعہ تھا کہ یکایک اسکے پاس اہل بغداد کے بوڑھوں میں سے ایک آدمی آیا اُسنے آتے ہی
قاضی سے کہا خدا آپ کو صحیح وسلامت رکھے میں گزشتہ برسوں میں حج کر کے جب کوفے پہنچا
اور وہاں کی مسجد میں گیا تو میں نماز کے ارادے سے مسجد میں کھڑا ہوا تھا کہ یکایک میرے سامنے
ایک عورت زلفیں چھوڑے ہوئے اور دوپٹہ اوڑھے ہوئے آئی اور وہ یہ پکار رہی تھی کہ اے
آسمانوں میں سب سے زیادہ مشہور اے ساری زمینوں میں سب سے زیادہ معروف اور آخرت میں
سب سے زیادہ نامور ساری دنیا میں بڑے بڑے سرکشوں نے اور بڑے بڑے بادشاہوں
نے تیرے نور کو مٹانے اور تیرے ذکر کو برباد کرنے کی ہر چند کوشش کی مگر اللہ تعالے نے

نے تیرے ذکر ہی کو بلند کیا اور تیرے نور کی روشنی میں کچھ فرق نہ آنے دیا۔ اگرچہ مشرک اس سے آزردہ خاطر ہوئے بیٹھے اس عورت سے پوچھا کہ اے اللہ کی بندی وہ کون ہے جسکی تو یہ تعریفیں کر رہی ہے وہ بولی کہ وہ امیر المومنین ہیں میں نے دریافت کیا کہ کونسے امیر المومنین اس نے کہا وہ علی بن ابو طالب ہیں جنکی ولایت تسلیم کئے بغیر توحید بھی درست و جائز نہیں ہے یعنی جو شخص انکی ولایت تسلیم نہ کرے خدا پر اسکا ایمان لانا محض فضول اور لغو ہے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۴۴)

گیارہویں کہانی

سانپ اور حضرت علی

ابو جعفر کہتے ہیں ایک دن امیر المومنین حضرت علی منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے ناگہاں مسجد کے دروازوں میں ایک دروازہ کے کونہ میں سے ایک پتلا سا سانپ نکلا لوگوں نے اسے مارنا چاہا آپ نے کسیکو بھیجا تا کہ وہ مارنے سے رک جائیں چنانچہ وہ رک گئے اور وہ سانپ نکلکر چلا اور منبر تک پہنچ گیا پھر کھڑے ہو کر حضرت علی کو سلام کیا آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ قدرے ٹھیر جا تا کہ میں خطبہ سے فارغ ہو جاؤں جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو اسکی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تو کون ہے وہ بولا کہ میں عمرو بن عثمان آپ کی طرف سے جنوں پر آپ کا خلیفہ ہوں اور میرا باپ مر گیا ہے اس نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپکی رائے عالی طلب کروں لہذا اے امیر المومنین آپ کے پاس میں اب اسلئے آیا تھا کہ میرے حق میں آپ کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرنے اور واپس ہو جانے اور جنوں پر اپنے باپ کے قائم مقام ہو جانے کی وصیت کرتا ہوں لہذا تو ان پر میرا خلیفہ رہا۔

بارہویں کہانی

حضرت علی سب سے بڑے جن کے ساتھ زمین میں گھس گئے

ابو سعید خدری فرماتے ہیں ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس ہی آپ کے صحابہ کی بھی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی ناگہاں آپ کی نگاہ ایک زوبعہ پر (زوبعہ کسی جن یا جنوں کے افسر کا نام ہے) پڑی کہ اس نے اٹھکر غبار اڑا رکھا تھا پھر وہ غبار نزدیک ہوتا ہوا اونچا ہوتا رہا یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آگیا اسمیں سے ایک شخص نے آنحضرت کو سلام کیا پھر کہا کہ یا رسول اللہ میں اپنی قوم کے پاس سے آپ کی خدمت میں آیا ہوں آپ اپنی طرف سے میرے ساتھ کسی ایسے شخص کو بھیجدیجئے جو ہماری قوم کو دھمکا دے اور ہمارے اور ان کے درمیان اللہ کے حکم اور اسکی کتاب کے موافق فیصلہ کر دے کیونکہ وہاں بعضوں نے بعضوں پر ظلم کر رکھا ہے اور آپ مجھ سے پورا عہد و پیمان لے لیجے کہ میں اُسے صحیح سالم کل واپس پہنچا دوں گا ہاں اگر اللہ کی طرف سے کوئی ناگہانی حادثہ پیش آجائے تو مجبوری ہے رسول اللہ نے اُس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور تیری قوم کون ہے وہ بولا کہ میں مسلمان جنوں میں سے قبیلہ بنی کاخ کا ایک جن عرفطہ بن سمراخ ہوں میں اور میرے سارے گھر والے آسمان سے باتیں سنا کرتے تھے جب ہمیں وہاں سے روک دیا اور اللہ نے آپکو نبی بناکر بھیجدیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کے قول کو سچا سمجھا اور ہماری قوم میں سے بعضوں نے بعضوں کی مخالفت کی اور وہ اُسی (عقیدہ و مذہب) پر رہے جسپر پہلے سے تھے اسلئے ہمارے اُن کے درمیان خلاف ہو گیا وہ عدد اور قوت میں ہم سے زیادہ تھی اسلئے وہ ہمارے پانی اور مویشی کے چرانے کی جگہوں پر غالب آئے اور وہ سب چیزیں ہمسے

چھین کر ہمیں تکلیفیں دیں اور ہم کو متفرق کر دیا لہذا آپ میرے ساتھ کسی ایسے شخص کو بھیجئے
جو ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا
کہ ہمیں تو اپنا منہ کھول کر دکھا تاکہ ہم دیکھیں کہ تیری کیسی شکل ہے اُسنے اپنی شکل دکھائی (راوی
کہتے ہیں) ہمنے اسکے بدن کو دیکھا کہ اُسپر بہت کثرت سے بال تھے اور سر بہت لمبا اور
دونوں آنکھیں بھی بہت لمبی اور اسکے منہ میں درندوں جیسے دانت پھر نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس سے اس بات پر عہد و پیمان لیا کہ آپ جس شخص کو اسکے ساتھ بھیجیں گے وہ اگلے
روز صبح ہی کو واپس پہنچا دے گا جب رسول اللہ ان باتوں سے فارغ ہو گئے تو ابو بکر کی
طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم ہمارے بھائی عرفطہ کے ساتھ چلے جاؤ اور اسکی قوم
کے پاس پہنچکر انہیں دیکھو کہ وہ کس حال اور عقیدہ پر ہیں پھر اُن میں حق کے ساتھ فیصلہ کر دینا
انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کہاں ہیں آپ نے فرمایا وہ زمین کے نیچے ہیں۔ ابو بکر
نے عرض کیا کہ مجھ میں زمین کے اندر اُترنے کی طاقت نہیں اور میں اُن کے اندر کس طرح
فیصلہ کرونگا۔ میں اُن کی اچھی طرح بات بھی سمجھ نہیں سکتا۔ پھر آنحضرت حضرت عمر بن خطاب
کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے بھی اسی طرح فرمایا جس طرح ابو بکر سے فرمایا تھا انھوں
نے بھی ابو بکر ہی کی طرح جواب دیا پھر آپ نے حضرت علی کو بلوایا۔ اور اسنے فرمایا کہ اے
علی تم ہمارے بھائی عرفطہ کے ساتھ چلے جاؤ اور اسکی قوم کے پاس پہنچکر اُنھیں دیکھو کہ
وہ کس حال میں اور عقیدہ پر ہیں اور حق کے ساتھ تم اُن کے اندر فیصلہ کر دینا اسیوقت
حضرت علی عرفطہ کے ساتھ (جانے کے لئے) کھڑے ہو گئے اور اپنی تلوار گلے میں
ڈال لی اور ان کے پیچھے ہی ابو سعید اور سلمان فارسی بھی ہو لئے وہ دونوں کہتے ہیں
کہ ہم ان کے ساتھ ہی رہے یہانتک کہ وہ ایک جنگل میں پہنچے جب وہ اس جنگل کے بیچ میں
پہنچ لئے تو حضرت علی نے ہمارے طرف دیکھکر فرمایا کہ اللہ نے تمھاری کوشش کا بدلہ دیدیا

لہذا اب تم واپس چلے جاؤ پھر ہم کھڑے ہوکر اُنھیں دیکھتے رہے کہ زمین پھٹی اور وہ دونوں
اُسکے اندر چلے گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہی ہوگئی اور ہم واپس چلے آئے اور جسقدر ہمیں
حسرت اور ندامت تھی اللہ ہی جانتا ہے اور یہ سب حضرت علی کی وجہ سے افسوس تھا (کہ ہمسے
علیحدہ ہوکر چلے گئے) پھر صبح ہوئی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی
پھر آپ آنکر کوہ صفا پر بیٹھ گئے اور حضرت علی کو اسقدر دیر ہوئی کہ دن چڑھ گیا اور لوگ بہت
کچھ باتیں کرنے لگے یہاں تک کہ دن ڈھل گیا اور سب یہ کہنے لگے کہ اُس جن نے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کو دھوکا دیا ہے اور اللہ نے ہمیں ابو تراب سے راحت دیدی کہ اُسے دفع کر دیا غرضکہ
لوگوں نے بہت ہی بات بڑھا دی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھکر پھر وہیں صفا پر جا بیٹھے
اور آپ کے صحابہ میں باتیں ہوتی رہیں یہانتک کہ عصر کا وقت ہوگیا اور لوگ امیر المومنین حضرت
علی کی طرف سے ناامیدی ظاہر کرنے لگے آنحضرت نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور آپ
نماز کے بعد پھر وہیں صفا پر جا بیٹھے اور حضرت علی کے باعث آپ نے بڑا فکر ظاہر کیا سورج
جسوقت غروب ہونے کو ہوگیا تو لوگوں کو اسبات کا یقین ہوگیا کہ علی فوت ہوگئے یکایک
کوہ صفا پھٹا اور اسمیں سے حضرت علی نکلے آپ کی تلوار میں سے خون ٹپک رہا تھا اور عرفطہ
آپ کے ساتھ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوراً کھڑے ہوگئے اور اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا اور
پوچھا کہ اب تک تمہیں ہمارے پاس آنے سے کس نے روک لیا تھا انھوں نے عرض کیا کہ
میں ایک بہت ہی بڑی مخلوق کے پاس پہنچگیا تھا جو عرفطہ پر ظلم کرتے تھے میں نے انھیں
تین باتوں کی طرف بلایا انھوں نے میری روبرو بالکل انکار کر دیا میں نے اول اُنھیں
اللہ پر اور آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لانے کے لئے کہا اُسکا انھوں نے انکار
کیا تو میں نے اُنھیں جزیہ دینے کے لئے کہا اسکا بھی انھوں نے انکار کر دیا پھر میں نے
عرفطہ اور اسکی قوم سے صلح کر لینے کو کہا تاکہ کچھ چراگاہیں عرفطہ اور اسکی قوم کی بھی ہوجائیں

اور اسیطرح پانی بھی تقسیم کر لیا جائے انھوں نے اسکا بھی انکار کر دیا جب حجت پوری
کر لی تو میں تلوار لیکے ان میں گھس گیا اور فوراً اسی ہزار جنوں کو قتل کر دیا جب انھوں نے
اپنے اوپر اس وبال کو دیکھا تو فوراً صلح اور امان چاہنے لگے چنانچہ انہیں امان دی گئی جب
وہ سب بھائی ہو گئے اور خلاف آپس کا جاتا رہا اور میں اب تک اُن ہی کے پاس رہا پھر عرفطہ
اتنی بات کہکر چلا گیا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالےٰ آپ کو اور علی کو جزائے خیر دے۔

تیرہویں کہانی۔

بہشت و دوزخ کی کنجیاں حضرت علی کے پاس رہیں گی

رضا نے اپنے باپ داووں سے انھوں نے حضرت علی سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالےٰ ساری
مخلوق کے حساب سے فارغ ہو جائے گا تو پھر وہ بہشت اور دوزخ کی کنجیاں میرے سپرد
کر دے گا۔ اور میں وہ کنجیاں تمہیں دیدونگا اور تم سے کہدونگا کہ حکم کرو حضرت علی فرماتے
ہیں بجز بہشت کے کہتر دروازہ ہیں نشتر دروازوں میں سے میری اہل بیت اور جماعت جائیگی
اور فقط ایک دروازہ میں باقی سب لوگ جائیں گے۔ [illegible] (۴۵)

چودہویں کہانی۔

حضرت علی اللہ کے مونہ ہیں

ابو جعفر کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی فرماتے تھے کہ میں ہی اللہ کا منہ ہوں اور میں
ہی اللہ کا پہلو ہوں اور میں ہی اول ہوں اور میں ہی آخر ہوں اور میں ہی ظاہر ہوں اور
میں ہی باطن ہوں اور میں ہی ساری زمین کا وارث ہوں میں ہی سبیل اللہ ہوں۔ ازجابر

الانوار صفحہ ۲۹۲)

پندرہویں کہانی

ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی دنیا میں صرف اس لئے بھیجے گئے تھے کہ علی کی امامت کی شہادت دیں

ابن عباس کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب مجھے شب معراج آسمان دنیا پر پہنچایا گیا تو مجھ سے جبریل نے کہا کہ اے محمد آسمان دنیا کے فرشتوں پر درود پڑھو آپ کو اسکا حکم ہے چنانچہ میں نے انپر درود پڑھی اور ایسا ہی قصہ دوسرے اور تیسرے آسمان میں ہوا جب میں ساتویں آسمان میں پہنچا تو میں نے وہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو دیکھا جبریل نے مجھ سے کہا کہ آپ آگے ہو کر ان سبھوں کو نماز پڑھائیے میں نے کہا ائے بھائی جبریل میں ان سبھوں سے آگے کس طرح ہو سکتا ہوں حالانکہ ان میں میرے باپ آدم اور ابراہیم بھی ہیں انھوں نے کہا کہ اللہ تعالے کی طرف سے آپ کو یہی حکم ہے کہ آپ انہیں نماز پڑھائیں جب تم اُنھیں نماز پڑھا چکو تو ان سے پوچھنا کہ وہ اپنے زمانہ میں اور اپنے وقت میں کس لئے بھیجے گئے تھے اور نفخ صور سے پہلے ہی اب کس لئے اٹھائے گئے ہیں چنانچہ جب سب نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت جبریل نے ان سے کہا کہ تم کس لئے ائے اللہ کے پیغمبرو بھیجے گئے تھے اور کس لئے اب اٹھائے گئے ہو انھوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ائے محمد ہم سب اسلئے بھیجے گئے تھے اور اسی لئے اب اٹھائے گئے ہیں تاکہ تمہاری نبوت اور علی ابن ابی طالب کی امامت کا اقرار کریں۔

(از بحار الانوار صفحہ ۱۳، ۵)

سولھویں کہانی

رسول اللہ اپنی امت کی مغفرت کے لئے علی کا طفیل ڈھونڈتے ہیں ۔
کائنات کی پیدائش کی وجہ تسمیہ

ابن مسعود کہتے ہیں میں ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا میں نے خدمت عالی میں سلام عرض کر کے کہا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے حق دکھائیے تاکہ میں اُسے دیکھوں آپ نے فرمایا اس حجرہ میں جاؤ میں اُسکے اندر گیا تو وہاں علی بن ابی طالب نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ اور رکوع میں یہ کہتے تھے یا آلہی تو اپنے بندہ محمد کے طفیل سے میری جماعت کے گنہگاروں کی مغفرت کر دے ۔ میں وہاں سے نکلکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو میں نے آپ کو بھی نماز ہی پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ یہ کہتے تھے کہ یا آلہی تو اپنے بندہ علی کے طفیل سے میری امت کے گنہگاروں کی مغفرت کر دے ابن مسعود فرماتے ہیں مجھے یہ سنکر نہایت ہی پریشانی ہوئی ۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز مختصر کر دی اور سلام پھیر کے مجھ سے فرمایا کہ اے ابن مسعود کیا ایمان لانے کے بعد کافر بنجانا ندیا ہے میں نے کہا یا رسول اللہ توبہ توبہ لیکن بات یہ ہے میں نے علی کو دیکھا تھا تو وہ آپ کے طفیل سے دعا کر رہے تھے اور آپ کو دیکھا تو آپ اُن کے طفیل سے دعا کر رہے ہیں اب میں نہیں جانتا کہ تم دونوں میں اللہ کے نزدیک افضل کون ہے آپ نے فرمایا اے ابن مسعود بیٹھ جاؤ میں آپ کے سامنے ہی بیٹھ گیا آپ نے مجھ سے فرمایا یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالے نے مجھے اور علی کو ایسے نور سے پیدا کیا ہے جسے مخلوق کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے مقرر اور اسکا اندازہ کر لیا تھا اسوقت تسبیح اور پاکی بیان کرنے والا کوئی نہیں تھا پھر میرا نور پھٹا اور اس سے تمام آسمان اور زمینیں پیدا ہوئیں اور میں اور اللہ سب آسمانوں اور زمینوں سے بزرگ ہیں اسکے بعد علی بن ابو طالب کا نور پھٹا اور اس سے عرش اور کرسی پیدا ہوئے اور علی بن ابو طالب اور اللہ تعالے عرش اور کرسی سے افضل ہیں پھر حسن کا

نور پھٹا اور اس سے لوح وقلم پیدا ہوئے اور حسن اور اللہ تعالیٰ نے لوح وقلم سے افضل ہیں اس کے بعد حسین کا نور پھٹا اور اس سے سب بہشتیں اور حوریں پیدا ہوئیں اور حسین اور اللہ تعالیٰ نے بہشتوں اور حوروں سے افضل ہیں پھر مشرق ومغرب میں اندھیرا پھیل گیا فرشتوں نے اللہ کی جناب میں یہ شکایت کی اور عرض کیا کہ ہمسے یہ اندھیرا رفع کردیا جائے اسوقت اللہ تعالیٰ نے ایک کلمہ کہا اور اس سے روح کو پیدا کیا پھر دوسرا اور کلمہ کہا اس کلمہ سے نور کو پیدا کیا پھر اُس نور کو اس روح میں ملا دیا اور اُس روح کو عرش کی جگہ رکھدیا جس سے پھر مشرقین اور مغربین تمام روشن ہوگئیں بس وہی روح فاطمہ زہرا ہے کیونکہ زہر کے معنے نورانی کرنے اور روشن کر دینے کے ہیں اور اسکے نور نے تمام آسمانوں کو روشن کر دیا تھا۔

(از بحار الانوار صفحہ ۵۰۴)

سترہویں کہانی

علی کے فضائل شمار میں آنے ناممکن ہیں

ابن عباس کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر تمام باغ وغیرہ قلم بنجائیں اور سب دریا سیاہی ہوجائیں اور تمام جن حساب کرنے والے اور تمام انسان کاتب ہوجائیں تب بھی علی بن ابوطالب کے فضائل کو شمار نہیں کرسکتے۔ (از بحار الانوار صفحہ ۵۰۶)

اٹھارویں کہانی

علی رسول اللہ سے ہر طرح سے افضل ہیں

ایک راوی نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا اے علی تمھارے لئے بہت سی چیزیں ہیں کہ ان جیسی میرے لئے بھی نہیں ہیں اول یہ کہ فاطمہ

جیسی تمہاری بیوی ہے حالانکہ اُس جیسی میرے واسطے نہیں ہے اور تمہارے نطفہ سے تمہارے دو بیٹے ہیں کہ ان جیسے میرے نطفہ سے نہیں ہیں اور خدیجہ جیسی تمہاری ساس ہیں ایسی میری کوئی ساس نہیں ہے اور مجھ جیسا تمہارا خسر ہے حالانکہ میرا ایسا کوئی خسر نہیں ہے اور جعفر جیسے تمہارے نسبی بھائی ہیں حالانکہ اُس جیسا میرا کوئی نسبی نہیں ہے اور فاطمہ بنت اسد ہاشمیہ مہاجرہ جیسی تمہاری والدہ ہیں حالانکہ ان جیسی میری والدہ نہیں ہیں۔ (از بحار الانوار صفحہ ۱۱ ۵)

انیسویں کہانی

خدا نے محمد و علی کے نور کو ساتھ ساتھ پیدا کیا +

سلمان کہتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں اور علی اللہ عزوجل کے روبرو نور تھے آدم کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے ہم دونوں اکٹھے اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے تھے جب اللہ تعالے نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو یہ نور آدم کے نطفہ میں چلا گیا اور ہم ہمیشہ ایک ہی جگہ رہے یہاں تک کہ ہم عبد المطلب کے نطفہ میں آن کر جدا ہو گئے اس نور کا ایک ٹکڑا میں ہوں اور ایک ٹکڑا علی ہے۔ (از بحار الانوار صفحہ ۱۲ ۵)

بیسویں کہانی

کل زمین دنیا بی بی فاطمہ کے مہر میں ہے

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ اے علی اللہ تعالے نے تمہارا نکاح فاطمہ سے کر دیا ہے اور ساری زمین مہر مقرر کر دیا ہے اب جو شخص اس زمین پر تم سے بغض رکھکر چلے گا تو وہ حرام طور پر چلے گا۔

(از بحار الانوار صفحہ ۱۳ ۵)

اکیسویں کہانی

جنت میں اونٹنیوں کی سواری

انس بن مالک نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا، اے علی قیامت کے دن بہشت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی لائی جائے گی اسپر تم سوار ہوگے اور تمہاری سواری میری سواری کے ساتھ اور تمہاری ران میری ران کے ساتھ رہے گی یہانتک کہ تم بہشت میں داخل ہوجاؤ۔ (از بحار الانوار صفحہ ۵۱۵)

بائیسویں کہانی

علی کی مدح سرائی ان کے بیٹے حسن کی زبانی

جب علی کی وفات ہوچکی تو حسن بن علی نے یہ خطبہ پڑھا کہ بیشک اس رات تم سے ایسا شخص جدا ہوا ہے کہ نہ اسکے مرتبہ کو پہلے لوگ پہنچے اور نہ پچھلے پہنچ سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لڑائی کے واسطے بھیجا کرتے تھے اسوقت ان کی دائیں طرف جبریل ہوتے تھے اور بائیں طرف میکائیل۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے (جنگ) احد کے دن آسمان کی جانب سے ہواؤں میں سے یہ آواز سنی لاسیف الا ذوالفقار ولافتے الا علی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آواز جبریل کی ہے (از بحار الانوار صفحہ ۵۱۶)

تئیسویں کہانی

نوے ہزار فرشتے ہر وقت علی کی عبادت کیا کرتے تھے

سلیم کہتے ہیں میں نے ابوذر سے کہا کہ تم مجھے کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کے بارہ میں بہت ہی عجیب حدیث سنی ہو جو آنحضرت ان کے بارہ میں فرماتے ہوں انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ عرش کے گرد اگرد نوّے ہزار ایسے فرشتے ہیں کہ بجز حضرت علی کی عبادت کرنے اور ان کے دشمنوں سے بیزار ہونے کے اور کوئی ان کے ذمہ تسبیح یا تقدیس وغیرہ پر نہیں میں نے کہا کچھ اور بیان کیجیے انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل کو حضرت علی کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کے لیے خاص کر دیا ہے۔ (از بحار الانوار صفحہ ۵۱۸)

چوبیسویں کہانی

علی کا مرتبہ

امالی الطوسی میں حضرت ابن مسعود سے منقول ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی صلے اللہ علیہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپکا ہاتھ حضرت علی کے ہاتھ میں تھا اور آپ اُسے بوسہ دیتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپکی نسبت حضرت علی کا کیا مرتبہ ہے آپ نے فرمایا جیسا میرا مرتبہ اللہ کی نسبت ہے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۸۶)

پچیسویں کہانی

علی رسول اللہ سے افضل ہیں۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ علی کا مرتبہ مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میرے سر کا مرتبہ میرے بدن سے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۸۸)

چھبیسویں کہانی

علی کے لئے رسول اللہ کا کذب (معاذ اللہ)

عائشہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تھے یکایک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آنحضرت نے (مجھ سے) فرمایا کہ اے عائشہ تم اپنے باپ کے لئے اٹھکر دروازہ کھولدو میں نے اٹھکر دروازہ کھولدیا وہ آئے اور سلام عرض کرکے بیٹھ گئے آپ نے سلام کا جواب دیدیا مگر رسول اللہ ان کے لئے ہلے تک نہیں پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے فرمایا اٹھو اور عمر کے لئے دروازہ کھولدو میں نے اٹھکر ان کے لئے بھی دروازہ کھولدیا اور میں نے یہ خیال کیا کہ یہ میرے باپ سے افضل ہیں وہ آئے اور سلام عرض کرنے کے بعد بیٹھ گئے رسول اللہ نے ان کے بھی سلام کا جواب دیا لیکن آپ ہلے تک نہیں ابھی وہ تھوڑی دیر بیٹھے تھے کہ پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے فرمایا اٹھو اور عثمان کے لئے دروازہ کھولدو چنانچہ میں نے اٹھکر دروازہ کھولدیا انھوں نے حسب دستور سلام کیا آنحضرت نے انہیں جواب دیدیا اور آپ ان کے واسطے بھی ہلے تک نہیں وہ بیٹھ گئے پھر کسی نے دروازہ پر دستک دی اسوقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اٹھکر دروازہ کھولا کہ علی بن ابوطالب اندر آئے آپ انکا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے انھیں بٹھایا اور بہت دیر سرگوشی کرتے رہے پھر وہ چلے گئے اور آپ دروازہ تک ان کے ساتھ گئے جب وہ چلے گئے تب میں نے کہا یا رسول اللہ میرے باپ آئے آپ نہ کھڑے ہوئے پھر عمر اور عثمان آئے تب بھی آپ نے ان کی کچھ عزت نہ کی اور نہ آپ ان کے واسطے کھڑے ہوئے اور جب علی آئے تو آپ انکے واسطے فوراً کھڑے ہوگئے اور خود ہی آپ نے اُن کے واسطے دروازہ کھولا آپ نے فرمایا اے عائشہ جب تمہارے والد آئے تو جبرئیل دروازہ پر کھڑے تھے میں نے کھڑا ہونا چاہا

تاکہ میں ہی دروازہ کھولوں) لیکن انھوں نے مجھے منع کر دیا اور جب علی آئے تو بہت سے فرشتے اٹھے اور دروازہ کھولنے کی بابت ان میں جھگڑا ہو گیا میں اٹھا اور ان میں صلح کر کے میں نے خود ہی دروازہ کھولدیا اور انہیں اپنے پاس بٹھا لیا (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۸۸)

ستائیسویں کہانی

محض لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا بیکار ہے

ابوعبداللہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی تم میں سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو اُسے یہ اور کہنا چاہئے کہ علی امیر المومنین ولی اللہ (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۹)

اٹھائیسویں کہانی

رسول اللہ نے علی کو خلافت دینے سے انکار کر دیا اسپر علی کا حد درجہ رنج

زید بن آدم کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی چارہ کر دینے کا ذکر کیا اسپر حضرت علی نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ جسوقت میں آپ کو دیکھتا ہوں میری روح نکلی جاتی ہے اور میری کمر ٹوٹ جاتی ہے آپ نے اپنے صحابہ کے ساتھ توجو کرنا تھا کر دیا اور مجھے چھوڑ دیا اسکے جواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسنے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں نے تمہیں اپنے ہی لئے پسند کیا ہے لہذا تم میرے واسطے ایسے ہو جیسے موسےٰ کے واسطے ہرون تھے فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا ہاں تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو راوی کہتے ہیں انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ میں آپ کی کس چیز کا وارث ہونگا آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے جیسے کہ تم سے پہلے

نبیوں کے وارث ہوئے ہیں اور تم میرے ساتھ بہشت کے محل میں بھی ہو گے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۹۷)

انتیسویں کہانی

علی کے اچھا ہونے کی شہادت عرش میں سے

حضرت علی کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے اندر سے کوئی مجھے پکارے گا کہ تمہارے والد ابراہیم خلیل الرحمن بہت ہی اچھے تھے اور تمہارے بھائی علی بن ابو طالب بھی بہت ہی اچھے تھے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۹۸)

تیسویں کہانی

علی ہیں انبیاء کے اوصاف

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے یکایک علی بن ابو طالب آئے تو رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص آدم کے علم اور نوح کی حکمت کو اور ابراہیم کی بردباری کو دیکھنا چاہے تو وہ علی بن ابو طالب کو دیکھے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۱۲)

اکتیسویں کہانی

علی اور رسول اللہ ساتھ ساتھ پیدا ہوئے تھے

موسیٰ بیٹے باپ دادوں سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے

کہ اللہ تعالےٰ نے آدم کی پشت سے پشت در پشت مجھے اور میرے ساتھ میں ایک اور آدمی کو رکھا ہے یہانتک کہ ہم اپنے باپ کی پشت سے بھی ساتھ نکلے تھے پھر آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کے فرمایا کہ پھر اس سے میرا فضل اتنا بڑھ گیا ہے اور یہی وجہ نبوت کا ہے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون شخص ہے آپ نے فرمایا علی بن ابوطالب

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۱۲)

بتیسویں کہانی

ایک ہزار نبیوں کی سنت کا خزانہ

ابو جعفر کہتے ہیں کہ حضرت علی میں ایک ہزار نبیوں کی سنت تھی۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۱۳)

تینتیسویں کہانی

سکندر کون تھا

یزید بن العجلی نے اپنے نواسہ سے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک دن حضرت علی منبر پر کھڑے تھے ابن کوا نے اُن کے آگے کھڑے ہو کے پوچھا اے امیر المومنین مجھے آپ یہ بتایئے کہ (سکندر) ذی القرنین کوئی نبی تھا یا بادشاہ اور یہ بھی بتایئے کہ اسکا قرن (یعنے سینگ) سونیکا تھا یا چاندی کا حضرت علی نے اس سے فرمایا کہ نہ وہ نبی تھا اور نہ بادشاہ تھا اور نہ اسکا سینگ سونے کا تھا اور نہ چاندی کا لیکن وہ اللہ کا نیک بندہ تھا وہ اللہ سے محبت رکھتا تھا اور اللہ تعالےٰ اُس سے محبت رکھتا تھا وہ اللہ کے لئے نیکی اور بھلائی کرتا تھا اور اللہ اسے بھلائی اور نیکی کا بدلہ دیتا تھا اُسکا نام ذی القرنین تو فقط اس لئے تھا کہ اس نے اپنی قوم کو اللہ عزوجل کی طرف بلایا تھا انھوں نے اسے ایک زمانہ تک مارا اُس وقت وہ ان سے

پوشیدہ ہوگیا پھر وہ اُن کے پاس آیا پھر انھوں نے مارا۔ مگر اسی جیسا تمہارے اندر بھی ایک آدمی ہے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۳ ۴)

چونتیسویں کہانی

فرشتوں کا حصہ حضرت علی کو

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک جنگ کے بعد مدینہ کی طرف پھرے اور حضرت علی مکان پر ہی رہ گئے تھے" تو رسول اللہ نے مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ اور حضرت علی بن ابو طالب کے دو حصے لگائے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے علی بن ابوطالب کو دو حصّے دئے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہی میں رہ گئے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا اے لوگو میں تمہیں اللہ اور اسکے رسول کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم نے اُس سوار کو نہیں دیکھا جو لشکر کے دائیں طرف سے مشرکو نپر حملہ کرکے انہیں بھگا دیتا تھا اور پھر میرے پاس آکے کہتا تھا کہ اے محمد آپ کے پاس میرا بھی ایک حصہ ہے اور وہ میں نے علی بن ابوطالب کو دیدیا ہے (لہذا تم میرا حصہ انہیں دیدینا) اور وہ سوار حضرت جبرئیل تھے اور اے لوگو میں تمہیں اللہ اور اسکے رسول کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے اُس سوار کو نہیں دیکھا جو لشکر کے بائیں طرف مشرکوں پر حملہ کرتا تھا اور پھر میرے پاس آکے یہ کہتا تھا کہ اے محمد تمھارے پاس ایک میرا بھی حصّہ ہے اور میں نے وہ حصہ حضرت علی بن ابوطالب کو دیدیا۔ یہ سوار میکائیل تھے لہذا خدا کی قسم میں نے علی کو جبرئیل اور میکائیل ہی کے حصّے دئے ہیں یہ سنکر سب لوگوں نے (تعجب سے) اللہ اکبر کہا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۵ ۴)

پینتیسویں کہانی

ہزاروں فرشتوں کا مجرا حضرت علی کو

ابن عباس کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ جب ہم پانی تلاش کرنے کے لئے چلے پھر حضرت علی کو بلایا تو وہ آگئے اور (جس وقت چلے) وہ رات جاڑے کی بہت سخت اندھیری تھی تیز ہوا چل رہی تھی حضرت علی اپنی مشک لیکر نکلے جب کنوئیں کے پاس پہنچے تو آپ کو وہاں ڈول نہ ملا آپ اُسی وقت اندر اتر گئے اور اپنی مشک بھر لی پھر بہت سخت ہوا چلی آپ بیٹھ گئے جب وہ ہوا اتر گئی تو آپ کھڑے ہوئے پھر تیز ہوا چلی پھر آپ بیٹھ گئے جب وہ بھی اتر گئی تو آپ کھڑے ہوئے پھر تیز ہوا چلی پھر آپ بیٹھ گئے یہانتک کہ وہ بھی اتر گئی اسکے بعد آپ آئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابو الحسن تمہیں آنے سے کس نے روک لیا تھا آپ نے عرض کیا کہ تین مرتبہ بہت ہی سخت ہوا چلی اُس سے مجھے اندیشہ ہوتا تھا رسول اللہ نے فرمایا اے علی تمہیں خبر بھی ہے یہ کیا چیز تھی انھوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا کہ اول مرتبہ ہزار فرشتوں کو لیکر جبرئیل آئے تھے انھوں نے آکے سب فرشتوں کے تمہیں سلام کیا تھا۔ . . . .

پھر ہزار فرشتوں کو لیکر میکائیل آئے تھے انھوں نے اور ان کے ساتھ کے سب فرشتوں نے تمہیں سلام کیا تھا۔ پھر ہزار فرشتوں کو لیکے اسرافیل آئے تھے انھوں نے اور ان کے ساتھ کے سب فرشتوں نے بھی تمہیں سلام کیا تھا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۲۶)

چھتیسویں کہانی

جنگ میں دائیں بائیں علی کے فرشتے رہتے تھے

جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ علی جب کبھی کسی لشکر میں جاتے ہیں تو میں انکے دائیں

طرف ہزار فرشتے لئے ہوئے جبرئیل کو دیکھتا ہوں اور انکی بائیں طرف ہزار ہی فرشتے لئے ہوئے میکائیل کو دیکھتا ہوں اور ملک الموت ان کے آگے ہوتے ہیں اور ایک ابر ان پر سایہ کر لیتا ہے یہاںتک کہ ان کی بہت اچھی فتح ہو جاتی ہے۔

سینتیسویں کہانی

ایک فرشتہ علی کی صورت میں

انس کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب مجھے معراج ہوئی تو میں نے اپنے روبرو عرش کے نیچے دیکھا کہ میں علی بن ابوطالب کے پاس ہوں وہ عرش کے نیچے کھڑے ہوئے اللہ کی تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل کیا علی بن ابوطالب مجھ سے بھی پہلے آگئے انھوں نے کہا نہیں اے محمد میں تمہیں بتاتا ہوں بات یہ ہے کہ اللہ تعالے نے اپنے عرش کے اوپر علی بن ابوطالب کی بہت ہی تعریف کی تھی اسلئے عرش کو علی بن ابوطالب کے دیکھنے کا بہت شوق ہو گیا لہذا اسکی خاطر سے اللہ تعالے نے عرش کے نیچے علی بن ابوطالب کی صورت پر یہ ایک فرشتہ پیدا کر دیا ہے تاکہ عرش اسکی طرف دیکھکر اپنا شوق پورا کرے اور اے محمد اللہ تعالے نے اس فرشتہ کی تسبیح و تقدیس کا ثواب آپ کی اہل بیت کی گروہ کے لئے کر دیا ہے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۶۴)

اڑتیسویں کہانی

علی کی صورت میں فرشتے علی کو دعا دیا کرتے ہیں۔

طاؤس نے ابن عباس سے نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب

ہیں رات کو آسمان پر گیا اور میں اور جبرئیل ساتویں آسمان پر پہنچے تو جبرئیل نے کہا کہ اے
محمد یہ میری جگہ ہے پھر مجھے نور میں گرا دیا یکایک میں اللہ کے ایسے فرشتوں سے ملا
جو علی کی صورت میں ان ہی کے ہمنام عرش کے نیچے سجدہ میں یہ دعا کر رہے تھے کہ یا الٰہی
علی کی اور ان کی اولاد کی اور ان سے محبت کرنے والوں کی اور ان کی جماعتوں کی مغفرت
کر دے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۲۶)

انتالیسویں کہانی

علی کی روح ملک الموت نے نہیں قبض کی

ابو ذر روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ابو ذر علی میرے
بھائی اور میرے داماد اور میری بازو ہیں اے ابو ذر جب میں رات کو آسمان پر گیا تو میں
ایک فرشتہ کے پاس سے نکلا جو نور کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور نور ہی کا تاج اسکے سر پر
تھا اسکا ایک پاؤں مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں اسکے آگے ایک تختی تھی جسے
وہ دیکھ رہا تھا ساری دنیا اسکی دونوں آنکھوں اور ساری مخلوق اسکے دونوں گھٹنوں
کے بیچ میں تھی اسکا ایک ہاتھ مشرق میں پہنچا تھا اور دوسرا مغرب میں میں نے کہا اے
جبرئیل یہ کون ہے میں نے اپنے پروردگار جل جلالہ کے فرشتوں میں جسم کے اعتبار
سے اس سے بڑا کوئی بھی نہیں دیکھا انھوں نے کہا کہ یہ عزرائیل ملک الموت ہیں آپ انکے
قریب جاکے انہیں سلام علیک کیجیے چنانچہ میں نے ان کے پاس جاکے کہا اے ملک
الموت میرے دوست سلام علیکم انھوں نے کہا اے احمد علیکم السلام پھر وہ بولا تمہارے
چچا کے بیٹے علی بن ابوطالب کا کیا حال ہے میں نے کہا کیا تم میرے چچا کے بیٹے کو جانتے
اور پہچانتے ہو وہ بولے کہ میں کسطرح نہ پہچانوں حالانکہ اللہ جل جلالہ نے سوائے آپ کے

اور علی بن ابوطالب کی روح کے تمام مخلوق کی روحیں قبض کرنے پر مجھے مقرر کر دیا ہے اور تم دونوں کو جس طرح اُسکی رائے میں ہوگا وفات دیگا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۲۷)

چالیسویں کہانی

جبرئیل کا نزول علی پر اور خدا کا سلام پہنچانا۔؟

ابن عباس کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سات رمضانوں کے روزے رکھے تھے اور آپ کے ساتھ ہی حضرت علی بن ابوطالب نے بھی روزے رکھے تھے پھر شب قدر کی ہر رات میں جبرئیل حضرت علی پر اُترا کرتے تھے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے انہیں سلام کہا کرتے تھے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۲۶)

اکتالیسویں کہانی

جبرئیل بصورت پرند

منقول ہے کہ ایک دن حضرت علی شہر بصرہ کے منبر پر کھڑے تھے اُسوقت آپ نے فرمایا اے لوگو تم مجھ سے میرے گم ہونے (یعنے میری وفات) سے پہلے ہی جو کچھ تمہیں پوچھنا ہے پوچھلو تم مجھ سے آسمانوں کے رستوں کا حال پوچھ لو کیونکہ میں آسمانوں کے راستوں کا حال زمین کے راستوں سے زیادہ جانتا ہوں اسیوقت ایک شخص لوگوں کے بیچ میں سے آپ کے روبرو کھڑا ہوا اور آپ سے یہ پوچھا کہ اسوقت میں جبرئیل کہاں ہے۔ حضرت علی نے اول آسمان کی طرف دیکھا پھر مشرق کی طرف نگاہ اٹھائی اُسکے بعد مغرب کی طرف دیکھا لیکن جبرئیل کسی جگہ نہ ملے پھر آپ نے اُس شخص کی طرف دیکھکر فرمایا کہ اے بوڑھے تم ہی جبرئیل ہو راوی کہتے ہیں پھر وہ لوگوں کے بیچمیں سے پرند بنکر اڑ گئے۔

بیالیسویں کہانی

علی کی صورت فرشتہ کی شمشیر بازی

حسین بن علی کہتے ہیں میں نے اپنے نانا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو آپ فرماتے تھے کہ جس رات کو میرے پروردگار نے مجھے آسمان پر بلایا تھا تو میں نے عرش کی اندر کی جانب ایک فرشتہ کو دیکھا اسکے ہاتھ میں نور کی تلوار تھی وہ اس تلوار سے اسطرح کھیل رہا تھا جسطرح علی بن ابو طالب ذوالفقار سے کھیلا کرتے ہیں اور تمام فرشتوں کو جب علی بن ابو طالب کے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ اس فرشتہ کی صورت دیکھتے ہیں میں نے (جناب باری میں) عرض کیا اے میرے پروردگار یہ میرے بھائی علی بن ابو طالب میرے چچا کے بیٹے ہیں اللہ نے فرمایا اے محمد یہ ایک فرشتہ ہے علی کی صورت پر میں نے اسے پیدا کر دیا ہے میرے عرش کے نیچے ہی یہ میری عبادت کرتا رہتا ہے اسکی نیکیاں اور اسکی تسبیح و تقدیس کا ثواب قیامت تک علی بن ابو طالب کے لئے لکھا جاتا رہے گا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۲۹)

تینتالیسویں کہانی

ہر رات ستر ہزار فرشتے آسمان پر علی کی زیارت کرتے ہیں

انس کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس رات کو میں آسمان پر گیا تو میں نے یکایک ایک فرشتہ دیکھا کہ وہ نور کے منبر پر بیٹھا ہوا تھا اور سب فرشتے اُسے دیکھ رہے تھے میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون فرشتہ ہے انھوں نے کہا آپ اس کے پاس جائیے اور اسے سلام کیجیے میں اسکے پاس گیا اور سلام کیا پھر یکایک میں اپنے بھائی

علی بن ابوطالب سے ملا میں نے کہا اے جبرئیل کیا علی بن ابوطالب چوتھے آسمان پر مجھ سے بھی پہلے آ گئے ہیں۔ انھوں نے کہا اے محمد نہیں بلکہ فرشتوں نے اپنی زیادتی محبت کی اللہ تعالےٰ سے شکایت کی تھی۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے علی کی صورت پر یہ فرشتہ نور کا پیدا کر دیا ہے تمام فرشتے ہر جمعہ کی رات کو اور ہر روز جمعہ کو ستر ہزار مرتبے اسکی زیارت کرتے ہیں اور وہ سب اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں اور اسکے ثواب کو علی کے دوستوں کے لئے تحفۃً بھیجتے رہتے ہیں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۲۹)

چوالیسویں کہانی

علی کی ساخت اسرافیل کے ہاتھ سے

مناقب خوارزمی میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانی فرشتوں میں سب سے پہلے علی بن ابوطالب کو بھائی اسرافیل نے بنایا تھا پھر میکائیل نے پھر جبرئیل نے اور آسمان میں سب سے پہلے ان سے محبت حاملین عرش نے کی تھی اُسکے بعد بہشت کے داروغہ رضوان نے کی پھر ملک الموت نے اسی لئے ملک الموت علی بن ابوطالب کے دوستوں پر ایسی شفقت اور نرمی کرتے ہیں جیسے وہ انبیاء علیہم السلام پر نرمی کرتے ہیں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۳۰)

پینتالیسویں کہانی

قرآن کی سورتوں کا بعض حصہ علی پر نازل ہوا تھا

عیسےٰ بن زکریا دہقان امیر المومنین علی بن ابوطالب سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں گیا۔ آنحضرت سورہ مائدہ پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا تم لکھو چنانچہ میں لکھنے لگا جب آپ اس آیت تک پہنچے۔ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا

تو آپ نے اسطرح سر جھکا لیا گویا آپ سو رہے ہیں اور آپ زبان مبارک سے لکھاتے رہے جب آخر سورۃ تک لکھا چکے تب آپ کی آنکھ کھلی اور مجھسے فرمایا کہ جہاں سے مجھے نیند آگئی تھی پھر تم وہیں سے لکھو میں نے کہا آپ تو برابر لکھواتے رہے یہانتک کہ آپ نے وہ سورۃ بھی ختم کرادی فرمایا اللہ اکبر یہ تو تمھیں جبرئیل نے لکھوایا ہے۔ پھر حضرت علی بن ابوطالب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے ساٹھ ہی آیتیں لکھوائی تھیں اور جبرئیل نے مجھے چونسٹھ آیتیں لکھوائیں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۳۰)

چھیالیسویں کہانی

آسمانی سونے کا پیالہ اور حضرت علی

عبداللہ بن عباس اور حمید الطویل دونوں انس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے جب آپنے رکوع کیا تو آپ بہت دیر تک رکوع میں ٹھیرے رہے یہانتک کہ ہم لوگوں نے یہ خیال کیا کہ آپ پر وحی اترنے لگی ہے جب آپ نماز پڑھ چکے اور آپنے سلام پھیرا تو آپ محراب سے کمر لگا کے بیٹھ گئے اور آواز دی کہ علی بن ابوطالب کہاں ہیں وہ سب سے پچھلی صف میں نماز پڑھ رہے تھے وہ اسیوقت آپ کے پاس آئے آنحضرت نے پوچھا کہ اے علی تمھیں جماعت مل گئی اُنھوں نے عرض کیا یا نبی اللہ آج بلال نے بہت جلدی تکبیر کہدی۔ میں نے حسن کو آواز دیکر وضو کے لئے پانی منگوایا پھر میں نے وہاں کسیکو نہ دیکھا ناگہاں کسی نے غیب سے آواز دی کہ اے ابو الحسن تم اپنا داہنا ہاتھ بڑھاؤ میں اسطرف متوجہ ہوا تو میں نے سونے کا ایک پیالہ دیکھا جو سبز رومال سے ڈھکا ہوا لٹک رہا تھا پھر مینے اسکا پانی دیکھا کہ برف سے بہت زیادہ سپید اور شہد سے بہت زیادہ میٹھا اور مشک سے بہت زیادہ خوشبودار تھا میں نے وضو بھی کیا اور وہ پیا بھی اور اسکا ایک قطرہ میرے سر پر پڑا اس قطرہ کی ٹھنڈک ابتک مجھے اپنے دل پر

معلوم ہوئی اور اُس رومال سے میں نے اپنا مونہ پوچھا جب وہ پانی میں اپنے ہاتھوں پر ڈالتا تھا اسوقت میں نے آدمی کوئی نہیں دیکھا یا نبی اللہ پھر میں آنکر جماعت میں شامل ہوگیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پیالہ بہشت کے پیالوں میں سے تھا اور وہ پانی کوثر کا تھا اور وہ قطرہ عرش کے نیچے کا تھا اور وہ رومال وسیدہ ہے جبرئیل اُسے لیکر آئے تھے اور میکائیل نے تمہیں دیا تھا اور جبرئیل میرے گھٹنو پر اپنا ہاتھ رکھکر کھڑے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ اے محمد ذرا ٹھیرنا یعنے دیر میں رکوع کرنا تاکہ علی آنکر تمھارے ساتھ جماعت میں شامل ہوجائیں۔ (از بحارالانوار جلد ۹ صفحہ ۴۳۱)

سینتالیسویں کہانی

نارنگی کا آسمانی تحفہ

تاج الدین کہتے تھے کہ جبرئیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نازل ہوئے ان کے ہاتھ میں ایک نارنگی تھی انھوں نے آنحضرت سے کہا یا رسول اللہ اللہ تعالے آپ کو سلام فرماتا ہے اور اُس نے یہ فرمایا ہے کہ میں تمھارے چچا کے بیٹے علی بن ابو طالب کو یہ تحفہ بھیجتا ہوں تم ان کے سپرد کر دینا چنانچہ آپ نے حضرت علی کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے لیکر بیچ میں سے اسکے دو ٹکڑے کئے اسکے نصف میں سے ایک بہشتی ریشم کا ٹکڑا نکلا جسپر یہ لکھا تھا کہ یہ طالب غالب کی طرف سے علی بن ابو طالب کے لئے تحفہ ہے۔

(از بحارالانوار جلد ۹ صفحہ ۴۳۲)

اڑتالیسویں کہانی

آسمانی گھوڑا اور حضرت علی

حضرت علی بن ابوطالب فرماتے ہیں کہ میں سفر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ سواری پر تھے اور میں پیدل تھا آپ تھوڑی دور چلے پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے ابوالحسن جس طرح میں سوار ہوں تم بھی سوار ہو جاؤ ورنہ جیسے تم پیدل چلتے ہو میں بھی پیدل چلوں میں نے کہا نہیں آپ سوار رہیے اور میں پیدل ہی چلونگا چنانچہ آپ چلنے لگے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے علی جس طرح میں سوار ہوں تم بھی ہو جاؤ ورنہ جیسے تم پیدل چلتے ہو میں بھی پیدل چلونگا کیونکہ تم میرے بھائی میرے چچا کے بیٹے میری بیٹی کے خاوند میرے بچوں کے باپ ہو میں نے کہا نہیں بلکہ آپ سواری رہیے اور میں پیدل چلونگا یہانتک کہ ہم پانی کے ایک چشمہ تک پہنچے آپ اپنا مبارک پاؤں رکاب میں سے نکالکر نیچے اتر گئے اور خوب اچھی طرح وضو کیا اور آپ کے ساتھ میں نے بھی خوب وضو کیا پھر آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے آپ کے ساتھ برابر میں بھی کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا ابھی میں سجدہ میں تھا کہ آپ نے فرمایا اے علی تم اپنا سر اُٹھاؤ اور اللہ کے تحفہ کو دیکھو اسنے تمہارے پاس بھیجا ہے میں نے اپنا سر اُٹھا کر دیکھا کہ یکایک ایک گھوڑا ہے اسپر زین اور لگام کھنچا ہوا ہے آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے تمہارے واسطے تحفہ ہے تم اسپر سوار ہو جاؤ چنانچہ میں اسپر سوار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۴۳)

انچاسویں کہانی

خداوند تعالے کا رقعہ حضرت علی کے نام

قنبر کہتے ہیں میں اپنے آقا حضرت علی بن ابوطالب کی ہمراہ دریائے فرات کے کنارے پر تھا آپ اپنا کرتہ اتار کے پانی میں اُترے اُسکے بعد ایک موج آئی اور وہ کرتہ کو

ے گئی پھر یکایک کسی نے غیب سے آواز دی کہ اے ابوالحسن اپنی داہنی طرف نگاہ کرو اور جو دیکھو وہ لیلو آپ کی داہنی طرف ایک رومال معلوم ہوا اسمیں ایک کرتہ لپٹا ہوا تھا حضرت علی نے اسے لیکر پہن لیا پھر دیکھا کہ اسکی جیب میں ایک رقعہ تھا جسمیں یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ تحفہ اللہ عزیز الحکیم کی طرف سے علی بن ابوطالب کے لئے ہے یہ کرتہ ہارون بن عمران کا ہے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۲۳)

پچاسویں کہانی

آسمانی پیالے کی خاموشی اور گویائی

امیر المومنین حضرت علی نقل کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہشت کا ایک پیالہ لائے جسمیں بہت سے بہشتی میوے تھے انھوں نے وہ پیالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیا اس پیالہ نے آنحضرت کے ہاتھ میں اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہا پھر آنحضرت نے وہ پیالہ ابوبکر کو دیدیا اسیوقت وہ پیالہ خاموش ہوگیا پھر آنحضرت نے وہ امیر المومنین حضرت علی کو دیدیا آپ کے ہاتھ میں اس پیالہ نے سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہا اسکے بعد اُسنے یہ بیان کیا۔ کہ مجھے یہ حکم ہے کہ میں نبی یا وصی ہی کے ہاتھ میں گفتگو کیا کروں اور کتاب الانوار کی ایک اور روایت میں یوں بھی ہے کہ پھر وہ پیالہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں سے نکل کے آسمان پر چڑھ گیا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۲۵)

اکیاونویں کہانی

خضر اور حضرت علی

حارث اعور ہمدانی کہتے ہیں میں نے نخیلہ میں امیر المومنین حضرت علی کے ساتھ ایک بوڑھے

آدمی کو دیکھا تھا میں نے پوچھا کہ اے امیرالمومنین یہ کون شخص ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ میرے بھائی خضر ہیں میرے پاس یہ بات پوچھنے آئے تھے کہ دنیا کب تک باقی رہے گی اور میں نے اُن سے یہ پوچھا کہ دنیا کسقدر گذر چکی ہے اُنھوں نے مجھے بتا دیا اگرچہ جو میں نے پوچھا تھا وہ میں بھی جانتا تھا اور فرمایا کہ پھر ہمارے پاس آسمان سے تر کھجوروں کا ایک طباق آیا ہم دونوں نے کھجوریں کھانی شروع کیں خضر تو گٹھلیاں پھینکتے رہے اور میں اپنے ہاتھ میں جمع کرتا رہا حارث کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین وہ گٹھلیاں مجھے عطا کر دیجے آپ نے مجھے عطا کر دیں۔ میں نے انہیں بو دیا چنانچہ ان سے ایسی عمدہ عجیب بڑھیا کھجوریں لگیں کہ میں نے ایسی کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۳۵)

باونویں کہانی

آفتاب اور حضرت علی رضہ

جوہریہ بن مسہر کہتے ہیں کہ ہم امیرالمومنین حضرت علی بن ابوطالب کے ساتھ سفر طے کر کے عصر کے وقت صراط کے پل پر پہنچے حضرت علی نے فرمایا کہ اس زمین میں لوگوں کو عذاب دیا گیا ہے لہذا یہاں نبی کو اور نبی کے وصی کو نماز پڑہنی نہیں چاہیئے۔ اور تم میں سے جو شخص نماز پڑھنی چاہے پڑھ لے اسیوقت لوگ دائیں بائیں متفرق ہو کے نماز پڑہنے لگے میں نے کہا بخدا میں تو آج نماز پڑہنے میں ان شخص کی ہی تقلید کرونگا اور جب تک یہ نماز نہیں پڑہیں گے میں بھی نہیں پڑہونگا پھر ہم وہاں سے چلائے اور سورج نیچے جانے یعنے غروب ہونے کے قریب ہو گیا اور مجھے اس سے نہایت ہی تشویش ہوتی رہی یہانتک کہ سورج غروب ہو گیا اور ہم سب سفر طے کر چکے وہاں پہنچکر حضرت علی نے فرمایا کہ اے جوہریہ آذان دیدو میں نے کہا آپ اب فرماتے ہیں کہ آذان دیدو حالانکہ سورج غروب ہو چکا ہے اُنھوں نے فرمایا کہ تم آذان

دیدو چنانچہ میں نے آذان دیدی پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تکبیر کہو میں نے تکبیر کہی جب میں نے قد قامت الصلوۃ کہا تو میں نے آپ کے دونوں ہونٹوں کو ہلتے ہوئے دیکھا اور کچھ کلمات سنے گویا وہ عبرانی زبان کے کلمات تھے اسیوقت سورج لوٹکر اوپر چڑھ آیا یہاں تک کہ وہ اسیطرح ہو گیا جیسا وہ عصر کے وقت ہوتا ہے آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی جب ہم فارغ ہوئے تو سورج اپنی اسی جگہ چلا گیا اور ستارے جگمگانے لگے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۲۸)

ترپنویں کہانی

حضرت علی اور سورج کی باتیں

ابن جعفر اپنے باپ دادوں سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے کہ آپ نے حضرت علی بن ابوطالب سے فرمایا کہ اے ابوالحسن تم کچھ سورج سے پوچھو وہ تم سے گفتگو کرے گا حضرت علی نے اُس سے فرمایا اے اللہ کے فرمانبردار بندے السلام علیکم سورج نے کہا اے امیر المومنین وامام المتقین وعلیکم السلام اے علی تم اور تمہاری جماعت بہشت میں جاؤ گے اے علی سب سے پہلے زمین سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں گے اور ان کے بعد تم اور سب سے پہلے محمد زندہ ہونگے اُنکے بعد سب سے پہلے انہیں لباس پہنایا جائے گا ان کے بعد تمہیں پھر حضرت علی سجدہ کرنے کے لئے زمین پر گر پڑے اور انکی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ان ہی کے اوپر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی گر پڑے اور فرمایا کہ اے میرے بھائی اے میرے پیارے اپنا سر اُٹھاؤ کیونکہ اللہ تعالےٰ تمہارے اوپر ساتوں آسمانوں والوں پر فخر کرتا ہے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۲۹)

چونویں کہانی

حضرت علی اور سورج کی دوبارہ گفتگو اور علی کی ذات پر اللہ کو فخر

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو ہم آٹھ ہزار آدمی نکلکر چلے جب ہمیں شام ہوئی تو ہم دس ہزار مسلمان ہو گئے پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت موقوف کر دی یعنے یہ فرمایا کہ مکہ معظمہ فتح ہونے کے بعد ہجرت ضروری نہیں رہی - راوی کہتے ہیں پھر ہم قبیلہ ہوازن کے پاس پہنچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابو طالب سے فرمایا کہ اے علی تم اُٹھو اور اللہ عزوجل کے حضور اپنی کرامت و بزرگی دیکھو دکہ کسقدر ہے یعنے) جب سورج طلوع ہو تو تم اُس سے گفتگو کرو ابن عباس فرماتے ہیں خدا کی قسم مجھے اُسر وقت سوائے علی بن ابو طالب کے اور کسی پر حسد نہیں ہوا میں نے (اپنے بھائی) فضل سے کہا تم بھی چلو ہم علیؓ بن ابو طالب کو دیکھیں وہ سورج سے کس طرح گفتگو کرینگے چنانچہ جب سورج طلوع کر آیا تو حضرت علی بن ابو طالب نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے اللہ کے نیک بندے اپنے پروردگار کی فرمانبرداری میں ہمیشہ رہنے والے السلام علیکم سورج نے آپ کو یہ کہکر جواب دیا کہ اے رسول اللہ کے بھائی اور آپ کے وصی اور اللہ کی مخلوق میں اسکی حجت وعلیکم السلام اسیوقت حضرت علی شکرانہ کا سجدہ کرنے کے لئے مونہ کے بل گر پڑے پھر خدا کی قسم میں نے خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے کھڑے ہو کر انکا سر پکڑ لیا انہیں کھڑا کرتے تھے اور انکا منہ پونچھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اے میرے پیارے کھڑے ہو جاؤ کیونکہ تم نے اپنے رونے کے باعث سارے آسمان والوں کو رلا رکھا ہے اور اللہ تعالے تمہارے باعث حاملین عرش سے فخر کرتا ہے -

پچپنویں کہانی

حضرت علی کا مردہ کو زندہ کرنا

امام صادق فرماتے ہیں کہ قبیلۂ بنی مخزوم کی حضرت علی سے رشتہ داری تھی۔ ایک روز اُن میں کا ایک جوان اُن کے پاس آیا اور کہا اے ماموں میرا ایک بھائی مرگیا ہے جسکی وجہ سے مجھے نہایت ہی غم ہے آپ نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے اسکی صورت دکھا دوں اُس نے کہا ہاں۔ فرمایا تو مجھے اسکی قبر کے پاس لے چل رجب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے اول وہاں کچھ دعا کی پھر فرمایا اے فلانے اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا اسی وقت وہ مردہ اچانک قبر پر بیٹھ گیا اور یہ الفاظ کہتا تھا وینہ وینہ سالاب جسکے معنے سیدنا لبیک لبیک کے ہیں امیر المومنین نے پوچھا کہ یہ کیسی کہاں کی بولی ہے کیا تو عربی ہو کر نہیں مرا تھا وہ بولا ہاں لیکن میں فلاں فلاں کی ولایت پر مرا تھا اسلئے میری بولی دوزخیوں کی بولی جیسی ہو گئی۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۴۳)

چھپنویں کہانی

حضرت علی کے مصلے کے نیچے تمام دنیا کی چیزیں ہوتی تھیں

علی بن حسین نے اپنے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی یہ آواز دیا کرتے تھے کہ جس شخص کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کوئی وعدہ ضمانت یا قرض ہو تو وہ میرے پاس آجائے (تاکہ میں ادا کر دوں) پھر جو شخص کوئی قرض یا ضمانت طلب کرنے آتا تھا تو آپ مصلے اٹھاتے اور اوسکے نیچے سے وہی چیز لیکر اُسے دیدیتے تھے ایکروز خلیفہ ثانی نے خلیفہ اول سے یعنے عمر نے ابوبکر سے کہا کہ اسنے تو دنیا میں اسقدر شرف

حاصل کرلیا اور ہمیں کچھ بھی شرف نہیں ہوا لہذا کیا حیلہ کرنا چاہیئے انھوں نے کہا شاید
جس طرح وہ منادی کرتے ہیں ہم بھی اسیطرح کریں تو ہمیں بھی یہ شرف حاصل ہو جائے
جیسا انہیں حاصل ہے کیونکہ وہ اسوقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کا
فرض آدا کرتے ہیں چنانچہ ابوبکر نے اسیطرح منادی کی پھر حضرت علی کو یہ حال معلوم ہوا تو
انھوں نے فرمایا یاد رکھو کہ یہ اپنے اس کرتوت پر نادم ہونگے جب اگلا روز ہوا تو ایک
دہقانی آیا ابوبکر مہاجرین اور انصار کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے دہقانی نے پوچھا
تم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصی کون ہے کسی نے ابوبکر کی طرف اشارہ کردیا
اُسنے پوچھا کہ کیا رسول اللہ کے وصی اور خلیفہ تم ہی ہو انھوں نے کہا ہاں تو کیا چاہتا ہے
وہ بولا کہ مجھے اسی اونٹنیاں دو جنکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضامن ہوئے تھے۔
انھوں نے پوچھا کہ وہ کیسی اونٹنیاں تھیں اُس نے کہا کہ اسی اونٹنیاں سرخ جنکی آنکھیں
کالی ہوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھے دینے کے لئے ضامن ہوگئے تھے اُس
وقت ابوبکرؓ نے عمرؓ سے کہا کہ اب کیا کریں اُنھوں نے کہا کہ دہقانی لوگ تو جاہل ہوتے
ہیں لہذا اُس سے یہ پوچھو کہ جو کچھ تو کہتا ہے تیرا گواہ کون ہے چنانچہ ابوبکر نے اس سے
گواہ طلب کئے اُس نے کہا کہ جس چیز کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضامن ہوں کیا
آپ پر مجھ جیسا جاہل شخص گواہ تلاش کرنا بخدا تم رسول اللہ کے وصی اور خلیفہ ہی نہیں
ہو پھر سلمان اُسکے پاس آئے اور اُس سے کہا کہ اے دہقانی تو میرے ساتھ چل تاکہ میں تجھے
رسول اللہ کا وصی بتا دوں وہ دہقانی اُن کے پیچھے ہولیا یہانتک کہ وہ حضرت علی کے
پاس پہنچے دہقانی نے حضرت علی سے پوچھا کہ رسول اللہ کے وصی تم ہی ہو انھوں نے فرمایا
ہاں تو کیا چاہتا ہے اُسنے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے واسطے سرخ
اسی اونٹنیوں کے ضامن ہوئے تھے جنکی آنکھیں کالی ہوں اب آپ وہ اونٹنیاں دلوائیے

حضرت علی نے اس سے پوچھا کہ تو اور تیرے گھر والے سب مسلمان ہو گئے یہ سنتے ہی دہقانی آپ کے ہاتھوں پر اوندھا گر پڑا اور انہیں بوسہ دیکر یہ کہا میں گواہ ہوں کہ آپ اللہ کے وصی اور خلیفہ ہیں کیونکہ میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ میں یہی شرط ٹھہری تھی اور ہم سب مسلمان ہو گئے ہیں حضرت علی نے فرمایا اے حسن تم اور سلمان اس دہقانی کے ساتھ فلانے جنگل میں جاؤ اور یا صالح یا صالح کہکر پکارنا جب تمہیں کوئی جواب دے تو تم کہنا کہ امیر المومنین نے تمہیں سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اسی اونٹنیوں کے اس دہقانی کے لئے ضامن ہوئے تھے وہ دیدیجئے سلمان کہتے ہیں ہم اس جنگل کی طرف روانہ ہوئے جب وہاں پہنچگئے تو امام حسن نے اسی طرح پکارا کسی نے جواب دیا کہ اے رسول اللہ کے بیٹے میں حاضر ہوں انھوں نے حضرت علی کا پیغام اسے سنا دیا وہ بولا بہت اچھا میں کرتا ہوں ابھی کچھ دیر نہیں ہوئی تھی کہ یکایک زمین میں نکیل دار اونٹنیاں ہماری طرف آنی شروع ہوئیں امام حسن نے نکیل پکڑ کر اس دہقانی کو دیدی پھر وہاں سے اونٹنیاں نکلتی رہیں یہانتک کہ اسیطرح کی پوری اسی ہو گئیں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۳۵)

ستائیویں کہانی

علی سیاہ کوے اور یہودی کا خزانہ

رضا نے اپنے باپ داداؤں سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں ان کے پاس آیا اور کہا اے ابوبکر السلام علیک انھوں نے اپنی گردن نیچی کر لی کسی نے اس لڑکے سے کہا کہ تو نے خلیفہ کو سلام کرنے کی طرح کیوں نہیں سلام کیا یعنے امیر المومنین السلام علیکم کیوں نہ کہا پھر ابوبکر نے اس سے پوچھا کہ

تیرا کیا کام ہے وہ بولا کہ میرا باپ یہودی تھا اسی حالت میں وہ مر گیا ہے اور اس نے
بہت سا خزانہ اور مال چھوڑا ہے لیکن کہیں گڑا ہوا ہے مجھے نہیں ملتا لہذا اگر تم اُسے
ظاہر کردو ورنکالدو تو میں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہی نہیں ہو جاؤں بلکہ تمہارا غلام
بن جاؤنگا اور اُس مال میں سے ایک تہائی تمہارا رہا اور ایک تہائی انصار اور مہاجرین
کا اور ایک تہائی میرا یہ سنتے ہی ابو بکر نے اُس سے کہا اے خبیث کیا اللہ تعالیٰ
کے سوا بھی کوئی غیب کو جان سکتا ہے پھر ابو بکر یہ کہتے ہی چلدیئے۔ اس کے بعد یہ
یہودی لڑکا عمر کے پاس پہنچا انہیں سلام کر کے یہ کہا کہ میں ابو بکر کے پاس ایک مسئلہ
پوچھنے کو گیا تھا لیکن میں نے وہاں تکلیف اُٹھائی اور اب بھی میں ایک مسئلہ پوچھتا ہوں
پھر اُسنے سارا قصہ بیان کر دیا انھوں نے بھی وہی کہا کہ کیا کوئی اللہ تعالےٰ کے سوا
بھی غیب کو جان سکتا ہے پھر وہ یہودی حضرت علی کے پاس گیا آپ مسجد میں تھے
عرض کیا اے امیر المومنین السلام علیکم یہ ابو بکر اور عمر نے بھی سن لیا پھر لوگوں نے
اُسے مارا اور یہ کہا کہ اے خبیث تو نے خلیفہ اول کو اس طرح کیوں نہیں سلام کیا۔
جس طرح علی کو کیا ہے حالانکہ خلیفہ تو ابو بکر ہی ہیں یہودی نے کہا بخدا میں نے انکا
امیر المومنین نام جب ہی رکھا ہے جب میں نے اپنے باپ دادوں کی کتابوں توریت
میں دیکھ لیا پھر امیر المومنین نے اُس سے کہا کہ تو جو کچھ کہتا ہے اسے پورا کرے گا۔
وہ بولا ہاں میں اللہ کو اور اسکے فرشتوں کو اور جسقدر آدمی یہاں موجود ہیں سبھوں کو
گواہ کرتا ہوں آپ نے فرمایا بہت اچھا پھر آپ نے ایک سپید کاغذ منگا کر کچھ اسپر
لکھا اور اس سے پوچھا کہ تو بھی اچھی طرح لکھ سکتا ہے اُسنے کہا ہاں آپ نے فرمایا
تو اپنے ساتھ چند تختیاں لیکر ملک یمن کی طرف جا اور وہاں حضر موت میں برہوت کا
جنگل پوچھنا جب تجھے اُس جنگل میں شام ہو جائے تو تو اسی جگہ بیٹھ جائیو کیونکہ

تیرے پاس سیاہ چونچوں والے کوے شور مچاتے ہوئے آئیں گے جب وہ چیخنے لگیں تو تو اپنے باپ کو پکارنا اور کہنا کہ اے فلانے میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے وصی کا قاصد ہوں لہذا تو مجھ سے گفتگو کر چنانچہ تیرا باپ تجھے جواب دے گا اور تو اُس سے اُن ہی خزانوں کو جنہیں چھوڑ گیا ہے پوچھنے میں دیر نہ کرنا اور اُسوقت اور اُس ساعت میں جو جواب وہ تجھے دے تو اپنی تختیوں میں لکھ لینا پھر جب تو اپنے ملک خیبر میں آئے تو جو جگہ تیری تختیوں میں لکھی ہوئی ہو اسکے موافق عمل کرنا چنانچہ یہودی ملک یمن کے جنگل میں پہنچا اور جہاں حضرت علی نے حکم کیا تھا اسی جگہ بیٹھ گیا۔ یکا یک اُسکے پاس سیاہ کوے شور مچاتے ہوئے آئے یہودی نے آواز دی اُسکے باپ نے فوراً جواب دیا اور یہ کہا کہ تیرا بھلا ہو تجھے اسوقت میں اس جگہ کون لے آیا۔ کیونکہ یہ جگہ تو دوزخیوں کی ہے اسنے کہا میں تیرے پاس تیرے خزانوں کو پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ تو نے وہ خزانے کہاں کس جگہ رکھے ہیں اُس نے کہا کہ فلانے باغ کی فلاں جگہ کی فلانی دیوار میں ہیں۔ یہ سب اُس لڑکے نے لکھ لیا پھر اُس نے کہا کہ تو دین محمد کی پیروی کرنا اور کوے سب چلے گئے یہ یہودی اپنے ملک خیبر کیطرف پھرا اور اپنے غلاموں اور نوکروں اور کھودنے والوں کو لیکر چلا اور جو ان تختیوں میں لکھا ہوا تھا اُسے تلاش کیا چنانچہ اُسنے ایک خزانہ چاندی کے برتنوں کا نکالا اور ایک سونے کے برتنوں کا نکالا پھر وہ ایک قافلہ کو لیکر حضرت علی کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین میں اس بات کا گواہ ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور بیشک محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں اور تم محمدؐ کے وصی اور اُنکے بھائی ہوا ور جیسا تمہارا نام امیر المومنین ہے سچ ہے یہ ایک قافلہ درہمونکا ہے اور یہ دوسرا اشرفیوں کا ہے اللہ نے اور اللہ کے رسول نے جہاں تمہیں صرف کرنے کا حکم دیا ہو۔ آپ اسے

صرف کر دیجئے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۳۶)

اٹھاونویں کہانی

پتھر میں سے اونٹنیاں نکلیں

منقول ہے کہ بہت سے نصارائے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ اگر آپ ہماری روبرو ایک پتھر میں سے سیاہ سنو اونٹنیاں ایسی کہ ہر ایک کے ساتھ بچہ ہو نکالدیں تو ہم ایمان لے آئیں گے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے ضامن ہو گئے اور وہ لوگ یہ کہکر اپنے شہروں کو چلے گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ مدینہ منورہ میں آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھا کسی نے ان سے کہا کہ اُن کی وفات ہو گئی انھوں نے کہا ہم اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ جب کوئی نبی دنیا سے جاتا ہے تو وہ اپنا وصی ضرور چھوڑ جاتا ہے لہذا تمھارے نبی محمد کا وصی کون ہے لوگوں نے ابوبکر کو بتا دیا (کہ وہ وصی ہیں) یہ لوگ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ محمد کے ذمہ ہمارا قرض تھا انھوں نے پوچھا کہ وہ کیا چیز تھی انھوں نے بیان کیا کہ سنو اونٹنیاں ہیں کہ ہر اونٹنی کے ساتھ ایک بچہ اور سب کی سب سیاہ ہوں ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو کوئی ترکہ نہیں چھوڑا جس میں یہ پورا کر دیا جائے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے اپنی زبان میں کہا کہ بس محمد کا کام تو سب جھوٹا ہی تھا سلمان بھی وہاں موجود تھے اور یہ انکی زبان سمجھتے تھے انھوں نے ان سے کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا وصی میں تمہیں بتاؤنگا چنانچہ یہ حضرت علی کے پاس لے گئے وہ مسجد میں جاتے تھے یہ سب ان کے پاس گئے اور ان کے روبرو دوزانو ہو کر سب بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ تمھارے نبی کے ذمہ ہمارا

قرض تھا یعنی ان کے ذمہ ایک خاص صفت والی سو اونٹنیاں تھیں علی نے اُسیوقت پوچھا
کہ کیا تم مسلمان ہو گئے ہو انھوں نے کہا ہاں حضرت علی نے اگلے ہی روز دینے کا ان
سے وعدہ کر لیا پھر آپ نامردوں اور منافقوں کی طرف گئے وہ یہ گمان کرتے تھے
کہ علی کی بھی فضیحت ہوئی ہوگی جب آپ انکے پاس پہنچے تو آپ نے دو رکعت پڑھیں
اور آہستہ سے دعا مانگی پھر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھڑی لیکر ایک
پتھر پر ماری وہاں سے ایسی آواز آئی جیسی اونٹنیوں کی بچہ جننے کے وقت ہوتی ہی
اور ابھی ہم اسیطرح بیٹھے تھے کہ یکایک پتھر پھٹا اور اسمیں سے ایک اونٹنی کا سر
نکلا اور اسکی نکیل لٹکی ہوئی تھی آپ نے اپنے صاحبزادے حسن سے فرمایا اسے پکڑ لو پھر
اسمیں سے سو اونٹنیاں نکلیں ہر ایک کے ساتھ ایک بچہ سبھوں کا سیاہ رنگ تھا اسی
وقت سب نصاریٰ مسلمان ہو گئے اسکے بعد عرض کیا کہ صالح نبی کی فقط ایک اونٹنی تھی
جسکے باعث ایک بہت بڑی قوم تباہ ہو گئی لہذا ای امیر المومنین آپ دعا کیجئے تاکہ یہ
سب اونٹنیاں اور ان کے بچے اسی پتھر کے اندر چلی جائیں تاکہ ان میں سے کوئی چیز
امت محمد کے تباہی کے لیے سبب نہ ہو جائے حضرت علی نے دعا کی چنانچہ جس طرح
وہ نکلی تھیں سب کی سب اُسی کے اندر چلی گئیں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۳۶)

انسٹھویں کہانی

آسمانوں کے عجیب و غریب نام اور مردہ عورت کا زندہ کرنا

سلمان فارسی کہتے ہیں کہ ایک انصاری عورت جسے ام فروہ کہتے تھے ابوبکر کی
بیعت توڑنے پر اور حضرت علی سے بیعت کرنے پر لوگوں کو اُبھارا کرتی تھی اسکی خبر
ابوبکر کو ہو گئی انھوں نے اُسے بلوا کر کہا کہ اے اللہ کی دشمن جس بات پر سب مسلمانوں نے

اتفاق کر لیا ہو گیا تو ان کی جماعت میں تفرقہ ڈالنے کے لئے لوگوں کو برانگیختہ کرتی ہی
بھلا میری امامت کی بابت تو کیا کہتی ہے وہ بولی کہ تو امام نہیں ہے انھوں نے پوچھا
پھر میں کون ہوں اُسنے کہا تو اپنی ہی قوم کا امام امیر و حاکم ہے جنھوں نے تجھے حاکم
بنایا ہے اور تیرا اعزاز کرتے ہیں اور جو امام اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے خاص ہو
اسپر ظلم کرنا جائز نہیں ہے اور امیر اور امام پر یہ چند باتیں خاص لازم ہیں کہ وہ ظاہر و باطن
کو اور جو مشرق و مغرب میں برائی بھلائی ہوتی ہے تمام جانتا ہو اور جب وہ دھوپ میں یا
چاند کی چاندنی میں کہیں کھڑا ہو جائے تو اسکا سایہ نہ گرے اور امامت بت پرستوں کے
لئے یا جو پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہو گئے ان کے لئے جائز نہیں ہے اور اے ابن
قحافہ تو کن لوگوں میں سے ہے انھوں نے کہا میں اُس امت کے لوگوں میں سے
ہوں جنھیں اللہ نے اپنے بندوں میں سے پسند کر لیا ہے اُس نے کہا تو اللہ پر جھوٹا
بولتا ہے اگر تو ان لوگوں میں سے ہوتا جنھیں اللہ نے پسند کر لیا تو اللہ تعالے تیرا ذکر اپنی
کتاب میں کرتا جیسا کہ اُسنے تیرے سوا اوروں کا ذکر کیا ہے اگر تو سچا امام ہے تو یہ بتا
کہ آسمان دنیا کا اور دوسرے. تیسرے. چوتھے. پانچویں. چھٹے اور ساتویں کا کیا
نام ہے. ابوبکر جواب نہ دے سکے بلکہ یہ کہا کہ انکا نام وہی اللہ جانتا ہے جسنے انہیں پیدا
کیا ہے اُسنے کہا اگر عورتوں کو سکھانا جائز ہوتا تو میں تجھے سکھا دیتی. انھوں نے اس سے
کہا کہ اے اللہ کی دشمن یا تو تو ہر ہر آسمان کا نام بتا ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا وہ بولی
کیا تو مجھے قتل کرنے سے ڈراتا ہے خدا کی قسم مجھے اس بات کی کچھ پروا نہیں ہے کہ تجھ
جیسے کے ہاتھ سے میں قتل ہو جاؤں لیکن ہاں میں بتائے دیتی ہوں آسمان دنیا کا نام
ایلول ہے دوسرے آسمان کا نام ربعول تیسرے کا نام سحقوم چوتھے کا نام ذیلول پانچویں
کا نام ماین چھٹے کا نام ماجیرا اور ساتویں کا نام ایوث ہے ابوبکر اور جو ان کے ساتھ تھے

سب حیران رہ گئے ان سبھوں نے اس سے پوچھا کہ تو علی کی بابت کیا کہتی ہے۔ اس نے کہا کہ سب اماموں کے امام اور سب وصیوں کے وصی جنھوں نے اپنے نور سے آسمان و زمین کو روشن کر دیا اور جنکی حقیقت پہچانے بدون توحید بھی پوری نہیں ہوتی میں ان کے حق میں کیا کہ سکتی ہوں لیکن تو نے ان کی بیعت توڑ دی اور اپنا دین بیچ دیا ہے ابوبکر نے کہا کہ اسے قتل کر دو کیونکہ یہ مرتد ہو گئی ہے چنانچہ وہ قتل کر دی گئی اور حضرت علی وادی قرے میں اپنے مکان میں تھے جب انھوں نے ام فردہ کے قتل ہو جانے کی خبر سنی تو آپ اسکی قبر پہ گئے یکایک اسکی قبر پر چار پرند سپید دیکھے جنکی چونچیں سرخ تھیں اور ہر ایک کی چونچ میں انار کا ایک دانہ تھا وہ جانور قبر کے اندر آتے جاتے تھے پھر ان پرندوں نے حضرت علی کو دیکھکر اپنی بولی میں کچھ ان سے کہا حضرت علی نے ایسی آواز سے انہیں جواب دیا جو ان ہی کی بولی کے مشابہ تھی اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالےٰ میں کرونگا۔ پھر آپ نے ام فردہ کی قبر پر کھڑے ہو کر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور یہ دعا کی کہ اے مرنے کے بعد جانوں کو زندہ کرنے والے اور اے سوکھی ہڈیوں میں جان ڈال دینے والے ہمارے واسطے ام فردہ کو زندہ کر دے اور جنہوں نے تیری نافرمانی کی ہے ان کے واسطے اسے (باعث) عبرت کر دے اسیوقت ناگہاں کسی نے غیب سے آواز دی کہ اے امیر المومنین اپنے حکم کو پورا کرے کہ اتنے میں ام فردہ سندس سبز کی چادر اوڑھے ہوئے قبر سے باہر نکل آئی اور عرض کیا اے میرے آقا ابن ابی قحافہ نے تیرے نور کو بجھانا چاہا تھا لیکن اللہ نے منظور نہ کیا بلکہ اسے چمکانا ہی چاہا یہ خبر ابوبکر اور عمر نے بھی سن لی پھر وہ حیران رہ گئے سلمان نے اُن دونوں سے کہا کہ اگر ابوالحسن یعنے علی اس بات پر اللہ کی قسم کھالیں کہ وہ اگلے پچھلوں سبھوں کو زندہ کر دیں تو وہ ضرور کر دینگے اور ام فردہ کو امیر المومنین نے اسکے خاوند کے پاس بھیجدیا اسکے بعد اس کے

دو لڑکے پیدا ہوئے اور حضرت علی سے چھ مہینے پیچھے تک وہ زندہ رہی۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۲۷)

ساٹھویں کہانی

کٹا ہوا ہاتھ پھر جڑ گیا

منقول ہے کہ ایک حبشی حضرت علی کی خدمت میں آیا اور عرض کیا اے امیر المومنین میں نے چوری کی ہے لہذا آپ مجھے اس سے پاک کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ شاید تو نے کوئی غیر محفوظ چیز چرالی ہوگی اور آپ نے اسکی طرف سے منہ پھیر لیا اس سے یہ اشارہ تھا کہ اسپر چوری کی حد گویا واجب نہیں ہے اسنے پھر کہا کہ اے امیر المومنین میں نے تو محفوظ ہی مال چرایا ہے لہذا آپ مجھے سزا دیکر پاک کر دیجئے آپ نے فرمایا شاید تو نے مقدار نصاب سے کم مال چرایا ہوگا اور آپ نے اسطرف سے منہ پھیر لیا اسنے پھر کہا کہ اے امیر المو المومنین میں نے مقدار نصاب کے برابر مال چرایا ہے لہذا آپ مجھے ہیں سزا دے کر عذاب اخروی سے بری کر دیجئے جب اس نے تین مرتبہ اقرار کر لیا تو امیر المومنین نے اسکا ہاتھ کاٹ دیا۔ وہ رستہ میں آپ کی بہت سی تعریفیں کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ امیر المومنین امام المتقین سید الوصیین نے میرا ہاتھ کاٹا ہے اسکی یہ آواز حسن اور حسین نے سن لی وہ آئے دیکھکر پھر حضرت علی کی خدمت میں آئے اور دونوں نے عرض کیا کہ ہمنے رستہ میں ایک حبشی کو آپ کی تعریف کرتے ہوئے دیکھا امیر المومنین نے ایک آدمی کو بھیجا کہ اسے میرے پاس لے آو جب وہ آگیا تو پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ میں نے تیرا ہاتھ کاٹ دیا تب بھی تو میری تعریف کرتا ہے اسنے عرض کیا کہ اے امیر المومنین بیشک آپ نے مجھے پاک کیا ہے۔ اور آپ کی محبت میرے دل میں بسی ہے چونکہ میری ہڈیوں اور میرے گوشت میں بس گئی ہے اگر

آپ میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دینگے تب بھی میرے دل سے آپ کی محبت نہیں جائے گی اسی وقت امیر المومنین نے اسکے واسطے دعا کی اور کٹے ہوئے عضو کو اسی جگہ رکھدیا اسی وقت وہ جیسا تھا ویسا ہی تندرست ہو گیا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۳۷)

اکسٹھویں کہانی

شیر نے آدمیوں سے علی کا پتہ ان ہی کی زبان میں دریافت کیا

بعض کوفیوں سے منقول ہے کہ ایک شیر کوفہ میں گھس گیا تھا وہاں اُسنے لوگوں سے کہا کہ مجھے امیر المومنین حضرت علی کو بتاؤ لوگوں نے اسے لیجا کر حضرت علی کو بتا دیا جب شیر نے انہیں دیکھا تو بہت ہی آہستگی اور خوشامد سے ان کی طرف چلا گیا آپ نے اُسکی کمر پر ہاتھ پھیر کے فرمایا کہ باہر چلا جا اُسیوقت شیر نے اپنا سر جھکا لیا اور اپنی دُم زمین پر ڈالدی اور دائیں بائیں اس نے کسی طرف التفات نہیں کیا۔ یہانتک کہ شہر سے باہر چلا گیا

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۵)

باسٹھویں کہانی

پرندہ۔ جراب۔ سیاہ سانپ اور حضرت علی

ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ رات کے وقت حضرت علی نے وضو کرنے کے لئے اپنی جراب نکالی اللہ تعالے نے ایک پرندہ بھیجدیا اُسنے آپ کی ایک جراب اٹھالی حضرت علی اُسکے پیچھے پھرتے رہے لیکن وہ صبح تک اڑتا رہا پھر اُسنے وہ جراب ڈالدی یکایک اس میں سے سیاہ سانپ نکلا۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۵)

تریسٹویں کہانی

علی کی تیتر سے باتیں

موسیٰ بن جعفر الکاظم کہتے ہیں کہ حضرت علی مکہ میں کوہ صفا پر دوڑ رہے تھے یکایک زمین پر پھرتا ہوا ایک تیتر ملا جب وہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے کہا السلام علیک تیتر نے کہا یا امیر المومنین وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امیر المومنین نے اس سے پوچھا اے تیتر تو یہاں کیا کرتا ہے۔ اُس نے جواب دیا امیر المومنین میں اس جگہ اتنے برس سے رہتا ہوں اللہ کی تسبیح اور اسکی پاکی بیان کرتا ہوں اور جیسی کہ چاہیے اسکی عبادت کرتا ہوں۔ امیر المومنین نے فرمایا اے تیتر یہ کوہ صفا ہے نہ یہاں کوئی کھانے کی چیز ہے اور نہ پینے کی لہذا تو کہاں سے کھاتا پیتا ہے اُس نے جواب دیا اے امیر المومنین قسم ہے آپ کے رشتہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جب مجھے بھوک لگتی ہے تو میں تمہاری جماعت اور تمہارے دوستوں کے لئے اللہ سے فقط دعا کر دیتا ہوں اُس سے میری شکم پری ہو جاتی ہے اور جب مجھے پیاس لگتی ہے تو تمہارے دشمنوں اور لڑنے والوں پر اللہ سے بد دعا کر دیتا ہوں اُس سے میری پیاس جاتی رہتی ہے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۵)

چونسٹویں کہانی

بھیڑیا اور علی۔ جبریل کا وعظ بھیڑیوں کے آگے بھیڑیوں کی بیعت

عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں امیر المومنین کے پیچھے جا رہا تھا یکایک مجھے ایک بھیڑیا بڑے بالوں والا ملا جو دوڑتا ہوا آ رہا تھا یہانتک کہ وہ اُسی جگہ

پہنچگیا جہاں امیرالمومنین اور ان کے دونوں صاحبزادے حسن اور حسین تھے پھر اُس نے اپنے دونوں رخساروں کو زمین پر رگڑنا شروع کیا اور اپنے ہاتھ سے حضرت علی کی طرف اشارہ کیا آپ نے یہ دعا کی یا الٰہی اس بھیڑئیے کی زبان کو گویا کردے تاکہ یہ مجھ سے گفتگو کرنے اللہ نے اُسکی زبان کو گویا کر دیا یکایک بھیڑئیے نے بہت شیریں زبان سے عرض کیا کہ اے امیرالمؤمنین السلام علیک آپ نے فرمایا وعلیک السلام تو کہاں سے آیا ہے وہ بولا کہ میں فاجروں اور کافروں کے شہر سے آیا ہوں آپ نے پوچھا اور کہاں جانا چاہتا ہے اُس نے کہا میں انبیاء صالحین کے شہروں میں جاتا ہوں آپ نے پوچھا کس لئے جاتا ہے اُس نے کہا تاکہ میں آپ کی بیعت میں دوسری دفعہ داخل ہو جاؤں آپ نے فرمایا۔ گویا تم ہم سے پہلے بھی بیعت ہو چکے ہو اُس نے کہا کہ آسمان کی طرف سے ایک پکارنے والے نے ہمیں بہت زور سے پکار کے کہا کہ تم سب جمع ہو جاؤ چنانچہ ہم سب بنی اسرائیل کی ایک گھاٹی کے پاس جمع ہو گئے وہاں سپید نیزے اور سرخ جھنڈے کھڑے ہوئے تھے اور سرخ سونے کا ایک منبر بچھا ہوا تھا اسپر حضرت جبریل کھڑے ہوئے اور انھوں نے بہت فصیح ایک خطبہ پڑھا جس سے سبھوں کے دل ڈر گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ اے وحشیوں کی جماعت اللہ تعالےٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلالیا ہے چنانچہ وہ چلے گئے ہیں اور انھوں نے اپنا خلیفہ بندہ ونیز علی بن ابوطالب کو کر دیا ہے۔ اور تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ تم ان سے بیعت ہو جاؤ سوائے ایک بھیڑئیے کے سبھوں نے کہا کہ ہمنے سن لیا ہے اور فرمانبردار ہیں اور اُس بھیڑئیے نے تمہارے حق کا اور تمہاری معرفت کا انکار کر دیا ہے حضرت علی نے فرمایا اے بھیڑئیے تیرا ناس ہو جائے شاید تو جن ہی اُس نے کہا کہ میں تو نہ جن ہوں نہ انسان ہوں بلکہ میں ایک شریف بھیڑیا ہوں آپنے فرمایا تو بھیڑیا ہو کر شریف کیونکر ہو سکتا ہے اُس نے کہا میں شریف اس لئے ہوں کہ میں بھی آپ کی

جماعت میں سے ہوں اور مجھے میرے باپ نے یہ بتایا تھا کہ میں اس بھیڑیئے کی اولاد میں سے ہوں جسے اولاد یعقوب نے شکاری کہدیا تھا یعنے سبھوں نے یہ کہدیا تھا کہ کل ہمارے بھائی کو اسی نے کھایا تھا۔ حالانکہ یہ اسپر فقط تہمت ہی تھی۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۷)

پینسٹویں کہانی

حضرت علی نے ایک لکڑی کے ٹکڑے سے مچھلیاں پیدا کر دیں۔

مچھلیوں کی شہادت

ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی کوفہ میں تھے یکایک آپ کو یہودیوں نے گھیر لیا اور یہ کہا کہ وہ شخص تم ہی ہو جسکا یہ گمان ہے کہ جری (مچھلی) ہم میں سے تھی یعنے یہود کی ایک گروہ تھی پھر وہ مسخ کر دی گئی آپ نے اُن سے فرمایا ہاں پھر آپ نے زمین پر ہاتھ مار کے ایک لکڑی اٹھالی اور اسے بیچ میں سے چیر کر اسکے دو کر دیئے اور کچھ اسپر پڑھکر تھوکا اور اُسے فرات میں پھینک دیا اسی وقت یکایک مچھلیاں ایک دوسرے پر سوار ہو کر بہت زور سے یہ پکارتی ہوئی امیر المومنین کی طرف آئیں کہ ہم بنی اسرائیل کی جماعت تھیں ہمپر تمہاری ولایت پیش کی گئی تھی لیکن ہمنے اُسکے قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لیئے اللہ تعالےٰ نے ہمیں مسخ کر کے مچھلی بنا دیا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۷)

چھیاسٹویں کہانی

ایک پرندہ حضرت علی کے ہاتھ پر بیٹھ کے فصیح عربی بولنے لگا

جابر انصاری کہتے ہیں میں جنگل میں امیر المومنین کے ساتھ تھا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ رستہ سے ایکطرف کو ہو گئے ہیں اس لیئے میں بھی آپ کے پیچھے ہی چلا گیا پھر میں نے

دیکھا کہ آپ آسمان کی طرف دیکھکر مسکراتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اے جانور تو نے
بہت اچھا کیا میں نے پوچھا اے میرے مولے کونسا جانور ہے آپ نے فرمایا کہ وہ اوپر
اڑ رہا ہے کیا تم اسے دیکھنا اور اسکی باتیں سننا چاہتے ہو میں نے کہا اے مولے ہاں
آپ نے آسمان کی طرف دیکھکر آہستہ سے کچھ دعا پڑھی یکایک وہ جانور زمین کی طرف اترا
اور امیر المومنین کے ہاتھ پر بیٹھ گیا آپ نے اسکی کمر پر ہاتھ پھیر کے یہ فرمایا کہ اللہ کے حکم سے
بول اور میں علی بن ابوطالب ہوں اسیوقت اللہ تعالے نے اس جانور کو عربی زبان
میں گویا کر دیا اُسنے کہا اے امیر المومنین السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضرت علی نے اسے
جواب دیا اور یہ پوچھا کہ تو اس چٹیل میدان میں کہاں سے کھاتا پیتا ہے کیونکہ یہاں نہ گھاس
ہے نہ پانی ہے ۔ اس نے عرض کیا اے میرے مولے جب مجھے بھوک لگتی ہے تو میں
تمہاری اہلبیت کو یاد کرلیتا ہوں اس سے میرا پیٹ بھر جاتا ہے اور جب مجھے پیاس لگتی
تو میں تمہارے دشمنوں پر تبرا کر دیتا ہوں اسسے میری پیاس جاتی رہتی ہے ۔ حضرت
علی نے فرمایا تجھے برکت ہو تجھے برکت ہو پھر وہ اڑگیا ۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۷)

سترسٹویں کہانی

ایک اونٹ اور حضرت علی

اصفہانی ایک آدمی سے سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ میں صفین میں علی
بن ابوطالب کے ساتھ تھا میں نے دیکھا کہ ملک شام کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ آیا
اسکے اوپر ایک سوار اور بوجھ لدا ہوا تھا اس نے اپنے اوپر سے سب پھینکدیا اور صفوں کو
چیرتا ہوا حضرت علی کے پاس پہنچا اور اپنا ہونٹ ان کے سر اور مونڈھے کے بیچ میں رکھا
اور اپنی گردن ہلاتا رہا حضرت علی نے فرمایا خدا کی قسم یہ میرے اور رسول اللہ کے درمیان

ایک علامت ہے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۸۴ ۶)

اڑسٹویں کہانی

ایک کتے کی شہادت حضرت علی کے حق میں

ابو ہریرہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف منہ کر کے بیٹھ گئے اور ہم سے باتیں کرنی شروع کیں پھر ایک انصاری آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ فلانے ذمی کے کتے نے میرا کپڑا پھاڑ دیا اور میری پنڈلی میں کاٹ لیا اسلئے میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے رہ گیا اور جب دوسرا دن ہوا تو ایک اور صحابی آیا اور اُسنے بھی یہی عرض کیا یا رسول اللہ فلانے ذمی کے کتے نے میرا کپڑا پھاڑ دیا اور میری پنڈلی میں کاٹ لیا اسی سے میں آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکا حضور انور نے فرمایا کہ جب وہ کتا کاٹنے والا ہے تو اُسے قتل کر دینا واجب ہے چنانچہ آنحضرت کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ چلنے کیلئے کھڑے ہو گئے اور اُس آدمی کے مکان پر پہنچے اس نے بہت جلدی سے دروازہ کھڑکایا اُسنے پوچھا کہ دروازہ پر کون ہے : انہوں نے کہا تمہارے دروازہ پر پیغمبر کھڑے ہیں ولہذا دروازہ) کھولدو) راوی کہتے ہیں وہ آدمی فوراً آیا اور اپنا دروازہ کھولکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور یہ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ میرے پاس کس لئے تشریف لائے ہیں کیونکہ میں آپ کے دین پر بھی ہوں لیکن اب چونکہ آپ میرے پاس آئے ہیں اسلئے میں آپ کے فرمان کو پورا کرونگا آنحضرت نے فرمایا کہ میں اپنی ایک ضرورت کے باعث تیرے پاس آیا ہوں تو اپنے کتے کو باہر نکال کیونکہ وہ کاٹتا ہے اُسے قتل کر دینا واجب ہے اُسنے فلانے آدمی کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور

پنڈلی میں کاٹ کھایا اور ایسا ہی اُسنے آج بھی کیا ہے۔ اسیوقت وہ آدمی کتے کے پاس گیا اور اسکے گردن میں رسی باندھکر اُسے کھینچتا ہوا لایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑا کر دیا جب اُس کتے نے حضور انور کو دیکھا تو بحکم الٰہی بہت ہی فصیح زبان سے یہ عرض کیا یا رسول اللہ السلام علیکم آپ کس لئے تشریف لائے ہیں اور کیوں مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تو نے فلانے اور فلانے کے کپڑے پھاڑ دیئے اور ان دونوں کی پنڈلیوں میں کاٹ کھایا اسنے عرض کیا۔ یا رسول اللہ جنکا آپنے ذکر کیا ہے وہ لوگ منافق ہیں آپ کے چچا کے بیٹے علی بن ابو طالب سے بغض رکھتے ہیں اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو میں ہرگز ان کے پیچھے نہ پڑتا لیکن اُنھوں نے علی کے ذلیل کرنے کو جائز کر رکھا ہے اور انہیں بُرا کہتے ہیں اسلئے مجھے حمیت پدری اور نخوت عربی آگئی میں نے اُن کے ساتھ ایسا کیا راوی کہتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کتے سے یہ باتیں سنیں تو آپ نے اسکے مالک سے فرمایا کہ اسکا خبر گیراں رہا کرے اور اسکے حق میں اُسے آپنے کچھ وصیت بھی کی پھر حضور انور چلنے کے لئے کھڑے ہوئے یکایک وہ ذمی کتے والا آپکے سامنے کھڑا ہوگیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ابھی آپ کہاں تشریف لے جاتے ہیں حالانکہ میرے کتے نے یہ گواہی دی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپکے چچا کے بیٹے علی اللہ کے دوست ہیں۔ پھر جسقدر لوگ اُس مکان میں تھے سب مسلمان ہوگئے

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۸)

اُنسٹھویں کہانی

حضرت علی کے ہاتھ پھیرنے سے خشک درخت پھلدار ہوگیا اور اُسکا پھل اسیوقت کھایا گیا

حارث کہتے ہیں کہ ہم امیر المومنین کی ہمراہ چلکر عاقول کے جنگل میں پہنچے وہاں ایک درخت

دیکھا جسکے پتّل تک بھی خشک ہو کر گر چکے تھے فقط اسکا تنہ باقی رہ گیا تھا حضرت علی نے اسپر اپنا ہاتھ مار کر فرمایا کہ اللہ کے حکم سے پھر سبز اور پھلدار ہو جا یکایک اسی وقت اسکی شاخیں لہلہانے لگیں۔ اور اسپر امرود لگ آئے ہمنے وہ امرود توڑ کے کھائے اور اپنے ساتھ بھی لائے جب اگلا روز ہوا اور ہم چلے تو وہ سبز ہی تھا اور اسپر امرود لگے ہوئے تھے۔

(انبحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۹)

سترویں کہانی

حضرت علی نے بہشت اور دوزخ پیدا کر دی

رُمیلہ جو حضرت علی کی صحبت یافتہ لوگوں میں ہیں کہتے ہیں کہ حضرت علی کے پاس آپ کے دوستوں میں سے چند آدمی آئے اور عرض کیا موسیٰ علیہ السلام کا وصی بھی ایسا ہی کیا کرتا تھا لہذا آپ بھی اگر ہمیں کچھ دکھا دیں تو ہمارا اطمینان ہو جائے آپنے فرمایا کہ تم عالم کے علم کی برداشت نہیں کر سکتے اور نہ اسکی براہین اور آیات کی قوت رکھتے ہو فقط اسکا سوال ہی کرتے ہو پھر آپ ان لوگوں کو مجبوبین کے مکانوں کی طرف لے گئے۔ اور ایک اونچی جگہ انہیں چڑھا کے آپنے آہستہ سے کچھ دعا کی پھر فرمایا۔ کہ تو اپنا پردہ ہٹا دے یکایک ایک طرف بہشتیں اور نہریں موجود ہو گئیں اور ایک طرف دوزخ اور آگ معلوم ہونے لگی اُسوقت کچھ لوگوں نے جادو جادو کہا اور دوسرے اسکی تصدیق کر کے ثابت قدم رہے۔ (انبحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۴۹)

اکہترویں کہانی

حضرت علی۔ انار کا درخت اور دوست دشمن کی پہچان

حسین بن علی کہتے ہیں کہ ہم ایک روز امیر المومنین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہیں انار

کا ایک خشک درخت کھڑا ہوا تھا کہ ایک آپ کے پاس بہت سے وہ لوگ آئے جو آپ سے بغض رکھتے تھے اور آپ کے پاس وہ لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے جو آپ سے محبت رکھتے تھے۔ ان سبھوں نے سلام کیا آپ نے انہیں بیٹھنے کے لیے حکم دیا پھر آپ نے فرمایا کہ آج میں تمہیں ایک نشانی دکھاتا ہوں۔ تاکہ وہ تمہارے اندر اسطرح مشہور رہے جس طرح بنی اسرائیل میں موسیٰ کا معجزہ مائدہ تھا پھر فرمایا کہ تم اس درخت کو دیکھو وہ اسوقت تک خشک تھا پھر یکایک اُسکے تنہ میں پانی جاری ہوگیا اور وہ سبز ہوکر اُس پر پتے آگئے پھر انار لگ کر ہمارے سروں پر لٹکنے لگے پھر حضرت علی نے اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تم ہاتھ بڑھاؤ اور انہیں توڑ کے کھاؤ پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھکر انہیں توڑا اور ایسے انار کھائے کہ ایسے شیریں اور عمدہ کبھی نہیں کھائے تھے پھر حضرت علی نے ان لوگوں سے فرمایا جو آپ سے بغض رکھتے تھے کہ تم بھی اپنے ہاتھ بڑھا کے انہیں لیلو انھوں نے اپنے ہاتھ اونچے کئے تو وہ انار اور اوپر چڑھ گئے اور وہ لوگ کچھ نہ توڑ سکے انھوں نے پوچھا اے امیر المومنین یہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے بھائیوں نے جب ہاتھ بڑھائے تو انہوں نے توڑ کے کھا بھی لئے اور جب ہم نے ہاتھ بڑھائے تو وہ ہمارے ہاتھ نہ آئے آپ نے فرمایا کہ بہشت کا بھی یہی حال ہوگا کہ میرے دوست اور مجھ سے محبت رکھنے والے بہشت لے لیں گے اور میرے دشمن اور مجھ سے بغض رکھنے والے لوگ رہجائیں گے پھر اُن لوگوں نے باہر نکلکر کہا کہ یہ علی بن ابو طالب کا تھوڑا سا جادو تھا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۹۶)

بہترویں کہانی

عمر فاروق علی۔ اور زمین کا گرا ہوا پانی خود بخود پیالہ میں آگیا

منقول ہے کہ عمر کے زمانہ میں اُن کے پاس ایک قیدی لایا گیا عمر نے اُسے اسلام

لانے کے واسطے فرمایا اُسنے بالکل انکار کر دیا۔ انہوں نے اُسکے قتل کرنے کا حکم کر دیا اُس نے کہا کہ تم مجھے پیاسا قتل نہ کرو اُسیوقت لوگ پیالہ بھرا ہوا اُسکے پاس لائے اُسنے عمر سے کہا مجھی اسقدر امن ملجائے کہ میں پانی پی لوں انھوں نے فرمایا ہاں اُسنے وہ سب پانی زمین پر اونڈا دیا پانی سب زمین میں جذب ہوگیا۔ عمر نے کہا کہ اسے قتل کر دو کیونکہ اسنے دہوکہ دیا ہے حضرت علی بن ابوطالب نے فرمایا کہ اسکا قتل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اسے تم امن دے چکے ہو انہوں نے پوچھا کہ پھر اب میں اسے کیا کروں انھوں نے فرمایا تم اسے کسی مسلمان آدمی کے ہاتھ ایک غلام کی قیمت پر بیچدو انہوں نے کہا کہ اسکی خواہش کسکو ہے حضرت علی نے کہا اسکی خواہش مجھے ہے عمر نے کہا کہ یہ تمہارا ہی رہا چنانچہ امیرالمومنین نے اسے لے لیا اور وہی پیالہ آپکے ہاتھ میں تھا آپنے کچھ دعا پڑھی یکایک وہ سب پانی اس پیالہ میں جمع ہوگیا اور وہ شخص یہ دیکھکر مسلمان ہوگیا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵)

تہترویں کہانی

دریائے فرات کی شہادت علی کی خلافت پر

صادق سے کہتے ہیں کہ جب حضرت علی جنگ صفین سے فارغ ہوئے تو آپ دریائے فرات کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور آواز دی کہ اے جنگل میں کون ہوں اُسیوقت سارا جنگل تھرا گیا اور فرات کی موجیں پھٹنے لگیں بہت سے لوگ وہاں موجود تھے سبھوں نے فرات میں سے یہ آواز سنی اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول اللہ وان علیا ولی اللہ امیرالمومنین حجۃ اللہ علی خلقہ۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵)

چوہترویں کہانی

دریائے فرات کی مچھلیاں اور علی سے انکی باتیں

ابو عبد اللہ سے منقول ہے کہ علی علیہ السلام جب جنگ صفین سے پہلے آپ نے فرات کے کنارے پر کھڑے ہو کر اپنے ترکش میں سے بہت سے تیر نکالے اور ایک اسمیں سے زرد لاٹھی نکالی اور اُسے فرات میں مار کر فرمایا کہ پھٹ جا اُسی وقت فرات کے بارہ چشمے ہوگئے ہر چشمہ ایک ٹیلہ جیسا تھا اور لوگ اُسے دیکھ رہے تھے پھر آپ نے چند کلمات ایسے پڑھے کہ لوگوں کی سمجھ میں نہ آتے تھے اسیوقت بہت سی مچھلیاں اپنے سر اوپر کئے ہوئے اور لاالہ الااللہ اور اللہ اکبر کہتے ہوئے آپ کی طرف آئیں اور یہ کہا اے زمین پر اللہ کی حجت اے اللہ کے چشمہ اُسکے بندوں میں تجھپر سلام ہو تو نے صفین میں اپنی قوم کو ایسا ہی ذلیل کیا ہے جیسا ہارون بن عمران نے اپنی قوم کو ذلیل کیا تھا آپ نے لوگوں سے فرمایا تم نے سن بھی لیا سبھوں نے کہا ہاں فرمایا یہ تمہارے روبرو میرا معجزہ ہے۔ تم اسپر گواہ رہنا۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۰)

پچھترویں کہانی

علی کی ولایت پر کنکریوں نے شہادت دی

سلمان کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یکایک علی بن ابوطالب آئے حضور نے انہیں کچھ کنکریاں دیں وہ کنکریاں ان کے ہاتھ میں کچھ دیر بھی نہیں ٹھیریں کہ یہ بول اٹھیں لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ رضیت باللہ ربا ومحمد نبیا وعلی بن ابی طالب ولیا (ترجمہ) اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں محمد اسکے پیغمبر ہیں میں اللہ کے رب ہونے پر اور محمد کے نبی ہونے پر اور علی بن ابوطالب کی ولی ہونے پر راضی ہوں، پھر آنحضرت نے فرمایا کہ صبح کو تم میں سے جو شخص اللہ اور علی بن ابوطالب کی ولایت پر راضی ہو تو وہ اللہ کے خوف

اور عذاب سے امن میں رہے گا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۰)

چھیترویں کہانی

علی سے زمین نے بات نہیں کی

تیمم بن جذیم کہتے ہیں کہ جس وقت ہم بصرہ سے چلے تو ہم حضرت علی کے ساتھ تھے اور ابھی ہم چل رہے تھے کہ یکایک زمین ہلنے لگی حضرت علی نے اس پر اپنا ہاتھ مار کر اس سے فرمایا کہ تجھے کیا ہوا پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہم سے فرمایا یاد رکھو اگر یہ ہیں وہ زلزلہ ہوتا جسکا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے تو یہ زمین فوراً مجھے جواب دیدیتی۔ لیکن وہ زلزلہ اصل میں نہیں تھا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۱)

ستترویں کہانی

علی نے کنکریوں کو جواہر بنا دیا

ثمالی کسی سے نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام مع اپنے صحابیوں کے کوفہ کی مسجد میں تھے آپ سے ایک شخص نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے اس بات کا بہت ہی متعجب ہے کہ اور لوگوں کے پاس تو دنیا (کا مال و اسباب) اس کثرت سے ہے اور تمہارے پاس کچھ نہیں ہے آپ نے فرمایا اے فلانے کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کو ہم چاہتے ہیں لیکن دنیا ہمیں ملتی نہیں۔ پھر آپ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری یکایک وہ سب جواہر ہوگئیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہیں اسنے کہا یہ بہت ہی عمدہ جواہر ہیں فرمایا اگر ہم چاہیں تو یہ ہو سکتا ہے پھر آپ نے انہیں پھینکا تو وہ جیسی تھیں ویسے ہی کنکریاں ہوگئیں۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۰)

اٹھتّرویں کہانی

علی. عمر فاروق. کمان. اژدہا اور مال مشرق

سلمان سے روایت ہے کہ علی بن ابو طالب نے عمر کی طرف سے یہ بات سنی کہ وہ آپ کی جماعت کا کچھ (برا) ذکر کرتے ہیں حضرت علی مدینہ کے باغوں کے کسی رستہ میں ان سے ملے آپ کے ہاتھ میں عربی کمان تھی آپ نے فرمایا اے عمر میں نے تمہاری نسبت یہ بات سنی ہے کہ تم میری جماعت کا ذکر کرتے ہو انہوں نے کہا کہ تم اپنا رستہ لو حضرت علی نے کہا کہ تم مجھے ایسا عاجز سمجھتے ہو اسی وقت آپ نے وہ کمان زمین پر پھینکدی ناگہاں وہ کمان اونٹ کی برابر سانپ بن گئی اور وہ اپنا منہ کھولکر عمر کی طرف چلی تاکہ انہیں نگل لے عمر چیخے کہ اللہ اللہ اے ابو الحسن میں کسی چیز میں زیادتی نہیں کرونگا اور حضرت علی کے روبرو بہت عاجزی کرنے لگے انھوں نے اس سانپ پر اپنا ہاتھ مارا وہ اسیوقت جیسی کمان تھی ویسے ہی ہو گئی اور عمر خوف زدہ ہو کر اپنے گھر کی طرف چلے گئے. سلمان کہتے ہیں جب رات ہوئی تو حضرت علی نے مجھے بلا کے فرمایا کہ عمر کے پاس جاؤ ان کے پاس مشرق کی طرف سے مال آرہا ہے اور اسکی کسیکو خبر نہیں اور انھوں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس مال کو خود ہی دبا لیں گے لہذا تم ان سے کہنا کہ علی نے تمہیں یہ کہا ہے کہ تمہارے پاس جو مشرق کی طرف سے مال آتا ہے وہ جن لوگوں کا ہے تم انہیں ہی تقسیم کر دینا اور خود نہ دبا لینا سلمان کہتے ہیں میں نے عمر کے پاس یہ پیغام پہنچا دیا انہوں نے فرمایا کہ مجھے تمہارے اس شخص نے پریشان کر دیا انہیں اسکی کہاں سے خبر ہو گئی میں نے کہا کہ کیا انپر ایسی باتیں پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ عمر نے سلمان سے کہا کہ جو میں تجھ سے کہوں تو ضرور اسے قبول کرنا بے شک علی جادوگر ہیں اور مجھے تیرا ان سے اندیشہ ہے بہتر یہ ہے کہ تم ان سے علیحدہ ہو جاؤ اور ہماری جماعت میں

شامل ہو جاؤ۔ (مسلمان کہتے ہیں) میں نے کہا کہ یہ تم نے بہت ہی بڑی بات کہی (علی جادو گر نہیں ہیں) بلکہ وہ اسرار نبوت کے وارث ہیں میں نے جو کچھ ان کی باتیں دیکھی ہیں مجھ سے زیادہ اور کسی نے نہیں دیکھیں انہوں نے فرمایا کہ تم ان کے پاس جاؤ ان سے کہنا کہ ہم تمہارے حکم کے تابعدار رہیں گے حضرت علی کے پاس واپس آیا آپ نے فرمایا کہ جو باتیں تم دونوں کے بیچ میں ہوئی ہیں میں بتائے دیتا ہوں میں نے کہا بے شک آپ مجھ سے زیادہ اُن باتوں کو جانتے ہیں پھر جو باتیں ہمارے بیچ میں ہوئی تھیں سب آپ نے بتا دیں پھر فرمایا کہ سانپ کا رعب ان کے دل میں ان کے مرنے تک رہیگا۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۵۶)

۷۹ کہانی

علی نے انبیا بنی اسرائیل کے پتھر کا پتہ بتا دیا اور جو پتھر ایک ہزار آدمیوں سے نہ سرکا اسے ایک ہاتھ سے اٹھا کے پلٹ دیا

سعید بن عاص کہتے ہیں میں امیر المومنین کے ساتھ تھا آپ کوفہ سے نکلکر اس جگہ پہ پہنچے جسے لوگ نخلہ کہتے تھے جو کوفہ سے چھ میل کے فاصلہ پہ ہے وہاں پچاس نفر یہودی آپ کے پاس آئے انہوں نے پوچھا کہ امام علی بن ابوطالب تم ہی ہو آپ نے فرمایا میں ہی ہوں انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں ایک ایسے پتھر کا ذکر ہے جس پر چھ نبیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور وہ یہیں ہے ہم اسے تلاش کرتے ہیں لیکن ہمیں نہیں ملتا آپ ہمیں وہ پتھر بتا دیجئے حضرت علی نے فرمایا کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ عبداللہ بن نباتہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ امیر المومنین کے پیچھے ہو لیے یہانتک کہ انہوں نے ایک جنگل طے کر لیا وہاں یکایک ریتے کا ایک بہت بڑا پہاڑ معلوم ہوا علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ملے ہوا کے

اسم اعظم کے طفیل سے اس پتھر سے ریتا اُڑا دے پھر ایک گھنٹہ ہی نہیں ہوا کہ ریتا اڑ گیا اور وہ پتھر ظاہر ہو گیا حضرت علی نے فرمایا کہ وہ تمہارا پتھر یہ ہے انہوں نے کہا کہ جیسا ہمنے سنا ہو اور اپنی کتابوں میں پڑھا ہے اس پتھر پر چھ نبیوں کے نام ہونے چاہئیں اور ہمیں اسپر وہ نام نظر نہیں آتے آپ نے فرمایا وہ نام اسکی اُس جانب ہیں جو زمین پر ٹکی ہوئی ہے لہذا تم اسے اُلٹ لو چنانچہ ایک ہزار آدمی جو وہاں موجود تھے انہوں نے اُسے اُلٹنا چاہا مگر وہ اُسے الٹ نہ سکے علی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم سب اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ پھر آپنے اپنا ایک ایک ہاتھ اسطرف بڑھا کر اُسے پلٹ دیا اُسوقت اُنہوں نے اسپر چھ اُن نبیوں کے نام دیکھے جو صاحب شریعت تھے یعنے آدم نوح۔ ابراہیم۔ موسےٰ عیسیٰ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔

(انیجا ر الانوار جلد ۲۹ ص ۶۵۲)

۸۰ کہانی

علی نے اپنے ستر دوستوں کو بہشت و دوزخ کی سیر کرائی جن میں سے ایک مسلمان رہا باقی انتہر کافر ہو گئے

ابو جعفر کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام کے دوستوں نے آپسے یہ عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اگر آپ ہمیں اُن چیزوں میں سے کچھ دکھا دیں جو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچیں ہیں تو ہمارا اطمینان ہو جائے آپ نے فرمایا اگر تم میری عجائب میں سے کوئی بات دیکھوگے تو تم سب کافر ہو جاؤ گے اور جادوگر۔ کذاب۔ اور کاہن کہوگے اُنہوں نے کہا ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ بے شک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہوئے ہیں اور انکا علم سب آپ کے پاس آگیا ہے آپ نے فرمایا کہ عالم کا علم بہت سخت ہوتا ہے سوائے مومن کے اسکی کوئی برداشت نہیں کر سکتا اللہ تعالےٰ ایمان کی وجہ سے دل کا امتحان

لیتا ہے اور اپنی روح سے اسکی تائید کیا کرتا ہے لیکن اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو میں اپنے
بعضے عجائب اور جو مجھے اللہ نے علم دیا ہے تمہیں دکھائے دیتا ہوں چنانچہ ستر آدمی جو
آپ کی جماعت میں اپنے دلوں میں سب لوگوں سے بہتر تھے پیچھے ہولئے پھر علی
علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کوئی چیز تمہیں اُسوقت دکھاؤنگا کہ تم مجھ سے عہد و پیمان
کرلو تاکہ پھر تم میری وجہ سے کافر نہ ہوجاؤ اور مجھے تنگی میں نہ ڈالو خدا کی قسم میں تمہیں وہی
چیزیں دکھاؤنگا جو مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہیں۔ غرضکہ آپنے
ان سے عہد و پیمان اس سے بہی سخت لیا جو اللہ اپنے رسولوں سے لیتا ہے پھر فرمایا
تم میری طرف سے اپنے منہ پھیر لو تاکہ جو میں چاہتا ہوں وہ دعا پڑھ لوں پھر لوگوں نے
آپ سے چند دعائیں ایسی سنیں کہ اُن جیسی اُنہوں نے پہلے کبھی نہیں سنی تہیں پھر آپنے
فرمایا کہ تم اپنے مونہ میری طرف پھیر لو انہوں نے پھیرا تو دیکھا ایک طرف بہشتیں اور
نہریں اور محلات ہیں اور ایک طرف دوزخ بھڑک رہی تہی یہانتک کہ ان لوگوں کو بہشت
و دوزخ کے دیکھنے میں کچھ شک نہ رہا اور ان میں جو بہت ہی اچھا بیان کرنے والا تہا
اُسنے کہا کہ یہ تو بہت ہی بڑا جادوگر ہے غرضکہ سوائے دو آدمیوں کے سب کے سب کافر
ہوگئے جب آپ اُن دو آدمیوں کو لیکر پھرے تو ان سے فرمایا کہ تم نے اُن کی باتیں
سُن لیں اور میں نے جو ان سے عہد و پیمان لئے تہے وہ دیکھے اور ان کے کافر ہو
جانے کو دیکھا یاد رکھو خدا کی قسم یہ ان پر کل قیامت میں اللہ کے روبرو حجت رہیگی۔
کیونکہ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ نہیں کاہن ہوں اور نہ جادوگر ہوں کوئی مجھ سے باتیں
پہچان سکتا ہے اور نہ مجھے کسی کی پروا ہے لیکن یہ اللہ کا اور اُسکے رسول کا علم ہے
اللہ نے یہ علم اپنے رسول کو پہنچایا تہا اور اللہ کے رسول نے وہ علم مجھ تک پہنچادیا۔
اور میں نے وہ علم تمہارے تک پہنچادیا اور جب تم مجھسے پھر گئے تو گویا اللہ ہی سے پھر گئے

غرضکہ آپ اسی قسم کی باتیں کرتے کوفہ کی مسجد تک پہنچے وہاں چند دعائیں پڑھیں اسی وقت یکایک مسجد کی کنکریاں سب موتی اور یاقوت بنگئے پھر آپ نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم انہیں کیا دیکھتے ہو دونوں نے عرض کیا کہ یہ موتی اور یاقوت ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں ان سے بہی کسی بڑی چیز کے کردینے کی اپنے رب کی قسم کہاؤں تو وہ میری قسم کو پوری ہی کردے گا دینے وہ میرے کہنے کے موافق ہی ہوجائے گی) اُسوقت ان دونوں میں سے بہی ایک کافر ہوگیا فقط ایک ثابت قدم رہا آن علیہ السلام نے اُس سے فرمایا کہ اگر تو ان موتیوں میں سے کوئی اُٹھائے گا تب بہی نادم ہوگا واگر نہ اٹھائے گا تب بہی نادم ہوگا لیکن اُسے حرص نے نہ چھوڑا اسلئے اُسنے ایک موتی اُٹھا کر اُسے جیب میں رکھلیا جب صبح ہوئی اور اُسے اُسنے دیکھا تو وہ نہایت ہی سپید موتی تہا کہ لوگوں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا پھر اُس شخص نے عرض کیا کہ لے امیرالمومنین میں نے فقط یہ ایک ہی موتی اُٹھایا تہا آپ نے پوچھا ایک ہی کیوں اُٹھایا تہا اُسنے کہا میں یہ چاہتا تھا کہ یہ جان لوں کہ یہ سچا ہے یا جھوٹا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تو اِسے اُسی جگہ رکہدے جہاں سے تونے اسے اٹھایا تہا تو اللہ تعالے اسکے عوض میں بجھے بہشت دیدے اور اگر تو اسے وہاں نہ رکہے گا تو اللہ تعالے تجھے اسکے عوض دوزخ میں ڈالے گا اسیوقت وہ آدمی کہڑا ہوا اور اسے اُسی جگہ رکھ آیا کہ جہاں سے اُسنے اُٹھایا تہا پھر اللہ تعالے نے اُسے ویسی ہی کنکری بنا دی جیسی وہ پہلے ہتی۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۲)

۱۸ کہانی

علی۔ راہب۔ پتھر اور شفاف پانی

ایک جماعت نے نقل کی ہے کہ جب امیرالمومنین علیہ السلام صفین کی طرف روانہ ہوئے

تو رستہ میں آپ کے ساتھیوں کو بہت ہی سخت پیاس لگی اور جو پانی ان کے پاس تھا سب
ختم ہو گیا انہوں نے دائیں بائیں ہر چند پانی تلاش کیا مگر پانی کا نشان تک بھی نہ ملا امیرالمومنین
نے انہیں رستہ سے علیحدہ کر لیا اور تھوڑی دور چلے تھے کہ جنگل کے بیچوں بیچ ایک
مکان نظر آیا علی لوگوں کو اسطرف لے گئے یہانتک کہ اس مکان کے صحن میں پہنچگئے
وہاں آپ نے حکم دیا کہ کوئی اس مکان کے رہنے والے کو آواز دیدے کہ وہ ہمارے
پاس آئے لوگوں نے اُسے آواز دی وہ نکلکر آیا امیرالمومنین نے اس سے فرمایا کہ تیرے
اس مکان کے قریب کہیں پانی بھی ہے جس سے یہ لوگ اپنی حاجت روائی کریں اس نے
کہا ہائے افسوس میرے اور پانی کے بیچ میں چھ میل سے بھی زیادہ فاصلہ ہے اور میرے
پاس بالکل بھی پانی نہیں اگر ایک دفعہ پانی پیا ہوا مجھے ایک مہینہ تک کافی نہ ہوا کرتا تو بیشک
میں پیاسا ہی مرجاتا امیرالمومنین نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم نے سن لیا یہ راہب یعنی
تارک الدنیا کیا کہتا ہے انہوں نے عرض کیا ہاں لیکن کیا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ جس طرف
اس راہب نے پانی بتایا ہے ہم جائیں شاید ہمیں پانی ملجائے اور ہم میں قوت بھی جانے کی
ہے امیرالمومنین نے فرمایا تمہیں اسکی کچھ ضرورت نہیں آپ نے اپنی اونٹنی کی گردن قبلہ
کی طرف موڑ دی اور لوگوں کو ایک جگہ بتائی جو راہب کے مکان سے قریب ہی تھی اور فرمایا
کہ اس جگہ زمین کھودو اسیوقت ان میں سے کچھ لوگ اس جگہ آئے اور اُسے کدالوں سے
کھودا وہاں بہت بڑا پتھر چمکتا ہوا ظاہر ہوا لوگوں نے عرض کیا اے امیرالمومنین
اس جگہ ایک پتھر ہے جسپر کدال کام نہیں دیتی آپ نے فرمایا کہ یہ پتھر پانی ہی کے اوپر ہے
اگر یہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو تمہیں پانی ملجائے گا لوگوں نے اُسکے اکھیڑنے کی ہر چند
کوشش کی سب لوگ جمع ہو گئے اور اُسے ہلانا چاہا مگر کسی سے کچھ نہ ہوا حالانکہ سبھوں
نے بہت تکلیف اٹھائی جب علی علیہ السلام نے انہیں دیکھا کہ وہ سب جمع ہو کر پتھر

اکھیڑنے میں اپنی کوشش ختم کر چکے ہیں تو آپ اپنے پاؤں کو زین سے ایک طرف پھیر کر
زمین پر اتر گئے پھر اپنی دونوں آستینیں چڑہائیں اور اُس پتھر کے نیچے آپ نے اپنی انگلیاں
رکھکر اُسے ہلایا پھر ایک ہی ہاتھ سے آپ نے اُسے اکھیڑ دیا جب وہ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو لوگوں
کو سپید پانی معلوم ہوا فوراً اسکی طرف دوڑے اور سبھوں نے اسمیں سے پیا وہ پانی ایسا
شیریں اور عمدہ تہا کہ اُن لوگوں نے اپنے کسی سفر میں اس سے زیادہ ٹھنڈا اور صاف پانی
نہیں پیا تہا حضرت علی نے اُن سے فرمایا کہ خوب پیکر سیراب ہو جاؤ جب سب پی چکے آپ
اُسی پتھر کے پاس آئے اور اُسے ایک ہاتھ سے اٹھا کر اُسی جگہ رکھدیا جہاں وہ پہلے
رکھا تہا پھر آپ نے حکم دیا کہ اسکے نشان کو مٹی سے مٹا دیا جائے اور یہ سب قصہ راہب اپنی
مکان کے اوپر سے کھڑا ہوا دیکھ رہا تہا جب اسنے یہ سب کچھ اچھی طرح دیکھ لیا تو پکارا ٹھا کہ اے
لوگو میرے ہاں ٹھیرو میرے ہاں ٹھیرو لوگوں نے اسکے ہاں ٹھیرنے سے انکار کیا پھر وہ
امیر المومنین کے روبرو کھڑا ہوا اور عرض کیا اے شخص تم کوئی نبی یا پیغمبر ہو آپ نے فرمایا
نہیں اُسنے کہا پھر کوئی مقرب فرشتہ ہو آپ نے فرمایا نہیں اُسنے پوچھا پھر تم کون ہو فرمایا
میں محمد بن عبداللہ خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی ہوں وہ بولا کہ آپ اپنا ہاتھ
بڑہائیے امیر المومنین علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بڑہایا اور یہ فرمایا کہ دونوں کلمے پڑہ چنانچہ اُس نے
یہ پڑہا اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہدان محمداعبدہ ورسولہ واشہد انک وصی
رسول اللہ واحق الناس بالامر من بعدہ ۔ اسکے بعد امیر المومنین نے اُس سے اسلام کی شرطیں
لیں پھر آپ نے پوچھا کہ تو اب تک ہمارا مخالف بنا ہوا تھا اب تجھے اسلام کی کس نے رغبت اور
محبت دیدی اُسنے کہا اے امیر المومنین میں تمہیں بتاتا ہوں یہ مکان اصل میں فقط اس لئے
بنایا گیا تہا کہ اس پتھر کو ہٹانے والے اور اسکے نیچے سے پانی نکالنے والے کی تلاش کی جائے
اور مجھ سے پہلے بہت سے عالم گذر چکے ہیں کسی کو اسکا پتہ نہیں لگا اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ

بھی عطا کیا ہم اپنی کتابوں میں دیکھتے تھے اور اپنے علماء سے سنتے تھے کہ اس جگہ ایک
چشمہ ہے اسکے اوپر ایک پتھر رکھا ہوا ہے لیکن اسکی جگہ سوائے نبی کے یا نبی کے وصی کے
اور کسیکو معلوم نہیں اور جو شخص اللہ کا ولی ہو اور لوگوں کو حق کی طرف بلائے تو اسکے پاس
اس پتھر کی جگہ کی پہچاننے کی کوئی نشانی ہونی چاہیے اور اسکے اکھیڑنے کی اسمیں طاقت
بھی ہو اور ایک روایت میں یوں ہے اس راہب نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین میں
اس بات کا گواہ ہوں کہ میرے دادا نے مجھسے بیان کیا جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں
سے تھے کہ اس رستے کے نیچے ایک ایسے پانی کا چشمہ ہے جو برف سے زیادہ سپید
ہے اور ہر ایک میٹھے پانی سے زیادہ میٹھا ہے لیکن سوائے نبی کے یا نبی کے وصی کے
اسکی کسیکو خبر نہیں ہوسکتی اور جب میں نے دیکھا کہ تم یہ سب کر چکے ہو تو جس بات کا ہم انتظار
کر رہے تھے وہ پوری ہوگئی اور اس سے میری مراد حاصل ہوگئی اس لئے آج میں تمہارے
ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور تمہارے طفیل سے مومن اور تمہارا غلام ہوتا ہوں جب امیرالمومنین
علیہ السلام نے یہ سنا آپ اسقدر روئے کہ آنسوؤں سے آپ کی ڈاڑھی تر ہوگئی اور فرمایا اس اللہ
کا شکر ہے جسکی کتابوں میں میرا پہلے ہی ذکر ہے پھر فرمایا کہ جو کچھ یہ تمہارا مسلمان بھائی کہتا ہے
اسے سنو سبھوں نے اسکی باتیں سنیں پھر سب لوگ وہاں سے روانہ ہوگئے اور وہ راہب
حضرت علی کے ساتھیوں میں آپ کے آگے تھا جب اہل شام سے مٹھ بھیڑ ہوئی تو جو لوگ شہید
ہوئے تھے ان کے ساتھ وہ بھی شہید ہوگیا اس روایت میں حضرت علی کے کئی قسم کے
معجزے ہیں ایک تو علم غیب یعنے آپ غیب کو جانتے تھے دوسرے یہ کہ آپ میں ایسی قوت
تھی کہ وہ بھی خرق عادت ہی تھی تیسرے یہ کہ وہ مخلوق میں سے خاص طور پر ممتاز تھے اور اللہ
کی پہلی کتابوں میں ان کی بشارت بھی ثابت اور محقق تھی۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۵۴۲)

۸۳ کہانی

علی کے ہاتھ میں لوہا بھی نرم ہو جاتا تھا

خالد بن ولید کہتے ہیں میں نے حضرت علی کو دیکھا ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے زرہ کے حلقے پرورہے تھے میں نے کہا کہ یہ تو داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا آپ نے فرمایا کہ اے خالد جب اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا تو ہمارے لئے کیوں نہ ہوتا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۳)

۸۴ کہانی

جَو کی دو سوکھی روٹیوں میں دنیا بھر کی چیزوں کا مزا

منقول ہے کہ عقیق سفلے میں عامر بن سعد کا ایک باغ تھا وہاں علی علیہ السلام نے ایک انصاری کو میوہ کے چھلکے کھاتے ہوتے دیکھا اُسنے وہ چھلکے کوڑی کے اوپر سے اٹھائے تھے آپ نے اُسکی طرف سے منہ پھیر لیا تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو جائے پھر آپ اُسکے گھر آتے اور جو کی دو روٹیاں اُسے دیں اور فرمایا کہ جب تجھے بھوک لگا کرے اسمیں سے کھا لیا کر کیوں کہ اللہ تعالےٰ اس میں برکت دے گا اُسنے اسکا امتحان کیا تو گوشت، چربی، حلوے، تر کھجوریں، تربوز، جاڑوں کے میوے اور گرمیوں کے پھل غرض کہ سب چیزوں کا مزا اس نے ان روٹیوں میں پایا یہ حال دیکھکر اُس شخص کے اوسان باختہ ہو گئے وہ اوندھے منہ گر پڑا حضرت علی نے اُسے کھڑا کر کے پوچھا تیرا کیا حال ہے وہ بولا کہ میں منافق تھا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمانے میں شک کیا کرتا تھا اب اللہ تعالےٰ نے میرے سامنے سے آسمانوں وغیرہ کے پردے ہٹا دیے

اور جن چیزوں کا تم دونوں مجھ سے وعدہ کرتے تھے اور ڈراتے تھے وہ سب چیزیں دکھائیں اور میرا وہ شک جاتا رہا۔

۸۴ کہانی

علی۔ چھڑی۔ دریائے فرات کا اُتار

حسن بن ذکروان فارسی کندی نقل کرتے ہیں کہ جب کوفہ کے لوگوں نے دریائے فرات کے چڑھ آنے کی حضرت علی سے شکایت کی تو آپ نے ایک چھڑی اُسمیں ماری اور یہ فرمایا کہ اے ابوخالد ٹھیر اُسیوقت فرات ایک ہاتھ کم ہوگیا آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ بس تمہیں اتنا کافی ہے انہوں نے عرض کیا کہ اور کم کر دیجئے آپ نے ایک مصلے بچھا کر اسپر دو رکعت پڑھیں اسکے بعد پانی پر پھر چھڑی ماری تب لوگوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین بس یہ ہمیں کافی ہے آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو فرات کو خشک کرکے تمہیں اندر کی کنکریاں دکھا دوں۔

(از بحارالانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۵)

۸۵ کہانی

زمین کا چھپا ہوا خزانہ اور حضرت علی

عمار بن یاسر کہتے ہیں میں ایک دن امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں گیا میں نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین مجھے تین دن روزے رکھتے ہوتے اور بھوکے مرتے ہوتے ہوگئے ہیں میرے پاس اتنی ہی کوئی چیز نہیں کہ میں کھالوں اور یہ مجھے چوتھا دن ہے علی علیہ السلام نے فرمایا اے عمار تم میرے ساتھ آؤ پھر آپ جنگل کی طرف نکلے اور میں آپ کے پیچھے تھا۔ یکا یک آپ ایک جگہ کھڑے ہوگئے اور وہاں کھودا چنانچہ وہاں ایک کنواں درہموں کا بھرا ہوا

ظاہر ہوا آپ نے ان درہموں میں سے فقط دو درہم لے لئے سال میں سے ہی ایک مجھے دیدیا اور دوسرا آپ لیلیا۔ عمار کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے امیرالمومنین اگر آپ اسمیں سے اس قدر مال لے لیتے کہ پھر آپ کو حاجت نہ رہتی اور اسی میں سے صدقہ بھی دیتے تو اسمیں کوئی ہرج نہ تھا آپ نے فرمایا اے عمار آج کے واسطے ہمیں یہی کافی ہے پھر آپ نے اس کنوئیں کو ڈہاک دیا اور دونوں واپس چلے آئے۔ راوی کہتے ہیں پھر عمار علیحدہ ہوکر تھوڑی دیر آپ سے غائب ہوگئے پھر لوٹ کر امیرالمومنین کی خدمت میں گئے آپ نے فرمایا اے عمار میرا تیرپہ خیال ہے کہ تم وہی خزانہ ڈہونڈنے کے لئے پھر گئے تھے انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا خدا کی قسم میں اُسی جگہ کے قصد سے گیا تھا تاکہ میں اُس خزانہ میں سے کچھ اور لے آؤں لیکن میں نے اُسکا وہاں نشان بھی نہ دیکھا آپ نے فرمایا اے عمار جب اللہ سبحانہ تعالےٰ نے یہ جان لیتا ہے کہ ہمیں دنیا کی خواہش نہیں ہے تو وہ اُس خزانہ کو ظاہر کرتا ہے اور جب وہ جل جلالہ یہ جان لیتا ہے کہ تمہیں اسکی خواہش ہے تب وہ اُسے تم سے دور کر دیتا ہے۔ (از بحارالانوار جلد ۹ صفحہ ۵۶۵)

۸۶ کہانی

حضرت علی کی زمین سے باتیں کرنی۔

اسماء بنت عمیس کہتی ہیں میں نے اپنی سیدانی حضرت فاطمہ علیہا السلام سے سنا ہے آپ فرماتی تھیں کہ ایک مرتبہ رات کو علی علیہ السلام نے مجھ سے صحبت کی اور مجھے میرے بچھونے ہی پہ پریشان کر دیا۔ اسماء کہتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اے سارے جہانوں کی عورتوں کی سیدانی تمہیں انھوں نے کس بات سے پریشان کر دیا تھا فرمایا میں نے زمین سے سنا کہ وہ علی سے باتیں کرتی ہے اور علی اس سے باتیں کرتے ہیں جب صبح ہوئی تب میں نے

گھبرا کر اپنے والد رسول اللہ سے بیان کیا یہ سنتے ہی وہ بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے
اُسکے بعد آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ اے فاطمہ تمہیں خوشی کرنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالے نے تمہارے
خاوند کو اپنی ساری مخلوق پر فضیلت دیدی اور ان کی بابت زمین کو یہ حکم دیدیا کہ وہ اپنی خبریں
مشرق سے مغرب تک جو روئے زمین پہ چلے سب ان سے بیان کر دیا کرے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۵۵۶)

۷۸ کہانی

روٹی کے سوکھے ٹکڑے نے کئی بہروپ بدلے

مشارق الانوار میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی امیر المومنین
علیہ السلام کی خدمت میں آیا آپ نے اسکی مہمان نوازی کی اور جو کی ایک خشک روٹی اور
ایک پیالہ پانی کا آپ نے اسے دیا پھر آپ نے خود ہی اُس روٹی کا ایک ٹکڑا پانی میں ڈالا
اور اُس آدمی سے فرمایا کہ اسے کھاؤ اس نے اس سے نکالا تو وہ یکایک بھنے ہوئے پرند
جانور کی ران تھی پھر آپ نے اور ٹکڑا ڈالا اور فرمایا کہ اسے کھاؤ اُسنے اُسے نکالا تو وہ یکایک
حلوے کا تر لقمہ تھا اُس آدمی نے عرض کیا اے میرے آقا یہ کیا وجہ ہے کہ آپ میرے واسطے
خشک ٹکڑے رکھتے ہیں اور وہ مجھے قسم قسم کے کھانے معلوم ہوتے ہیں امیر المومنین نے
فرمایا ہاں یہ ظاہر ہے اور وہ باطن ہے اور بخدا ہمارا کام سب اسیطرح ہے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۵۵۶)

۸۸ کہانی

بی بی فاطمہ، علی اور حسین بڑے کیمیا گر تھے

منقول ہے کہ جب حضرت فاطمہ زہرا کے ہاں چاندی آتی تھی تو آپ کو سوائے تلوار اور زرہ اور چکی کے کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اسکے علاوہ آپ کے پاس اکسیر کا بھی ایک ذخیرہ تھا ایک مرتبہ آپ نے تانبے کا ایک ٹکڑا لیکے اُسے گرم کیا اور اُسپر دوا ڈالکر اسے سونا بنا لیا۔ جب امیر المومنین علیہ السلام آئے تو انہوں نے آپ کے سامنے رکھدیا آپ نے اُسے دیکھکر فرمایا کہ تم نے یہ چاندی تو اچھی بنا لی لیکن اگر اسکے جسم کو پگلا لیتی تو اسکا رنگ بہت عمدہ ہو جاتا اور اسکی قیمت بہت بڑھ جاتی کسی نے کہا اے سید کیا تم بھی یہ علم جانتے ہو آپنے فرمایا ہاں اور اسے تو یہ لڑکا بھی جانتا ہے اور آپنے امام حسین کی طرف اشارہ کیا وہ آئے اور انہوں نے بھی اسیطرح کہا جس طرح امیر المومنین نے فرمایا تھا پھر امیر المومنین نے فرمایا کہ ہم تو اس سے بھی بڑی کیمیا جانتے ہیں اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یکا یک سونے کی ایک گول اور زمین کے خزانے ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ نے حضرت بی بی فاطمہ سے فرمایا کہ اس سارے سامان کو رکھلو چنانچہ وہ رکھ لیا گیا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۷)

۸۹ کہانی

حضرت علی اپنی قوت سے قلعے کے قلعے ہلا دیتے تھے

ابو رافع کہتے ہیں کہ جب حضرت علی قلعہ قموص کے پاس پہنچے تو وہاں کے لوگ آپ کے تیر اور پتھر مارنے لگے مگر آپ حملہ کر کے اُسکے دروازے کے قریب پہنچ گئے اور اُسے اُکھیڑ کے اپنے پیچھے چالیس ہاتھ پرے پھینک دیا۔ کتاب الدرجات میں منقول ہے کہ حضرت علی نے مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد ان لوگوں پر حملہ کیا تھا وہ سب بھاگ کر قلعہ میں چلے گئے پھر آپ قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھے اور اسکی زنجیر پکڑی جسکا وزن چالیس سیر تھا اور اُس دروازہ کو ہلایا جسکی وجہ سے سارا قلعہ ہلگیا یہانتک کہ ان لوگوں نے جو اسکے اندر تھے

اُسے زلزلہ سمجھا پھر آپ نے دوسری دفعہ ہلا کر اُسے جڑ سے اکھیڑ دیا اور اُسے چالیس ہاتھ پرے ہوا میں اُڑا دیا۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ حضرت علی نے خیبر کا قلعہ بھی ایسا ہی ہلا دیا تھا جبکی بابت صفیہ کہتی ہیں میں کھڑکی میں ایسی بیٹھی تھی جیسے دلہن بیٹھا کرتی ہیں۔ پھر میں اوندھے منہ گر پڑی میں نے زلزلہ ہی خیال کیا پھر کسی نے کہا کہ یہ علی نے قلعہ ہلایا ہے وہ اس کا دروازہ اُکھیڑنا چاہتے ہیں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۸)

۹۰ کہانی

دروازہ کا پل

ارشاد میں منقول ہے حضرت جابر کہتے ہیں کہ جنگِ خیبر کے دن حضرت علی نے دروازہ اسقدر اوپر اٹھا لیا کہ لوگوں نے اسکے اوپر چڑھکر خیبر فتح کر لیا اور بعد جنگ کے لوگوں نے آزمائش کے لئے اسے اُٹھانا چاہا لیکن چالیس آدمی بھی اُٹھا نہیں سکے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۸)

۹۱ کہانی

حضرت علی زمین سے معلق چلتے تھے

تاریخ الطبری میں منقول ہے ابو رافع کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی بائیں طرف کی ڈھال گر پڑی تھی آپ نے ایک دروازہ اکھیڑ کے اسے ڈھال بنا لیا اور جب آپ فارغ ہو گئے۔ تو ایک بہت بڑی مخلوق اسے ہلا بھی نہیں سکی۔ روض الجنان میں منقول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے حضور انور سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمیں حضرت علی کے حملہ کرنے اور تیر مارنے کی طاقت پر تعجب نہیں ہے بلکہ ہمیں تعجب ان کی دلیری

اور ایک ہاتھ پر ہے آنحضرت نے کچھ کلمے فرمائے جنکا مطلب یہ تھا کہ ائے لوگو تم ان کے ہاتھ کی طرف دیکھتے رہے اور تم نے اُن کے پاؤں کی طرف نہیں دیکھا۔ راوی کہتے ہیں میں نے اسیوقت ان کے پاؤں کی طرف نگاہ کی تو وہ دونوں مجھے معلق معلوم ہوئے میں نے کہا یہ اور بھی زیادہ تعجب کی بات ہے کہ ان کے دونوں پاؤں ہوا پر رکھے ہوئے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا کہ یہ ہوا پر نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں حضرت جبرئیل کی دونوں بازوؤں پر رکھے ہوئے ہیں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۸)

۹۲ کہانی

حضرت علی کے قول کے مطابق دنیا ختم ہو چکی ہے

باقر علیہ السلام کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو لیکر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے رستے میں آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ دنیا جبتک ختم نہیں ہوگی کہ اس جگہ ایک نہر کھودی جائے گی اور اسمیں پانی جاری ہوگا۔ کیا تم میری اس بات کو سچی سمجھو گے اُنھوں نے پوچھا اے امیر المومنین کیا ایسا ہوگا آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اللہ کی گویا میں اب یہاں ایک نہر دیکھ رہا ہوں جس میں پانی بہتا ہے اور کشتیاں چلتی ہیں اور لوگ اس سے نفع اُٹھاتے ہیں۔ پھر جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۹)

۹۳ کہانی

حضرت علی نے مرنے کے بعد بھی شرف الدولہ کو مار ڈالا اور ابو طالب کی اولاد کو بچا دیا

ابو علی الحسن بن عبد العزیز ہاشمی کہتے ہیں کہ کوفہ میں عباسیوں اور ابو طالبوں میں بہت اختلاف اور فساد ہو رہا تھا یہانتک کہ سترہ عباسی قتل ہوگئے اسبات پر خلیفہ قادر بہت ہی غصہ ہوا اور اس نے ابو علی کو کوفہ کی طرف بھیجا تاکہ وہاں ابو طالبوں کی بیخ کنی کر دے اور ان کی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ ایسا ایسا کرے بغداد سے یہ خبر پرندوں کے ذریعہ سے عباسیوں کے پاس پہنچی وہ قادر کا یہ حکم سن کے بہت پریشان ہوئے اور بنی خفاجہ سے مدد چاہی اسی اثنا میں ایک عباسیہ عورت نے خواب میں دیکھا کہ سمند گھوڑے پر ایک سوار آسمان سے اترا جسکے ہاتھ میں نیزہ تھا اس عورت نے پوچھا کہ یہ کون سوار ہے کسی نے اس سے کہا کہ یہ امیر المومنین علی بن ابو طالب ہیں انکا یہ ارادہ ہے کہ جن لوگوں نے طالبین دیعنی ابو طالب کے لوگوں کو قتل کرنے کا قصد کیا ہے یہ انہیں قتل کر دیں۔ اسکے بعد اس عورت نے یہ خبر لوگوں سے بیان کی اور اسکا یہ خواب سارے شہر میں پھیل گیا۔ پھر ایک پرند جانور بغداد کی طرف سے ایک خط لیکر اترا جسکا یہ مضمون تھا کہ سلطان شرف الدولہ یہ قصد کر کے سویا تھا کہ وہ کوفہ پر چڑھائی کرے گا جب نصف رات گئی تو وہ یکایک مرگیا اور سب لشکر تتر بتر ہوگیا اور قادر بھی پریشان ہے ۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۵۹)

۹۴ کہانی

علی کے برا کہنے کے عوض حضور انور کی چھری سے ایک شخص ذبح کیا گیا

احمد بن محمد سجستی کہتے ہیں میں علم پڑھنے کے لئے اپنے مکان سے چلا اور بصرہ میں پہنچکے محمد بن عباد کی خدمت میں گیا میں نے ان سے عرض کیا کہ میں مسافر آدمی ہوں بہت دور سے آپ کی خدمت بابرکت میں فقط علم حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو میں نے کہا میں سجستان کا رہنے والا ہوں انھوں نے فرمایا کہ خارجیوں کے

شہر کے ۔ میں نے کہا کہ اگر میں خارجی ہوتا تو آپ سے علم پڑھنے ہرگز نہ آتا اُنھوں نے فرمایا میں تمہیں ایک بہت اچھی بات سناتا ہوں جب تم اپنے شہر میں جاؤ تم ان لوگوں سے یہ بیان کرنا کہ میرا ایک ہمسایہ تھا اُسنے خواب میں دیکھا کہ گویا وہ مرگیا اور اُسے کسی نے کفن دیکر دفن بھی کردیا اور وہی شخص کہتا ہے کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر پر گیا تو حوض کی پٹڑی پر حضور انور جلوہ افروز تھے حسن اور حسین دونوں آپ کی امت کو پانی پلارہے تھے پھر میں نے ان سے پانی مانگا لیکن مجھے پانی پلانے سے دونوں نے انکار کردیا میں نے پکارا یا رسول اللہ میں تو آپ کی امت میں ہوں آپ نے فرمایا کہ اگر تو علی کے بھی پاس جائے گا تو وہ بھی تجھے پانی نہیں پلائیں گے اُسیوقت میں رونے لگا اور میں نے کہا کہ میں تو حضرت علی کی جماعت میں ہوں آنحضرت نے فرمایا کہ تیرا ایک ہمسایہ ہے وہ علی پر لعنت کیا کرتا ہے اور تو اُسے منع نہیں کرتا میں نے کہا میں غریب آدمی ہوں مجھ میں منع کرنے کی طاقت نہیں ہے اور وہ بادشاہ کے مقربوں میں ہے وہ کہتا ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھری نکالی اور مجھے دیکر فرمایا کہ جا اُسے ذبح کردے میں چھری لیکر اُسکے گھر آیا اور اسکا دروازہ کھلا ہوا دیکھکر میں اندر چلا گیا اور اسے سوتا ہوا پاکر میں نے ذبح کردیا اور پھر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلا گیا اور میں نے حضور انور سے عرض کیا کہ میں اُسے ذبح کر آیا ہوں اور یہ چھری اُسی خون میں بھیگی ہوئی ہے آپ نے فرمایا یہ چھری لاؤ پھر آپ نے امام حسین سے فرمایا کہ اسے پانی پلادو اور جب صبح ہوئی تو میں نے رونے کی آواز سنی میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے کسی نے کہا کہ فلانا آدمی اپنے بچھونے پر ذبح کیا ہوا ملا ہے تھوڑی ہی دیر کے بعد شہر کے حاکم نے سب ہمسایوں کو گرفتار کرلیا پھر میں اُسکے پاس گیا میں نے کہا اے حاکم تو اللہ سے ڈر کیونکہ یہ سب لوگ بری اور اور بے خطا ہیں ۔ اور میں نے اپنے خواب کا سارا قصہ اُس سے بیان کیا ۔ اس نے

ان سبھوں کو چھوڑ دیا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۸۰)

۹۵ کہانی

حضرت علی نے اپنی اولاد کا قرضہ آسمان سے آکے پیسہ پیسہ ادا کیا۔

کوفہ میں ایک شخص جسکی کنیت ابوجعفر تھی راہ خدا میں بہت ہی نیک معاملہ آدمی تھا اور علوی لوگوں میں سے جو کوئی اُسکے پاس کچھ مانگنے آتا تھا تو فوراً اُسے دیدیتا تھا اور اپنے بیٹے سے یہ کہتا تھا کہ اے بیٹے تو یہ لکھدیا کر کہ یہ وہ خرچ ہے جو علی بن ابوطالب نے لیا ہے اور ایک زمانہ تک اسیطرح کرتا رہا پھر اُسپر ایسا وقت آیا کہ وہ فقیر ہوگیا اُسنے اپنے حساب کتاب کو جانچا پھر اسکے قرضداروں میں سے جو لوگ زندہ تھے ان کے پاس تقاضے کے لئے آدمی بھیجنے لگا اور جو مرگیا تھا اسپر حضرت علی کا نام چڑھا دیا پھر ایک روز وہ اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی اُسکے پاس سے نکلا اُسنے کہا تمہارے قرض کی بابت علی بن ابوطالب نے کیا کیا اس آدمی کو اس بات سے بہت ہی سخت رنج ہوا اور یہ اپنے گھر میں چلا آیا جب اندھیری رات ہوگئی تو اسنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین علیہم السلام کو اپنے آگے چلتے ہوئے دیکھا اُن دونوں صاحبزادوں سے حضور انور نے پوچھا کہ تمہارے والد نے قرض کی ادائیگی میں کیا کیا۔ اُسیوقت آپ کے پیچھے ہی سے حضرت علی نے خود ہی جواب دیا یارسول اللہ میں بھی موجود ہوں آپ نے فرمایا کہ تم اس شخص کا حق کیوں نہیں دیتے۔ علی علیہ السلام نے عرض کیا یارسول اللہ میں حق اسکا لایا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دیدو چنانچہ آپ نے سپید اُون کی ایک تھیلی مجھے دی اور فرمایا کہ یہ تیرا حق ہے تو اسے لیلے اور میری اولاد میں سے جو کوئی چیز تجھسے مانگنے آئے اُسے تو منع نہ کرنا کیونکہ اسکے بعد کبھی تجھپر تنگی نہ آئے گی۔ وہی شخص کہتا ہے جسوقت

میری آنکھ کھلی تو وہ تھیلی میرے ہاتھ میں تھی میں نے اپنی بی بی کو پکار کر اُس سے کہا کہ یہ لے میں نے اُسے وہ تھیلی دیدی اور اسمیں ایک ہزار اشرفیاں تھیں اُسنے مجھ سے کہا کہ اے مرد اللہ سے ڈر فقر و فاقہ تمہیں اس بات پر نہ آمادہ کر دے کہ تم کسیکا مال بلا حق لیلو اگر تم کسی سوداگر کو دہوکا دیکر یہ مال لائے ہو اسے اسیکو واپس دیدو۔ وہی شخص کہتے ہیں میں نے اصلی راز اُس سے بیان کر دیا وہ بولی کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے علی بن ابوطالب کا حساب دکھاؤ میں نے بہی کھاتہ لاکر کھولا تو اسمیں قدرت آلہی سے حضرت علی کے نام پر پہر کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں دیکھی۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۸۱)

۹۶ کہانی

حضرت علی کے بُرا کہنے والے کا عجیب طریقہ سے منہ کالا ہوا

شیخ قارونی کہتے ہیں میں نے ملک شام میں ایک آدمی کو دیکھا اسکا چہرہ بالکل سیاہ ہوگیا تہا اور وہ اُسے ڈہانکے رکہتا تہا میں نے اُس سے اسکا سبب پوچھا اس نے کہا میں نے اللہ سے یہ عہد کر لیا ہے کہ جو شخص مجھ سے اس تکلیف کو پوچھے گا میں اُسے فوراً بتادونگا میں علی بن ابوطالب علیہ السلام کی شان میں بہت ہی سخت گو اور بُرا کہنے والا تھا ایک مرتبہ رات کو میں سویا ہوا تہا دیکایک خواب میں میرے پاس ایک آدمی آیا اسنے پوچھا کہ کیا علی بن ابوطالب کی شان میں تو ہی گستاخی کیا کرتا ہے میں نے کہا ہاں اُسنے کچھ میرے چہرہ پر مارا اور یہ کہا کہ خدا اسے سیاہ کر دے اسیوقت یہ ایسا سیاہ ہوگیا جیسا اب تو دیکھتا ہے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۸۲)

۹۷ کہانی

علی کے نام پر پانی پلانے سے خضر نے ایک لونڈی کی آنکھیں روشن کردیں

اعمش کہتے ہیں میں نے ایک اندھی لونڈی کو پانی پلاتے ہوئے دیکھا وہ پانی پلاتی جاتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ علی بن ابوطالب کی محبت کے طفیل سے پیو کہتے ہیں پھر میں نے جب اسے مکہ میں پانی پلاتے ہوئے دیکھا تو اسکی آنکھیں روشن تھیں اسوقت وہ یہ کہتی تھی کہ اُس شخص کی محبت کے طفیل سے پیو جسکی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مجھے میری بینائی دیدی میں نے اس سے کہا کہ اے لونڈی میں نے تجھے مدینہ منورہ میں اندھی دیکھا تھا تو پانی پلاتی ہوئی یہ کہتی تھی کہ میرے آقا امیر المومنین علی بن ابوطالب کی محبت کے طفیل سے پیو اور آج تو بینا ہے لہذا تیرا کیا حال ہے اُسنے کہا میرا باپ تجھپر قربان ہو میں نے ایک آدمی دیکھا اُس نے مجھ سے یہ کہا کہ اے لونڈی تو علی بن ابوطالب کی لونڈی اور اُن سے محبت رکھنے والی ہے۔ میں نے کہا ہاں اُسی وقت اُسنے یہ دعا کی یا آلہی اگر یہ لونڈی سچی ہے تو تو اسکی بینائی پھر اسے دیدے پھر خدا کی قسم فوراً اللہ تعالےٰ نے مجھے میری بینائی دیدی میںنے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اُسنے کہا میں خضر ہوں۔ اور میں بھی علی بن ابوطالب ہی کی جماعت سے ہوں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۸۲)

۹۸ کہانی

علی نے ایک شخص کے کان میں پورا قرآن مجید پڑھکے پھونکدیا

اُمیلہ سے روایت ہے کہ علی علیہ السلام ایک خبطی آدمی کے پاس سے نکلے آپنے اس سے فرمایا کہ اے جوان اگر تو قرآن شریف پڑھتا تو تیرے واسطے بہتر تھا وہ بولا کہ میں اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اُسمیں سے کچھ مجھے اچھی طرح پڑھا دیں آپنے فرمایا میرے

پاس آؤ وہ آپ کے قریب ہوا آپ نے اُسکے کان میں بہت آہستہ سے کوئی بات کہی اُسی وقت اللہ تعالے نے سارے قرآن شریف کو اُسکے دل میں منقش کر دیا اور سب قرآن اُسے یاد کرا دیا۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۸۶)

۹۹ کہانی

چین میں ایک گلاب کے درخت پر حضرت علی خلیفہ رسول اللہ لکھے ہوئے ہیں

محمد بن سنان کہتے ہیں میں صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا انہوں نے مجھ سے فرمایا دروازہ پر اور کون ہے میں نے کہا ایک چین کا آدمی کھڑا ہے انہوں نے فرمایا اُسے اندر بلالو جب وہ اندر آیا تو ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اُس سے پوچھا کیا تم لوگ چین میں ہمیں جانتے ہو وہ بولا اے سید ہاں انہوں نے پوچھا تم ہمیں کس طرح جانتے ہو اسنے کہا اے رسول کے صاحبزادے ہمارے ہاں ایک درخت ہے جس پر تمام سال گلاب کے پھول آتے رہتے ہیں اور ہر دن میں دو رنگ ہوتے ہیں جب صبح کا وقت ہوتا ہے تو ہم اُسپر یہ لکھا ہوا دیکھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور شام کے وقت ہم اسپر یہ لکھا ہوا دیکھتے ہیں لا الہ الا اللہ علی خلیفۃ رسول اللہ۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۴۸۶)

۱۰۰ کہانی

حضرت علی نے پیٹ ہی میں سے اپنی ماں کو بت پرستی کیلئے نہیں جانے دیا

منقول ہے کہ ابو طالب نے اپنی بی بی فاطمہ بنت اسد سے کہا اسوقت حضرت علی کی بہت چھوٹی عمر تھی کہ میں نے علی کو بت توڑتے ہوئے دیکھا ہے اور میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ

کہیں قریش کے بوڑہوں کو نہ خبر ہو جائے وہ بولیں کہ واہ ہیں اس سے بہی زیادہ تعجب کی بات
سناتی ہوں ہیں وہاں گئی تہی جہاں کافروں کے بت گرے ہوئے ہیں۔ علی اسوقت میرے
پیٹ میں ہی تہا اُسنے اپنے دونوں پیر میرے پیٹ میں اس سختی سے اڑائے کہ مجھے اُس جگہ کے
پاس ہی نہ جانے دیا جہاں وہ بت تھے حالانکہ میں بتوں کے لئے نہیں گئی تہی بلکہ عبادت
خداوندی کیلئے خانہ کعبہ کا طواف کرنے گئی تہی۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۸)

۱۰ کہانی

حضرت علی۔ قضائے حاجت۔ درختوں کی یلغار۔ معاویہ۔ عمر اور یزید کو علی کے حکم سے فرشتے آسمان پر سے کھینچ لائے وغیرہ وغیرہ

علی بن محمد کہتے ہیں کہ جب امیر المومنین جنگ صفین سے پھرے اور لوگوں نے وہ پانی پی لیا۔
جو اس پتھر کے نیچے سے نکلا تہا جسے حضرت علی نے پلٹا تہا تو آپ قضائے حاجت کے لئے
بیٹھ گئے آپ کے لشکر میں سے کسی منافق نے کہا کہ میں آج علی کی برائیاں اور جو اس سے ظاہر
ہوگا دیکھونگا تاکہ میں اسکا جھوٹ اپنے دوستوں کے آگے ظاہر کرسکوں کیونکہ یہ تو نبی کے
مرتبہ کا دعوی کرتا ہے اُسیوقت علی علیہ السلام نے قنبر سے فرمایا اے قنبر تم اُس درخت کے
پاس ۔ اور جو اُسکے مقابلہ میں ہے جاؤ! حالانکہ ان درختوں کے بیچ میں تین میل سے
بہی زیادہ فاصلہ تہا! اوران دونوں کو پکار کے کہو کہ محمد کا وصی تمہیں یہ حکم کرتا ہے کہ تم دونوں
ملجاؤ۔ قنبر نے عرض کیا اے امیر المومنین شاید میری آواز اُن دونوں تک پہنچ جائے علی علیہ السلام
نے فرمایا بے شک وہ ذات جسنے تمہاری آنکھ کی بینائی کو آسمان تک پہنچا دیا حالانکہ تمہارے
اور آسمان کے درمیان پانسو برس کی مسافت کا فاصلہ ہے اُس سے اُمید ہے کہ وہ تمہاری
آواز کو ان دونوں تک پہنچا دے گا پہر قنبر گیا اور اُس نے آواز دی اسیوقت ایک درخت

دوسرے کی طرف اس طرح دوڑا جس طرح وہ دو دوست دوڑا کرتے ہیں جو ایک دوسرے سے بہت دنوں علیحدہ رہے ہوں اور انہیں ملنے کا شوق بہت ہی زیادہ ہو غرضکہ دونوں ملگئے لیکن پھر بھی لشکر کے بعضے منافقوں نے یہ کہا کہ علی جادوگری میں اپنے چچا کے بیٹے رسول اللہ کی برابری کرتا ہے، حالانکہ نہ یہ اللہ کا رسول ہے اور نہ کوئی امام ہے بلکہ یہ دونوں جادوگر ہیں لیکن ہم اسکے پیچھے جائیں تاکہ اسکے عیب دیکھیں پھر اللہ عزوجل نے اُن کی طرف سے یہ خبر حضرت علی کے کانوں تک پہنچا دی انہوں نے بآواز بلند فرمایا کہ قنبر منافق یہ گمان کرتے ہیں کہ میں اُن سے درختوں ہی کے ساتھ پردہ کرسکتا ہوں۔ تم پھر اُن کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی تمہیں یہ حکم کرتا ہے کہ تم دونوں اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ۔ قنبر نے موافق آپ کے ارشاد کے کیا۔ اُسیوقت دونوں درخت اکھڑے اور ہر واحد دوسرے سے جُدا ہوکر اسطرح بھاگا جیسے نامرد بہادر جوان سے بھاگا کرتا ہی اسکے بعد علی علیہ السلام گئے اور آپ نے بیٹھنے کے واسطے اپنا کپڑا اٹھایا تو اللہ تعالے نے سب منافقوں کو اندھا کردیا وہ کوئی چیز نہ دیکھ سکتے تھے اور جب اُنہوں نے آپ کی طرف سے منہ پھیر لیا تو وہ پھر اسیطرح دیکھنے لگے جیسے پہلے دیکھتے تھے پھر انہوں نے آپ کی طرف نگاہ کی پھر وہ اندھے ہوگئے غرضکہ جب وہ آپ کی طرف دیکھتے تھے اندھے ہوجاتے تھے اور جب آپ کی طرف سے نظر پھیرتے تھے بینا ہوجاتے تھے یہانتک کہ حضرت علی کھڑے ہوگئے اور واپس چلے آئے اور یہ ہر ایک منافق سے اسّی اسّی مرتبہ ہوا تھا۔ اسکے بعد حضرت علی کے فضلہ دیکھنے کے لئے جانے لگے اُسیوقت اپنی اپنی جگہ سب بندھ گئے اُسے بھی نہ دیکھ سکے جب وہ لوٹنا چاہتے تو انہیں لوٹنے کی قدرت ہوجاتی اور اُن کا یہ حال نٹو دفعہ ہوا یہانتک کہ پھر کوچ کے لئے پکار دیا گیا اور سب چلدئے جو وہ چاہتے تھے انہیں اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا لیکن اس واقعہ سے ان کی سرکشی اور گمراہی اور زیادہ ہوگئی۔

اور کفر وعناد میں زیادہ غلو ہو گیا پھر ایک نے دوسرے سے کہا تم یہ تعجب کی بات دیکھو کہ
اسکے پاس یہ آیتیں اور معجزے ہیں لیکن یہ پھر بھی معاویہ اور عمر اور یزید کے سامنے مجبور ہے
اُسی وقت اللہ تعالے نے یہ بات اُن کی طرف سے حضرت علی کے کانوں تک پہنچا دی علی
علیہ السلام نے فرمایا اے فرشتو معاویہ عمر اور یزید کو میرے پاس لاؤ پھر ان منافقوں نے
ہوا میں دیکھا کہ ایک ایک فرشتہ ایک ایک کو پکڑے ہوئے لیے چلا آتا ہے۔ پھر فرشتوں نے
ان تینوں کو حضرت علی کے دربار میں لا حاضر کیا یکایک ان میں ایک امیر معاویہ اور دوسرے
عمر اور تیسرا یزید تھا۔ علی علیہ السلام نے فرمایا آؤ تم انہیں دیکھو اب اگر میں چاہوں تو ان
تینوں کو قتل کر دوں لیکن میں نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے جیسے اللہ تعالے نے
قیامت تک ابلیس کو ڈھیل دیدی ہے بے شک وہ شخص جسے تم اپنے ساتھیوں کے مقابلہ
میں دیکھتے ہو وہ عاجز اور ذلیل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالے کی طرف سے اُسکا امتحان ہے
تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اور اگر تم علی پر طعن کرتے ہو تو تم سے پہلے ہی کافر
اور منافق اللہ کے رسول پر طعن کر چکے ہیں انہوں نے بھی یہ کہا کہ بھلا جو شخص ایک رات میں
سارے آسمانوں اور ساری بہشتوں میں ہو آئے اُسے اسکی کیونکر ضرورت ہوگی کہ وہ بھاگے
اور غار میں پڑے اور گیارہ دن میں مکہ سے مدینہ منورہ پہنچے حالانکہ یہ سب باتیں اللہ کی
طرف سے ہیں جب وہ چاہتا ہے اپنی قدرت تمہیں دکھا دیتا ہے تاکہ تم اللہ کے نبیوں کو
سچا سمجھو اور جب وہ چاہتا ہے تمہارا ایسی چیز سے امتحان لیتا ہے جو تمہیں بری معلوم ہوتا کہ وہ
دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اور اسکی حجت ممیز ظاہر اور روشن ہو جائے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۸۸)۔

۱۰۲ کہانی

عباس عم رسول سے رسول اللہ کا عمامہ وغیرہ نہ اُٹھ سکا

جابر انصاری کہتے ہیں کہ حضرت عباس علی علیہ السلام کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث لینے کے لئے آئے حضرت علی نے ان سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وارث ہونے کے قابل کوئی چیز نہ تھی سوائے ایک خچر دُلدُل اور آپ کی تلوار ذوالفقار اور زرہ اور آپ کے عمامہ کے انہوں نے فرمایا کہ مجھے ضرور ملنا چاہئے کیونکہ میں انکا چچا اور سب لوگوں سے زیادہ حقدار اور وارث ہوں اُسیوقت امیرالمومنین کھڑے ہوگئے بہت سے آدمی آپ کے ساتھ تھے آپ مسجد میں گئے اور زرہ اور عمامہ اور تلوار اور خچر کو وہاں حاضر کرنے کا حکم دیا چنانچہ سب چیزیں وہاں پہنچا دی گئیں پھر آپ نے حضرت عباس سے فرمایا اے چچا اگر تم ان میں سے کسی چیز کو بھی لیکر اٹھ کھڑے ہو تو سب تم ہی کو دیدونگا کیونکہ نبیوں کی میراث ان کے وصیوں کے واسطے ہوتی ہے۔ سارے جہان کے واسطے نہیں ہوتی۔ اور نہ ان کی اولاد کے لئے ہوتی ہے اگر تم کھڑے نہیں ہوسکوگے تو پھر اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا انہوں نے فرمایا ہاں بہت اچھا چنانچہ امیرالمومنین نے اپنے ہاتھ سے انہیں زرہ پہنادی اور عمامہ اور تلوار اُن کے اوپر ڈالدیا پھر فرمایا اے چچا تلوار اور عمامہ لیکر اٹھو لیکن ان میں اُٹھنے کی طاقت نہ رہی پھر آپ نے اُن سے تلوار لے لی اور فرمایا کہ عمامہ لیکر اٹھو کیونکہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نشانی ہے انہوں نے اُٹھنا چاہا لیکن اٹھنے کی ان میں طاقت نہ رہی بلکہ حیران وپریشان رہ گئے پھر حضرت علی نے ان سے فرمایا کہ اے چچا یہ خچر دروازہ پہ کھڑا ہے خاص میرے اور میری اولاد کے لئے ہے اگر تم میں اسپر سوار ہونے کی طاقت ہو تو سوار ہوجاؤ عباس باہر آئے اور ان کے ساتھ ہی عدوی بھی تھا اُسنے اُن سے کہا کہ اے رسول اللہ کے چچا اُن چیزوں میں تو تمہیں علی نے دھوکا دیدیا ہے۔ خچر کی بابت تم اپنے تئیں دھوکے میں نہ ڈالنا جب تم رکاب میں پاؤں رکھو

تو اللہ کو یاد کرنا اور بسم اللہ پڑھنا اور یہ آیت پڑھ لینا۔ ان اللہ یمسك السموات والارض ان تزولا۔ راوی کہتے ہیں جب خچر نے عدوی کو حضرت عباس کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تو فوراً بھاگ گیا اور ایسی آواز سے چیخا کہ ہمنے کبھی اُس سے ایسی آواز نہیں سنی تھی۔ عباسؓ بیہوش ہوکر گر پڑے اور بہت سے لوگ جمع ہوگئے اور اُسے پکڑنے کا حکم ہوا لیکن کسیکو اس کے پکڑنے کی قدرت نہ ہوئی پھر علی علیہ السلام نے اُس خچر کا ایسا نام لیکر پکارا کہ ہمنے کبھی وہ نام نہیں سنا تھا اسیوقت وہ عاجزی اور انکساری کرتا ہوا آگیا آپ نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھکر پھلانگ ماری اور اُسکے اوپر سوار ہوگئے اور پھر (خود نیچے اترکر) امام حسن اور امام حسین کو بلایا اور انہیں سوار ہونیکے واسطے حکم دیا اور زرہ اور عمامہ اور تلوار پہنی اور اسی خچر پر سوار ہوکر آپ اپنے مکان تک آئے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے فلانے یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۸۸)

۱۰۳ کہانی

علی گھوڑے پر سوار ہوکے ہوا پر اڑتے تھے

منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ایک گھوڑے پر سوار ہوکر آسمان کی طرف چڑھے اور آپ کے ساتھی آپ کو دیکھ رہے تھے آپ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو ابن ابی سفیان کو تمہارے پاس اُٹھا لاؤں۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۹۰)

۱۰۴ کہانی

عمر فاروق۔ علی۔ رسول اللہ کی زیارت اور کمان کا اژدہا بننا

صادق علیہ السلام کہتے ہیں کہ امیر المومنین نے عمر بن خطاب کی طرف سے اپنی مرضی کے

خلاف کوئی بات سنی آپ نے سلمان کو ان کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ تم ان سے یہ کہنا کہ میں نے تمہاری طرف سے ایسی ایسی باتیں سنی ہیں اور یہ مجھے برا معلوم ہوتا ہے کہ میں تمہارے روبرو تم پر ناراض ہوں لہذا مناسب ہے کہ میرے حق میں سوائے سچی بات کے اور کوئی نہ کہی جائے کیونکہ تمنے میرا حق دبالیا ہے اور میں نے صبر کرلیا تاکہ جو تقدیر میں ہے پورا ہو جائے۔ چنانچہ سلمان اٹھکر گئے۔ اور یہ خبر انہیں سنائی اور حضرت علی کی بہت سی فضیلتیں وغیرہ ذکر کیں۔ عمر نے کہا کہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی اس سے بھی زیادہ فضیلتیں جانتا ہوں اور میں ان کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں بسلمان نے ان سے کہا کہ تم نے جو ان کی باتیں قابلِ تعریف دیکھی ہیں ان میں سے کوئی ب مجھے سناؤ عمر نے کہا اے ابو عبداللہ ایک روز میں اور وہ لشکر کا سامان کرنے میں تنہا تھے پھر وہ میرے پاس سے چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں پھر میرے پاس آگئے اور ان کے کپڑوں پر اور ڈوپٹہ پر بہت غبار پڑا ہوا تھا میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہاں گئے تھے۔ فرمایا کہ فرشتوں کی ایک جماعت آرہی تھی اور ان ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے یہ سب شہر جیجون کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسلئے میں گیا تہا تاکہ آنحضرتؐ کو سلام عرض کر آؤں اور یہ غبار پیدل دوڑنے کی وجہ سے مجھپر پڑ گیا ہے۔ عمر نے کہا مجھے اس عجیب امر کے باعث ایسی ہنسی آئی کہ میں اوندھا گر پڑا اور میں نے ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وفات ہو کر آپ کی ہڈیاں بھی پرانی ہوگئیں ہیں اور تم یہ کہتے ہو کہ میں ابھی آپ سے ملکر اور سلام کر کے آیا ہوں یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے اور یہ تو ہو نہیں سکتا۔ اسیوقت علی مجھپر غصہ ہوگئے اور میری طرف دیکھکر فرمایا اے ابن خطاب کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو میں نے کہا کہ آپ غصہ نہ ہوجیے کیونکہ یہ ایسی بات ہے کہ کبھی ہو نہیں سکتی انہوں نے فرمایا کہ اگر تم خود بھی اسطرح دیکھ لو تو اسکا انکار نہ کرسکو یہانتک کہ جو تمنے کہا ہے اور دل میں رکھا ہے اللہ سے معافی چاہو اور جو تمہارا خیال ہے اس سے توبہ کرو اور میرا حق چھوڑ دو۔ میں نے کہا ہاں میں یہ سب

کرونگا ۔ انہوں نے فرمایا تم کھڑے ہوجاؤ چنانچہ وہ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ہی میں بھی کھڑا
ہوا ہم مدینہ کی طرف آئے پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم آنکھیں بند کرلو میں نے دونوں آنکھیں
بند کریں ۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ آنکھیں کھولو میں نے ایسا ہی کیا یکایک میں رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اور آپ کے ساتھ بہت سے فرشتوں کی ایک جماعت تھی جب
میں نے خوب دیکھ لیا تب انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے دیکھ لیا میں نے کہا ہاں فرمایا ۔
پھر اب تم اپنی دونوں آنکھیں بند کرلو میں نے بند کریں ۔ پھر فرمایا کھولو میں نے کھولیں تو نہ آنحضرت
تھے اور نہ آپ کا کوئی نشان تھا ۔ سلمان کہتے ہیں ۔ میں نے عمر سے کہا کہ تم نے علی علیہ السلام
کی اس واقعہ کے سوا کوئی اور بھی عجیب بات دیکھی ہے انہوں نے فرمایا ہاں وہ ایک
روز میرا ہاتھ پکڑ کے جبانہ کی طرف لے گئے اور ہم رستہ میں باتیں کرتے جاتے تھے ان کے
ہاتھ میں ایک کمان تھی جب ہم جبانہ میں پہنچ لئے تو انھوں نے اپنے ہاتھ میں سے وہ کمان
پھینکدی یکایک وہ کمان ایک بہت بڑی ایسی اژدہا بن گئی جیسی موسی کی اژدہا ہوتی تھی ۔
اور وہ منہ کھولکر مجھے نگلنے کے لئے آئی جب میں نے یہ واقعہ دیکھا تو خوف کے مارے
میرے ہوش اڑ گئے اور میں علیحدہ ہوگیا اور مجھے ان کے سامنے ہنسی آگئی میں نے کہا
اے علی بن ابو طالب امن دو اور میرے تمہارے درمیان جو خوبی ہے اسے یاد کرو جب انہوں
نے یہ بات سنی تو ہنسکر بھاگے اور فرمایا کہ تم نے بہت ہی نرم کلام کیا اور ہم چونکہ اہلبیت ہیں
تھوڑی ہی بات پر رضامند ہوجاتے ہیں پھر آپ نے اس اژدہا پر ہاتھ مارا اور اپنے ہاتھ سے
اسے پکڑ لیا پھر یکایک وہ ویسی ہی کمان بن گئی جیسی کہ وہ ان کے ہاتھ میں پہلے تھی پھر عمر نے
کہا اے سلمان میں ان باتوں کو ہر ایک سے چھپاتا تھا ۔ فقط تم سے یہ کہدی ہیں اور وہ نیک
اہل بیت ہیں ۔ ایسی عجیب باتوں کے وہ پشت در پشت وارث ہوتے چلے آتے ہیں ۔ پہلے
حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ایسی ہی باتیں دکھایا کرتے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں ابو طالب

اور عبداللہ بھی اسی قسم کے واقعات دکھایا کرتے تھے۔ اور علی علیہ السلام کی فضیلت اور کثرت علم اور بزرگی کا ہیں بھی انکار نہیں کرتا۔ (از بحار الانوار صفحہ ۹۲ ۔ ۹۳۰ ۹۲ جلد ۹)

۱۰۵ کہانی

علی بہشت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں علی کی جماعت میں سے کوئی شخص کیسا ہی گناہ کرے اس پر عذاب نہیں ہوتا

عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام مسند قضا پر بیٹھے ہوئے تھے یکایک ایک آدمی آپ کے پاس آیا جسے لوگ صفوان اکحل کہتے تھے۔ اسنے آپ سے عرض کیا کہ میں آپ کی جماعت کا آدمی ہوں اور میرے ذمہ بہت ہی گناہ ہیں لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ان گناہوں سے دنیا ہی میں پاک کر دیں تاکہ آخرت میں میں ایسا ہو جاؤں کہ میرے ساتھ کوئی گناہ نہ ہو امام علیہ السلام نے پوچھا کہ تیرے سب گناہوں میں کونسا بڑا گناہ ہے وہ بولا کہ میں لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ تیرے ایک تلوار ذوالفقار ماردوں یا تیرے اوپر دیوار گرادوں یا تجھے آگ میں پھینکدوں کیونکہ جو شخص یہ گناہ کرے اسکی یہی سزا ہے اسنے کہا اے میرے آقا مجھے آگ ہی میں جلا دیجئے تاکہ میں آخرت کی آگ سے بچ جاؤں۔ آن علیہ السلام نے فرمایا اے عمار ایک ہزار لکڑیوں کے گٹھے جمع کرلو تاکہ ہم کل اسے آگ میں جلادیں۔ پھر آپ نے اس آدمی سے فرمایا کہ تو جا اور جو تیرا روپیہ کسی کے ذمہ ہو یا کسیکا تیرے ذمہ ہو اسکی وصیت کر دے راوی کہتے ہیں وہ آدمی اٹھکر چلا گیا اور اسنے جو اسکا کسی کے ذمہ تھا یا کسیکا اسکے ذمہ تھا سب کی وصیت کردی اور اپنا سب مال اپنی اولاد کو بانٹ دیا اور سب حقداروں کا حق دیدیا اور رات کو امیر المومنین حضرت علی بن ابوطالب کے

اس حجرہ میں رہا جو نوح علیہ السلام کے مکان میں جامع کوفہ کی شرقی جانب تھا۔ جب امیر المومنین نے صبح کی نماز پڑھ لی تو آپ نے فرمایا کہ اے عمار کوفہ میں پکار دو کہ تم سب لوگ باہر آجاؤ اور امیر المومنین کے حکم کو دیکھو کیونکہ وہاں کے لوگوں میں سے ایک جماعت نے یہ کہدیا تھا کہ حضرت اپنی جماعت اور اپنے دوستوں میں کے ایک آدمی کو کس طرح جلا دینگے اور اگر اب وہ واقعی اُسے آگ میں جلانا چاہتے ہیں تو بس ان کی امامت باطل ہو چکی۔ امیر المومنین نے یہ بات سن لی تھی عمار کہتے ہیں پھر امام نے اُس آدمی کو پکڑا اور اسکے اوپر ایک ہزار گٹھے لکڑیوں کے ڈال دیئے۔ پھر آپ نے اُسے گندھک وغیرہ دیدی اور فرمایا کہ اس سے اپنے تئیں جلا۔ اگر تو میری جماعت میں سے اور میرے دوستوں میں سے اور میرے پہچاننے والوں میں سے ہوگا تو تجھے بالکل آگ نہیں جلائے گی اور اگر تو میرے مخالفوں اور جھٹلانے والوں میں سے ہوگا تو تیرے گوشت کو آگ کھائے گی اور تیری ہڈیاں توڑ دے گی چنانچہ اُس آدمی نے اپنے اوپر آگ جلا کر ان لکڑیوں کو جلایا اور وہ سپید کپڑے پہنے ہوئے تھا لیکن آگ نہ ان کپڑوں میں لگی اور نہ دھواں اُن کے پاس کو آیا پھر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہماری جماعت ہم ہی میں سے ہے اور بہشت و دوزخ کا تقسیم کرنے والا میں ہی ہوں میرے واسطے اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت سے موقعوں میں گواہی دی ہے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۹۳)

۱۰۶ کہانی

گھوڑوں پر ہوا اور پانی کی سیر فرشتوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ چالیس ہاتھ کی اونٹنی کا درخت میں سے نکلنا پھر ایک سو دس ہاتھ کی جواہر جنت کی اونٹنی کی پیدائش

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے آقا امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ مینے ان سے عرض کیا اے امیر المومنین میرا یہ دل چاہتا ہے کہ تمہارے کچھ معجزے دیکھوں اُنہوں نے فرمایا انشاء اللہ تعالےٰ میں دکھا دونگا پھر آپ کھڑے ہوئے اور اپنے مکان میں چلے گئے اُسکے بعد آپ مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور آپ سپید قبا پہنے ہوئے اور سپید ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے پھر آپ نے آواز دی کہاے قنبر اس گھوڑے کے پاس آجا وہ آگیا پھر آپ نے اور ایک مشکی گھوڑا نکالا پھر مجھ سے فرمایا کہ اے ابو عبد اللہ تم سوار ہو جاؤ سلمان کہتے ہیں میں سوار ہو گیا پھر یکا یک معلوم ہوا کہ اُس گھوڑے کے پہلو پر دو پر لگے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں پھر امام علیہ السلام نے بہت زور سے اُسے آواز دی وہ ہوا میں اُڑ گیا اور میں فرشتوں کے بازوؤں کا کھڑکا اور عرش کے نیچے اُن کا سبحان اللہ پڑھنا سنتا تھا پھر ہم دونوں ایک بہت بڑے موج زن دریا کے کنارے پر پہنچے امام نے اُسکی طرف ذرا سختی سے نگاہ کی اسیوقت دریا کا وہ جوش تھم گیا میں نے آپ سے عرض کیا کہ اے میرے آقا یہ دریا فقط تمہارے ایک دیکھنے کی وجہ سے تھم گیا ہے آپ نے فرمایا اے سلمان یہ اس بات سے ڈر گیا کہ میں اسکے حق میں کوئی حکم نہ کر دوں پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے پانی کے اوپر اوپر لے گئے اور دونوں گھوڑے ہمارے پیچھے پیچھے آرہے تھے کوئی اُنہیں ہانکتا بھی نہ تھا پھر خدا کی قسم نہ ہمارے پاؤں پانی میں بھیگے اور نہ گھوڑوں کے سم بھیگے سلمان کہتے ہیں ہم دریا سے پار اُتر گئے اور ہم ایک جزیرہ میں پہنچے جہاں کثرت سے درخت تھے۔ پرند جانور اور نہریں تھیں اور ایک بہت بڑا درخت وہاں معلوم ہوا حضرت علی علیہ السلام نے ایک چھڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی اُسپر ماری وہ اُسیوقت پھٹ گیا اور اُسمیں سے ایک ایسی اونٹنی نکلی جسکی لمبائی اَسی ہاتھ تھی اور وہ چوڑی چالیس ہاتھ تھی اور اُسکے پیچھے بچے تھے۔ حضرت

علی نے مجھ سے فرمایا کہ تم اسکے پاس جاؤ اور اسکا دودھ پیو سلمان کہتے ہیں میں اسکے پاس گیا اور میں نے اسکا دودھ پیا یہانتک کہ میں سیر ہوگیا اور اسکا دودھ شہد سے زیادہ میٹھا اور جھاگوں سے زیادہ نرم تھا آپ نے مجھ سے پوچھا کہ اے سلمان یہ اچھی ہے میں نے عرض کیا اے میرے آقا ہاں اچھی ہے آپ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں اس سے بھی اچھی دکھا دوں میں نے کہا اے امیر المومنین ہاں اسیوقت میرے مولا امیر المومنین نے آواز دی کہ اے حسنا باہر آ سلمان کہتے ہیں آپ کے یہ فرماتے ہی ایک اونٹنی نکلی جو ایک سو بیس ہاتھ لمبی تھی اور ساٹھ ہاتھ چوڑی تھی اور اسکا سر سرخ یاقوت کا تھا اور اسکا سینہ عنبر اشہب کا تھا اور چاروں پاؤں سبز زبرجد کے اور اسکی مہار زرد یاقوت کی اور دایاں پہلو سونے کا اور بایاں چاندی کا حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سلمان تم اسکا دودھ پی لو سلمان کہتے ہیں میں نے اسکا تھن پکڑا یکایک وہ خالص صاف شہد تھا میں نے پوچھا اے میرے سردار یہ کسکے واسطے ہے آپ نے فرمایا کہ تمہارے واسطے اور باقی میرے دوستوں کی تمام جماعت کے واسطے ہے پھر آپ نے اس اونٹنی سے فرمایا کہ تو اس پتھر کیطرف لوٹ جا چنانچہ وہ اسیوقت لوٹ گئی اور آپ مجھے ایک اور جزیرہ میں لے گئے یہانتک کہ ہم ایک بہت بڑے درخت کے پاس اترے جسپر کھانا رکھا ہوا تھا اسمیں سے مشک کی خوشبو مہک رہی تھی اور ایک پرند بہت بڑے کرگس کی شکل وہاں بیٹھا ہوا تھا سلمان کہتے ہیں وہ جانور اڑا اور حضرت علی علیہ السلام کو سلام کر کے وہ اپنی ہی جگہ جا کر بیٹھ گیا میں نے پوچھا کہ اے امیر المومنین یہ کھانے کا خوان کیسا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ میری جماعت کے لوگوں کے لئے قیامت کے دن تک اسی جگہ رکھا رہے گا میں نے پوچھا اور وہ جانور کیسا تھا آپ نے فرمایا یہ ایک فرشتہ ہے قیامت تک کے لئے اس کھانے پر یہ مقرر ہے میں نے کہا کہ یہ اکیلا ہے آپ نے فرمایا کہ ہر روز اسکے پاس ایک مرتبہ خضر علیہ السلام آتے ہیں پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک

اُور دریا پر سے گئے اور اُس دریا سے پار اُتر کے ایک بہت بڑے جزیرہ میں پہنچے وہاں ایک محل تھا جسمیں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ سپید چاندی کی لگی ہوئی تھی۔ اور اسکے اوپر زرد عقیق لگا ہوا تھا اور اس محل کے ہر ستون پر فرشتوں کی ستر ستر صفیں تھیں وہ سب آئے۔ اور آپ کو سلام کیا آپ نے انہیں اجازت دیدی وہ پھر اپنی اپنی جگہ چلے گئے سلمان رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر امیر المومنین علیہ السلام اُس محل میں تشریف لے گئے وہاں بہت سے درخت۔ پھل۔ نہریں اور پرند جانور اور ہر رنگ کی گھانسیں تھیں امام علیہ السلام اُس محل میں چلتے رہے یہانتک کہ آخر تک پہنچگئے پھر آپ ایک چبوترہ پر کھڑے ہوئے جو اُسی باغ میں تھا اُسکے بعد آپ محل پر چڑھے وہاں سرخ سونے کی ایک کرسی بچھی ہوئی تھی آپ اُسپر بیٹھ گئے اور ہمنے محل کے اوپر دیکھا کہ ایک سیاہ دریا ہے اور اسکی ایسی بڑی موجیں اٹھتی ہیں جیسے بڑے مضبوط پہاڑ ہوتے ہیں۔ آپ نے اسکی طرف ذرا سختی سے دیکھا اسیوقت اسکا جوش فرو ہوگیا میں نے پوچھا کہ اے امیر المومنین اس دریا کا جوش تمہارے دیکھنے کی وجہ سے فرو ہوگیا آپ نے فرمایا یہ اس بات سے ڈرگیا ہے کہ میں اسکے حق میں کوئی حکم نہ کردوں اے سلمان تم جانتے ہو یہ کونسا دریا ہے میں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا یہ وہی دریا ہے جسمیں فرعون اور اسکی جماعت غرق ہوئی تھی یہاں ایک شہر تھا حضرت جبرئیل نے اسے اپنے بازو پر اُٹھا کر اس دریا میں ڈالدیا تھا اور وہ نیچے ہی کو جا رہا ہے۔ قیامت تک وہ جاتا ہی رہے گا۔ میں نے پوچھا اے امیر المومنین کیا اب ہم چھ فرسنگ آگئے ہیں آپ نے فرمایا اے سلمان اب ہم تین لاکھ فرسنگ چل چکے ہیں اور میں ساری دنیا کے گرد دس مرتبہ گھوم چکا ہوں میں نے کہا اے سید یہ کس طرح ہوسکتا ہے آپ نے فرمایا کہ ذوالقرنین تو زمین کے شرق و غرب میں پھر کر سد یاجوج اور ماجوج تک پہنچگیا تھا۔ اور پھر یہ مجھپر کیا مشکل ہے۔ حالانکہ میں تو امیر المومنین اور رب العالمین کا

خلیفہ ہوں اے سلمان میں ہی وہ عالم ربانی ہوں جس پر اللہ تعالےٰ نے سب سختیوں کو آسان کر دیا ہے اور دور کی زمین کو لپیٹ دیا سلمان کہتے ہیں پھر میں نے آسمان میں ایک بہت بلند چیخ سنی اور میں نے آدمی کوئی نہیں دیکھا وہ یہ کہتا تھا تو نے سچ کہا اور تو بہت ہی سچا ہے پھر آپ اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے آپ کے ساتھ میں بھی سوار ہو گیا آپ نے ان گھوڑوں کو آواز دی وہ دونوں ہوا میں اڑنے لگے پھر ہم کوفہ کے دروازہ پہ پہنچ گئے اور جس وقت ہم واپس آ گئے ہیں اس وقت تین گھڑی رات گئی تھی پھر آپ نے فرمایا اے سلمان ان لوگوں پر بہت ہی افسوس ہے جو ہمارا حق پہچاننے کا ہے وہ نہیں پہچانتے۔

اور ہماری ولایت کا انکار کرتے ہیں تم یہ بتاؤ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا سلیمان علیہ السلام افضل میں نے کہا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی افضل ہیں آپ نے فرمایا کہ آصف بن برخیا تو اس بات پر قادر تھا کہ وہ ملک فارس سے بلقیس کے عرش کو ایک چشم زدن میں اٹھا لائے حالانکہ اسے ایک ہی کتاب کا علم تھا اور کیا میں یہ نہیں کر سکتا حالانکہ میں تو ایک سو چودہ کتابوں سے واقف ہوں جن میں سے پچاس صحیفے تو اللہ تعالےٰ نے شیث بن آدم علیہ السلام پر نازل فرمائے تھے اور تیس صحیفے حضرت نبی ادریس علیہ السلام پر اور تیس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور توراۃ۔ انجیل۔ زبور اور فرقان۔ میں نے کہا اے امیر المومنین آپ سچ فرماتے ہیں۔ امام ایسے ہی ہوتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہماری باتوں میں اور ہمارے علموں میں شک کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو ہماری معرفت میں اور ہمارے حقوق میں شک کرے یہ اللہ تعالےٰ نے اپنے قرآن میں بہت سی جگہ فرض کر دیا ہے۔

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۹۵)

۱۰۷ کہانی

حضرت علی نے آنکھ کے اشارے سے جواہرات کے محل پیدا کردیئے مگر پھر بھی ان کے احباب نے انھیں سچا نہ جانا

اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں میں ایک دن اپنے آقا امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ آپ کے پاس آپ کے دوستوں کی ایک جماعت آئی جنمیں ابوموسے اشعری۔ عبداللہ ابن مسعود۔ انس بن مالک۔ ابوہریرہ۔ مغیرہ بن شعبہ اور حذیفۃ الیمان وغیرہ بھی تھے انہوں نے عرض کیا اے امیرالمومنین آپ ہمیں اپنے ایسے معجزے دکھائیے جو اللہ نے خاص آپ ہی کو دیئے ہوں آپ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا لینا ہے اور یہ تمہارا سوال کیسا ہے کہ تم تو اس بات پر راضی نہیں ہوا نہوں نے کہا اے امیرالمومنین ہم اللہ پر اور اُسکے رسول پر ایمان لے آئے ہیں اور ہمنے اسپر بھروسہ کرلیا ہے آپ ہمیں دکھا دیجئے۔ آپ نے اسوقت دعا کی کہ یاالٰہی جو باتیں یہ لوگ کہہ رہے ہیں تو گواہ رہیو اور جو یہ کرینگے اسکی میں خبر رکھنے والا اور جاننے والا ہوں پھر فرمایا کہ تم سب اللہ کے نام پر کھڑے ہوجاؤ راوی کہتے ہیں ہم سب آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے پھر وہاں سے چلکر جبانہ پہنچے وہاں بالکل بنجر تھا ہمنے دیکھا کہ یکایک وہاں ایک سبز باغ ہے اور اسمیں پانی بھی موجود ہے اور باغ میں دو تالاب ہیں اور دونوں تالابوں میں دو مچھلیاں ہیں ہمنے کہا خدا کی قسم بے شک یہ امامت کی دلیل ہے لیکن اے امیرالمومنین ہمیں کوئی اور بات دکھائیے ورنہ جو ہم چاہتے تھے کچھ تو دیکھ چکے ہیں آپ نے فرمایا اللہ مالک اور کارساز ہے پھر آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے جبانہ کی طرف اشارہ کیا یکایک بہت سے محل موتیوں اور یاقوت اور جواہر سے جڑے ہوئے وہاں موجود ہوگئے ان کے دروازے سبز زبرجد کے تھے ان محلوں میں حور، غلمان۔ نہریں۔ درخت۔ پرند جانور ہوگئے ہم لوگ حیران اور تعجب میں رہ گئے پھر لوگوں نے عرض کیا اے امیرالمومنین ہمیں تمہارے اور تمہاری

جماعت اور تمہارے دوستوں کے دیکھنے کا شوق بہت ہی بڑھ گیا ہے آپ نے ان کی
طرف اشارہ کر دیا کہ خاموش رہو پھر آپ نے زمین پر اپنا پاؤں مارا اسیوقت زمین پھٹکر سرخ
یاقوت کا ایک منبر نکلا آپ اسپر چڑھے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی پر درود پڑھی پھر فرمایا
کہ اب تم اپنی آنکھیں بند کر لو چنانچہ ہم سبھوں نے آنکھیں بند کریں پھر ہمنے فرشتوں کی بازو دیا
ہیں سے سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ اور الحمد للہ وغیرہ سنیں اور وہ سب آپ کے روبرو
آکے کھڑے ہو گئے سبھوں نے عرض کیا اے امیر المومنین اے خلیفہ رب العالمین ہمیں تمہارا
ارشاد پورا کرنے کا حکم ہے لہذا آپ ہمیں کچھ حکم کیجئے آپ نے فرمایا اے میرے رب کے
فرشتو تم اسیوقت میرے پاس ابلیس اور فرعون کو لاؤ راوی کہتے ہیں خدا کی قسم چشم زدن کی
بھی دیر نہیں ہوئی تھی کہ فرشتوں نے آپ کے روبرو ابلیس کو حاضر کر دیا پھر حضرت علی
نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنی نگاہیں اوپر کرو ہمنے اوپر نگاہیں کیں تو فرشتوں کے نور
کی چمک اور شعاع کی وجہ سے ہم کچھ دیکھ نہ سکے ہمنے عرض کیا اے امیر المومنین اللہ اللہ
ہماری آنکھوں میں خدا جانے کیا ہو گیا کہ بالکل کوئی چیز نہیں دیکھ سکتے ہاں زنجیروں کی آواز
اور بیڑیوں کا کھڑکا سنتے ہیں اور اسوقت ہوا بھی بہت تیز چل رہی تھی پھر فرشتوں نے
کہا کہ اے اللہ کے خلیفہ اس ملعون (یعنے ابلیس) پر لعنت بھیجو اور اسے اور دُگنا عذاب دو
راوی کہتے ہیں جب ابلیس کو کھینچکر آپ کی روبرو کھڑا کیا تو اُسنے یہ کہا ہائے افسوس ہے ان
لوگوں پر جو آل محمد پر ظلم کریں افسوس ہے ان لوگوں پر جو ان پر جرأت کریں پھر اُسنے آپ کی خدمتیں
عرض کیا اے میرے آقا مجھپر رحم فرماؤ کیونکہ میں اس عذاب کو برداشت نہیں کر سکتا آن
علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ناپاک خبیث شیطان نہ اللہ تعالے تجھپر رحم فرمائے گا اور نہ
تجھے بخشیگا پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم اسکے نام وغیرہ جانتے ہو ہم نے
عرض کیا اے امیر المومنین ہاں جانتے ہیں آپ نے فرمایا تم اس سے پوچھو تا کہ یہ تمہیں بتادے

کہ یہ کون ہے لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اُسنے کہا کہ میں ابلیس اور اس امت کا فرعون ہوں میں وہی ہوں کہ میں نے اپنے سید اپنے آقا امیر المومنین خلیفہ رب العالمین حضرت علی کا انکار کر دیا تھا اور میں ان کی آیتوں اور معجزوں کا بھی منکر تھا اسکے بعد امیر المومنین نے فرمایا کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو ہمنے آنکھیں بند کریں آپ نے بہت آہستہ سے کچھ باتیں کیں پھر یکایک جہاں ہم تھے نہ وہاں کوئی محل تھا اور نہ پانی تھا اور نہ تالاب تھے اور نہ درخت تھے اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں قسم ہے اُس ذات کی جسنے یہ دلائل اور معجزات مجھے دکھا کر اسکے ساتھ مجھے معزز کر دیا ہے۔ کہ ابھی لوگ وہاں سے جدا ہی نہیں ہوئے تھے کہ وہ شک اور تردد میں پڑ گئے بعض نے جادو کہا بعض نے کہانت اور تہمت کہا اسوقت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لوگ بھی اسیطرح مسخ ہوئے کہ انھوں نے اپنے نبی کے معجزوں کو جھٹلایا تھا، پھر ان پر اللہ کا عذاب اترا اور اب اللہ کی لعنت اور اسکا عذاب تم پر بھی اترے گا اصبغ کہتے ہیں مجھے تو یقین ہو گیا تھا کہ ان دلائل اور معجزات کو جھٹلانے کے باعث ان لوگوں پر عذاب ضرور نازل ہو گا

(از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۹۵)

۱۰۸ کہانی

حضرت علی اور کبوتر کا جوڑا

عمار بن یاسر کہتے ہیں میں کوفہ کی مسجد میں امیر المومنین علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور میرے سوا وہاں کوئی نہ تھا یکایک امیر المومنین یہ کہنے لگے کہ تو اسکا یقین کرے اسکا یقین کرے میں نے دائیں بائیں طرف دیکھا مجھے کوئی معلوم نہیں ہوا میں تعجب میں پڑا رہ گیا آپنے مجھ سے پوچھا اے عمار شاید تم یہ کہتے ہوگے کہ علی کس سے باتیں کرتے ہیں میں نے کہا اے امیر المومنین بات تو اسیطرح ہے آپ نے فرمایا تم اپنا سر اوپر کر دیکھنے اپنا سر اوپر کیا تو دیکھا

کہ دو کبوتر آپس میں سوال و جواب کر رہے ہیں آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تم سمجھتے ہو یہ ایک دوسرے سے کیا کہتا ہے میں نے کہا اے امیر المومنین تمہاری زندگی کی قسم میں نہیں سمجھتا آپ نے فرمایا کہ ان میں مادہ نر سے یہ کہتی ہے کہ تو نے میرے عوض اور مادہ کر لی ہے اور مجھے چھوڑ دیا ہے اور نر اسکے روبرو قسم کھاتا ہے کہ میں نے یہ نہیں کیا اور وہ کہتی ہے مجھے تیرا یقین نہیں ہے وہ اس کہتا ہے کہ یہ بات سچی ہے اور یہ شخص جو جامع مسجد میں بیٹھے ہیں یہ گواہ ہیں کہ میں نے تیرے سوا تیرے عوض کسیکو نہیں کیا اس مادہ نے پھر اُسے جھٹلانا چاہا میں نے اُس سے کہا کہ تو اس نر کا یقین کرے تو اسکا یقین کرے عمار کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے امیر المومنین ایسا عالم تو سوائے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے اور کوئی نہیں ہوا جو پرندوں کی بولی جانتا ہو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اے عمار قسم ہے خدا کی سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے ہم اہل بیت ہی کے وسیلہ سے اللہ تعالے سے یہ دعا کی تھی کہ انہیں پرندوں کی بولی کا علم ہو جائے چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور وہ پرندوں کی بولی سمجھنے لگے۔ (از بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۹۶)

بحار الانوار کی کہانیاں ختم ہو گئیں۔ ان سے زیادہ دلکش فسانہ نہ بوستان خیال ہے نہ فسانہ عجائب نہ چہار درویش نہ کوئی ناول مگر اس سے بھی زیادہ لذیذ قصے جن میں انسانی خیال کی پوری قوت خرچ کی گئی ہے کتاب اخبار ماتم سے نقل کرتے ہیں۔ یہ کتاب مطبع حسینی واقع رامپور میں طبع ہوئی ہے اور یہی کتاب گویا خلاصہ ہے صدہا معتبر شیعی کتب کا۔ میں نے جتنی کہانیاں اس شیعی معتبر کتاب سے نقل کی ہیں وہ اسی کتاب کی عبارت میں نقل کی ہیں اور کہیں ایک لفظ کی بھی ترمیم نہیں کی۔ اس کتاب کی عبارت فسانہ عجائب کی عبارت سے بہت ملتی جلتی ہے فقط (مصنف کتاب شہادت)

---

۱۰۹ کہانی

رسول اللہ نے علی کی تعریف پوری نہ کی کہ لوگ مثل نصاریٰ گمراہ ہو جاتے

ومنہا ذکر ابو اسحاق ابراہیم بن سعید الثقفی فی کتاب المعرفۃ عن جابر بن عبد اللہ الانصاری
اور ابو اسحاق ابراہیم بن سعید نے روایت کی کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے یہ عبارت کہی
قال لما قدم علیّ علی رسول اللہ بفتح خیبر قال لہ رسول اللہ لو لا ان یقول فیک طوائف من امتی
ما قالت النصاریٰ فی عیسے بن مریم۔ راوی خبر دیتا ہے بعد کشایش باب ظفر خیبر جب حیدر
صفدر حضور پیغمبر خدا آئے۔ مدح ساقی کوثر میں سرور انبیاء یہ سخن لب پہ لائے۔ اگر اندیشہ نہ ہوتا
کہ بعض امت سے حق میں علی کے وہ کلمہ کہیں جو نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کو نسبت دیتے
یعنی خالق مانتے رہیں، لقلت فیک الیوم قولا لا تمر علی ملاء الا اخذ وامن تراب رجلیک ومن
فضل طہورک یستشفون بہ تو ہر آئینہ یا علی کچھ بیان کرتا میں وہ فضیلت سے تمہاری۔ جو نہیں گزرتی
کسی قوم کی جمعیت سے ایک باری۔ الا یہ کہ خاک قدم کو دوڑ کے اٹھاتے اور پانی ہاتھ پاؤں
کے دھونے کا واسطے شفائے امراض لے جاتے ولکن حسبک ان تکون منی وانا منک ترثنی
وارثک۔ لیکن یہ کفایت کرتا ہے جو تم دنیا و آخرت میں میری اور میں تمہارا تم ہو میراث لینے
والے میری اور میں وارث تمہارا۔ وانک منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبیے
بعدی اور تم کو نسبت قدر میرے ساتھ ایسی ہے جیسے ہارون کو موسے کی قرابت میں برابری
تھی مگر یہ کہ اب نبوت نہیں ہو سکتی۔ جو خدا نے وہ تشریف مجھ پر قطع کر دی وانک توڈی دینی
وتبرئ ذمتی وتقاتل علی سنتی۔ میرا قرض تم ادا کرو گے جو حق کیسکا رہ جائے میری طرف سے
پہنچاؤ گے طریقہ سنت پر گمراہوں سے لڑو گے۔ اہل خروج اور بغاوت کو تہ تیغ رکھو گے وانک
اول من یرد علی الحوض غداً کل روز محشر تم سب سے زیادہ میرے مقرب ہو گے اور پہلے آنکے

حوض کوثر کا پانی پلانے کو نائب ہوگے۔ وانك اول من یکسی معی وانك اول من الجنة من امتی بدرستی کہ ساری مخلوق سے پہلے میرے ساتھ قدم بڑھاؤ گے۔ جامہ رحمت پہن کے قیام حشر کو آؤگے۔ لوائے حمد و فضل و کرم باری سے اٹھاؤ گے سب امت سے پہلے بہشت میں جاؤگے

(از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۱۵)

۱۱۰ کہانی

شیعانِ علی کے منور چہرے اور انکے اوصاف

وان شیعتك علی منابر من نور مبیضة وجوههم حولی اشفع لهم ویکونون غداً فی الجنة جیرانی تمہارے دوست اور پیرو نور کے منبروں پر جلوس کرینگے رخسارے ان کے ماہ و مہر سے زیادہ درخشاں[۱] میرے نزدیک مانوس رہیں گے۔ پہلے میں ان کی شفاعت کو بڑھ جاؤنگا۔ مراتبہ عالیہ رضا و مغفرت دلواؤنگا۔ وہ گروہ محبین خلد بریں میں جائیں گے۔ ہمارے مہمان ہوکے نجات ابدی پائیں گے۔ وان حربك حربی وان سلمك سلمی وان سرك سری وان علانیتك علانیتی تمہاری جنگ بعینہ میری لڑائی اور آشتی بھی جیسے ہینے صلح ٹھیرائی تمہارے دل کا بھید راز میرا ہے۔ اور ہر کار ظاہر مثال امر علانیہ مصطفے ہے وان الباس یرة صدرك کسریرة صدری ساری نیکیاں تمہارے سینہ میں بھری ہیں مانند میری چھاتی سب کے جو اس میں مملو حسنات خفی اور جلی ہیں۔ وان ولدك ولدی وانك تنجز عدتی تمہاری اولاد سب میری فرزند ٹھہری اور میرے وعدے تمہارے ایفا سے گزرے وان الحق معك وان الحق علی لسانك وفی قلبك وبین عینك تحقیق کہ صدق اور حق تمہارے ساتھ دل اور زبان پر ہے

[۱] یہ بہت ہی سچ ہے جیساکہ مشہور ہے کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اسکی تصدیق شیعوں کے منور چہروں سے ہوتی ہے کہ جس طرح ان کے چہروں پر یہاں عیاناً نور برستا ہے وہاں بھی ضرور اسیطرح برسیگا۔

سارے اعضا میں حق کا مظہر اور آنکھوں کو بہی مد نظر ہے وان الایمان مخالط لحمک ودمک کما خالط لحمی ودمی ایمان کامل تمہارے گوشت اور لہو سے ملا ہے جس طور سے میری رگ وپے میں نور ایمان بھرا ہے۔ وانہ لایرد علی الحوض مبغض لک ولن یغیب عنہ محب لک غداً حتی یرد وا الحوض معک۔ یا علی تمہارا دشمن حوض کوثر کے پاس نہ آئے گا۔ پیاس کی شدت میں پانی نہ پائے گا۔ دوست باقی نہ رہیں گے۔ سب تمہارے ساتھ ہجوم کریں گے ہنگامہ وانفسی میں قدم بڑھائیں گے۔ جام خوشگوار لب سے لگائیں گے۔

(از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۱۶)

۱۱۱ کہانی

اگر رسول اللہ کے بعد علی نہ ہوتے تو کوئی مسلمان ہی نہ ہوتا۔

فقال لہ النبی عند ذلک لولا انت یا علی لم یعرف المومنون بعدی۔ اسوقت مخبر صادق نے وصی برحق سے خطاب کیا اگر بعد میرے[۱] یا علی تمہارا قدم نہ ہوتا درمیان میں اس امت کے ہر آئینہ لوگ نہیں جانتے طریقہ ایمان کو نہ پہچانتے دین اور شریعت کے ارکان کو۔

(از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۱۷)

۱۱۲ کہانی

نبی وعظ کے وقت علی سے تکیہ لگاتے

ومنھا قال الجمانی فی حدیثہ کان اذا جلس صلی اللہ علیہ وسلم اتکا علی علی واذا قام وضع یدہ علی یدعلی علیہ السلام۔ جمانی سے حدیث طویل میں یہ عبارت ذکر ہوئی۔ فرط الفت رسالت پناہ کو برادر

---

[۱] بیشک اسلئے آپ رسول اللہ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک اپنے گھر میں بند بیٹھے رہے۔

دیکھا ہے اتنی تھی کہ ہر گاہ رسول اللہ کہیں اجلاس فرماتے تو اپنے قوت بازو پشتیبان دین سے تکیہ لگاتے۔ جب کھڑے ہو کے چلتے تو ید اللہ کی ہاتھ میں ہاتھ لئے پھرتے۔

(از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۱۷)

۱۱۳ کہانی

شیعان علی کے گناہ بخشے گئے

روی الصدوق فی العلل عن محمد بن حرب الهلالی امیر المدینۃ فی حدیث طویل انہ قال قال النبی لعلی یا علی ان اللہ حمل ذنوب شیعتک ثم غفرھا لی شیخ صدوق نے کتاب علل میں نقل کیا کہ محمد بن حرب حاکم مدینہ نے روایت طولانی کے آخر میں کہا جو حضرت صادق سے گوش میں آیا کہ رسول خدا نے شاہ اولیا سے فرمایا۔ پروردگار نے یا علی تمہاری سب دوستوں کے گناہ فراہم کئے اور ان کو اول سے آخر تک میرے لئے بخش دئے۔ وذلک قولہ عز وجل لیغفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قول سے محکم نہیں ہے یہ آیت حدیث کی سند پر کفیل ہے۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۱۹)

۱۱۴ کہانی

علی کی دوستی پر سب متفق ہو جاتے تو دوزخ پیدا ہی نہ ہوتی

قال رسول اللہ علیہ السلام والہ لامیر المومنین لو اجتمعت الناس علی حبک لما خلق اللہ النار۔ اور مخبر صادق نے ارشاد کیا جناب امیر المومنین کو مژدہ دیا اگر دوستی اور محبت پر یا علی تمہاری خلایق میں اتفاق پڑتا ہر آینہ خدائے تعالے آتش دوزخ پیدا نہ کرتا۔

(از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۱۹)

۱۱۵ کہانی

علی کے پیروؤں میں ستر ہزار جنت میں جائیں گے

وفی الخبر عن سید البشر انہ قال یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا لاحساب علیہم ولا عذاب یصل الیہم۔

کتاب اعلام الوریٰ میں رسول دوسرا سے روایت کی جو خاتم انبیاء نے صحابہ کو بشارت دی کہ روز قیامت میں میری امت کے ستر ہزار آدمی بہشت کو جائیں گے ان سے حساب کی نہ پرسش ہو اور نہ وہ لوگ آویزش عذاب کا صدمہ اوٹھائیں گے۔ ثم التفت الی علی علیہ السلام وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیعتک ھم انت امامھم۔ پھر جناب سرور کائنات نے ولایت مآب کے جانب خطاب کیا اور فرمایا اے برادر وہ اشخاص تمہارے پیرو ہیں اور تم ہو انکے مقتدا۔

(از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۱۹)

۱۱۶ کہانی

علی کی مٹی اور نبی کی مٹی اور شیعوں کی مٹی

روا جابر بن عبد اللہ الانصاری عنہ واروی عنہ ابوجعفر الباقر علیہ السلام اور بھی اسی کتاب میں ابوجعفر علیہ السلام سے روایت کی جو اس جناب نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے حکایت کی قال سمعت رسول اللہ یقول لعلی الا اسرک الا امنحک الا ابشرک فقال بلی یا رسول اللہ۔ راوی نے کہا کہ مخبر صادق سے میری سماعت میں آیا جو رسول خدا نے ایک روز علی مرتضےٰ سے فرمایا۔ چاہتے ہو تمہیں مسرور کروں خوشخبری دوں عرض کی ہاں اے سید انبیاء کہو۔ تو شادماں ہوں قال خلقت انا وانت من طینۃ واحدۃ ففضلت منہا فضلۃ فخلق اللہ منہا شیعتنا خیر الوریٰ بوسے کہ یا علی میں اور تم ایک طینت سے پیدا ہوئے اور جو مٹی اس میں سے زیادہ

بچی ہمارے محب ایجاد ہوئے۔ فاذا کان یوم القیامة دعی الناس باسماء امھاتھم سوی شیعتنا فانھم یدعون باسماء آبائھم لطیب مولدھم۔ جب روز قیام ہوگا سارے لوگ اپنی ماں کے نام سے پکارے جائیں گے۔ الا ہمارے دوستوں کو باپ کے اسم سے بلائیں گے بسبب پاکیزگی اور عفت خلقت۔ طہارت نسب اور صفائی ولادت۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۱۹ و ۱۲۰)

۱۱۷ کہانی

علی تمام زمین کے مالک تھے علی کے قدم سے زمین ٹھہری ہوئی ہے

روی الصدوق باسنادہ عن عبادة بن ربعی قال قلت لعبد اللہ بن عباس لم کنی رسول اللہ علیا ابا تراب۔ کتاب امالی میں شیخ صدوق نے عبادہ بن ربعی سے روایت کی اوس نے کہا میں نے ابن عباس کی خدمت میں دریافت حقیقت کی رسول خدا نے کیا سبب ہے جو کنیت سے ابا تراب کی علی مرتضے کو معروف رکھا۔ قال لانہ صاحب الارض وحجة اللہ علی اھلھا بعدہ وبہ بقاؤھا والیہ سکونھا جواب دیا واسطے کہ وہ مالک ومختار تھے زمین اور اہل دنیا پر حجت خدا تھی بعد خیر المرسلین کے وجود عالی کے باعث خالق نے بقا وپائداری دی۔ ارض کے ہر بلا وآفت کو ان کے قدم سے تسکین واستواری ملی۔ ولقد سمعت رسول اللہ یقول انہ اذا کان یوم القیامة وری الکافر ما اعد اللہ تبارک وتعالے لشیعة علی بن ابیطالب من الثواب والزلفی والکرامة۔ بدرستیکہ نبی اور نے سے سنا یا فرمایا جب روز قیامت ہوگا ہر ایک منافق اور کافر دیکھے گا وہ رتبہ جو شیعہ علی بن ابیطالب کو ثواب اور کرامت کا ملے گا۔ مرغزار بہشت اور دروازہ کا رہبستہ ان کی سکونت پر کھلے گا۔ قال یالیتنی کنت ترابا ای من شیعتک علی علیہ السلام وسلم ہر کافر زبان تمنا سے بولے گا۔ میں بھی کاش کہ تراب ہوتا یعنی پیرو محبت علی علیہ السلام کا رہتا وذلک قول اللہ عزوجل ویقول الکافر یالیتنے کنت ترابا۔ یہی نازل ہوا قول خدائے عزوجل سے

قرآن میں کہ روز محشر ظہور کرے گا جو عہد کیا ان کی شان میں۔ (از احیاء ماتم جلد اول صفحہ ۱۲۱)

۱۱۸ کہانی

علی کو مثل آدم کے سجدہ کرایا

قال قال لی یا محمد انی جعلت علیا وصیك ووزیرك وخلیفتك من خلقی من بعدك فاعلمه جواب دیا کہ ایزد تعالے نے فرمایا اے محمد ہم نے علی کو خلیفہ اور وزیر اور وصی تمہارا بنایا ساری مخلوق سے جنکے اوپر بار امانت دھری کہ بعد تمہارے سرانجام ہدایت کرے۔ قلت فہا ھو یسمع کلامك میں نے درگاہ ربانی میں عرض کی وہ موجود کھڑے ہیں تیرا فرمان بگوش خود سن رہے ہیں فاعلمته وانا بین یدی ربی پس علی کو ارشاد آلہی سے خبردار کیا۔ اور آپ حضور پروردگار میں متوجہ رہا۔ فقال لی قد قبلت واطعت مظہر العجائب گویا ہوئے سب امر خدا قبول کیا اور طاعت معبود میں سر وجان وار دیا فامر اللہ ملائکۃ ان تسلم علیہ ففعلت فرد علیہم السلام پس رب علا نے ملایکہ سے کہا تا اپنے سلام کریں تعظیم کا۔ سب نے مجرا و تسلیم کو ادا کیا ولی اللہ نے فصاحت اور بلاغت سے ان کو جواب دیا ورایت الملائکۃ یتباشرون پھر مینے دیکھا سارے فرشتوں کو جو مبارکباد دیتے تھے ایک دوسرے کو وما مررت بملائکۃ من ملائکۃ السماء الاھنونی جب میں حضور آلہی سے پھرا تو جدھر صف ملایکہ سے آسمان سے گزرا وہ دوڑکے شاد و خرم پاس آتے جانشینی امیرالمومنین کی تہنیت بجالاتے۔ وقالوا یا محمد والذی بعثك بالحق نبیا لقد دخل السرور علی جمیع الملائکۃ باستخلاف اللہ عزوجل لك ابن عمك مجھ سے بولے یا محمد قسم ہے اللہ کی جسنے تمہیں برحق نبوت دی ہمارے جی کو مسرت اور شادی ملی کہ خدا نے تمہارے بھائی کو خلعت خلافت بخشی۔ ورایت حملۃ العرش قد نکسوا رؤسہم الی الارض حاملان عرش علا کو دیکھا زمین کیطرف سر جھکائے تھے نظارہ مقصود کے لئے گردن جھکائے تھے آنکھیں لڑائے تھے فقلت

یا جبرئیل لم نکس حملة العرش رؤسہم۔ میں نے جبرئیل سے کہا یہ فرشتے کیوں مونہ پھرائے ہیں کیا غاکم
تکلی لگاتے ہیں فقال یا محمد ما من ملک من الملائکة الا و قد نظر وجہ علی بن ابیطالب استبشارًا
بہ ماخلا حملة العرش جواب دیا اے نبی الورے کوئی صنف قدوسیوں کی نہیں بچی کہ جمال شاہ مردان
کی زیارت اسے خوشی میں نہیں کی مگر حاملانِ عرش باقی رہے تھے ان کے دل میں دیدار حیدر
کرار کی ارمان بھری تھے فانہم بیستاذنوا اللہ عزوجل فی ہذہ الساعة فاذن لھم ان ینظروا
الی علی بن ابیطالب فنظروا الیہ اسیدم انہوں نے باری تعالے سے اجازت مانگی نظارہ
رخسارہ مرتضے میں حکایت غلبہ شوق کہی پس ان کو دیدار کی رخصت ملی اور سب نے ولی پروردگار کی
زیارت کی۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۴)

۱۱۹ کہانی

علی کے فضائل کسی صورت سے بھی ادا نہیں ہو سکتے

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الریاض اقلام والبحر مداد والجن والانس کتاب
ما احصوا فضائل علی بن ابیطالب۔ اکثر علمائے حدیث نے روایت کی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ
وآلہ نے منقبت حیدر کہی اگر سارے اشجار دنیا قلم ہو دیں اور آب دریا جملہ سیاہی رقم کی بنیں
جن و انس کتابت باہم کریں تو بھی فضائل علی علیہ السلام تمام نہ لکھ سکیں (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۲۵)

۱۲۰ کہانی

علی کی تعریف سننے سے گناہ بخشے جاتے ہیں

ومن استمع فضیلة من فضائلہ غفر اللہ لہ الذنوب التی اکتسبہا بالاذن والاستماع۔ جو مومن
سنے کوئی فضیلت سرور اوصیا کی عفو کرے گا رب العزت وہ خطا کہ سماعت سے اُسنے پیدا کی۔

(انساخبا سا تم جلد اول صفحہ ۱۲۵)

۱۲۱ کہانی

علی کی شہ زوری

ملا مہدی نے کتاب محرق القلوب میں لکھا ہے متوجہ ہوکے سنو فارسی کا ترجمہ اردو میں کیا خوب مطابق لکھا ہے شجاعت کا شمہ اس ولا ورغازی کے وہ تھا کہ مرحب وعمر وانتروعمرو بن عبدود کو پا نے پیادہ مارا جو ہر ایک پہلوان عرب میں لاثانی ہزار سوار کے برابر گنا جاتا۔ قوت اور تہور میں شیر نر ماں کو دھیان میں نہ لاتا۔ غزوات خندق۔ وبدر احد و تبوک و حنین و خیبر میں لشکر گراں کو ضرغام الٰہی نے بھگا دیا۔ صدہا مشرکین کو راہ خدا میں مارا تا کہ علم اسلام کو میدان ظفر میں بڑھایا ناصر خدا و رسول کرار غیر فرار لقب ہوا وحی میں جبرئیل نے یہ مصرع پکار کے پڑھا دین پرور بن امیر المومنین ہے اسد کردگار لافتے الا علے لاسیف الا ذوالفقار حسب وضرب کی صفت میں عالم امکان بھرا ہے۔ قہر وغضب کی دہشت سے شاہ بنی جان کانپ رہا ہے قوت اور طاقت اس مظہر قدرت الٰہی زور شہپر ملائکہ اور بازوئے بشر سے زیادہ تھی۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۲۶)

۱۲۲ کہانی

علی کی قوت

نقل ہے کہ جنگ خیبر میں جب لشکر یہود نے یرش (ہجوم) کی سرورا ولیا سیف اللہ کے ہاتھ سے گرمی داروگیر میں سپر گری ایک یہودی (موسائی) مخالفین سے اٹھا کے لے گیا۔ سپاہ میں اپنی جاکے چھپ رہا۔ شیر خدا نے غصے میں خندق پھاند کے ہاتھ بڑھایا۔ حلقہ در پکڑ کے ایسا ہلایا کہ سارا قلعہ زلزلہ میں آیا وہ دروازہ جسے چالیس آدمی بزور بند کرتے اور ویسا ہی ٹکرا کے مشکل سے کھولتے

یداللہ نے پٹ کواو کھاڑ کے بجائے ڈھال قبضہ میں لیا۔ حملہ تہور سے جملہ فوج عدو کو میدان وغا سے بہگا دیا۔ خندق میں کود کے اس بہاری کواڑ کو عوض پل اونچا کیا تاکہ لشکر اسلام اوپر سے گزر کے حصار میں داخل ہوا۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۲۷)

۱۲۳ کہانی

علی کی سخاوت

سخاوت اور ہمت عالی خاصۂ معبود کی وہ تہی کہ امید سایل معدن جو د نے ہمیشہ پوری کی جس چیز کا کوئی طالب آیا۔ ابن ابیطالب سے فوراً وہی پایا۔ روایت ہے کہ عین لڑائی میں ایک مشرک نے تلوار کو مانگا حضرت بحر سخا نے شمشیر کو اسکے روبرو پھینکا وہ متحیر ہو کے بولا اے صاحب ذو الفقار منبع عطا ایسے ہنگامہ کا رزار میں اپنی سیف کو تم نے مجھے دیا۔ مقابلہ دشمن میں ہتھیار بخشنے کا نام کسی نے نہیں لیا شاہ بندہ نواز نے کہا جب تو نے مدعی بہا مانگا تو میرے کرم سے بعید تھا کہ تیرے سوال کو پورا نہ کرتا وہ کافر دوڑ کے قدم عرش فرسا پر گرا۔ صدق دل سے مسلمان ہو کے ساتھ رہا۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۲۷)

۱۲۴ کہانی

علی کی انگوٹھی

علمائے فریقین نے حکایت عطائے انگشتری کی سند سے لکہی جو مسجد میں درمیان نماز سایل کو ملی اسکی قیمت خراج ملک شام کے برابر تہی کہ چار خروار سونا اور چہ سو خروار چاندی مقرر تہی عوض میں خدا نے یہ آیت بشارت بہیجی۔ جزو قرآن میں ثنائے حضرت شان رحمت سے لکہی۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم

سا لکھوت۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۲۸)

۱۲۵ کہانی

علی شہد کے بدلے حسین کو مارنے پر آمادہ ہوئے

عدالت اور نصفت میں حق رسانی پر اسدرجہ مصروف ہر بشر تھے کہ ہنگام خلافت میں شاہ وگدا کے ناظر ایکساں امر و نہی پر رہتے اجرائے احکام آلہی میں خویش و بیگانہ کو برابر سمجھتے۔ رؤسائے عظام کو تعدی مظلوم سے خوف وخطر میں رکھتے معاملہ چراغ بجھانے کا ملاقات پر طلحہ اور زبیر کی سب کتابوں میں مذکور مقدمہ عقیل ابن ابیطالب اور سلوک حضرت امیر داستانوں میں مشہور نقل ہے کہ ایک دفعہ بلاد یمن سے چند مشکیں شہد بہری یعسوب دین کے پاس آئیں مولانے وہ سب امانت سربستہ قنبر کو سپرد فرمائیں اتفاقاً امام حسین علیہ السلام کے پاس ایک مہمان آیا۔ حضرت نے طعام ضیافت سے گھر میں کچھ موجود نہ پایا۔ بہزار سعی ایک درہم قرض کے بازار سے اسکی روٹی خریدی قنبر سے کہا میرے حصے میں ایک رطل شہد سے مشک سے نکالو۔ نانخورش مہمان کے واسطے مجھے بضرورت وہنگام تقسیم اسکو مجرا لینا بلکہ والد بزرگوار سے عرض کر دینا۔ قنبر حسب ارشاد سید الشہدا بجالایا۔ مرد نو وارد نے کھایا پیا مراجعت کو قدم بڑہایا جب شاہ ولات نے مشکیں طلب فرماکے دیکھا تو دیکھا شاید انہیں کسی نے بعض کو تصرف کیا۔ غلام نے حضرت مولا میں کیفیت عرض کی۔ اوس جناب کو حالت غضب طاری ہوئی۔ آدمی امام حسین علیہ السلام کی طلب کو متواتر بھیجے۔ ہرگاہ خدمت میں اپنے پدر کے پہنچے حجت اللہ نے تازیانہ اُٹھایا۔ فرزند جگر بند کے مارنے کو ہاتھ بڑہایا۔ سبط مصطفےٰ نے قسم دی کہ اے بابا مجھے نہ مارو۔ عم گرامی جعفر طیار کے واسطے معاف کرو۔ ید اللہ نے ضرب دست کو روک لیا۔ نور چشم سید البشر سے یوں کہا اے جان پدر کیا سبب نے تمہارے صبر وتحمل کو بدلوایا جو تم نے شہد سب مسلمانوں سے پہلے نکلوایا

مظلوم کربلا بولے آیا ہمارا حصہ اسمیں نہ تھا۔ ولی خدا نے تسلی پسر میں کہا۔ ہر چند تم اپنے حق
میں مؤثر و سرفرازی ہو۔ لاکن اہل اسلام سے مقدم نہیں چاہیئے دست اندازی کرو۔
پھر ایک درہم دیکر قنبر کو فرمایا۔ جا کے بازار سے شہد خرید جب وہ سامنے لایا تو شاہ دین
نے دست حق پرست سے مشک میں بھرا۔ روتے جاتے کہ حسین کو معاف کرنا اسے خدا۔

(از اخبار ماتم جلد اول ۱۲۸ و ۱۲۹)

۱۲۶ کہانی

حضرت علی کی دو ہزار رکعت نماز اور نماز میں گمان موت ہونا

عبادت میں وہ سرگرمی تھی کہ دن رات میں یاد الٰہی سے کبھی فرصت نہ ملتی۔ محدثین فریقین
کا لکھا ہے جو روات ثقہ نے کہا ہے۔ ہر شب منزل علی بن ابیطالب علیہ السلام سے ہزار
تکبیر کی آواز آتی۔ کہ ہر ایک سے دو رکعت نماز نوافل پڑھی جاتی۔ ابو درداء ناقل ہے رات کو
نخلستان مدینہ سے میں گذرا۔ صدائے مناجات سن کے تلاش میں ہر طرف پھرا۔ حضرت
ابوتراب کو خاک پر مشغول نماز دیکھا۔ ذکر خدا میں رقت زدہ سر کو سجدہ میں رکھا۔ تقدیس اور تہلیل
اور تسبیح سے گویا ہوتے عشق الٰہی میں بیخود روتے۔ ناگاہ اوس ہمدم راز دنیا نے کی آواز بند
پائی۔ جب دیر تک نالۂ یا اللہ کی صوت نہ آئی۔ تو میں پیشتر جا کے پکارا کچھ جناب سے جواب
نہ ملا بے تابانہ دوڑ کے نزدیک تر گیا۔ سجدے میں سر جھکائے نظر آئی دیا۔ ہر چند بازو کو ید اللہ
کے ہلایا مگر صورت سے معنی مردہ قالب بیجان کا حکم لگایا۔ میں روتا ہوا شہر کے اندر پہنچا۔ فاطمہ زہرا
کے دروازہ پر پکارا۔ بتول سے کہا اے بضعۂ خیر الوریٰ خبر لو کہ علی مرتضٰے علیہ السلام نے
انتقال کیا خاتون محشر نے پوچھا تو نے کیونکر جانا میں نے عرض کی اِس رات کو میان باغ مدینہ گذرا
وہاں امام ہدیٰ کو ایسی کیفیت میں چھوڑا۔ صدیقہ کبریٰ خنداں ہوئیں۔ جواب میں تسکین کو بولیں

اے ابو درواء عبادت رب علا میں ہر شب وصی مصطفےٰ کا ایسا حال ہوتا ہے جو دنیا سے گذرنے مرنے کا خیال انپر جاتا ہے۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۲۹)

۱۲۷ کہانی

روزے میں بھوکے رہے دوسرے دن بھوک میں روزہ کھا تیسرے دن بھی

نقل معتبر ہے کہ ایک مرتبہ حسنین علیہما السلام کو عارضۂ بیماری لاحق ہوا والدین نے اور سارے گھرنے بعد صحت اداے نذر کا روزہ رکھا۔ شام کو افطار کے لئے ہر ایک نے قرص نان جو پائی جب ارادہ کھانے کا ہوا تو فقیر سائل کی آواز کان میں آئی۔ معدن جود وسخا علی مرتضےٰ علیہ السلام نے اپنا حصہ پہلے اوسکو حوالہ کیا۔ پھر فاطمہ زہرا وحسنین صلوات اللہ علیہم اور فضہ خادمہ مولا نے بھی اپنی روٹی کو اٹھا دیا۔ فقط پانی پیکے دوسرے دن کا روزہ رکھا۔ فقر وفاقہ میں نعمات طاعت اور مائدہ صبرو قناعت کا مزہ چکھا۔ اسروز بھی ہرگاہ شام ہوئی۔ ایک ایک روٹی جو کی سب کو ملی۔ پھر سائل نے دروازہ کرم پر دست طلب نکالا۔ سرور اتقیا نے اپنا حصہ اُسکے دامن امید میں ڈالا۔ سب گھر کے لوگ دیبا ہی عمل میں لائے۔ پانی سے افطار کرکے دل بہلائے۔ تیسرے دن پھر وہی صورت معنی امتحان کی پیش ہوئی۔ گدا در پر شاہ اولیا کے آیا الجوع پکارا۔ روٹی اوسکو ملی۔ اُن بزرگواروں نے تین روزے پے درپے رکھے۔ اور اپنا کھانا بھوکے فقیر کو بخشا پانی پیتے رہے۔ حق تعالےٰ نے اس طاعت کی شان میں سورۂ ہل اتےٰ کا نزول فرمایا۔ منزل تعریف میں بسم اللہ امامت کی جزو قرآن لکھوایا۔

(از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۳۱)

۱۲۸ کہانی

حضرت علی کی شہادت کا بیان حضرت علی نے جان بوجھکر اپنے کو قتل کرایا

راکعان سجادۂ تسلیم و رضا۔ وساجدان محراب تیغ قدر و قضا۔ عاکفان صومعۂ عرفان محبت وشہیدان
معرکۂ امتحان محنت۔ سرنہادگان وعدۂ قرب وصال۔ وہمانان خوان اندوہ ملال پیکر مضمون خونچکاں
گلیم بیان حسرت نشان بر بیت الاحزان سامعہ میں پہنچاتے یوں شور مچاتے ہیں کہ جب زمانہ بے پدری
حسنین علیہما السلام کا آیا۔ اور دست روزگار نے دربدری زینب وام کلثوم کا ہنگام پایا۔ عباسؑ
عون وجعفر کی یتیمی نے صورت غم دکھائی۔ اسلام کے تباہی ہو لیکے مصیبت فراہم آئی شب قدر
کو امیر المومنین کا وعدۂ وصال قرار پایا۔ روز لقائے محبوب کو قدم سر سے جانے کا اشتہار کیا۔ انیسویں
رات ماہ رمضان کی شوق بیتابی میں گذری۔ ہر دم مناجات اور عبادت سے اندر باہر جاتے آتے
بسر ہوئی۔ قال انه بات فی المسجد ومعه رجلان احدهما شبیب بن بجرة والاخر وردان بن مجالد
یساعدانه علی قتل علی علیه السلام۔ راوی کہتا ہے عبد الرحمن ابن ملجم ہر گاہ عشق قطامہ بنت اخضر تیمی کا
مبتلا ہوا زہر سے بجھائی تلوار لئے مسجد میں آکے زمرۂ عاکفین میں سو رہا۔ اس کے ساتھ دو شقی شبیب
بن بحرہ اور وردان ابن مجالد بھی مددگار آئے۔ ہر ایک نے مانند فتنۂ خوابیدہ جائے کمین میں بستر جفا
وآزار پھیلائے۔ فلما اذن ونزل من المأذنة جعل یسبح الله ویقدسه ویکبره ومن الصلوة علی النبی
پس امام کبار نے عرشہ منار پر جاکے اذان صبح دی۔ اُس آوازے کہ سارے شہر کوفہ میں گوش مرد
وزن کو پہنچی۔ وہاں سے اترے تو بہت تسبیح اور تقدیس الٰہی ادا کی راہ محراب عبادت لی۔ صلوات
اور تحیات نام نبی پر بھیجی۔ وکان من کرم اخلاقه ینفقد النائمین فی المسجد ویقول الصلوة یرحمک الصلوة
راوی کہتا ہے ہمیشہ مد نظر امر معروف خلق رہا۔ امیر المومنین کی عادت کرم اور صفت خلق سے تھا سوتوں
کو مسجد کے مہربانی سے جگاتے۔ رحمت خدا بھیجکے یاد نماز دلاتے ففعل ذلك کما کان بفعله علی جاری
عادته مع النائمین فی المسجد حتی اذا بلغ الی الملعون فراٰه نائما علی وجهه بد[illegible]
کو اٹھایا قطب امامت ہر طرف گردش بجالایا تاکہ بالین پر ابن ملجم کے آ[illegible]
لب ارشاد ہلاتے قال له یا هذا قم من نومك هذا فانها نومة اهل

یہ سونا تیرا خواب شیطان ہے۔ یوں الٹا نہ لیٹا کر کہ طریقہ اہل نیران ہے۔ قال فتحرک الملعون کانہ یرید ان یقوم وھو من مکانہ لا یبرح وہ مردود کروٹ لیکے جنبش میں آیا۔ گویا کھڑا ہوا چاہتا تھا لاکن مکر کیے وہیں پڑا رہا۔ فقال لہ امیر المومنین لقد ھممت بشیٔ تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًا ولو شئت لانباتک بما تحت ثیابک مظہر العجائب نے اسکو سنایا وائے او پر تیرے جو ارادہ سے قدم بڑھایا۔ اوس عمدہ سے آسمان اور زمین ٹکڑے ہو جائے۔ پہاڑوں کو زلزلہ او پرتلے گرائے۔ اگر چاہے تو بتادوں کہ زیر دامن کیا بلا لایا ہے اور مجھے آگاہ کروں کسواسطے یہاں آیا منہ کو چھپایا ہے ثم ترکہ وعدل عنہ الی محرابہ قام قایماً یصلی وکان یطیل الرکوع والسجود فی الصلوٰۃ کعادتہ والفرایض والنوافل حاضرا قلبہ۔ پس مانند رحمت آلہی اسکی طرف سے منہ پھرالیا۔ قدم بڑھا کے پیشتر چلے محراب عبادت میں قیام کیا نماز نافلہ پڑہنے کو کھڑے ہوئے حسب عادت رکوع وسجود طولانی کرتے رہے فلما احس بہ فنھض الملعون مسرعًا واقبل یمشی حتی وقف بازاء الاسطوانۃ التی کان الامام یصلی علیھا ابن ملجم مرادی نے جب یہ موقع مراد پایا۔ جلدی سے مثال شیطان مجسم جانب خلیفہ رحمان آیا اوس ستون کے پیچھے جاکے اوٹ میں کمین کی جسکی برابر امام بحر و بر نے نیت نماز باندہی تھی۔ فامھلہ حتی الرکعۃ الاولی ورکع وسجد السجدۃ الاولی منھا ورفع راسہ ظالم پرجفا نے اتنی مہلت دی کہ حجت بے نیاز نے ایک رکعت پہلی تمام کی۔ سجدہ اول سے سر انور اٹھایا اور دوسرے کا تہیہ فرمایا۔ فعند ذلک اخذ السیف وھزہ ثم ضربہ علی راسہ المکرم الضربۃ علی الضربۃ التی ضربہ عمرو بن عبدود العامری اوسدم چلکے سے تہ میں تول کے سر اقدس مکرم پر ضربت ڈہالی قضا وقدر سے بارہ وہاں سیف لگی تھی ثم اخذ الضربۃ الی مفرق راسہ الی موضع السجود وار کوتان کے ایسا کھینچا کہ دنبالہ شمشیر نے فرق سے پیشانی تک دو پارہ

کیا فلما حس الامام بالضرب لم یتاوہ وصبر واحتسب ووقع علی وجہہ ولیس عندہ احد قائلا بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ ہرگاہ زخم کا صدمہ جانکاہ ولایت پناہ کو پہنچا آہ نہ کی تحمل وصبر میں دل مضبوط رکھا۔ سر انور سے کہ چشمہ سار فضل وکرم تھا خون مانند فوارہ کے ابلا۔ رکن ایمان قبلہ کیطرف یہ کہتے ہوئے جھکے جانماز پر شاہ اولیائمومنہ کے بل گرے بالین مبارک پر کوئی نہ تھا جو سرگذشت محنت کہیں۔ سامنے کچھ نظر نہ آیا کہ اوس پر تکیہ لگائے رہیں۔ جب گردن سرور ابرار شہادت سے جانب کعبہ خم ہوئی۔ بسم اللہ وباللہ وعلی ملت رسول اللہ یہ عبارت پڑہی ثم صاح وقال قتلنی ابن ملجم ورب الکعبۃ ایہا الناس لا یفوتنکم ابن ملجم پہر فرمایا بخدائے کعبہ کہ ابن ملجم نے مجھے مارا اے حاضرین تمہارے ہاتھ سے جانے نہ پائے تو قتل ہوا۔ وسار السم فی راسہ وبدنہ وھو فی محرابہ لیشد الضربۃ ویاخذ التراب ویضعہ علیہا۔ اثر زہر سارے بدن میں سرایت کر گیا۔ سرتاقدم اعضا کی طاقت نے جواب دیا محراب میں امام رہنما زخم کو ہاتھ سے سنبھالتے لہو بند کرنے کو مشت خاک اوٹھاکے اوسپر ڈالتے تھے۔ تلا قولہ تعالیٰ منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری۔ اوس حجت اور کلام اللہ ناطق نے شان ونزول بلا کو حل سر پر لیا۔ اور صورت صبر ورضا میں اس آیت کو تلاوت کیا ثم قال علیہ السلام جاء امر اللہ وصدق رسول اللہ پہر فرمایا قضا وقدر الٰہی کا امر آیا اور جو رسول خدا نے وعدہ کیا تھا پورا پایا۔ ثم انہ ضربہ الملعون ارتجت الارض وماجت البحار وسماوات واصطفقت ابواب الجامع پس جب اس بیدین کی تلوار چلی تھی زمین کانپی سٹی اور ہلی تھی۔ دریاؤں کو موج اور جوش وخروش سے تلاطم ہوا ساتوں فلک تھرائے انقلاب انجم ہوا۔ دروازے مسجد کے باہم ٹکراکے دینا ورما فیہا کے لوگ گھبرائے۔ فلما سمع الناس الضجۃ سار الیہ کل من کان فی المسجد ثم احاطوا بامیر المومنین خلایق نے جو آواز جانگداز سنی تو حاضرین مسجد دوڑے۔ روتے پیٹتے چار طرف امیر المومنین کے بہجوم آور ہوتے وصاروا یدرون ولا یدرون این یذھبون عن شدۃ البکاء والدھشۃ لگ

سب گھبرائے ہوئے ادھر اُدھر تاپتے پھرتے۔ کثرت رقت اور دہشت میں اوپر تلے گرتے۔ وھو یشدہ راسہ بمیئزرۃ والدم یجری علی وجھہ ولحیتہ وقد خضبت بدمائہ دیکھا اس جناب نے فرق فرقدسا قصائی سے محکم باندھا ہے خون کا جوش نہیں ٹھہرتا منہ پر اور محاسن مبارک سے بہتا ہے جتنا پونچھتے ہیں پھر قطرہ قطرہ مانند لعل یکتا نی کے نکلتا ہے۔ ریش مقدس کو خضاب کیا زمین پر ٹپکتا ہے۔ (از اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۶)

۱۲۹ کہانی

شہادت علی پر ملائکہ کی دعا رفع خوف لوگوں کی بیتابی جبریل کی آہ وزاری حضرت علی کے بچوں کا رونا پیٹنا

وضجت الملائکۃ فی السماء بالدعاء وھبت ریح عاصف سوداء مظلمۃ راوی کہتا ہے ملائکہ نے نالہ وفغاں میں دعائے رفع خوف مانگی۔ ہوائے تیرہ وتاریک غبار وگرد بھری چلی ونادی جبرئیل بین السماء والارض بصوت یسمعہ کل مستیقظ تھدمت واللہ ارکان الھدی وانطمست واللہ نجوم السماء واعلام التقی وانفصمت واللہ العروۃ الوثقی جبرئیل نے درمیان زمین وآسمان ایسی فریاد وزاری کی جو ہر ایک جاگتے اور سوتے نے وہ بیقراری سنی۔ واللہ ارکان ہدایت اسدم ٹوٹے اور نشان تقوے اور پرہیزگاری ہاتھ سے چھوٹے۔ ستارے فلک دین واسلام کے چھپے محکم رشتہ ایمان ٹوٹ کے نابود ہوئے قتل ابن عم المصطفٰی قتل الوصی المجتبٰی قتل علی المرتضٰی قتلہ شقی الاشقیا ابن عم محمد مصطفٰی اور وصی خیر الوریٰ کو اسدم شہید کیا علی مرتضٰے کو شقی ترین اشقیا نے نماز میں مار لیا۔ فلما سمعت ام کلثوم نعی جبرئیل فلطمت علی وجھما وخدھا وشقت جیبھا وصاحت واابتاہ واعلیاہ وامحمداہ۔ ماوامی کہتا ہے جب دم سے جناب امیر مسجد میں تشریف لائے تھے ام کلثوم اور زینب خاتون کے دل میں سو طرح کے وسوسے آئے تھے۔ گھر کے اندر

اور صحن میں مضطرب ہوتی پھرتیں۔ رات کی باتیں بیقراری اور یاس پدر کی باہم کرتیں۔ ناگاہ صدائے نوحہ جبریل آسمان وزمین کے درمیان سے آئی کہ سید اولیا نے ایک شقی کے ہاتھ سے ضربت کھائی۔ ام کلثوم نے یہ کلام سن کے بیتابانہ جوش حسرت میں رو دیا۔ رخ پر طمانچے مار کے منہ اور سر اپنا پیٹ لیا۔ گریبان پھاڑ حال اپنا غیر بنا یا ہائے بابا واعلیا وامحمداہ کہہ کے شور مچایا۔ ثم اقبلت الی اخویھا الحسن والحسین فایقظتہما و قالت لھما لقد قتل ابوکما اپنے دونوں بھائی حسنین کو بالین پر جا کے خواب سے اٹھایا کہا دوڑو جلدی خبر لو ہمارے تمہارے والد کو مار ڈالا۔ واحسرتا اولاد علی سب یتیم و بے پدر ہوئے۔ اب زمانے میں بے وارث اور دربدر بنی فقاما یبکیان فقال لھا الحسن لھا یا اختاہ کفی عن البکاء حتی نعرف صحۃ الخبر کیلا تشمت الاعداء حسنین روتے ہوئے بستر سے اٹھے ضبط شور شین میں دلاسا دے کے بولے۔ اے بہن وزارقت کو تھام لو تاکہ خبر صحیح ہم کو حقیقت سے دریافت ہو۔ اعدا بیقراری پر طعنہ نہ دیں۔ بے وجہ زاری سے شماتت نہ کریں۔ بابا کے پاس ہم جاتے ہیں جو حال گذرا ہے وہ دیکھ آتے ہیں۔ فخرجا فاذا الناس ینوحون وینادون واماماہ واامیرالمومنین قتل واللہ امام عابد لم یسجد لصنم قط کان اشبہ الناس برسول اللہ پس شتاب اور پریشان وبے تاب طرف مسجد قدم بڑھائے۔ راہ میں لوگ سراسیمہ اور گریاں پائے۔ فریاد زناں شیون اور نوحہ کرتے۔ واعلیا ہائے آقا زاری سے کہتے۔ دریغا ایسے عابد امام کو قتل کا آزار دیا جسنے کبھی سجدۂ اصنام ایک بار نہ کیا۔ رسول خدا کا شبیہ بے مثال تھا خلق زمانہ میں نیکی سے مالامال تھا۔ فلما سمع الحسن والحسین صرخات الناس نادیا واابتاہ واعلیاہ لیت الموت اعدمنا الحیات۔ جب یہ بین اور شور وشین حسنین نے سنی۔ شدت غم سے بیچین ہوئے۔ الم درد میں سر دھنے بے اختیار بولے کاش اسوقت موت نے ہمیں فنا کیا ہوتا جوش رقت میں ایسا نالہ واعلیاہ وصیحۃ وائے بابا کہ دم نکلا ہوتا فلما وصلا الجامع ودخلا وجدا اباجعدۃ بن ھبیرۃ ومعہ جماعۃ من الناس وھم یجتھدون ان یقیموا الامام

فی المحراب لیفیلی بالناس و امیرالمومنین یصلی ایماءً من جلوس ہر گاہ مسجد میں اندر پہنچے شاہ اولیا کو دیکھا خون میں ڈوبے پڑے ہیں۔ چارطرف محبین روتے پیٹتے اس جناب کو گھیرے کھڑے ہیں۔ ابا جعدہ اور بعض لوگ چاہتے ہیں امام انام کو اٹھائیں پیشوائے عابد صحابہ کو نماز پڑھائیں۔ خون کے بہت جانے سے ضعف میں رو بمحراب گرتے ہیں بیٹھے ہوئے ایما اور اشاروں میں دوگانہ ادا کرتے ہیں وھو یمسح الدم عن وجھہ وکریمۃ الشریف یمیل تارۃ ویسکن اخریٰ ہر بار جبین اور چہرۂ مبارک سے لہو پونچھتے ہیں۔ گردن کا منکا ڈھلتا کبھی ٹھہرتا گاہے جھک جاتے پھر سنبھلتے ہیں۔ فاخذ الحسن راسہ فی حجرہ فوجدہ مغشیا علیہ فعند ذلک بکا بکاء شدیدا وجعل یقبل وجہ ابیہ ومابین عینیہ وموضع سجودہ پس امام حسن علیہ السلام نے اپنے پدر کے سر کو آغوش میں لیا دیکھا تو صدمۂ زخم سے اوس حضرت کو غش میں پایا۔ اس حالت میں سبط نبی بالین پر حیدر کے بہت روتے والد کے لہو بھری رخسارا اور پیشانی درمیان چشم پر بوسے لیتے۔ فسقط من دموعہ قطرات علی وجہ ابیہ امیرالمومنین ففتح عینیہ فراہ باکیا ناگاہ سرشک دیدۂ امام حسن جو نکلے روئے پدر پر ٹپکے۔ سیدا وصیا غفلت بیہوشی سے چونکے۔ دیدۂ حسرت کو نور خدا نے کھولا حسن مجتبےٰ کو اشکبار دیکھا۔ فقال یا بنی یاحسن ماھذا البکاء یا بنی لا روع ابیک بعد الیوم فرمایا اے بیٹا یاحسن کیوں اتنا روتے ہو قلق اور حسرت میں جان اپنی کھوتے ہو۔ آج کے بعد تمہارے پدر کو درد و اذیت نہ ملے گی۔ زحمت دنیا سے فرصت پائی اب راحت رہے گی ھذا جدک محمد المصطفےٰ وخدیجۃ الکبریٰ وفاطمۃ الزھراء والحور العین محدقون منتظرون قدوم ابیک فطب نفسا وقر عینا واکفف عن البکاء اسدم تیرے نانا محمد مصطفےٰ نانی خدیجۃ الکبریٰ ماں فاطمہ زہرا ساتھ حوران جنت کے حاضر ہیں اور اپنے پاس ورود مقدم کے بہت منتظر ہیں پس آنکھوں کو روشن اور دل ٹھنڈا رکھو صف اندوہ اور مصیبت میں رونے سے چپ رہو۔ فان الملائکۃ قد ارتفعت اصوا تھم الی السماء تمہاری نالہ و فغاں جو ملایکہ سنتے ہیں تو صومعہ طاعت سے درمیان زمین و آسمان آہ و زاری و شیون بلند کرتے ہیں

۱۳۰ کہانی

حضرت علی نے حسن اور حسین کو ان کے آئندہ قتل ہونے کی خبر دی

یا بنی الجزع علی ابیك وغدا تقتل بعدی مسموما مظلوما وتقتل اخوك بالسیف ھکذا (یعنی)

جان پدر آج کے دن تم باپ کے صدمہ محنت سے روتے ہو اور اپنے اوپر جو آفت کا سامنا ہے غافل ہوتے ہو یا حسن کل زہر جفا سے تم کو مظلوم شہید کریں گے تمہارے بھائی حسین کا تیغ سے گلا کاٹ کے نیزہ پر سر چڑھائے پھریں گے وتلحقان بجدکما وابیکما وامکما افسوس کہ دونوں با جگر صد پارہ اور تن خون آلودہ رہو گے اس حالت سے جنت میں جد و پدر و مادر کی ملاقات کرو گے۔ فقال له الحسن یا ابتاہ ما تعرفنا من قتلك ومن فعل بك ھذا قال قتلنی ابن الیھودیة عبد الرحمن ابن ملجم المرادی (یعنی) امام حسن پرساں ہوئے اے بابا نہیں فرماتے کہ تمہیں کس نے مارا بولے عبد الرحمن ابن ملجم کی شرارت ہے۔ اسکی تیغ جفا سے یہ واقعہ شہادت ہے فقط۔

(از کتاب اخبار ماتم صفحہ ۱۳۹)

کہانیاں ختم ہوچکیں ایک علمی اور مذہبی کتاب میں اسیقدر فسانہ کا حصہ کافی سمجھا گیا۔ ورنہ صرف حضرت علی کی ہی نسبت جس قدر کہانیاں بنائی گئی ہیں اگر ان سب کو جمع کرلیا جائے تو کم سے کم نصف بوستان خیال کے برابر ان کے طومار کی ضخامت ہو جائے آپ اگر توجہ سے کہانیوں کو پڑھ کے اس گہرائی تک پہنچ گئے کہ جس مذہب کا مدار ان بے سروپا فسانوں پر ہو وہ مذہب کہانیوں کا مذہب ہے نہ واقعات کا تو یقیناً آپ کو کامیابی ہو جائے گی اور آپ کی محنت ٹھکانے لگ جائے گی۔

آپ ان کہانیوں کو پڑھتے وقت بالکل آزاد بن جائیں اور مذہبی عقاید کا مطلق پاس وخیال نہ کریں اور پھر آپ انصاف سے سوچیں کہ جب کہانیوں کے مذہب والوں نے آنکھیں بند کرکے مشرقی فسانہ نویسی کی پوری داد دی اور خیال آفرینیوں کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تو پھر ان اصحاب کے لئے یہ کونسی بڑی بات ہے کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی کہانیاں نہ گھڑ لیتے۔ اب رہی یہ بات کہ شہادت حسین کا تذکرہ دوسرے مذاہب یا مذہب حق کی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ سنی علما محدثین نے بعض اوقات شیعی راویوں سے بھی روایتیں نقل کرنے میں تامل نہیں کیا اور اسے جایز قرار دیدیا کہ اگر سلسلہ روایت منقطع نہ ہوتا ہو تو شیعی راوی کی روایت سے لینی کچھ مضایقہ نہیں۔ بظاہر علما محدثین کا یہ اصول کچھ ایسا قابل اعتراض نہ تھا مگر اس کے خوفناک نتیجہ پر علماء کی مطلق نظر نہیں گئی کہ آیندہ جاکے یہ خوفناک اصول کیا رنگ لائے گا چنانچہ یہ رنگ لایا اور خوب لایا۔ جنگ جمل اور صفین کے فسانے گھڑے گئے اور پھر جنگ کربلا کا ایک ڈراما بنایا گیا اور جب سلطنت بنی فاطمہ مصر میں قایم ہوئی تو ان تمام فسانوں اور قصوں نے ایک مستقل واقعات کی صورت اختیار کرلی اور جو مصنف بعد میں پیدا ہوئے انہوں نے بلا انتقاد واقعات ان افسانوں کو اپنی کتابوں میں درج کرلیا۔ اور ان کے بعد سب تواریخ نویس بے وقوف بھیڑوں کی طرح ایک ہی گڑھے میں گرتے چلے گئے آخر جس طرح عنقا اور ہما کے فرضی ناموں نے مشرقیوں کے ذہن وخیال میں اصلی صورت پیدا کرلی اسی طرح جنگ جمل جنگ صفین اور جنگ کربلا کے قصوں نے ایک مستقل صورت واقعات حاصل کرلی انا للہ وانا الیہ راجعون اسکی مفصل بحث آگے حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعات زندگی میں آئے گی یہاں تو صرف ان کہانیوں کے متعلق چند الفاظ کہنے ہیں۔ جو شخص گزشتہ کہانیوں کو غور سے پڑھ چکا ہے اسے یہ لامحالہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کہانیوں پر دو

قدح کی مطلق ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب معمولی عقل و فراست اور لیاقت کا شخص بھی ان کہانیوں کو پڑھے گا تو ان کی لغویت کی فوراً شہادت دیدے گا۔ اس کے علاوہ یہ بات اور زیادہ تماشہ کی ہے کہ یہ کہانیاں خود اپنے جھوٹا ہونے کی آپ گواہ ہیں مگر سب سے بڑا نکتہ جو ان کہانیوں سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی کی امامت چونکہ خطرے میں پڑی ہوئی ہے اس لئے ہر کہانی سے نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ حضرت علی امام تھے۔ کہیں کبوتروں سے شہادت دلوائی ہے کہیں بھیڑیوں سے کہیں جنوں سے کہیں ملائکہ سے کہیں مچھلیوں سے مگر انسانی شہادت کا آپ کی ولایت اور خلافت پر پتہ نہیں ملنے کا۔ اگر ایک بھیڑیئے نے حضرت علی سے یہ کہدیا کہ آپ خلیفہ برحق اور وصی رسول اللہ ہیں تو اس سے حضرت علی بھلا کیونکر خلیفہ اور وصی ہوسکتے ہیں۔ یہ کوئی بھی تسلیم نہیں کرنے کا کہ حضرت علی انسان کو چھوڑ درندوں۔ چرندوں۔ اور پرندوں کے خلیفہ بنیں پھر بتاسئے کہ ان لایعقل اور بے روح اجساد کی شہادت کیا وقعت رکھتی ہے۔

اسکے علاوہ ان کہانیوں میں ایک بات اور بھی غور طلب ہے وہ یہ کہ خود شیعان علی بقول ان فسانہ نویسوں کے حضرت علی کو بھیڑیوں۔ کبوتروں۔ مچھلیوں اور اونٹنیوں سے باتیں کرتا ہوا دیکھتے رہتے تھے مگر پھر بھی اپنے وصی اور امام کو جھوٹا سمجھتے رہتے تھے۔ حضرت علی نے جیسا کہ ان کہانیوں میں مذکور ہے پتھروں میں سے سرخ اونٹوں کی قطاریں نکال دیں جن کے کوہان کوہ البرز کو مات کرتے تھے۔ سانپوں سے باتیں کرلیں۔ زمین کے چھپے ہوئے خزانے پیدا کردیئے۔ سنگ لاخ چٹانوں پر ہرے بھرے باغات لگا دیئے مگر پھر بھی شیعان علی کی سنگ دلی۔ بے اعتقادی اور دشمنی کی حد ہے کہ وہ حضرت علی کو دھوکے باز جھوٹا اور جادو ٹونے کرنے والا جانتے رہے تھے۔ اور ان معجزوں کو دیکھنے کے بعد کبھی انھوں نے یہ نہیں کہا علی تم بڑے صاحب کرامت ہو۔

تیسری بات ان کہانیوں کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوگی کہ ان کا مصنف ہرگز ہرگز حضرت علی کا دوست نہیں ہے، ہر کہانی بجو ملیح اور وہ بھی ضرورت سے زیادہ مبالغہ کے ساتھ لکھی گئی ہے اور بر ملا حضرت علی کو ایک مداری یا تماشہ دکھانے والا بنا یا گیا ہے دوسرے خود ان کے معتقدوں سے باوجود ان تماشوں کے بھی آپ کی توہین کرائی گئی ہے۔ مگر ہمیں یہ حق نہیں ہو کہ بحار الانوار جیسی کتاب کے مصنف کو دشمن علی یا ناصبی اور خارجی قرار دیں کیونکہ شیعی نقطۂ خیال سے یہ کتاب بیاض عثمانی ربقول شیعہ، یعنی قرآن مجید سے افضل ہے اور اسے شیعی اصحاب اپنی پاک مجالس میں پڑھتے اور اسی سے مومنین کو رلواتے ہیں، مومنین کی جان اس کتاب پر جاتی ہے اور اس کتاب کا مصنف مومنین کا سب سے بڑا قبلہ وکعبہ تصور ہوتا ہے خدا معلوم یہ کیا راز ہے کہ جسطرح شیعان علی خود حضرت علی کی زندگی میں آپ کے جانی دشمن تھے اور آپ کی نافرمانی کرکے آپ کو آٹھ آٹھ آنسو رلوایا کرتے تھے یہانتک کہ آپ کو قتل کرا دیا اسی طرح آج یہ عالم ہے کہ وہ لوگ جو اپنے کو شیعان علی کہتے ہیں سچی بات یہ ہے کہ حضرت علی اور آپ کے اہل بیت کی توہین کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے اور پھر نہایت دلیری سے اپنے کو محب علی اور محب اہل بیت علی کہنے میں ذرا پس وپیش نہیں کرتے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے فسانے پر اگر قناعت کی جاتی تب بھی اتنا مضائقہ نہ تھا مگر وہاں تو غضب یہ کیا گیا ہے کہ اوہر نہایت بے بسی کی حالت میں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کو کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر شامیوں کے ہاتھ سے ذبح کرایا گیا اور ادہر ان کے اہل بیت کی چادریں گھسوائی گئیں۔ برہنہ اونٹ پر سوار کرایا گیا اور معصوم بچیوں کے رخساروں پر شامی سپاہیوں کے ہاتھوں سے تھپڑ لگوائے گئے ہم اپنے یقین اور ایمان کی بنا پر خداوند قدوس کو حاضر وناظر سمجھ کے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ شامی سپاہیوں کے ہاتھ سے ہرگز ہرگز حضرت امام حسین کے

اہل بیت کی کسی قسم کی توہین نہیں ہوئی واقعات نے نہیں ہیں کتابیں موجود ہیں جو ان غلط فسانوں اور بے ہودہ کہانیوں کی برابر تردید کر رہی ہیں۔ ابومخنف لوط کا خدا بھلا کرے کہ سب سے پہلے اسنے شہادت کا غلط فسانہ لکھ کے اسلامی دنیا کو جہالت کے اندھے گڑھے میں دھکیل دیا۔ جن کتابوں میں کہ شہادت حسین کا فسانہ اور اہل بیت حسین کی ذلت اور توہین کی روایتیں درج کی گئی ہیں انہیں کتابوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یزدجرد کی بیٹی شہر بانو نے جب میدان کربلا کا رنگ اپنے شوہر امام حسین کے خلاف دیکھا تو ان سے یہ التجا کی کہ میرے لئے آپ کیا انتظام کرتے ہیں کیونکہ میں ایرانی النسل ہوں اور آپ کے اہل بیت کی یہ سب خواتین عربی النسل ہیں لہذا یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ آپ کے قتل ہونے کے بعد شامی عرب ان کے احترام۔ ان کے اعزاز ان کی عزت قائم رکھنے میں کچھ بھی فروگذاشت کریں گے مگر میرے ساتھ آپ کے بعد ان سے ہرگز ایسے برتاؤ کی توقع نہیں ہے جس سے میرا احترام قائم رہے اس سے حضرت امام حسین علیہ السلام نے مطلقاً انکار نہیں کیا بلکہ فسانہ نویسوں کی روایتوں کے بموجب انہیں اپنے گھوڑے پر سوار کر کے میدان جنگ سے رخصت کر دیا۔

حضرت بی بی سکینہ جو نہایت عالی دماغ روشن ضمیر اور شائستہ خاتون ہیں سوائے یزید کی تعریف کے کوئی بات اس ناپاک برتاؤ پر جو شامیوں کے سر تھوپا گیا ہے ایک حرف نہیں کہتیں اسی طرح حضرت بی بی زینب سے بھی کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس میں انہوں نے اس ذلت اور توہین کا جو شیعی کتب میں بھری پڑی ہیں اعتراف کیا ہو تمام ہندوستان اور ایران کے شیعہ ملکے بھی ان دونوں خواتین اسلام کا ایک قول بھی جو فی الواقع انہیں کا قول ہو ایسا پیش نہیں کر سکتے جس سے یہ معلوم ہو کہ شامی سپاہیوں نے ایسی بیہودہ خلاف تہذیب حرکتیں ان کے ساتھ کی ہوں جب یہ باتیں کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتیں نہ آج تک کسی کو ثابت کرنے کی جرأت ہوئی پھر کتنے غضب کی بات ہے کہ ان کی ذلت کی

من گھڑت کہانیاں ہر سال بلکہ ہر موقع پر ہزاروں مومنین کے سامنے بر سر ممبر بیان کی جائیں اور پھر اس صریح توہین کو اسلام کا اعلےٰ ورجے کا رکن قرار دیا جائے نہ صرف رکن بلکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی محبت پر دال سمجھا جائے ہمنے جیسا کہ وعدہ کیا تھا کہ حضرت علی کے واقعات زندگی بہت اختصار کے طور پر کتاب شہادت میں درج کریں گے لہذا ہم اپنے وعدہ کا ایفا کرتے ہیں اور حضرت علی کے واقعات زندگی محققانہ طور پر شروع کرتے ہیں آج تک کوئی مستقل کتاب حضرت علی کے واقعات زندگی پر آزادانہ طور پر نہیں لکھی گئی ۔ اگرچہ ہندوستان اور ایران میں بعض مستقل کتابیں حضرت علی کے حالات میں قلمبند کی گئیں ہیں مگر وہ وہی کتابیں ہیں جن میں زیادہ تر اسی قسم کی کہانیاں بھری ہوئی ہیں جیسی کہانیاں آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں ہمنے سنی اور شیعوں کی بہت سی حدیث اور تاریخ سے سچے واقعات آپ کی زندگی کے بہم پہنچائے ہیں اور وہ وہ واقعات ہیں ۔ جنسے کوئی شخص ذرا بھی انکار نہیں کرسکتا ۔

سنی ہوں یا شیعہ جب وہ اپنے کسی امام یا خلیفہ یا مجتہد کے واقعات زندگی لکھتے ہیں تو انپر اندھے عقیدے کا ایک ایسا بھوت سوار ہو جاتا ہے کہ وہ اسکے خوف میں آکے سچے واقعات کو جنمیں ان کے امام کی کمزوریاں ہوتی ہیں بالکل چھپا لیتے ہیں اور اسے انسانیت کے دائرے سے خارج کر کے ایک مافوق انسانی صورت میں قرار دے کے جو کچھ ان کا جی چاہتا ہے اناپ شناپ لکھتے چلے جاتے ہیں آپ قریب قریب جتنی کتابوں کو دیکھیں گے جو خلفاء اور ائمہ مجتہدین وغیرہ کے حالات میں ۔ لکھی گئی ہیں ان میں ایسی باتیں کثرت سے پائیں گے جنسے اس شخص کی مافوق انسانی حالت کا صاف مشاہدہ ہوگا بہت سے سنی علماء جنپر شیعی رنگ پورا چڑھ چکا ہے صحابہ کے سچے حالات بیان کرنے یا لکھنے سے منع کرتے ہیں اسی وجہ سے اسلامی دنیا سخت مغالطے میں پڑی ہوئی ہے

غضب خدا کا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تو ایسی ہندی کی چندی کی جائے کہ ان کے گھر کی معاشرت نشست و برخاست اپنی ازواج پاک سے گفتگو طرز کلام معاملات خانہ داری غرض سارے حالات من وعن درج کر دیئے جائیں اور اسکا مطلق خیال نہ کیا جائے کہ اس عظیم الشان ہستی کے گھریلو حالات اور بیویوں سے تعلقات کا اظہار جسکی پوری صحت ہونا دشوار ہے عامہ خلایق کے آگے پیش کرنا ایک بڑی سبکی کی بات ہے مگر صحابہ کے حالات پر ایسا پردہ ڈالا جاتا ہے اور اسکے لئے علماء زمانہ نے ایسے تاکیدی الفاظ نافذ فرمائے ہیں کہ ان کے سچے حالات بیان کرنا اسلام سے خارج ہونے کے مساوی قرار دیدیا ہے مگر آج خوش قسمتی سے زمانے نے ایسے علماء کی حکومت کا جوا ہمارے کندھوں سے اتار دیا ہے اور اب ہم بالکل آزاد ہیں کہ جس خلیفہ یا امام یا مجتہد کی سوانحعمری لکھیں تو اسکے دونوں پہلوؤں کو یعنی کمزور پہلو کو بھی اور قوی پہلو کو بھی یا بالفاظ دیگر تاریک اور روشن پہلوؤں کو آزادی اور ایمانداری کے ساتھ عامہ خلایق کے آگے پیش کردیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے آپ اللہ کا شکر کیجئے کہ ایسے زمانہ محمود و مسعود میں آپ موجود ہیں کہ کئی صدی کا تاریک پردہ آپ کی آنکھوں کے آگے سے اٹھایا جاتا ہے اور آپ اپنے آگے بجائے جہالت کی تاریکی کے معرفت کی روشنی کا چمکارا ملاحظہ کرینگے۔

اس کتاب میں حضرت علی کے واقعات زندگی سے کچھ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ بہت سے واقعات کا تعلق جو حضرت علیؑ کی زندگی میں ہوئے حضرت امام حسین کے واقعات زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اسلئے ضرورت ہے آپ کے حالات کا کچھ مختصر تذکرہ کرکے پھر حضرت امام حسین کے واقعات زندگی نہایت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ شروع کئے جائیں گے اور اسی میں شہادت کے فسانوں کا پورا تذکرہ آجائیگا

اور انشاء اللہ آپ مونہ سے بول اٹھیں گے کہ واقعی شہادت حسین ایک افسانہ ہے اور خداوند قدوس اپنے وعدے کے مطابق سچے مومنین کو ذلیل نہیں کیا کرتا۔

اس کتاب کے چار مقدمے پہلے ختم ہو چکے ہیں اور وہ چاروں مقدمے بجائے خود ایک ایک مستقل کتاب کا حکم رکھتے ہیں اور وہ ایسی کتابیں ہیں جنکا جواب تمام دنیا کے شیعی علماء ملکے بھی نہیں دے سکتے ان مقدمات میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کتنی روایتیں خود شیعی علماء نے بنائیں اور کس دلیری سے انہوں نے سنیوں کے سر چپکیں جب کہ سنیوں کی کتابوں میں ان روایتوں کا نام ونشان تک نہیں ہے خلفاء راشدین پر کیسے کیسے من گھڑت الزام قائم کئے جبکہ ان الزاموں کی کسی بنیاد کا ثبوت نہیں ملتا تو اب آپ سمجھ لیجے کہ شہادت کا فسانہ بھی محض خلفاء راشدین پر الزام لگانے کے لئے بنایا گیا تھا شیعی علماء پکار پکار کے کہد ہے ہیں کہ عمر فاروق یعنی خلیفہ دوم نے حضرت بی بی فاطمہ خاتونِ محشر کا حمل اسقاط کرکے گویا اپنے ہی زمانے میں شہادتِ حسین کی بنیاد قائم کردی تھی مطاعن صحابہ کو فروغ دینے کے لئے وصالِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈہائی تین صدی کے بعد ابو مخنف لوط نامی شخص نے شہادت حسین کا فسانہ تصنیف کیا اس سے پہلے کسیکو کانوں کان بھی خبر نہیں تھی کہ ابوطالب کا پوتا حضرت علی کا بیٹا یعنی امام حسین کسی کربلا نامی میدان میں شامیوں کے ہاتھ سے قتل کیا گیا یہ ساری آگ لوط کی لگائی ہوئی ہے اور اسکے بعد والے مصنف بالکل بیوقوف بھیڑوں کی طرح اسکے قدم بقدم ہولئے ہیں ان میں سے کسی شخص کو بھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اسکی پوری تحقیق کرکے اس واقعہ کو غلط ثابت کرتا اگرچہ امام باقر کے زمانے میں ہزاروں آدمی ایسے موجود تھے جنہیں حضرت امام حسین کے قتل ہونے پر شبہ ہی نہیں تھا بلکہ وہ اپنے ایمان اور یقین سے یہ جانتے تھے کہ امام حسین قتل نہیں کئے گئے خود امام موصوف کے آگے

ان کے معتقدوں سنے کئی بار اسکا تذکرہ کیا کہ آیا یہ صحیح ہے جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں
کہ امام حسین قتل نہیں ہوئے بقول شیعی مصنفین حضرت امام باقر سوال کرنے والوں
کو یہ جواب دیتے تھے کہ تم کچھ نہ بولو بلکہ چوری چھپے اگر تمہارا بس چلے تو ان اشخاص
کو قتل کر ڈالو ہم امام باقر کو ایک عالم. صالح اور باعمل شخص سمجھتے ہیں وہ اس قسم کی
تنگ طبیعت اور تعصب کے آدمی نہیں تھے کہ بلا وجہ اور بلا سبب وہ اپنے مریدوں
کو بے گناہ مسلمانوں کے قتل کی ترغیب دیتے اتنا تو ضرور ہے کہ ان سے سوالات
کئے گئے مگر یہ مطلق خبر نہیں کہ انہوں نے ان کے جوابات کیا دیئے بہر حال اس
سے یہ نتیجہ تو نکل آیا کہ شہادت کا انکار صرف ہمارا گروہ نہیں ہے جیسا کہ بعض ناواقف
آدمی سمجھتے ہیں بلکہ دوسری صدی ہجری سے برابر ایسے صدہا بلکہ ہزارہا اشخاص
کا پتہ لگتا ہے۔ جو شہادت حسین کو افسانہ سمجھتے تھے اور انہیں اسکا یقین نہیں تھا۔

اب آپ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے واقعاتِ زندگی سننے کے لئے ہمہ تن گوش
ہو جائیں اگرچہ وہ بہت ہی مختصر طور پر بیان کئے جائیں گے مگر ایسے سچے سوانح
عمری دلکش پیرایہ میں نہایت تحقیق کے ساتھ نہ آج تک لکھے گئے نہ آیندہ لکھے
جا سکتے ہیں. آپ غور سے پڑھیئے گا انصاف سے ہر واقعہ کو سوچئے گا اور بہت
آزادی سے اسپر غور وخوض کر کے اسکی صداقت کو جانچئے گا اور اندھے عقیدے
کے بھوت کے خوف کو اپنے پاس ہرگز پھٹکنے نہ دیجئے گا جب حضرت علی کے واقعات
زندگی ختم ہو جائیں گے تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کے حالات شائع ہونگے۔
انشاء اللہ۔

حضرت علی کی پیدایش

آپ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سال شادی ہونے کے بعد

خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اسوقت حضور انور کی عمر ۲۸ برس کی تھی آپ کی والدہ بنت اسد کو جب بچہ جنی شروع ہوئے اور درد کی زیادہ شدت ہوگئی تو ابو طالب محض اس خیال سے کہ بت خانے میں لیجا کے کسی بت سے التجا کی جائے کہ ان کی بیوی کی یہ تکلیف رفع ہو جائے جس طرح ہوا انہیں اس بتخانے میں لے گئے جو کعبہ کے اندر بنا ہوا تھا جہاں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے اور لوگ ان بتوں سے اپنی منتیں اور مرادیں مانگنے کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے اسی طرح ابو طالب بھی اپنی بیوی فاطمہ بنت اسد کو ایک خاص بت کے آگے لے گئے چونکہ درد کی بہت شدت پر پہنچ گئی تھی ادھر گھر سے اس بتخانے میں پہنچنے تک پیٹ کو ضرورت سے زیادہ حرکت پہنچی تو ابھی فاطمہ بنت اسد بت کے آگے کھڑی ہی ہوئی تھیں کہ فوراً انہیں شدت کے درد لگے اور ان کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا جسکا نام ابو طالب نے علی رکھا اس طرح بتخانے میں پیدا ہونا بعض لوگوں نے حضرت علی کے لئے باعث فخر کیا ہے مگر یہ کچھ فخر کی بات نہیں ہے خانہ کعبہ جب حضرت علی پیدا ہوئے ہیں بتوں کا گھر بن رہا تھا وہ خدا کا گھر نہیں تھا اسکے ایک عرصے کے بعد جب وہ بتوں کی نجاست سے پاک کیا گیا تو اس چھوٹے گھر کو خانہ خدا بننے کا شرف حاصل ہوا لہذا ایسے نجس مقام پر جہاں ۳۶۰ بت موجود ہوں اور بجائے خداوند قدوس کے مشرکین عرب ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں وہاں کسی شخص کا اتفاقیہ پیدا ہو جانا باعث فخر کسی صورت سے نہیں بن سکتا۔

حضرت علی کی پرورش

آپ نے چند سال تک اپنے والدین کے آغوش محبت میں پرورش پائی مگر چند سال کے بعد ابو طالب کی بدقسمتی سے ایک تو مکہ میں سخت قحط پڑا دوسرے ان کی

تجارت میں کچھ ٹوٹا آگیا اور ان کی حالت ایسی نازک ہوگئی کہ وہ اپنے بال بچوں کی پوری پرورش کرنے سے صماندہ ہوگئے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی اس دردناک حالت کو ملاحظہ فرمایا آپ کو اپنے اس کثیر العیال چچا پر رحم آگیا آپ فوراً اپنے دوسرے چچا عباس کے پاس تشریف لائے جو اسوقت تمام بنی ہاشمیوں میں زیادہ مالدار تھے اور انہیں ابوطالب کی زار حالت پر توجہ دلائی اور فرمایا اسوقت آپ دیکھ رہے ہیں کہ قحط کی وجہ سے لوگ کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور ابوطالب کا کیا حال ہے مناسب یہ ہے کہ ہم دونوں ابوطالب کے پاس چلیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ کثیر العیالی کا کچھ بوجھ ان سے ہلکا ہوجائے اسکی سب سے بہتر ترکیب یہ ہے کہ ابوطالب کے دو لڑکوں میں سے ایک لڑکا تم لیکے پرورش کرو اور ایک میں لے کے کروں اس سے ابوطالب کو بہت مدد پہنچے گی خرچ کا بار ان پر سے ہلکا ہوجائے گا اور وہ اس نازک حالت کا مقابلہ پھر بخوبی کرسکیں گے حضور انور کی یہ تقریر عباس کے دل میں گھر کر گئی عباس راضی ہوگئے دونوں ملکے ابوطالب کے پاس آئے اور اور ان سے اپنے آنے کی وجہ بیان کی ابوطالب خوش ہوگئے اور کہا اچھا عباس جعفر کو لے لیں اور محمد تم علی کو لے لو عقیل میرے پاس رہے گا چنانچہ علی کو حضور انور اپنے ساتھ لیکے چلے آئے اور جعفر کو عباس لے کے چلے گئے دونوں بچوں کی پرورش دونوں مقام پر بہت معقول طریقے سے ہونے لگی اسکے بعد زمانہ نبوت تک حضرت علی کا اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ جب حضور انور کو خدا وند قدوس کی طرف سے نبوت عطا ہوئی ہے تو اسوقت حضرت علی کی عمر ۱۲ برس کی تھی۔

عمر کی بحث

بہت سی صحیح غیر صحیح اور خلط ملط روایتیں حضرت علی کی عمر کی نسبت بیان ہوئی ہیں کوئی کہتا ہے آپ چودہ برس کے تھے کوئی کہتا ہے ساڑھے چودہ برس کے تھے کوئی کہتا ہے تیرہ برس کے تھے مگر سب کا اسپر اتفاق ہے کہ آپ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے خواہ آپ کی عمر بارہ برس کی ہو یا تیرہ برس یا چودہ برس کی آپ بچے تھے اور ابھی تک کسی قسم کی تعلیم آپ کو نہیں ملی تھی۔

حضرت علی کا مشرف باسلام ہونا

جب حضور انور نبی بنائے گئے ہیں اور آپ میں ایک غیر معمولی کیفیت پیدا ہوئی ہو تو آپ نے اپنی اس تبدیل حالت کا تذکرہ سب سے پہلے اپنی بیوی خدیجۃ الکبریٰ سے کیا یہ خاتون اعظم پندرہ برس سے برابر آپ کی دیانت۔ صداقت۔ اور پاک بازی کا پے در پے امتحان کر چکی تھیں اس لئے جو کچھ آپ نے فرمایا انھوں نے سچے دل سے قبول کر لیا اور آپکی نبوت کی تصدیق کی اور بتوں کی پرستش سے ہمیشہ کے لئے تائب ہوگئیں۔ یعنی ایک اکیلے خدا پر ایمان لے آئیں اور حضور انور کو خداوند قدوس کا برحق نبی تسلیم کر لیا۔

حضور انور اکثر اوقات خدائے تعالےٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے کبھی غار حرا میں اور کبھی اپنے مکان میں ایک دن اسی اثنا میں حضرت علی گھر میں اسوقت کھیلتے کودتے آگئے جب حضور انور سجدے میں پڑے ہوئے قدوس قدوس کی تسبیح کر رہے تھے اس بچہ کو حضور انور کی یہ حالت دیکھ کے سخت اچنبا ہوا کیونکہ کبھی سوائے بتوں کے آگے سجدہ کرنے کے کسی شخص کو اس طرح کی عبادت کرتے ہوئے اس صغیر سن بچے نے کبھی نہیں دیکھا تھا جب آپ عبادت آلہی سے فارغ ہوئے

تو نہایت حیرت زدہ ہوکے علی نے یہ دریافت کیا یہ آپ کیا کر رہے تھے آپ نے فرمایا میں خداوند تعالےٰ کی عبادت کر رہا تھا کیا تم بھی میرے ساتھ خدائے احد کی عبادت میں شریک ہو سکتے ہو تو علی نے اسکا وہی جواب دیا جو عموماً عام بچے دیا کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ میں اپنے والد سے دریافت کر لوں تو پھر میں کہ سکتا ہوں کہ آیا یہ عبادت اور یہ طریقہ بہتر ہے یا میرے باپ کا طریقہ حضور انور خاموش ہو رہے۔ یہ معلوم نہیں کہ حضرت علی نے اپنے باپ سے دریافت کیا یا نہیں مگر چونکہ حضور انور نے آپ کی پرورش کی تھی اور بہت مہربانی سے پالا تھا اور آپ روزمرہ خدیجۃ الکبریٰ کو حضور انور کے ساتھ عبادت کرتا ہوا دیکھتے تھے آپ بھی اسیطرح عبادت کرنے لگے اور گویا اس طرح آپ کو مشرف بہ اسلام سمجھا گیا۔ اسی مضمون کی ایک روایت علامہ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ فی معارفۃ الصحابۃ میں لکھی ہے اگر اس روایت کو صحیح

لہ ثم ان علی بن ابی طالب جاء بعد ذلک بیوم یعنی بعد اسلام خدیجۃ وصلوتھا معہ صلی اللہ علیہ وسلم [فوجدھما یصلیان فقال یا محمد ما ھذا فقال رسول اللہ صلعم] دین اللہ الذی اصطفیٰ بنفسہ وبعث بہ رسلہ فادعوک الی اللہ والی عبادتہ وکفر باللات والعزی فقال امر لم اسمع بقبل الیوم فلست نقاض امرا حتی احدث ابا طالب فکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یفشی سرہ قبل ان یستعلن امرہ فقال لہ یا علی ان لم تسلم فاکتم فمکث علی تلک اللیلۃ ثم ان اللہ اوقع فی قلب علی الاسلام فاصبح غادیا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءہ فقال ما ذا عرضت علی یا محمد فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وتکفر باللات والعزی وتبرأ من الانداد فقبل علی واسلم ٭

یعنی حضور انور رسول خدا کے مبعوث برسالت ہونے کے بعد اور رسول اللہ کے ساتھ خدیجۃ الکبریٰ کے نماز پڑھنے کے پیچھے ایک دن علی آئے اور ام المومنین کو حضور انور کے ساتھ نماز

تسلیم کر لیا جائے تو اس سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ علی مثل اپنے باپ ابوطالب کے اس سے پہلے لات وعزے کی پرستش کیا کرتے تھے جس سے روگردانی کا حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو حکم دیا دوسرے حضرت علی کا یہ فقرہ کہ میں اپنے کسی فعل میں مختار نہیں جب تک کہ اپنے باپ ابوطالب سے نہ اجازت لے لوں آپ کی شانِ احسان پذیری پر کچھ اچھا اثر کرنے والا نہیں ہے کیونکہ آپ نے حضور انور کے گھر میں پرورش پائی تھی اگر آپ میں بڑے آدمیوں کی حس ہوتی تو آپ سے بہتر حضور انور کی صداقت کا جانچنے والا اور دوسرا شخص نہ ہوتا۔ اور ایسی حالت میں بغیر پس وپیش کے آپ حضور انور کے ارشاد کی تعمیل کر لیتے مگر سن کے تقاضے نے

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۸۹) پڑھتے دیکھا۔ عرض کیا یا محمدؐ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا یہ اللہ جل جلالہ کا دین ہے جو اس نے اپنی ذات کے لئے منتخب کیا ہے اور نبیوں کو اسکے لئے مبعوث کیا ہے۔ میں تجھے خدا کی طرف اور اسکی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور لات وعزیٰ سے روگردانی کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ علی نے جواب دیا یا محمدؐ یہ ایسی بات ہے کہ میں نے آج کے سوا کبھی نہیں سنی میں جب تک ابوطالب سے دریافت نہ کر لوں اپنے کسی فعل میں مختار نہیں ہوں حضور انور کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ اس راز کو اعلان ہونے سے پہلے کسی طرح کھولنا مناسب نہیں ہے (اسی لئے) حضور انور نے ارشاد کیا کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو اس راز کو افشا نہ کرو۔ پس علی نے ایک رات اسی کشمکش وپیچ میں کاٹی اور پھر خداوند تعالےٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت القا فرمائی۔ دوسرے دن صبح کو حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کے عرض کیا یا محمدؐ کل آپنے مجھے کیا ارشاد کیا تھا حضور انور نے فرمایا تو اس امر کی گواہی دے کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور وہ اکیلا خدا ہے کوئی اسکا شریک نہیں۔ لات وعزے سے بیزار ہو جا۔ غرض علی نے ایسا ہی کیا اور مشرف باسلام ہو گئے۔ فقط ✦

یہ حس آپ میں ابھی پیدا نہیں کی تھی اسلیئے آپ کے مونہ سے یہ نکلا کہ جب تک میں اپنے باپ ابوطالب سے اجازت نہ لے لونگا اسکی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا اسپر حضور انور کا ناراض ہو کے منع فرمانا کہ اعلان نبوت کے ظاہر ہونے سے پہلے تم ابوطالب کو اس امر سے آگاہ نہ کرو اور پھر حضرت علی کا دوسرے دن معبود برحق پر ایمان لے آنا اس سے اس انکار کی تردید نہیں ہوتی کہ آپ نے اپنے باپ ابوطالب سے یہ ذکر نہ کیا ہو ممکن ہے کہ آپ نے ذکر کر دیا ہو اور انہوں نے بچہ سمجھ کے زیادہ پروانہ کی ہو اور اجازت دیدی ہو کہ جو کچھ محمد کہیں وہ کرو۔

اب حضرت علی جب کبھی حضور انور کو عبادت کرتا ہوا دیکھتے تھے تو مثل بچوں کے آپ ان کے ساتھ ہو جاتے تھے چنانچہ علامہ جریر طبری وغیرہ کی روایت کے

ط قال جئت فی الجاھلیۃ الی مکۃ فنزلت علی العباس بن عبد المطلب فلما ارتفعت الشمس وحلقت فی السماء وانا انظر الی الکعبۃ فاقبل شاب فرمی ببصرہ الی السماء ثم استقبل الکعبۃ فقام مستقبلہا فلم یلبث حتی جاء غلام فقام بمینیہ حتی جاءت امرأۃ فقامت خلفھما فرکع الشاب فرکع الغلام والمرأۃ فرفع الشاب فرفع الغلام والمرأۃ فخر الشاب ساجدا فسجدا معہ فقلت یاعباس امر عظیم فقال ھل تدری من الشاب فقلت لا فقال علی بن ابی طالب بن عبد المطلب ھذا ابن اخی وھل تدری من ھذہ المرأۃ التی خلفھا فقلت لا قال ھذہ خدیجۃ بنت خویلد زوجۃ ابن اخی ھذا حدثنی ان ربہ رب السموات والارض امرہ بھذا الدین ھو علیہ ما علی الارض کلہا احد علی ھذا الدین غیر ھؤلاء الثلاثۃ فقط

یعنی ایام جاہلیت میں ایک دفعہ مکہ میں میرا جانا ہوا۔ وہاں پہنچ کے میں نے عبد المطلب کے بیٹے عباس کے مکان میں قیام کیا۔ جب آفتاب بلند ہوا اور وسط آسمان سے ڈھلا تو میری نظر کعبہ کی طرف پڑی کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان آگے بڑھ کے آسمان کی طرف نظر کرتا ہی

ھو محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ابن اخی ھل تدری من الغلام ھو علی بن ابی طالب

بموجب ایک دن کعبہ کے سامنے حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کے ساتھ خداوندِ قدوس کی عالی بارگاہ میں سجدہ کیا حضرت علی بھی چونکہ آپ کے ہمراہ تھے وہ بھی آپ کے ساتھ رکوع اور سجدے میں شریک ہوگئے۔

تقدیم الاسلام

اس بات پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں میں حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ حضور انور کی زوجہ محترمہ اور بچوں میں حضرت علی اور بزرگوں میں ابوبکر صدیق حضور انور پر ایمان لائے حضرت علی کے ایمان لانے کی کیفیت تو آپ نے ملاحظہ فرمالی اگر تمام مختلف روایتیں بھی تسلیم کرلی جائیں جب بھی وہ ایمان اور وہ تصدیق جو حضور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱) پھر وہ قبلہ کی طرف بڑھا اور اسکی طرف مونہ کرکے کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکا آیا اور اس جوان کی دائیں طرف کھڑا ہوگیا۔ پھر ایک عورت آئی اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ پھر اس جوان نے رکوع کیا اور اس لڑکے اور عورت نے بھی اسکے ساتھ رکوع کیا۔ پھر جوان رکوع سے سیدھا کھڑا ہوا۔ اسیطرح یہ دونوں بھی سیدھے کھڑے ہوگئے۔ پھر اس جوان نے سجدہ کیا اسی طرح ان دونوں نے بھی سجدہ کیا۔ میں نے عباس سے کہا یہ بڑی عجیب بات میں نے دیکھی۔ عباس نے کہا تو جانتا ہے یہ نوجوان کون ہے میں نے کہا نہیں۔ انھوں نے بتایا یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ پھر کہنے لگے تو اس لڑکے کو جانتا ہے میں نے کہا نہیں کہنے لگے یہ بھی علی بن ابیطالب میرا بھتیجہ ہے۔ پھر پوچھا تم جانتے ہو یہ عورت کون ہے میں نے نفی میں جواب دیا۔ کہا یہ خدیجہ بنت خویلد میرے بھتیجہ محمد کی بیوی ہے۔ یہ جوان کہتا ہے کہ میرا پروردگار آسمانوں اور زمین کا رب ہے اُن کا دین ہے۔ اسوقت روئے زمین پر ان تین شخصوں کے سوا کوئی اس دین پر نہیں ہے۔

انور کی ابوبکر صدیق کی طرف سے ہوئے۔ اس ایمان اور تصدیق سے بدرجہا اولیٰ ہے جو حضرت علی کی طرف سے کی گئی چھوٹے سے بچے کا ایمان لانا جبکہ وہ نہ ایمان کی حقیقت سے واقف ہے نہ اپنے آبائی اور خاندان عقائد کی اسے اچھی طرح خبر ہے درحقیقت اس شخص کے ایمان اور تصدیق کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتا کہ جو معمر ہے گرم و سرد چشیدہ ہے اپنے آبائی اور خاندانی عقائد سے پوری واقفیت رکھتا ہے اسلام اور ایمان کو پورا سمجھ سکتا ہے۔ اگر حضرت علی کی طرح کئی ور جن ایسے ہی چھوٹی عمر کے بچے دین خدا کی تصدیق کرنے لگتے تو بھی اس دین کے لئے وقیع بات نہ تھی بنی ہاشم یا قبائل عرب میں سے کسی شخص نے بھی حضرت علی کے اسلام لانے کو کبھی وقعت نہیں دی اور یہ وقعت نہ دینا محض ان کی صغر سنی کی وجہ سے تھا کیونکہ جب حضور انور کو معراج ہوئی ہے تو ابوجہل نے ابوبکر کو راستے میں روک کے حضور انور کی معراج کا مضحکہ اڑایا تھا جسکا دو لفظی جواب ابوبکر نے یہ دیا کہ محمد چونکہ ایک بہت بڑے راست باز ہیں اور بلاشبہ وہ خدا کے برگزیدہ نبی بنا کے ہم میں مبعوث کئے گئے ہیں لہذا معراج کی نسبت جو کچھ وہ فرماتے ہیں میرا اسپر پورا یقین ہے اور مجھے ہرگز اسمیں خفیف سا بھی شبہ نہیں ہے اس واقعہ کو جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ نے ابوبکر کو صدیق کا لقب عنایت فرمایا۔ اسمیں شک نہیں کہ صدیق کا یہ معزز لقب کچھ ابوبکر ہی کی ذات کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔

حضرت علی کی کنیت

آپ کی پہلی کنیت ابوالحسن ہے دوسری کنیت ابوالحسین ہے تیسری کنیت

ابو محمد ہے کیونکہ آپ کے ایک بیٹے کا نام ابن حنفیہ تھا جسے محمد کہ کے پکارا کرتے تھے چوتھی کنیت ابو الریحانتین ہے۔ پانچویں کنیت ابو تراب ہے یہ کنیت آپ کی اس لئے پڑی کہ حضور انور رسول خدا ایک دن اپنی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ زہرا کے گھر میں تشریف لائے یہاں حضرت علی کو نہ پایا آپ نے اپنی صاحبزادی سے دریافت کیا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں انھوں نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی وہ غصے ہو کے چلے گئے اور آج گھر میں انہوں نے قیلولہ بھی نہیں کیا آپ فوراً باہر نکل آئے اور ایک شخص کو حضرت علی کی تلاش میں بھیجا معلوم ہوا کہ مسجد میں زمین پر پڑے سوتے ہیں حضور انور مسجد میں آئے حضرت علی کے کندھے سے چادر اتری ہوئی دیکھی اور آپ کا پہلو مٹی سے آلودہ پایا حضور انور نے فرمایا اٹھو اے ابو تراب اٹھو تو گویا اسدن سے لوگ آپ کو ابو تراب کہنے لگے۔

اس کنیت سے اس ناچاقی کا پتہ لگتا ہے جو حضرت علی اور آپ کی بیوی میں تھی لفظ ابو تراب اگرچہ بعد ازاں بلا اکراہ لوگوں کی زبان پر جاری ہو گیا مگر خیر القرون میں اس کنیت ابو تراب کو بعض لوگ مثل گالی کے سمجھتے تھے کیونکہ اس کنیت سے اس ناچاقی یا حضرت خاتون محشر کو تکلیف دینے کا ایک ثبوت ملتا تھا جو حضرت علی کے لئے کسر شان سمجھا جا سکتا تھا بخاری میں بھی اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ ایک شخص مدینے میں جب عامل ہو کے آیا تو اسنے سہل بن سعد کو بلا کے کہا کہ تو علی کو برا بھلا کہہ سہل نے کہا یہ مجھسے نہیں ہو سکتا۔ اسنے کہا اچھا تو نہیں ابو تراب ہی کہدے اسنے کہا کہ ہاں میں ابو تراب کہدیتا ہوں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوگ اس کنیت سے حضرت علی کی نسبت اچھے خیالات نہیں ظاہر کرتے تھے اسیطرح آپ کی اور بہت سی کنیتیں آپ کے بعض معتقدوں نے خود اپنی طرف سے بنالی ہیں مگر آپ اپنی تمام عمر میں

بھی ان کنیتوں سے کبھی نہیں پکارے گئے۔

آپ کے بہت سے القاب بھی نقل کئے گئے ہیں اور وہ القاب بھی ایسے ہی ہیں کہ کبھی آپ کی زندگی میں آپ کے نام کے ساتھ نہیں لئے گئے مگر اب وہ کتابوں میں دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً۔ امام المتقین۔ ولی المتقین۔ سید الصادقین۔ سید المسلمین۔ سید المومنین۔ سید العرب۔ سید فی الدنیا و الآخرۃ۔ قائد الغر المحجلین۔ یعصوب المومنین۔ صدیق الاکبر۔ فاروق الاعظم۔ خاتم الوصیین۔ خیر الوصیین۔ الوصی امام البررہ۔ قاتل الافجرہ۔ صاحب الرایہ۔ مقیم الحجہ۔ حجۃ اللہ۔ رایۃ الہدیٰ۔ ولی اللہ۔ صفوۃ اللہ۔ شیخ المہاجرین والانصار۔ قسیم النار و الجنۃ۔ وارث رسول اللہ۔ منار الایمان امام الاولیا۔ الہادی۔ صاحب اللواء۔ ناصر رسول اللہ۔ صالح المومنین مولی المومنین۔ منجز الوعد۔ قاتل الناکثین والقاسطین والمارقین۔ الشاہد۔ الشہید۔ الراکع۔ الساجد۔ الصفی۔ الامین۔ باب حطہ۔ مثیل ہارون۔ نفس الرسول۔ سیف اللہ۔ ذو الاذن المواعی۔ قاضی دین رسول اللہ۔ وزیر رسول اللہ۔ خیر البشر۔ ذو القرنین۔ خاصف النعل۔ الطاہر۔ الصادق۔ المومن۔ الانزع۔ البطین۔ العابد۔ الزاہد۔ کاسر الاصنام۔ الساقی۔ الحبیب۔ القاری۔ بہفتۃ البلد۔ المہدی۔ طود النہی۔ دابۃ الجنۃ۔ ایلیا۔ قباب عین الفتنہ۔ امیر النحل۔ ذو البرقہ۔ مثیل عیسے۔ القرم۔ (یعنے شیر نر)

یہ القاب ہیں جو آپ کے معتقدوں نے تیسری صدی ہجری میں آپ کے لئے موزوں کئے ہیں۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ ہر لقب کی وجہ تسمیہ لکھی ہے اور اسکے لئے

خاص روایتوں کا اہتمام کیا ہے ہر لقب کو ثابت کرنے کے لئے روایتیں بنائی گئی ہیں۔ اور ان روایتوں میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ کل القاب رسول اللہ کیطرف سے آپ کو ملے تھے مگر اسمیں بعض القاب وہ ہیں جنکی نسبت حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے اور آپ کے سوا دوسرے شخص کو وہ لقب دینا کسی طرح بھی گوارا نہیں ہو سکتا۔ مثلاً۔ الامین۔ اور خیر البشر۔ یہ دو القاب خاص الخاص حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں آپ اپنے ابتدائے زمانہ عمر سے تمام مکہ میں الامین کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور یہ لقب آپکا برابر وصال تک جاری رہا اسیطرح خیر البشر کا لقب ہے جو عام مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ استعمال کیا ہے مگر حضرت علی کے وہ معتقد جنہیں آپ کے کمالات انسانی سے کچھ بحث نہ تھی آنکھیں بند کر کے اسطرح بیخود ہو گئے کہ انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ القاب زبردستی غصب کر کے حضرت علی کے حوالے کر دیئے اور سنداً ان القاب کی موزونیت کے لئے جیساکہ ہم ابھی اوپر لکھ چکے ہیں بیسیوں روایتیں گھڑ لیں۔

حضرت علی رسول خدا کے بستر پر

سب سے بڑی بات اور سب سے بڑا کارنمایاں جو اول اول حضرت علی سے ظہور میں آیا وہ یہ تھا کہ جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے کوچ کی تیاری کرنے لگے تو آپ نے اپنے بستر پر علی کو لیٹ جانے کا حکم دیا تاکہ مخالفین جو گھات میں لگے ہوئے ہیں اور جنہوں نے گھاٹی کا محاصرہ کر رکھا ہے وہ ادہر سے جنبش نہ کھائیں اور حضور انور صحیح وسالم مکہ کی حدود سے باہر نکل جائیں۔ اس امر عظیم کی مختصر

کیفیت یہ ہے کہ جب اہل مکہ کے مظالم کا پانی سر سے گزر چکا اور پھر بھی وہ حضور انور کو اپنی خواہش کے مطابق کوئی گزند نہ پہنچا سکے تو انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ آپ کو قتل کر دیں تاکہ اس سارے جھگڑے سے نجات مل جائے چنانچہ سرداران قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے تمام بڑے بڑے کاموں کا مشورہ اسی مقام پر ہوا کرتا تھا اور کل قضیے یہیں فیصل ہوتے تھے یہ لوگ جب سب جمع ہو گئے تو انہوں نے باہم مشورہ کرنا شروع کیا ایک شخص نے ان میں سے کہا آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی حالت روز بروز رنگ لا رہی ہے ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب ان کے متبعین کی تعداد زیادہ ہو جائے تو وہ ہم سے مقابلہ اور مقاتلہ پر آمادہ ہو جائیں اسکی تدبیر فوراً کرنی چاہیئے اگر چندے اور توقف رہا تو پھر یہ معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔۔۔۔ گا جس جس شخص کی سمجھ میں جو بات آئے وہ آزادی سے بیان کر دے اسپر ہشام بن عمرو بولا۔ کہ سب سے بہتر تدبیر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو برباد کرنے کی یہ ہے کہ انہیں ایک گھر میں بند کر دیا جائے جسکے دروازے مقفل کر دیئے جائیں اور ایک سوراخ میں سے انہیں کھانا اور پانی پہنچا دیا جایا کرے۔ وہ گھٹ گھٹ کے چند روز کے بعد وہیں جان دیدینگے پھر ہماری مراد بر آئے گی۔ پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے برباد ہونے کے بعد کسی قسم کا وغدغہ نہیں رہنے کا۔ ہشام یہ کہہ کے چپکا ہو رہا دوسرے شخص نے کہا کہ ہشام بالکل غلطی پر ہے اسلئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے اور وہ مختلف مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں جب انہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ اسطرح انکا نبی ایک مکان میں بند کیا گیا ہے تو وہ سب آ کے جمع ہو جائیں گے پھر ان کے ساتھ بنی ہاشم اُٹھ کھڑے ہونگے۔

اور سب ملکے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھٹا لینگے۔ پھر تم میں اور ان میں سخت مقابلہ ہوگا اور بہت بڑی خونریزی ہوگی اسپر النجری نے کہا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مکہ سے نکالدو اور کہدو جہاں جی چاہے وہ چلے جائیں اسپر ایک اور شخص بول اٹھا کہ تیری یہ رائے بہت ہی ضعیف ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نکالدینا ہماری بربادی کا باعث ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس جگہ جائیں گے ان کی عادات واطوار اور ان کی خوش بیانی پر لوگ فریفتہ ہوجائیں گے اور جب انکی تعداد زیادہ ہوجائے گی تو وہ تم سے ضرور انتقام لیں گے اور پھر تمہارا مکہ میں رہنا دشوار کردینگے لہذا میری یہ رائے ہرگز نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکہ سے زندہ نکالدیا جائے اس رائے پر قریب قریب کل قریشوں نے آفریں کی اور بہت کچھ کہنے والے کی تعریف کی اخیر ابوجہل بن ہشام نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلے میں سے ایک زبردست بہادر اور جنگجو نوجوان انتخاب کیا جائے اور وہ کل جماعت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قیام گاہ پر بھیجدی جائے تاکہ وہ کھلم کھلا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کریں جب اس بات کا اظہار ہوجائے گا تو عقل باور نہیں کرتی کہ عبد مناف کل قبائل کے خلاف محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خون کا انتقام لینے کے لئے شمشیر بدست ہونگے انہیں مجبوراً خونبہا لینے پر قناعت کرنی پڑے گی اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خونبہا دینے کے لئے تیار ہیں چنانچہ ابوالحکم یعنی ابوجہل بن ہشام کی اس رائے پر سب کا اتفاق ہوگیا اور پھر جلسہ برخاست کرکے سب قریش اپنے اس فیصلے کو عملی صورت میں لانے کے لئے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرائن سے یہ ساری باتیں معلوم ہورہی تھیں کہ اخیر قریش آپ کے قتل پر آمادہ ہونگے چنانچہ آپ نے اس خونخوار ارادہ کو

محسوس کر کے اس بات کا تہیہ کیا کہ مکہ کو چھوڑ دینا چاہیئے دن کو آپ نے کل سامان سفر تیار کر لیا شام ہوتے ہی نوجوانان قریش تلواریں سونتے ہوئے حضور انور کی قیام گاہ پر آموجود ہوئے اور اس بات کے انتظار میں ہوئے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جب سو جائیں تو انہیں اندر جا کے قتل کر دیا جائے چنانچہ کہیں سوراخوں یا کواڑوں کی دراڑوں سے یہ لوگ آپ کے بستر کو دیکھتے رہے اسی دوران میں ابولہب نے اتنی اور ترمیم کر دی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خواب کی حالت میں نہ قتل کیا جائے بلکہ شب بھر ان کی نگرانی کی جائے اور پھر جب صبح کو وہ باہر نکلیں تو انہیں قتل کر دیا جائے تاکہ بنی ہاشم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کل قریشیوں نے ملکے یہ کام کیا ہے اور پھر انہیں انتقام لینے کی جرأت نہ پڑے۔

حضور انور نے حضرت علی کو اپنے پاس بلایا اور کہا تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور آرام سے سو رہو تمہیں کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچنے کا میری چادر اوڑھ لو اور سو جاؤ بالکل بے غل و غش اور کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاؤ چنانچہ حضرت علی آپ کے بستر پر سو رہے اور آپ کی چادر اوڑھ لی۔ جب یہ عمل ہو چکا تو حضور انور ایک راستے سے سیدھے نکلے باہر چلے گئے۔ نوجوانان قریش کی نظریں تو آپ کے بستر پر تھیں اور وہ دیکھ رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بستر پر لیٹے ہوئے ہیں۔ لہذا انہیں اپنے آگے سے نکل جانے کا کچھ خیال نہ ہوا۔

فی الواقع یہ تعریف کے قابل بات تھی کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ خاص اس موقع پر حضرت علی کو ان کی سچی محبت پر مبارکباد نہ دے اور ان کی تعریف نہ کرے اپنے نبی کے بستر پر لیٹ جانا اور صبح تک بیفکری سے سوتے رہنا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ حکم برداری میں آپ کو کسقدر ملکہ تھا گو جو مبالغہ آمیز کہانیاں ہمارے احباب نے

اس واقعہ سے تراشی ہیں اور انہیں مبالغہ آمیزی سے بیان کیا ہے وہ ہرگز قابل التفات نہیں ہیں۔

حضرت علی لاکھ نوعمر ہوں مگر اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے روزمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے انہیں اس بات کا ذاتی تجربہ ہو چکا تھا کہ قریشیوں کو خاص رسول اللہ کی ذات سے عداوت ہے ان کے متبعین سے انہیں کچھ سروکار نہیں ہے جتنے مظالم ہوئے وہ حضور انور کی معصوم ذات پر ہوئے جتنی دشمنیاں کی گئیں وہ حضور انور پر کی گئیں اور قریشیوں نے ایک حد تک آپ کے متبعین سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔ چنانچہ قریشیوں کی موجودگی میں قریشیوں کی آنکھوں کے سامنے قریب قریب آپ کے کل صحابہ نے آپ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کی نہ کوئی انکا مزاحم ہوا نہ کسی نے انہیں روکا نہ ان کا اسباب چھینا نہ انہیں کوئی ایذا دی بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب آپ مدینے تشریف لے گئے ہیں اور آپ نے پوری طرح وہاں قیام فرمالیا ہے تو جتنی عورتیں۔ بچے اور مسلمان مرد آپ کے بعد مکہ میں رہ گئے تھے وہ سب نہایت ہی آزادی سے آپکے حکم پر مدینہ واپس چلے آئے اور کسی قریش نے ذرا بھی مزاحمت نہیں کی حضرت علی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے انہیں یہ علم ہو چکا تھا کہ اگر اس بستر پر قریشیوں نے حملہ بھی کیا۔ اور پھر میری صورت دیکھ لی۔ تو وہ نبی کی جگہ مجھے ہرگز قتل نہیں کرنے کے کیونکہ میرا انکا کوئی واسطہ نہیں ہے اسکے علاوہ آپ نوعمر تھے قریشیوں کو آپ کی طرف سے کوئی وجہ شکایت نہیں تھی قریشیوں سے حضور انور کے قیام مکہ کے زمانے میں جب کوئی جھگڑا اٹھتا ہوتا تھا تو ابوبکر۔ عمر۔ وغیرہ سے ہوا کرتا تھا کیونکہ یہ لوگ بڑی عمر کے بھی تھے اور قریشیوں میں ایک خاص وجاہت بھی رکھتے تھے ایسے اہم معاملات میں بچوں سے کچھ سروکار نہیں رکھا جاتا کیونکہ انکا کوئی اثر قوم کے کسی فرد پر نہیں پڑ سکتا جو قربانی کہ ابوبکر صدیق نے دین خدا کی

اور ایسے وقت میں آپ نے ہادیٔ برحق کا ساتھ دیا اور جو قربانی ان کے بچھونے کی جو برابر قریشوں کی خبریں پہنچا رہے تھے وہ واقعی انسانی تاریخ کی ایک بے نظیر مثال ہے جسکی نظیر اقوام عالم میں بہت مشکل سے مل سکیگی۔

نہایت آزادی سے آپ اس مسئلہ پر غور کریں ابوبکر جیسے معمر شخص کا اپنے کل سامان منقولہ کو لیکے تن تنہا ایسی پرخطر حالت میں جبکہ قریش حضور انور کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے اور انہوں نے چاروں طرف سے ناکہ بندی کر رکھی تھی اپنے بال بچوں کا مکہ میں چھوڑنا اور اپنی جان خطرے میں ڈالدینا یہ معمولی نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں ہے دین خدا کی اسکے رسول کی ایک خاص محبت تھی اور اسکا ایک پاک جذبہ تھا جسنے آپ کو ایسا والہ و شیدا بنا رکھا تھا کہ آپ قدم قدم پر اپنی جان دینے کے لئے تیار تھے اور اگر اوقات سفر میں آپ کو کچھ ہراس اور پریشانی پیدا ہوتی تھی تو وہ صرف حضور انور کے تحفظ کے لئے تھی ورنہ یہ عدیم المثال شخص یعنی ابوبکر اپنا تن من. دہن سب کچھ قربان کر چکا تھا ہم بحیثیت ایک مورخ کے حضرت علی کو بھی مبارکباد دینے کے لئے تیار ہیں مگر مبالغہ آمیزی سے نہیں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی شان بلند کرنے کے لئے ہم جبرئیل کو آسمان سے نیچے اترنے کی تکلیف دیں کہ وہ آئیں اور اس معاملے پر حضرت علی کے آگے ان کی مدح کا قصیدہ پڑھیں جیسا کہ ہمارے شیعی احباب نے اپنی کتابوں میں اس قسم کا رنگین مسالہ بہت کچھ جمع کر دیا ہے۔

حضرت علی تو حضرت علی تھے ایک معمولی شریف بچہ جب وہ کسی کے ہاں پرورش پائے اور پرورش پا کے بڑا ہو اور جب وہ دیکھے کہ اسکے پرورش کرنے والے پر ایک نازک وقت آگیا ہے اور میری ذرا سی دلیری یا تحریک میرے پرورش کرنے والے کو بچا سکتی ہے تو وہ کسی صورت سے بھی اس معاملہ میں تامل نہیں کرنے کا اور اگر اسکی رگوں میں شرافت

کا خون نہایت پاکیزہ اور بے لوث ہے تو سچے مچ جان دینے کے لئے بھی آمادہ ہو جائے گا۔

حضور انور کے احسانات حضرت علی پر بہت بڑے تھے آپ نے حضرت علی کی پرورش کا بار اسوقت اپنے ذمہ لیا تھا کہ جب حضرت علی اپنے باپ ابوطالب کے گھر میں بہت تنگی سے زندگی بسر کر رہے تھے اور تعجب نہیں کہ فاقہ کشی تک نوبت پہنچ گئی ہوگی ایسی ہی تنگ حالت تھی جسنے حضور انور اور عباس کو اسطرف متوجہ کیا کہ ابوطالب کے دو بچے لے لئے جائیں اور ان کی پرورش کا بار ابوطالب کے کندھوں سے ہلکا کر دیا جائے اس عظیم الشان احسان پر حضرت علی کا اپنے فیاض اور مہربان بھائی کے حکم کی تعمیل کرنا اس بات کی ضرورت ہرگز نہیں چاہتا کہ ان کی قصیدہ خوانی کے لئے بڑے بڑے مقرب ملائکہ کو آسمان سے نیچے آنے کی تکلیف دی جائے ہم صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ بے شک حضرت علی کا بحیثیت انسان اور شریف انسان ہونے کے یہ فرض تھا جو انھوں نے نہایت دلیری سے پورا کیا اور جسکی داد دینے میں ہم ہرگز بخل نہیں کرتے۔

خوش اعتقادوں نے مثل دیگر امور کے حضرت علی کے بستر پر لیٹنے کی بہت سی کہانیاں گھڑ لی ہیں جو کہانیاں خود اپنے غلط ہونے کی شہادت دے رہی ہیں اس قسم کی کہانیوں کا سب سے بڑا موجد ابو اسحاق الثعلبی[۱] ہے جسنے اپنی تفسیر میں اپنی عادت کے مطابق بہت کچھ خرافات

---

[۱] عن ابن عباس قال لما اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یھاجر الی المدینۃ خلفت علی بن ابی طالب لقضاء دیونہ ورد الودائع التی کانت عندہ وامرہ تلک اللیلۃ ان ینام علی فراشہ قال واتشح ببردی ھذا الحضرمی الاخضر فنم فیہ فانہ لن یخلص الیک شیٔ تکرہہ منھم احد ولا یصیبونک بمکروہ والقوم قد جاطو بالدار قال فاوحی اللہ الی جبرائیل ومیکائیل انی قد اٰخیت بینکما وجعلت عمر احدکما اطول من عمر الاٰخر فایکما یؤثر صاحبہ بالحیاۃ فاختار کلاھما الحیاۃ فاوحی اللہ الیھما

بھر دیا ہے مثلاً وہ کہتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اس رات کو جب حضرت علی رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے تو جبرئیل اور میکائیل کو اپنے حضور طلب کیا اور فرمایا۔
کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر
زیادہ کی ہے تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ اپنی عمر کا ایک حصہ اپنے بھائی کو دیدے دونوں
فرشتے سٹ پٹا گئے اور انھوں نے اپنی عمر کی کمی کو گوارا نہ کیا اسپر خداوند تعالےٰ نے فرمایا
تم علی کی برابری ہرگز نہیں کر سکتے میں نے اسے اپنے حبیب محمدؐ کا بھائی بنایا ہے آج
وہ اپنے بھائی کے بستر پر سو رہا ہے اور اپنے بھائی پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار
ہے تم دونوں جاؤ اور علی کو اسکے دشمنوں سے بچاؤ چنانچہ دونوں فرشتے جبرئیل اور میکائیل
بھاگوں بھاگ حضرت علی کے پاس آئے جبرئیل علی کے سرہانے اور میکائیل علی کی پائنتی
پہرا دینے کھڑے ہوگئے اور تمام رات دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے رہے اور ہر باقی

(بقیہ صفحہ ۲۰۲ سے) فلا کنتما مثل علی بن ابی طالب آخیت بینه وبین محمد صلی اللہ علیه وسلم فبات علی فراشه
یفدیه بنفسه ویؤثره بالحیاة اهبطا الی الارض فاحفظاه من عدوه فنزلا جبرئیل عند راسه
والمیکائیل عند قدمیه والملائکة تنادی بخ بخ من مثلك یا ابن ابی طالب والله باهی بك و
الملائکة ثم توجه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الی المدینة فانزل اللہ تعالیٰ علیه فی شان
علی ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ قال ابن عباس
من یشری نفسه ابتغاء مرضات علی بن ابی طالب۔ وعن ابن عباس انشد علی شعرا فی تلك اللیلة

وقیت بنفسی خیر من وطئ الحصا ۔۔۔ ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر
رسول اللہ الخلق اذ مکروا به ۔۔۔ فنجاه ذو الطول الکریم من المکر
وبات رسول اللہ فی الغار آمنا ۔۔۔ موقی فی حفظ الاله وفی ستر
وبت اراعیهم متی ینشروننی ۔۔۔ وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

ماندہ فرشتے آسمان پر غل مچاتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ علی تمہارا مثل کوئی نہیں ہے کہ تجھ پر نہ صرف فرشتے بلکہ خدا بھی فخر کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان بے تکی باتوں پر ہمارے احباب فخر کرتے ہیں خداوند تعالےٰ کا فرشتوں کو طلب کرنا اور ان سے عمر کی بابت سوال کرنا پھر فرشتوں کا خدا کے حکم کی نافرمانی کرنا یعنے ایک کا دوسرے کو اپنی عمر کا حصہ نہ دینا اور پھر سرہانے اور پائینتی کھڑا ہونا یہ ایسی دور از کار باتیں ہیں کہ بچہ بھی ان پر ہنس دے یہ تعلّی ہے یہ اسکی تراش خراش ہے مگر اسی شخص کی کہانیاں بطور سند ہمارے شیعی علماء ہر معاملے میں پیش کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۰۳) یعنی ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضور انور نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا تو علی کو اپنا قرض ادا کرنے اور لوگوں کی امانتیں سپرد کرنے کے واسطے اپنے پیچھے مدینے میں چھوڑا اور اپنے بستر پر سونے کے لئے حکم دیا اور فرمایا کہ ہماری سبز رنگ کی حضرمی چادر کو اوڑھ کے سو رہو تمہیں ان لوگوں کے ہاتھ سے کچھ تکلیف نہیں پہنچے گی مشرک قریش تمام رات گھر کو گھیرے رہے (اسی اثنا میں) اللہ تعالےٰ نے جبرئیل اور میکائیل کو (اپنے حضور طلب کرکے) حکم دیا میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور تم میں سے ایک کی عمر زیادہ کردی (دیتا ہوں) تم میں سے کون ایسا ہے کہ اپنی عمر کا حصہ دوسرے بھائی کو دیدے (یہ سن کے دونوں کی سٹی گم ہوگئی) اور انھوں نے اپنی عمر کی کمی کو گوارہ نہیں کیا خدائے تعالےٰ (ایک لخت) بول اٹھا کہ علی کے مقابلے میں تمہاری کچھ بھی ہستی نہیں ہے میں نے اسے اپنے حبیب کا بھائی بنایا ہے دیکھو وہ اپنے بھائی کے بستر پر سو رہا ہے اور اپنی جان کو میرے رسول پر قربان کرنا چاہتا ہے اور اپنی زندگی کو نثر فدا کرتا ہے بس اب تم دونوں زمین پر جاکے اسے اسکے دشمنوں سے بچاؤ۔ (یہ سنتے ہی جبرئیل اور میکائیل دونوں نے پرواز کی) جبرئیل علی کے سرہانے آکے کھڑے ہوگئے اور میکائیل پائینتی اور تمام رات ان کی حفاظت کرتے رہے ان کے سوا اور فرشتے (یہ ڈھول بجاتے) اور کہتے تھے واہ واہ اے علی بن ابیطالب تیرا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا خدا اور اسکے فرشتے تجھ پر فخر کرتے ہیں ادھر حضور انور مدینے کی طرف راہی ہوئے اور ادھر علی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کون ہے جو بیچے اپنی جان کو خدا کی خوشی کے لئے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے ابن عباس کہتے ہیں وہ شخص جس نے اپنی جان کو خدا کی خوشی کے لئے فروخت کیا وہ علی بن ابیطالب ہیں۔ ابن عباس یہ بھی کہتے ہیں کہ علی نے اسی رات کو چند اشعار موزوں کئے (جنکا ترجمہ یہ ہے) میں نے اپنی جان کے ذریعہ اس شخص کو نگاہ رکھا جسنے سنگریزوں کو روندا اور جسنے خانہ کعبہ اور حجر اسود کا طواف کیا۔ خلق خدا کے رسول سے جب قوم نے مکر کیا تو خدا نے ان کے مکر سے اپنے رسول کو بچا لیا اور امن سے رسول خدا کی نگہبانی اور حفاظت کی اور وہ پردے میں غار میں شب باش ہوئے اور میں نے رات ایسی حالت میں گزاری ہے دیکھ رہا تھا کہ مشرکین قریش مجھے پریشان کر رہے ہیں (ایسی حالت میں) میرا مصمم قتل ہونے اور قید ہونے پر قائم رہا۔

ان تمام کہانیوں کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ حضرت علی کو محض اس لئے چھوڑ گئے تھے کہ جو کچھ امانتیں لوگوں کی آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں وہ سب حضرت علی کو سپرد کر دی تھیں کہ دوسرے دن ان لوگوں میں تقسیم کر دینا باقی اہل و عیال کو ساتھ لیکے مدینے چلے آنا یہ حضرت علی کی نسبت آپ کا انقطاعی فیصلہ تھا اور یہ کام آپ نے ان کے سپرد کیا تھا چنانچہ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں اسپر پوری روشنی ڈالی گئی ہے اسد الغابہ میں

۱۵ عن ابی رافع قال وخلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج الیہ باھلہ وامرہ ان یؤدی عنہ امانتہ ووصایا من کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوصی الیہ وکان یؤتمن علیہ من مال فادی علی امانتہ کلہا امرہ ان یضطجع علی فراشہ لیلۃ خروج وقال ان قریشا لم یفقدونی ما رأوک فاضطجع علی علی فراشہ وکانت قریش ینظرون الی فراش النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیرون علیہ علیا فیظنونہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذا اصبحوا رأوا علیہ علیا فقالوا لو خرج محمد صلی اللہ علیہ وسلم لخرج علی معہ فحبسہم اللہ بذلک عن طلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین رأوا علیا وامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیا ان یلحقہ بالمدینۃ فخرج فی طلبہ بعد ما خرج الیہ اھلہ یمشی اللیل ویکمن النھار حتی قدم المدینۃ فلما بلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدومہ قال ادعوا لی علیا قیل یا رسول اللہ لا یقدر ان یمشی فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما رآہ اعتنقہ وبکی رحمۃ علیہ لما رأی بقدمیہ من الورم وکانتا تقطران دما فتفل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یدیہ ومسح بہما رجلیہ ودعا لہ بالعافیۃ فلم تشتکہما حتی استشہد علیہ السلام فقط

یعنی ابو رافع کہتے ہیں کہ حضور انور نے علی کو اسلئے مکہ میں چھوڑا تھا کہ آپ اپنے اہل کو ساتھ لیکے اور جو امانتیں اور وصیتیں لوگوں کو دینی اور کرنی تھیں انہیں انجام دیکے مدینہ چلے آئیں کیونکہ مشرکین آنحضرت کو امین جانتے تھے اور اپنی امانت اور وصیت آپ کے سپرد کر دیتے تھے علی نے آپ کے بعد آپ کی کل امانتیں اور وصیتیں ادا کیں ہجرت کی شب حضور انور نے علی کو اپنے بستر پر سونے کے لئے ارشاد کیا اور فرمایا کہ جب قریش تمہیں دیکھیں گے تو یہ نہیں خیال کرنے کے کہ یہاں موجود نہیں ہیں حضرت علی حضور انور کے ارشاد کے مطابق آپ کے بستر پر سو رہے قریش اس بستر پر علی کو لیٹا ہوا دیکھ کے اور انہیں پیغمبر خدا سمجھ کے تمام رات انپر پتھر پھینکتے رہے مگر صبح کے وقت علی کو دیکھکے کہنے لگے کہ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نکل گئے ہوتے تو علی بھی ان کے ہمراہ ضرور چلے جاتے اسوجہ سے

ایک بات عجیب و غریب بیان ہوئی ہے کہ جب حضرت علی مدینے روانہ ہوئے ہیں تو دن کو چھپ رہتے تھے اور رات کو چلتے تھے عقل باور نہیں کرتی کہ ایسا ہوا ہو کیونکہ بیسیوں صحابہ عورتیں اور بچے کھلم کھلا مکے سے ہجرت کر گئے مگر کسی قریش نے خفیف سی بھی کسی سے مزاحمت نہیں کی اسیطرح حضرت علی کو جب قریش نے صبح کو دیکھا اور حضور انور کو نہ پایا تو کسی قسم کا غصے کا اظہار حضرت پر مطلق نہیں کیا یہانتک کہ کسی نے ایک حرف بھی نہیں کہا اور جس وقت وہ مکہ سے مدینہ جانے لگے ہیں تو مشرکین قریش میں سے ایک شخص نے بھی مطلق آپ سے مزاحمت نہیں کی جبکہ ضعیف سے ضعیف روایت یہانتک کہ کسی کہانی سے بھی یہ بات نہیں پائی جاتی کہ حضرت علی نے مشرکین مکہ سے چھپکے حضور انور کے ہجرت کر جانے کے بعد مکہ سے ہجرت کی پھر کیوں اور کس وجہ سے انپر خوف طاری ہوا اور وہ اس خوف کی وجہ سے دن کو کسی پہاڑ کی کھوہ میں چھپے رہتے تھے اور رات کو چلتے تھے اور چلتے چلتے ان کے پیر سوج گئے تھے پیروں کا سوج جانا ممکن ہے انپر چھالے پڑ جانے ممکن ہیں مگر عقل باور نہیں کرتی کہ جن اہل و عیال کو انہوں نے اپنے سے پہلے روانہ کر دیا تھا وہ اگر سواری پر گئے تھے تو حضرت علی سوار کیوں نہیں ہوئے وہ اگر پیدل گئے تھے تو ان میں نہ کسی کی جان تلف ہوئی اور نہ کسی کے پیر سوجے نہ اسکا کچھ ذکر کہیں روایتوں میں پایا جاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰۵) خداوند تعالے نے قریش کو حضور انور کی جستجو سے باز رکھا چونکہ حضور انور علی کو حکم دے گئے تھے کہ مدینہ میں ہم سے آملیں (اس حکم کی تعمیل میں) علی نے پہلے اپنے تمام اہل کو مدینہ روانہ کر دیا (ان کے پیچھے) پھر علی آپ روانہ ہو گئے رات کو چلتے تھے اور دن کو چھپ رہتے تھے یہانتک کہ مدینہ جا پہنچے جب حضور انور کو ان کے پہنچنے کی خبر ملی تو ارشاد ہوا علی کو ہمارے پاس لاؤ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ حاضر ہونے سے معذور ہیں یہ سن کے حضور انور خود تشریف لے آئے اور علی سے بغلگیر ہوئے اور ان کی حالت دیکھ کے آپ آبدیدہ ہو گئے ان کے پیروں کو دیکھا کہ وہ ورم کر آئے ہیں اور ان سے خون ٹپک رہا ہے حضور انور نے اپنے دونوں ہاتھوں کو لعاب دہن سے تر کر کے ان کے پاؤں پر ملا اور اچھے ہونے کی دعا کی جب علی اچھے ہو گئے تو اپنی شہادت کے وقت تک انہیں پاؤں کی کبھی شکایت نہیں ہوئی فقط

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان اہل وعیال کی نسبت یہ کسی روایت میں بھی بیان نہیں
کیا گیا کہ وہ دن کو چھپ رہتے تھے اور رات کو چلتے تھے جب ان کے ساتھ قریشیوں
کا سلوک غیر رحمانہ نہ ہوا تو پھر حضرت علی جیسے نوجوان بچے کے لئے وہ بلا وجہ کیوں
اتنے سخت ہو گئے تھے۔ خود اپنے سامنے انھوں نے مکہ سے تو حضرت علی کو نکل جانے
دیا مگر راستے میں وہ ان کی تاک میں لگے رہے اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی
بطور خود خوف زدہ ہو گئے تھے وہ خوف ان کا اگرچہ بے بنیاد تھا مگر انہیں اپنی جان
کا اندیشہ ضرور تھا کہ مبادا کوئی چوری چھپے ان پر حملہ کر بیٹھے اسلئے وہ دن کو چھپے
رہتے تھے اور رات کو چلتے تھے۔

بہر حال ان تمام متضاد روایتوں اور ان تمام قصے کہانیوں سے ایک یہ بات تو
حل ہو گئی کہ حضور انور کو آپ کے محفوظ رہنے کا پورا یقین تھا اور اسی یقین کی وجہ سے
آپ نے حضرت علی سے صاف کہدیا تھا کہ تمہیں کسی قسم کی گزند نہیں پہنچے گی تم آرام
سے بستر پر سو رہنا اور صبح کو اُٹھ کے جن لوگوں کی امانتیں ہیں انہیں تقسیم کر دینا۔ یہ
حکم اور یہ فیصلہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ سننے والا اپنی جان سے پورا مطمئن ہو گیا
تھا اور اسے اپنی جان کے ضائع ہونے یا اسکے خطرے میں پڑنے کا مطلق اندیشہ
نہ رہا تھا ایسی حالت میں وہ قصائد کہ انسانوں۔ فرشتوں اور خود خدا وند تعالیٰ کی زبانی
شیعی احباب نے موزوں کئے ہیں اور اسے حضرت علی کی ایک زبردست فدائیت اور
قربانی قرار دی ہے وہ بالکل کالعدم ہو جاتے ہیں۔ بہر حال جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں
ہماری رائے میں حضرت علی تعریف کے مستحق ضرور ہیں کیونکہ انھوں نے اپنے مہربان
بھائی کے نمک کا پورا پاس کیا اور اسکے حکم سے روتابی نہیں کی یہ مانا کہ حضرت علی اس
بات کو سمجھ چکے تھے کہ مجھے اپنی جان کا مطلق خطرہ نہیں ہے مگر تو بھی ایسے نازک موقع

پر حضور انور کے حکم کی اطاعت کرنی اور پاس نمک کا خیال یہ کچھ کم تعریف کے قابل نہیں ہے۔

ایک اور روایت یہ بیان ہوئی ہے کہ جب صبح کو قریش گھاٹی میں داخل ہوئے تو انھوں نے رسول خدا کو نہ پایا اسپر قریشیوں نے حضرت علی سے پوچھا تمہارے بھائی کہاں ہیں انھوں نے کہا میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں چلے گئے تم نے مجھے ان کا نگہبان نہیں بنایا تھا جو مجھ سے ان کی بابت پوچھتے ہو اسپر قریشیوں نے حضرت علی کو مارا اور مکہ میں لاکے انہیں ایک گھنٹے کے لئے نظر بند کر دیا مگر پھر انہیں چھوڑ دیا اس روایت کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جبوقت مشرکین قریش نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ تمہارے دوست یا بھائی کہاں چلے گئے اور انھوں نے صاف طور پر انکار کیا کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں چلے گئے تو قریشیوں کو یہ خیال کر کے کہ یہ لڑکا ہمسے جھوٹ بول رہا ہے غصہ آیا ہوگا اور انہوں نے جیسا کہ ان موقعوں پر بچوں کی گوشمالی کرتے ہیں تنبیہاً کان پکڑا ہو یا ایک آدھ تھپڑ مارا ہو اور پھر محض تنبیہ کے لئے ایک گھنٹے کے لئے کعبے میں لاکے بٹھا دیا ہو جیسے کہ عموماً بچوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں جب تنبیہ ہو چکی تو تھوڑی دیر کے بعد انہیں چھوڑ دیا حالانکہ وہ جانتے تھے اور انہیں اس بات کا یقین تھا کہ علی کو معلوم ہے کہ ان کے دوست محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کدھر چلے گئے اسپر بھی انھوں نے ایک خفیف تنبیہ پر قناعت کی اور پھر کسی قسم کا تعارض اسکے بعد حضرت علی سے نہیں کیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو تھپڑ نہیں مارا صرف ہاتھ پکڑ کے کعبے میں لے گئے اور وہاں گھڑی آدھ گھڑی کے لئے بٹھا دیا۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عموماً لوگ اگر کوئی خلاف بات ہو جائے تو بچوں کو اسی قسم کی تنبیہ کیا کرتے ہیں۔ غرض ہمارا جو مطلب تھا وہ حل ہو گیا اسوقت تک قریشیوں کو سوائے حضور انور کے اور کسی سے تعرض

نہیں تھا نہ بڑے سے بڑے وشیخ قبیلہ سے نہ کسی بچے سے نہ عورت سے اب رہیں یہ اعتقادی باتیں کہ حضرت علی کے لئے جبرئیل میکائیل اترے اور انھوں نے پلنگ پر لیٹے لیٹے ایک قصیدہ موزوں کیا۔ یہ اللہ کو علم ہے کہ قلم دوات اور کاغذان کے پاس کہاں سے آگیا کہ انھوں نے لکھنا بھی شروع کردیا اور پھر وہ قصیدہ لکھا لکھایا ایک شیعی راوی کے ہاتھ بھی لگ گیا اس قصیدے کا جو کچھ مضمون ہے وہ تو ہے مگر سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت علی کو رسول اللہ کے غار ثور کے جانے کی بھی خبر ہوگئی حالانکہ کسی شیعی روایت سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ سوائے ابوبکر ان کے بچوں اور خادم کے حضور انور نے حضرت علی سے کنایۃً یا اشارۃً بھی یہ کہا ہو کہ میں غار ثور میں جا کے قیام کرونگا ممکن ہے کہ جبرئیل اور میکائیل نے حضرت علی کے کان میں یہ بات کہدی ہو۔ اس بستر والے قصے کو شیعوں کی سب سے بڑی معتبر تفسیر یعنی تفسیر[۱] امام حسن عسکری میں بھی بیان کیا ہے۔

---

[۱] ان اللہ تعالےٰ اوحی الیہ یا محمد العلی الاعلی یقرء علیک السلام ویقول لک ان اباجہل والملاء من قریش قد دبروا علیک قتلک الی ان قال وامرک ان تستصحب ابابکر فانہ ان انسک وساعدک ووازرک وثبت علی تعاہدک وتعاقدک کان فی الجنۃ من رفقائک وفی غرفاتہا من خلصائک الی ان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر ارضیت ان تکون معی یا ابابکر تطلب کما اطلب وتعرف بانک انت الذی تحملنی علی ما ادعیہ فتحمل عنی انواع العذاب قال ابوبکر یا رسول اللہ اما انا لو عشت عمر الدنیا اعذب جمیعًا اشد عذاب لا ینزل علی موت مریح ولا فرج وکان ذلک فی محبتک لکان ذلک احب الی ان انعم فیہا وانا مالک لجمیع ممالیک ملوکہا فی مخالفتک وہل انا ومالی وولدی الا فداءک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاجرم ان اطلع اللہ علی قلبک ووجد ما فیہ موافقا لما جری علی لسانک جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والراس من الجسد وبمنزلۃ الروح من البدن کعلی الذی ہو منی کذلک وعلی فوق ذلک لزیادۃ فضائلہ وشرف خصالہ

جس سے عجیب غریب باتیں معلوم ہوتی ہیں مگر ساتھ ہی اسکے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ حضور انور نے حضرت علی سے اپنی ہجرت کا حال تو ضرور بیان کر دیا مگر یہ نہیں کہا کہ میں فلاں طرف سے جاؤں گا ۔ فلاں مقام میں قیام کرونگا ساتھ ہی اسکے سب سے بڑی بات یہ کھلی کہ حق تعالیٰ نے

یا ابا بکر ان من عاہد اللہ ثم لم ینکث ولم یغیر ولم یبدل ولم یحسدن قد ابانہ اللہ بالتفضیل فھو معنا فی الرفیق الاعلی واذا انت مضیت علی طریقۃ یحبھا منک ربک ولم تتبعھا بما یسخطہ ووافیتہ بھا اذا بعثک بین یدیہ کنت لولایۃ اللہ مستحقا ولمرافقتنا فی تلک الجنان مستوجبا انظر یا ابا بکر فنظر فی آفاق السماء فرای املاکا من النار علی افراس من نار بایدیھم رماح من نار کل ینادی یا محمد مرنا بامرک فی مخالفیک نطحطہم ثم قال تسمع علی الارض فتسمع فاذا ھی تنادی یا محمد مرنا بامرک فی اعدائک نمتثل امرک ثم قال تسمع علی الجبال فسمعھا تنادی یا محمد مرنا بامرک فی اعدائک نھلکھم ثم قال تسمع علی البحار فاحضرت البحار بحضرتہ وصاحت امواجھا وقالت یا محمد مرنا بامرک فی اعدائک نمتثلہ ثم سمع السماء والارض والجبال والبحار کل یقول امرک ربک بدخول الغار لعجزک عن الکفار ولکن امتحانا وابتلاء لیتخلص الخبیث من الطیب من عبادہ وامائہ باناتک وصبرک وحلمک عنھم یا محمد من وفی بعھدک فھو من رفقائک فی الجنان و من نکث فانما ینکث علی نفسہ وھو من قرناء ابلیس اللعین فی طبقات النیران۔ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا علی انت منی بمنزلۃ السمع والبصر والرأس من الجسد و الروح من البدن حببت الی کالماء البارد الی ذی الغلۃ الصادی ثم قال یا ابا حسن تغش ببردتی فاذا اتاک الکافرون یخاطبونک فان اللہ یقرن بک توفیقہ وبہ یجیبھم فلما جاء ابوجھل والقوم شاھرون سیوفھم قال لھم ابوجھل لا تقعوا بہ وھو نائم لا یشعر ولکن ارموہ بالاحجار لینتبہ بھا ثم اقتلوہ فرموہ باحجار ثقال صائبۃ فکشف عن راسہ فقال ماذا شانکم وعرفوہ فان ھو علی علیہ السلام فقال ابوجھل اما ترون محمد کیف ابات ھذا ونجا بنفسہ

جبرئیل کی معرفت اپنے رسول کو یہ کہلا کے بھیجا کہ ابوجہل تمہارے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تم علی کو اپنے بستر پر چھوڑ دو اور ابوبکر کو اپنا رفیق بناؤ اور اُسے اپنے ساتھ لیکے چلے جاؤ تو گویا ابوبکر کی رفاقت خداوند تعالیٰ کے حکم سے ہوئی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ شیعی دنیا کے

لا تشتغلوا بعلی المحدود علیحا بھلاکہ محمد والا فما منعہ ان یبیت فی موضعہ ان کان ربہ یمنع عنہ کما یزعم فقال علی علیہ السلام الی تقول ھذا یا اباجہل بل اللہ تعالیٰ اعطانی من العقل ما لوقسم علی جمیع حمقی الدنیا ومجانینھا لصاروا عقلاء ومن القوۃ ما لوقسم علی جمیع ضعفاء الدنیا لصاروا بھا اقویاء ومن الشجاعۃ ما لوقسم علی جمیع جبناء الدنیا لصاروا شجعانا ومن الحکم ما لوقسم علی جمیع سفہاء الدنیا لصاروا بھا حکماء ولولا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امرنی ان لا احدث حدثا حتی القاہ لکان لی شان ولکم شان ولاقتلنکم قتلا ویلک یا اباجہل ان محمداً قد استاذنہ فی طریقہ السماء والارض والبحار والجبال فی ھلاکم فابی الا ان یرفق بکم ویداریکم لیؤمن من فی علم اللہ انہ لیؤمن منکم ویخرج المومنون من اصلاب وارحام کافرین اوکافرات احب اللہ تعالیٰ ان لا یقطعھم عن کرامتہ اصلابکم۔"

خلاصہ مطلب۔ خداوند قدوس نے اپنے رسول پر وحی کی کہ قریش اور بالخصوص ابوجہل نے آپ کے قتل کی تدبیر پوری پوری کر لی ہے لہذا حکم دیا جاتا ہے کہ علی کو اپنی جگہ پر چھوڑ دو کہ وہ جان نثاری میں مثل اسمٰعیل کے ہیں اور ابوبکر کو اپنا رفیق بناؤ اگر وہ اپنے عہد میں پورے اترے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو انکے لئے جنت ہے بلکہ وہ آخرت میں بھی آپ کے رفیق ہونگے حضور انور نے حضرت علی سے یہ ساری کیفیت بیان کی علی اپنے قتل پر راضی ہو گئے اور اس ثواب پر جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا قناعت کر لی اس کے بعد رسول اللہ ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم سفر میں میرے ہمراہ چلنے پر راضی ہو اسے اچھی طرح سمجھ لینا کہ کفار قریش جس طرح میرے قتل پر آمادہ ہیں جب وہ یہ دیکھیں گے کہ تم نے میرا ساتھ دیا ہے تو تمہارے قتل پر بھی آمادہ ہو جائیں گے اور تمہیں خاص اس کام کی وجہ سے مختلف قسم کی مصیبتیں اور رنج اٹھانے پڑیں گے ابوبکر نے اس کا یہ جواب دیا یا رسول اللہ اگر آپ کی محبت میں اور آپ کی مفارقت میں مجھ پر تمام دنیا کی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور قیامت تک میں انہیں مصیبتوں میں مبتلا رہوں تو اپنے لئے اسے سعادت سمجھتا ہوں برخلاف اس کے

بڑے بڑے فاضل جو یہ رام کہانی گاتے ہیں کہ ابوبکر رسول اللہ کو گرفتار کرانا چاہتے تھے اور جب غار کے قریب مشرک پہنچ گئے تو انھوں نے پیر بڑھا کر انگلیوں کا اشارہ کیا کہ رسول اللہ موجود ہیں انہیں گرفتار کرلو اسلئے سانپ نے یا بچھو نے ان کے پیر میں کاٹ کھایا۔

آپ کی مخالفت میں اگر تمام جہان پر میرا قبضہ ہوجائے میری نظر میں اس قسم کی بادشاہت خاک ہے اپنی جان و مال اور اولاد کو آپ کی محبت کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں سمجھتا اسپر حضور انور نے فرمایا کہ جو کچھ تم زبان سے کہتے ہو اگر تمہارے دل کی بھی یہی کیفیت ہے تو تم بمنزلہ میرے کان۔ بینائی اور سر کے ہو اور تمہاری نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسے جسم کے ساتھ روح کی بلکہ میں تمہارا مرتبہ اس سے بھی افضل سمجھتا ہوں جو شخص اپنے عہد پر قائم رہے عہد شکنی نہ کرے اور جو اس سے افضل ہے اسکی زوال نعمت نہ چاہے وہ میرا سچا رفیق ہے پھر رسول اللہ نے فرمایا کہ آسمان کی طرف دیکھو کہ آتشیں ملائک آگ کے گھوڑوں پر سوار ہیں اور باآواز بلند یہ کہ رہے ہیں کہ اے نبی آپ ہمیں حکم کریں کہ ہم آپ کے مخالفوں کو ان کے اعمال کی پوری سزا دیں اسی طرح زمین سے آواز نکل رہی ہے اسیطرح پہاڑ غل مچا رہے ہیں اسی طرح تمام سمندر جوش مار رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک چیز یہ کہ رہی ہے کہ غار میں جانے کا حکم کفار سے عاجز ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض اچھے برے کی پہچان کے لئے ہے کہ جو اپنے عہد پر قائم رہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہی تیرا رفیق ہے اسکے بعد حضرت علی کی طرف متوجہ ہو کے فرمایا کہ تم بھی میرے لئے مثل کان اور بینائی کے ہو اور تمہاری میرے ساتھ ایسی ہی نسبت ہے جیسی بدن کے ساتھ روح کو ہوتی ہے تم میرے لئے ایسے ہو جیسے ایک پیاسے کے لئے ٹھنڈا پانی میری چادر لو اور اسے سر سے پاؤں تک اوڑھ لو جب کفار آئیں گے تو حق تعالے کی توفیق تمہارے شامل حال ہوجائے گی چنانچہ جب کفار گھاٹی میں گھس آئے تو ابوجہل نے اپنے ساتھیوں کو آواز دیکے کہا کہ سوتے ہوئے کو قتل نہ کرنا پہلے اسے جگا لو چنانچہ جب جگایا گیا تو حضرت علی نے چادر میں سے مونہ نکالا اس پر ابوجہل نے کہا دیکھا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح علی کو فریفتہ کرکے خود بچ کے نکل گئے حضرت علی پلنگ سے اٹھتے ہی اپنے اوصاف شجاعت اور فراست بیان کرنے لگے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تلوار چلانے کی ممانعت نہ ہوتی تو میں تم سب کو قتل کر دیتا جناب پیغمبر خدا نے تمہارے ساتھ کوئی پہلو محبت۔ روا داری۔ اور اخلاق کا اٹھا نہیں رکھا کیونکہ زمین آسمان۔ سمندر پہاڑ اور فرشتے سب قتل کرنے کے لئے تیار ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ رسول اللہ انہیں حکم دیدیں تاکہ وہ تم سب کا صفایا کر دیں مگر رسول اللہ نے ایسا حکم دینا پسند نہیں کیا محض اس وجہ سے کہ ممکن ہے تم ہی میں سے بہت سے لوگ ایمان لے آئیں۔

اور وہ انگلیوں کا اشارہ نہ کرنے پائے تھے کہ درد کی وجہ سے اپنا سر پکڑ لیا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالے نے ابوبکر کی ذات سے دہوکہ کھایا کہ اس نے ایسے پرخطر راستے میں ایک ایسے شخص کو ساتھ لیجانے کا حکم دیا جو شیعی علماء کے خیال کے بموجب رسول اللہ سے اتنی عداوت رکھتا تھا اور تماشہ دیکھئے کہ ابوبکر کا ایک رازدار خادم آپکی دونوں لڑکیاں چھ وقت تک چھپ چھپ کے رسول اللہ کو برابر غار ثور میں کھانا پہنچاتی رہیں ابوبکر نے ان سے اشارہ نہ کردیا کہ تم کفار سے کہدینا کہ محمد یہاں چھپے ہوئے ہیں ہائے صادقوں اور صدیقوں سے اتنی دشمنی کیونکر ایسے قوم تو نجات پاسکتی ہے اور کس موںہ سے خداوند قادوس کے حضور سرخرو ہوسکتی ہے. پہر یہ مضحکہ خیز امر بیان ہوا ہے. کہ جسوقت ابوجہل نے حضور انور کے بستر پر حضرت علی کو دیکھا تو کہا کہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے علی کو کس طرح فریفتہ کرکے اپنی جان بچالی یہ سنتے ہی حضرت علی اپنی شجاعت اور فراست کا خود بخود قصیدہ پڑہنے لگے کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں اگر مجھے تلوار چلانے کی ممانعت نہ ہوتی تو میں تم سب کو قتل کرڈالتا حالانکہ کسی نے ان سے اس قسم کا سوال نہیں کیا تھا کہ تم کون ہو اور تم میں کتنی طاقت ہے.

اور خداوند تعالے کی اطاعت کرنے لگیں۔ فقط

حسن امام عسکری نے نہ جبرئیل ومیکائیل کی آمد بیان کی اور نہ حضرت علی کی شاعری سب سے تماشے کی بات تو یہ ہے کہ کہیں بھی اس بات کا پتہ نہیں لگتا کہ حضرت علی نے اخیر اس واقعہ کے متعلق اپنی زبان فیض ترجمان سے ٹھیک ٹھیک کسی سے کیا کہا یاروں نے جو چاہا اس فرضی واقعہ کی نسبت گھڑلیا اور یہ پتہ نہیں دیا کہ اخیر حضرت علی نے بھی اپنی تمام عمر میں کہیں کسی کے آگے بستر کی یہ کہانی بیان کی اور بیان کی تو ان کے خاص الفاظ کیا ہیں بستر کی کہانی کا کھلا ہوا اختلاف بھی بات تو یہ ہے کہ خود اسکے غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہے. مصنف

اب آپ اصل واقعہ کو دیکھیے جسے ابن الاثیر الجزری نے اپنی کتاب التاریخ الکامل جلد ۲ صفحہ ۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳ اور ۱۷۴ میں یہ لکھا ہے۔

رسول اللہ کا حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر ہجرت کرنا اور غار ثور میں تین روز چھپکر مدینہ کو روانہ ہونا

بی بی عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صبح یا شام ایک مرتبہ ہر روز حضرت ابوبکر کے مکان پر تشریف لایا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ کو ہجرت کا حکم ہوا تو آپ ہمارے یہاں دوپہر میں آئے۔ حضرت ابوبکر یہ خلاف عادت آپ کے تشریف لانے کو دیکھ کر بولے کہ اسوقت جو آپ تشریف لائے تو کوئی بات پیدا ہوئی ہے۔ جب اندر آئے۔ اور چوکی پر بیٹھے تو فرمایا کہ اگر یہاں کوئی غیر ہو تو باہر نکالدو۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میری دو بیٹیاں ہیں۔ کیا ہے فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ میں بھی ساتھ چلوں۔ فرمایا۔ کہ چلو اس کی حضرت ابوبکر کو اسقدر خوشی ہوئی۔ کہ فرحت کے مارے رو پڑے۔ اور عبداللہ بن اریقط کو جو بنی الدیل بن بکر سے تھا اور مشرک تھا اجرت پر لیا کہ وہ ان کو راستہ بتائے۔

رسول اللہ کے نکلنے کا حال بجز حضرت ابوبکر اور آل ابی بکر کے اور کیسکو معلوم نہیں تھا ان میں سے حضرت علی کو تو رسول اللہ نے حکم دیا تھا کہ وہ مکہ ہی میں رہ جائیں اور جو ودائع ان کو آپ نے دے دی تہیں انہیں جن جن کے ہیں ان کے حوالہ کر دیں۔ بعد ازاں آپ کے پاس چلے آئیں۔

اور آپ حضرت ابوبکر کے مکان کے پیچھے جو کھڑکی تھی اس سے نکل کر چلے تھے۔ تاکہ کیسکو خبر نہ ہو۔ پھر وہ دونوں صاحب ثور پہاڑ کے غار میں گئے اور اس میں جا کر گھس گئے۔ حضرت

ابوبکر اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دے گئے تھے۔ کہ مکہ میں جو جو واقعات آپ کے پیچھے ہوں وہ دن میں سنتا رہے اور رات میں آپ کے پاس غار میں آکر سنا دیا کرے۔ اور عامر بن فہیرہ کو حضرت ابوبکر کا مولیٰ تھا یہ کہدیا تھا کہ دن میں وہ بکریاں چرایا کرے اور رات کو بکریاں ان کے پاس سے آیا کرے۔ اسیطرح اسماء بنت ابی بکر بھی شام کے وقت غار پر دونوں صاحبوں کے واسطے کہانا لے جایا کرتی تہیں۔ اسیطرح دونوں غار میں تین روز رہے۔ اوہر قریش نے یہ اشتہار دیدیا تھا کہ جو کوئی محمدؐ کو پکڑ لائے اوسے سو اونٹ دیں گے۔ پہر جب عبداللہ بن ابی بکر صبح کے وقت آپ کے پاس سے لوٹتے تو عامر پیچھے پیچھے انکے بکریاں اپنی لے جاتا اور اس سے عبداللہ کے پیروں کے نشان مٹ جاتے تھے۔

جب تین روز گزر گئے۔ اور لوگ چپ چاپ ہوگئے تو ان کے پاس ان کا رہبر آیا۔ اور دو اونٹ لایا۔ ایک اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت دیکر لے لیا اور اُسپر سوار ہوگئے۔ اور آپ کے واسطے اسماء بنت ابی بکر توشہ لائیں۔ لیکن تسمہ بھول آئیں جس سے اسے باندھکر لٹکاتے ہیں۔ اسواسطے انہوں نے اپنا کمر بند کھولا اور اوس سے توشہ کو باندھا۔ اور اونٹ کے کمر بند سے باندھ کر توشہ لٹکا یا گیا۔ اسیوجہ سے اسماء کو ذات النطاقین (دو کمر بند والی کہتے ہیں)

پہر دونوں سوار ہوکر چلدیے۔ اور حضرت ابوبکر نے اپنے مولیٰ عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے بٹھالیا کہ رستہ میں خدمت کرتا جائے اسیطرح تمام رات چلے اور صبح سے ظہر تک برابر چلے گئے وہاں انھوں نے ایک پتھر کی چٹان دیکھی جو بہت لمبی تہی اوس کے قریب میں حضرت ابوبکر نے ایک جگہ ہموار کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر وہاں قیلولہ کریں اور اسکے سایہ میں ذرا آرام لے لیں وہاں رسول اللہ نے ذرا آرام کیا اور سو رہے۔ اور حضرت ابوبکر آپ کی نگہبانی کرتے رہے۔ پہر جب آفتاب ڈہل گیا تو اپنی منزل مقصود

روانہ ہوئے +

قریش کا رسول اللہ کی گرفتاری کے لئے اشتہار اور سراقہ کا آپ کے پاس پہونچکر لوٹنا

قریش نے یہ اشتہار دیا تھا کہ جو کوئی نبی صلعم کو پکڑ کر لائے گا اُسے انعام دیں گے۔ اس واسطے ایک شخص سراقہ بن مالک بن جعشم المدلجی آپ کی جستجو میں روانہ ہوا۔ اور جہاں زمین سخت آگئی تھی یعنے ریت نہ تھا وہاں آپ کو جا لیا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ پکڑنے والے آپہونچے۔ آپ نے فرمایا کچھ اندیشہ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اور رسول اللہ نے سُراقہ پر بددعا کی۔ اُسکا گھوڑا زمین میں دہس گیا۔ اور اسکے نیچے سے کچھ دھواں سا نکلا سراقہ نے عرض کیا کہ محمد دعا کرو۔ کہ مجھے اللہ اس بلا سے بچا دے اور میں جو لوگ آپ کی تلاش میں آرہے ہیں انہیں لوٹا دوں گا آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی وہ چھوٹ گیا۔ مگر اس نے پھر بھی پیچھا کیا۔ پھر جناب رسالتماب نے اس کے حق میں بددعا کی۔ اور گھوڑے کے پیر زمین میں پہلے سے بھی زیادہ گھس گئے۔ سراقہ نے کہا۔ محمد میں جان گیا۔ کہ یہ آپ کی ہی دعا سے ہے۔ اب دعا کیجیے میں اس امر کا ذمہ لیتا ہوں۔ کہ آپ کے متلاشیوں کو واپس کر دوں گا۔ رسول نے دعا کی اور وہ چھوٹ گیا۔ پھر نبی صلعم کے نزدیک آیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ترکش میں سے تیر لے لیجے۔ آپ نے فرمایا مجھے تیرے تیروں کی حاجت نہیں ہے۔ پھر جب وہ لوٹنے لگا تو (اس اعتقادی کہانی کے سوا آپ نے اُس سے یہ) فرمایا کہ سراقہ اگر تجھے کسریٰ کے کنگن مل جائیں تو تو خوش ہوگا یا نہیں۔ کہا کیا کسرے بن ہرمز کے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ سنکر (اس نے کہا ہاں خوش ہونگا اور لوٹ گیا۔ پھر کوئی راستہ میں ملا اُس سے اس نے کہدیا کہ ادہر تو میں دیکھ آیا اب تمہاری

کوئی ضرورت نہیں ہے اور سب کو پھیر دیا۔

بی بی اسما بنت ابی بکر کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم ہجرت کر گئے تو کچھ لوگ قریش کے ہمارے یہاں آئے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ اور آکر حضرت ابوبکر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم ابوجہل نے ہاتھ اٹھا کر میرے گال پر ایک ایسا زور سے طمانچہ مارا کہ جس سے میرا بُندا وہ گر پڑا۔ وہ بڑا بدکار خبیث آدمی تھا۔ اور بہت سست اور غمگین بیٹھے۔ اور ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ صلعم کہاں گئے ہیں۔ کہ اتنے میں ایک جن مکہ کے اسفل کی طرف سے آیا۔ لوگ اسکے پیچھے پیچھے چلتے اور آواز سنتے جاتے تھے۔ مگر وہ نظر نہ آتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا ؎

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ رفیقین حلا خیمتے ام معبد

اللہ تعالے جو مخلوق کا پروردگار ہے ان دونو رفیقوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ جو خیمہ ام معبد میں جا کر اترے تھے۔

ھما نزلا بالھدی واغتدیا بہ فافلح من امسی رفیق محمد

وہ دونو ہدی مقام میں ٹہیرے اور وہاں صبح کو ٹھیرے واقع میں جو شخص محمد کا رفیق ہوا۔ اوسکو فلاحیت نصیب ہو گئی۔

فیا لقصی ما زوی اللہ عنکم بہ من فعال لا تجازی وسودد

اے بنی قصے اُس رسول کے سبب سے اللہ تعالے نے تم میں وہ افعال اور سیادت برقرار رکھی ہے جسکا نظیر نہیں ہے۔

لیھن بنی کعب مکان فتاتھم ومقعدھا للمومنین بمرصد

اے بنی کعب تمہاری ام معبد سے نوجوان عورتوں کا مکان اور نشست گاہ یا نگاہ مبارک

جو مومنین کے رستہ میں واقع ہے۔
بی بی اسما کہتی ہیں کہ جب ہم نے یہ آواز سنی تو ہم جان گئے کہ آپ کا رخ مدینہ کی طرف تھا۔ اُسی طرف گئے ہوں گے۔
پھر بخاری نے اپنی صحیح پارہ ۱۵ صفحہ ۱۰۷ میں یہ لکھا ہے۔
حضرت عائشہ کہتی ہیں پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اجازت طلب کی آپ کو اجازت دی گئی تو آپ اندر تشریف لائے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے کہا کہ جو لوگ تمہارے پاس ہوں اُن کو ہٹا دو ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر سے فدا ہو جائے یہاں تو صرف میرے ہی گھر والے ہیں آپ نے فرمایا۔ تو (سنو) مجھے ہجرت کی اجازت دیدی گئی ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر فدا ہو جائے (مجھے بھی) رفاقت (میں لیجے گا) آپ نے فرمایا ہاں ابوبکر نے کہا کہ میرا باپ آپ پر فدا ہو جائے میری دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیجئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ہم تو) قیمت (لیں گے) حضرت عائشہ کہتی ہیں ہم اُن کو بہت سرعت کے ساتھ تیار کرنے لگے اور ہم نے اُن دونوں کے لئے کچھ ناشتہ ایک چمڑے کے تھیلے میں رکھدیا پھر اسما بنت ابوبکر نے اپنے ازار بند کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اُس سے تھیلے کا موتہ بند کر دیا اسی وجہ سے اُن کا نام ذات النطاقین رکھا گیا حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر جبل ثور کے غار میں جا چھپے تین دن تک وہاں چھپے رہے عبداللہ بن ابی بکر شب کو انہیں کے پاس رہتے تھے۔ اور وہ (اُس زمانے میں) ایک نوجوان ذہین سمجھدار تھے (رات کو اُن کے پاس رہتے تھے) اور اخیر شب کو اندھیرے میں ان کے پاس سے چلدیتے تھے صبح قریش کے ساتھ مکہ میں کرتے تھے مثل اُس شخص کے جو شب کو وہیں رہا ہو پس وہ جب کوئی بات ایسی سنتے تھے جس سے ان کے ساتھ

فریب کیا جاتا ہو تو وہ اُسکو یاد کر لیتے تھے اور اسکی خبر جب اندھیرا ہو جاتا تھا تو ان دونوں کے پاس لے جاتے تھے اور ابو بکر کا غلام عامر بن فہیرہ انہیں کے پاس جا کے چراتا تھا اور جب کچھ رات گذر جاتی تھی تو وہ ان بکریوں کو ان کے پاس لیجاتا تھا پس وہ شب کو ان ہی بکریوں کا دودھ دہی کھاتے تھے اور صبح کو اندھیرے ہی میں عامر بن فہیرہ اُن بکریوں کو ہانک لے جاتا تھا وہ ان تین راتوں میں ہر رات کو ایسا ہی کرتا رہا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر نے (قبیلہ) بنی دیل میں سے ایک شخص کو مزدوری میں لگایا اور وہ بنی عبد بن عدی میں سے تھا بڑا واقف کار رہبر تھا وہ عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا اور کفار قریش کے دین پر تھا پس ان دونوں نے اُسے امین بنایا اور اپنی سواریاں اُسے دیدیں اور اس سے تین دن کے بعد یعنی تیسرے دن کی صبح کو غار ثور پر اُن دونوں سواریوں کے لئے آنے کا وعدہ لے لیا اور ان سواریوں کے ہمراہ عامر بن فہیرہ اور وہ رہبر چلا اور اس رہبر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کو دریا کنارے کے رستے پر لگا دیا۔

اسکے دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہو جاتی ہے کہ سوائے ابو بکر ان کے بچوں کے اور ملازموں کے دوسرے شخص کو مطلق خبر نہیں تھی۔ پھر تاریخ طبری مطبوعہ مطبع حسینی مصری جلد ثانی صفحہ ۲۴۶ - ۲۴۷ میں یہ لکھا ہے۔

ابو جعفر[۵] فرماتے ہیں کہ جب کفار مکہ وغیرہ کے ظلموں کی حد ہو گئی تو اسوقت خداوند عالم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ہم سے علی بن نصر جہضمی نے بیان کیا ہے جو چند واسطوں سے عروہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ مدینہ منورہ

---

[۵] قال ابو جعفر واذن اللہ عز وجل لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلک بالہجرۃ حدثنا علی

پہنچ گئے۔ وہ ابھی خود حضور انور کو مدینہ تشریف لے جانے کی اجازت نہ ہوئی اور وہ آیۃ بھی نازل نہ ہوئی جس میں صحابہ کو جہاد کرنے کا حکم ہے تو اسوقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت چاہی مگر چونکہ ابھی حضور کو ان صحابہ کے ساتھ جانے کا حکم نہ ہوا تھا جو مدینہ جا رہے تھے اس لئے آپ نے ابوبکر صدیق کو بھی روک لیا اور یہ فرمایا کہ ابھی ذرا ٹھیرو کیونکہ میں یقیناً تو نہیں کہہ سکتا مگر ہاں مجھے امید ہے کہ شاید اب مجھے بھی یہاں سے چلے جانے کی اجازت ہو جائے گی۔ اور ابوبکر نے یہ بات ہونے سے پہلے ہی دو اونٹ خرید لئے تھے اور ان کو اس قصد سے تیار کر رہے تھے کہ حضور انور کے اور صحابہ کے ساتھ اپنے سوار ہو کے میں بھی مدینہ چلا جاؤں گا لیکن جب حضور نے ان سے صحبت مانگی اور جو آپ کو اللہ سے امید تھی وہ ان سے بیان کر دی تو انھوں نے آپکے

علیؓ بن نصر الجھضمی قال حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارثؒ بن عبد الصمد بن عبد الوارث قال حدثنا ابی قال حدثنا ابان العطار قال حدثنا ہشام بن عروہ عن عروۃ قال لما خرج اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ وقبل ان یخرج یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقبل ان تنزل ہذہ الآیۃ التی امروا فیھا بالقتال استاذنہ ابوبکر ولم یکن امرہ بالخروج مع من خرج من اصحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال لہ انظرنی فانی لا ادری لعلی یؤذن لی بالخروج وکان ابوبکر قد اشتری راحلتین یعدھما للخروج مع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ فلما استنظرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخبرہ بالذی یرجو من ربہ ان یاذن لہ بالخروج حبسھما وعلفھما انتظار صحبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اسمنھما فلما حبس علیہ خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر اتطمع ان یوذن لک قال نعم فانتظرہ فمکث بذلک فاخبرتنی عائشۃ انھم بینا ھم ظھرًا فی بیتھم ولیس عند ابی بکر الا ابنتاہ عائشۃ و اسماء اذا ھم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین قام قائم الظھیرۃ وکان لا یخطئہ

ہمراہ ہی چلنے کی غرض سے وہ دونوں اونٹ اپنے پاس رکھ لئے اور ان کو کھلا پلا کر خوب موٹا تازہ کر لیا مگر جب کچھ روز گذر گئے اور حضور انور کو اجازت ہجرت کی نہ ہوئی تو ایک روز صدیق اکبر نے پوچھا کہ کیا ابھی تک آپ کو امید اجازت ہو جانے کی ہے فرمایا۔ کہ ہاں میں تو حکم آلہی کے انتظار ہی میں ہوں یہ سنکر ابو بکر پھر خاموش ہو رہے اسکے بعد کا قصہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک روز ہم سب اپنے گھر میں تھے اور ابو بکر کے پاس اسوقت سوائے آپکی دونوں لڑکیوں عائشہ اور اسماء کے اور کوئی نہ تھا عین دوپہر کا وقت تھا کہ یکایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور اس سے پہلے صبح وشام حضور ہمارے گھر ضرور تشریف لایا کرتے تھے لیکن آج جو ابو بکر نے یہ دیکھا کہ حضور اس دوپہر میں تشریف لائے ہیں تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ

یوما ان یاتی بیت ابی بکر اول النہار وآخرہ فلما رأی ابو بکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاء ظہرًا قال لہ ماجاء بک یا نبی اللہ الا امر حدث فلما دخل علیہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم البیت قال لابی بکر اخرج من عندک قال لیس علینا عین انما ھما ابنتای قال ان اللہ قد اذن لی بالخروج الی المدینۃ فقال ابو بکر یا رسول اللہ الصحابۃ الصحابۃ قال الصحابۃ قال ابو بکر خذ احدی الراحلتین وھما الراحلتان اللتان کان یعلفھما ابو بکر یعدھما للخروج اذا اذن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اخذ تھا بالثمن وکان عامر بن فہیرۃ مولدًا من مولدی الازد کان للطفیل ابن عبد اللہ بن سخبرۃ وھو ابو الحارث بن الطفیل وکان اخا عائشۃ بنت ابی بکر وعبد الرحمن ابن ابی بکر لامھما فاسلم عامر بن فہیرۃ وھو مملوک لھم فاشتراہ ابو بکر فاعتقہ وکان حسن الاسلام فلما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر کان لابی بکر منیحۃ من غنم تروح علی اھلہ فارسل ابو بکر عامر ابی الغنم الی ثور فکان عامر بن فہیرۃ یروح بتلک الغنم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالغار فی ثور وھو الغار الذی سماہ اللہ فی القرآن فارسلا بظھرھما

آج کوئی نہ کوئی نئی بات پیش آئی ہے حضور نے اسوقت تکلیف فرمائی کچھ بولے نہیں جب آپ اندر گھر میں تشریف لے آئے تو ابو بکر سے فرمایا کہ جو غیر آدمی یہاں ہو اُسے ذرا باہر کردو مجھے کچھ کہنا ہے عرض کیا کہ حضور اطمینان فرمائیں یہاں فقط میری دونوں بیٹیاں ہیں کوئی اور مخبر وغیرہ نہیں ہے تب آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ پاک نے مدینہ منورہ چلے جانے کا حکم دیدیا ہے۔ ابو بکر کہنے لگے حضور میں بھی ہمراہ ہوں گا فرمایا ہاں تم بھی ہمراہ رہنا عرض کیا حضور میرے پاس دو اونٹ ہیں اور یہ دونوں اونٹ وہی تھے جنکو مدینہ جانے کی غرض سے پہلے ہی سے خوب کھلا پلا رہے تھے۔ ان میں سے ایک اونٹ آپ لیلیں اور اسی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے چلیں آپ نے فرمایا کہ میں مفت تو لیتا نہیں قیمت سے لیتا ہوں اور ایک شخص عامر بن فہیرہ از روئے مشورہ کے خاندان

رجلا من بني عبد بن عدي حليفا لقريش من بني سهم ثم آل العاص بن وائل وذلك العدوي يومئذ مشرك ولكنهما استاجراه وهو هاد بالطريق وفي الليالي التي مكثا بالغار كان ياتيهما عبد الله ابن ابي بكر حين يمسي بكل خبر بمكة ثم يصبح بمكة ويريح عامر الغنم كل ليلة فيحلبان ثم يسرح بكرة فيصبح في رعيان الناس ولا يفطن له حتى اذا هدأت عنهما الاصوات واتاهما ان قد سكت عنهما جاءهما صاحبهما ببعيريهما فانطلقا وانطلقا معهما بعامر بن فهيرة يخدمهما ويعينهما يردفه ابو بكر ويعقبه على رحله ليس معهما احد الا عامر بن فهيرة واخو بني عدي يهديهما الطريق فاجاز بهما في اسفل مكة ثم مضى بهما حتى حاذى بهما الساحل اسفل من عسفان ثم استجاز بهما حتى عارض الطريق بعد ما جاوز قديدا ثم سلك الخرار ثم اجاز على ثنية المرة ثم اخذ على طريق يقال لها المدلجة بين طريق عمق وطريق الروحاء ثم يوافق طريق العرج وسلك ماء يقال له الغابر عن يمين ركوبة حتى يطلع على بطن رئم ثم جاء حتى قدم المدينة على بني عمرو بن عوف قبل القائلة فحدثت انه لم يبق فيهم الا يومين وتزعم بنو عمرو بن عوف ان قد اقام فيهم

میں سے اس وقت میں طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے اور یہ ہمارے ہاں شریکی بھائی بھی تھے یہ عامر اس روز مسلمان ہوگئے مگر چونکہ دوسرے کے غلام تھے اس لئے ابوبکر نے ان کو خرید کر جب ہی آزاد کر دیا اور یہ خاصے اسلامی احکام کے پابند ہوگئے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر روانہ ہونے لگے تو ابوبکر کے پاس تھوڑی سی بکریاں دودھ دینے والی تھیں یہ بکریاں دیکر ابوبکر نے عامر کو بھیجدیا کہ تم ان کو کوہ ثور کی طرف چرانے لیجاؤ وہ لے گئے اور یہ دونوں صاحب بھی کوہ ثور کے غار میں جا ٹھیرے جب عامر کو ان کا اس غار میں قیام کرنا معلوم ہوگیا تو وہ روز شام کو انکے پاس بکریاں لے آیا کرتے اور یہ غار وہی ہے جسکا قرآن شریف میں بھی ذکر آیا ہے پھر ان دونوں نے اپنی سواریاں منگانے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا جو خاندان عبد بن عدی میں سے

افضل من ذلك فاقتاد راحلته فاتبعته حتی دخل فی دور بنی النجار فاراهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مربدًا کان بین ظہری دورہم۔ وقد حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة قال حدثنی محمد بن اسحاق قال حدثنی محمد بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن الحصین التمیمی قال حدثنی عروة بن الزبیر عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یخطئه احد طرفی النہار ان یاتی بیت ابی بکر اما بکرة واما عشیة حتی اذا کان الیوم الذی اذن اللہ فیه لرسوله بالهجرة وبالخروج من مکة من بین ظہرانی قومه اتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالهاجرة فی ساعة کان لا یاتی فیها قالت فلما راٰہ ابوبکر قال ما جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هذه الساعة الا لامر حدث قالت فلما دخل تاخر ابوبکر عن سریرہ فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس عند ابی بکر الا انا واختی اسماء بنت ابی بکر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرج عنی من عندك قال یا نبی اللہ انما هما ابنتای وما ذاك فداك ابی وامی قال ان اللہ عز وجل قد اذن لی بالخروج والهجرة فقال ابوبکر الصحبة یا رسول اللہ قال

قریش کا حلیف تھا ان دنوں تو یہ مشرک ہی تھا مگر انھوں نے ملازم رکھ لیا تھا اور یہ راستہ
سے خوب واقف تھا۔ اور جتنے دنوں یہ دونوں غار میں رہے ان میں عبداللہ بن ابی
بکر شام کو آ آکر مکہ کی خبریں ان کو برابر سناتے رہے شام کو یہاں ہوتے اور صبح ہی مکہ
پہنچ جاتے اور عامر بھی حسب دستور روزانہ شام کو بکریاں یہاں لے آتے اور جب یہ اُنکا
دودھ نکال لیتے تو صبح کو پھر وہ لیجاتے اور چرواہوں میں جا ملتے جس سے کسی پر اُنکا
کچھ بھید نہیں کھلا جب مکہ میں ان کی طرف سے شور وشغب بیٹھ گیا اور یہاں بھی یہ خبر پہنچ
گئی کہ اب مکہ والے دونوں صاحبوں کی طرف سے خاموش ہو گئے ہیں ادھر ان کے
ملازم یعنی عدوی ان کے دونوں اونٹ بھی لیکر آ گئے تب دونوں صاحب وہاں سے
روانہ ہو گئے اور عامر کو بھی اپنی ہمراہ لے لیا عامر ان کی خدمت کرتے اور اکثر کام

الصحبة قالت فواللہ ما شعرت قط قبل ذلك اليوم ان احدا يبكي من الفرح حتى رايت ابا بكر
يومئذ يبكي من الفرح ثم قال يا نبي اللہ ان هاتين راحلتاي كنت اعددتهما لهذا فاستاجرا عبد
اللہ بن ارقد رجلا من بني الدئل بن بكر وكانت امه امراة من بني سهم بن عمرو وكان مشركا
يدلهما على الطريق ودفعا اليه راحلتيهما فكانتا عنده يرعاهما لميعادهما ولم يعلم فيما بلغني بخروج
رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم احد حين خرج الا علي بن ابيطالب وابوبكر الصديق وآل ابي
بكر فاما علي بن ابيطالب فان رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم فيما بلغني اخبره بخروجه وامره ان
يتخلف بعده بمكة حتى يؤدي عن رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم الودائع التي كانت عنده
للناس وكان رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم وليس بمكة احد عنده شيء يخشى عليه الا وضعه عند
رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم لما يعرف من صدقه وامانته فلما اجمع رسول اللہ صلى اللہ عليه
وسلم للخروج اتى ابا بكر بن ابي قحافة فخرجا من خوخة لابي بكر في ظهر بيته ثم عمد الى غار ثور جبل
باسفل مكة فدخلاه وامر ابوبكر ابنه عبد اللہ بن ابي بكر ان يسمع لهما ما يقول الناس فيهما نهاره

کاج میں ان کے معین رہتے تھے کبھی ان کو ابوبکر اپنے پیچھے سوار کر لیتے اور کبھی باری باری اترتے چڑہتے چلتے تھے اسوقت ان کے ساتھ اور کوئی نہ تھا سوائے ایک عامر کے یا اُس عدوی کے جو رستہ تبلانے کے لئے ساتھ تھا وہ ان کو مکہ کی نشیبی جانب سے نکال کر ساحل دریا ہوتا ہوا عسفان کے نیچے لے گیا وہاں سے بڑہکر قدید سے نکل کے سڑک سڑک خزار پہنچے وہاں سے ثنیۃ المرہ پہنچ کے اُس رستہ پر ہوئے جسے لوگ مدلجہ کہتے ہیں جو عمق اور روحا کی سڑک کے درمیان میں ہے اور آگے عرج کی سڑک سے جا ملتا ہے وہاں سے یہ اُس گھاٹ کی طرف بڑہے جو غابر کے نام سے مشہور ہے اور جاتے ہوئے داہنی طرف پڑتا ہے وہاں سے بطن پہنچ گئے پھر مدینہ منورہ پہنچکر دوپہر سے پہلے بنی عمرو بن عوف کے ہاں جا اترے وہاں کے قیام کی بابت اوروں کا بیان تو یہ ہے کہ ان کے ہاں آپ صرف دو روز رہے تھے اور خود بنو عمرو بن عوف کا بیان ہے

ثم یاتیھما اذا امسی بما یکون فی ذلک الیوم من الخبر وامر عامر بن فھیرۃ مولاہ ان یرعی غنمہ نھارہ ثم یریحھا علیھما اذا امسی بالغار وکانت اسماء بنت ابی بکر تاتیھما من الطعام اذا امست بما یصلحھما فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الغار ثلاثا ومعہ ابوبکر وجعلت قریش حین فقدوہ مائۃ ناقۃ لمن ردہ علیھم فکان عبد اللہ بن ابی بکر یکون فی قریش ومعھم یسمع بما یاتمرون بہ وما یقولون فی شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر ثم یاتیھما اذا امسی فیخبرھما الخبر وکان عامر بن فھیرۃ مولی ابی بکر یرعی فی رعیان اھل مکۃ فاذا امسی اراح علیھما غنم ابی بکر فاحتلبا وذبحا فاذا غدا عبد اللہ بن ابی بکر من عندھما الی مکۃ اتبع عامر بن فھیرۃ اثرہ بالغنم حتی یعفی علیہ حتی اذا مضت الثلاث وسکن عنھما الناس اتاھما صاحبھما الذی استاجرا ببعیریھما واتتھما اسماء بنت ابی بکر بسفرتھما ونسیت ان تجعل لھا عصاما فلما ارتحلا ذھبت لتعلق السفرۃ فاذا لیس فیھا عصام فحلت نطاقھا فجعلتہ لھا عصاما ثم علقتھا

کہ اس سے زیادہ رہے تھے پھر آپ مع اپنی سواری کے دوسرے محلہ بنی النجار میں تشریف لے گئے۔

ابن حمید سے روایت ہے جو چند واسطوں کے بعد عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں کہ کوئی روز ایسا نہ ہوتا تھا کہ جسمیں حضور انور دو وقتہ ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں صبحکو یا شام کو آتے ضرور تھے لیکن جب وہ دن ہوا کہ جسمیں خداوند عالم نے اپنے رسول کو ہجرت کرنے کی اجازت دیدی اور مکہ کو چھوڑا ور اپنی قوم سے علیحدگی کرنے کا حکم دے دیا تو اس روز حضور ہمارے ہاں عین دوپہر میں ایسے وقت تشریف لائے کہ پہلے کبھی ایسے وقت تشریف نہ لاتے تھے جب ابو بکر نے آپ کو دیکھا تو یہ کہتے ہوئے جلدی سے اُٹھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف وقت تشریف لانا کسی خاص وجہ سے ہوا ہے جب آپ اندر تشریف لے آئے تو ابو بکر نے آپ کے لئے اپنا

به فکان یقال لاسماء بنت ابی بکر ذات النطاقین لذلك فلما قرب ابو بکر الراحلتین الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرب له افضلهما ثم قال له ارکب فداك ابی وامی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ارکب بعیرا لیس لی قال فهولك یا رسول اللہ بابی انت وامی قال لا ولکن ما الثمن الذی ابتعتها به قال کذا وکذا قال قد اخذتها بذلك قال هی لك یا رسول اللہ فرکبا فانطلقا واردف ابو بکر عامر بن فهیرة مولاہ خلفه یخدمهما بالطریق۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة قال حدثنی محمد بن اسحاق قال وحدثت عن اسماء بنت ابی بکر قالت لما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر اتانا نفر من قریش فیهم ابو جهل بن هشام فوقفوا علی باب ابی بکر فخرجت الیهم فقالوا این ابوك یا ابنة ابی بکر قلت لا ادری واللہ این ابی قالت فرفع ابو جهل یدہ وکان فاحشا خبیثا فلطم خدی لطمة طرح منها قرطی قالت ثم انصرفوا ومکثنا ثلاث لیال لا ندری این توجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اقبل رجل من الجن من

پلنگ چھوڑ دیا آپ اسپر بیٹھ گئے اسوقت ابوبکر کے پاس اور کوئی نہ تھا سوائے میرے اور میری بہن اسماء کے آپ نے فرمایا کہ جو غیر آدمی یہاں ہمارے قریب ہو اُسے باہر کر دو میں ایک بات کہونگا عرض کیا حضور یہاں تو صرف میری یہ دو بیٹیاں ہی ہیں میرے والدین حضور پر قربان ہوں اور یہاں کوئی نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے مجھے یہاں سے چلے جانے اور ہجرت کرنے کی اجازت دیدی ہے ابوبکر نے عرض کیا حضور میں بھی ہمراہ ہونگا فرمایا ہاں تم بھی ساتھ رہوگے حضور کے اس جواب سے میرے والد کو اسقدر خوشی ہوئی میں اللہ کی قسم کھاکے کہتی ہوں کہ میں نے اپنی عمر میں کبھی کسیکو خوشی سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا صرف اس روز اپنے والد کو خوشی کی وجہ سے روتے ہوئے دیکھا ہے ابوبکر کہنے لگے کہ حضور میرے یہ دو اونٹ ہیں جنکو میں صرف اسی سفر کے لئے بہت دنوں سے تیار کر رہا تھا آپ نے منظور فرمالیا۔ اور اسیوقت دونوں نے مشورہ کرکے عبداللہ بن ارقد کو ملازم رکھ لیا یہ شخص خاندانی

اسفل مکة یغنی بابیات من الشعر غناء العرب والناس یتبعونه یسمعون صوته ومایرونه حتی خرج من اعلا مکة وھو یقول

جزی اللہ رب الناس خیر جزاءہ	رفیقین حالا خیمتی ام معبد
ھما نزلاھا بالھدی واغتدوا بہ	فافلح من امسی رفیق محمد
لیھن بنی کعب مکان فتاتھم	ومقعدھا للمؤمنین بمراصد

قالت فلما سمعنا قولہ عرفنا حیث وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان وجھہ الی المدینة وکانوا اربعة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعامر بن فھیرة وعبد اللہ بن ارقد اللیثی

قال ابوجعفر ۔ حدثنی احمد بن المقدام العجلی قال حدثنا ھشام بن محمد بن السائب الکلبی قال حدثنا عبد الحمید بن ابی عبس بن محمد بن ابی عبس بن جبر عن ابیہ قال سمعت قریش

بنی الدیل سے تھا اسکی والدہ بنی سہم کے خاندان سے تھی یہ اسوقت تک مشرک تھا رستہ بتلانے کا کام دیتا تھا دونوں نے اپنے اونٹ اسکے حوالے کر دیئے اس سے کچھ وعدہ ٹھیر گیا تھا یہ وعدہ کے مطابق اونٹوں کو اپنے پاس رکھتا اور چرا تا رہا اور جہاں تک میرا علم ہے حضور کے مکہ سے روانگی کے وقت کی کسیکو خبر نہیں ہوئی سوائے علی بن ابیطالب اور ابوبکر صدیق یا ان کی دونوں لڑکیوں کے حضرت علی کو خود حضور ہی نے اپنے تشریف لے جانے کی خبر کرکے یہ فرما دیا تھا کہ تم میرے بعد مکہ میں ٹھیرنا اور جن لوگوں کی امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں وہ انہیں پہنچا دینا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ صادق اور امین سمجھتے تھے اس لئے وہ جو کچھ ان کی چیزیں آپ کے پاس رکھوا دیا کرتے تھے جب آپ کا پختہ ارادہ ہجرت کا ہو گیا تو ابوبکر کے پاس آئے اور ابوبکر کے مکان کے پیچھے ایک کھڑکی تھی اس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر دونوں نکلکر چلے گئے پھر دونوں نے جبل ثور کا رخ کیا اس میں ایک غار تھا اس میں جاکے چھپ گئے۔ اور حضرت ابوبکر اپنے بیٹے عبداللہ سے کہ گئے تھے کہ تم دن کو انہیں لوگوں میں رہنا اور جو کچھ یہ ہماری نسبت کہیں یا صلاح ومشورہ کریں سنتے رہنا اور شب کو غار میں آکے

قائلا یقول فی اللیل علی ابی قبیس۔

فان یسلم السعدان یصبح محمد بمکۃ لا یخشی خلاف المخالف

فلما اصبحوا قال ابوسفیان من السعدان سعد بکر سعد تمیم سعد ھذیم فلما کان فی اللیلۃ الثانیۃ سمعوہ یقول

ایا سعد سعد الاوس کن انت ناصرا ویا سعد سعد الخزرجین الغطارف

اجیبا الی داعی الھدی وتمنیا علی اللہ فی الفردوس منیۃ عارف

فان ثواب اللہ للطالب الھدی جنان من الفردوس ذات رفارف

ہمیں خبر دیدینا۔ اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ دن کو بکریاں چرانا اور شب کو
ہمارے پاس غار میں لے آنا۔ اور حضرت ابوبکر کی بیٹی اسمار بھی جب رات ہوتی تو دونوں
صاحبوں کے لئے بقدر ضرورت کھانا لے آتیں اسیطرح تین رات دن برابر حضور انور
ابوبکر غار میں رہے۔ اہل قریش نے جب حضرت کو نہ پایا تو یہ اشتہار دیا کہ جو کوئی آپ کو
پکڑ کے لائے گا وہ انعام میں سو اونٹ پائے گا عبداللہ بن ابی بکر قریش میں ملے جلے
رہتے تھے یہ سب باتیں اور جو کچھ حضرت کی نسبت صلاح و مشورے ہوتے تھے رات کو
غار میں آکر کہہ جایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کا غلام عامر بن فہیرہ دن کو اور چرواہوں
کے ساتھ ملکے بکریاں چراتا اور شام کو غار پر لے آتا یہ دونوں اسکا دودھ دوہ لیتے اور
ذبح کرتے جب صبحکو عبداللہ بن ابی بکر مکہ جاتے تو پیچھے پیچھے ان کے قدموں کے
نشانوں پر عامر بن فہیرہ بھی اپنی بکریاں لے کر چلتا تاکہ قدموں کے نشانات مٹ جائیں
جب تین دن گذر گئے اور لوگ تھک کر بیٹھ گئے تو ابوبکر کا ملازم وہ دونوں اونٹ
لیکر آیا اور اسمار بنت ابی بکر آپ کے لئے توشہ لائیں لیکن اسکا بندھن بھول آئیں جب
لٹکانے لگیں اسوقت یاد آیا اسیوقت اپنا کمربند کھول کے اُسے باندھا جب ہی سے
اسمار کا نام ذات النطاقین پڑ گیا حضرت ابوبکر نے ان دونوں اونٹوں میں جو بہتر اور افضل
تھا حضرت کے آگے پیش کیا اور فرمایا سوار ہو جیے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔
آپ نے فرمایا میں پرائے اونٹ پر سوار نہیں ہوتا ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ یہ آپ ہی کا
ہے اور آپ ہی کے لئے اور اسیدن کے لئے میں نے پہلے سے خرید رکھا تھا۔ پس
دونوں سوار ہو کر چلے اور ابوبکر نے اپنے خدمتگار عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔
یہ دونوں صاحبوں کی رستہ میں خدمت کرتا گیا۔

ابن حمید اسمار بنت ابی بکر سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور ابوبکر صدیق رضؓ چلے گئے تو ہمارے پاس کچھ لوگ قریش کے آئے جس میں ابوجہل بھی
تھا انہوں نے مجھ سے پوچھا تیرا باپ ابوبکر کہاں ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہاں
ہے پس ابوجہل بدکار خبیث نے اس زور سے تھپڑ مارا کہ میرے کان کا بندہ گر گیا پھر
وہ لوگ چلے گئے اور تین روز تک ہمیں معلوم نہ ہوا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے ہیں
یہانتک کہ ایک مرد قوم جن سے مکہ کے نشیبی جانب سے عربی لہجہ میں کچھ شعر پڑھتا ہوا
آیا لوگ سننے کو دوڑے لیکن وہ دکھائی نہ دیا جب مکہ کی بلندی پر وہ آیا تو یہ شعر سنائی
دیئے جنکا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) اللہ رب العالمین اُن دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے جو اُم مُعبد کے خیمے میں جاکر
ٹھیرے تھے۔

(۲) پھر وہ دونوں مقام ہدیٰ میں بوقت صبح پہنچے اور قیام کیا بڑا ہی خوش نصیب ہے
وہ شخص جسنے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رفاقت کی۔

(۳) اے بنی کعب مبارک ہو کہ تمہاری عورتوں کے مکان ایسی جگہ واقع ہیں کہ مسلمانوں
کے ٹھیرنے کے کام آتے ہیں۔

حضرت اسماء کہتی ہیں کہ جب ہم نے یہ سنا تو جان لیا کہ آپ مدینہ کی طرف تشریف لیگئے
ہیں اور یہ کل چار شخص تھے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق آپکا غلام
عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن ارقد رستہ بتانیوالا۔

ابن جبیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک رات قریش نے جبل ابی قبیس پر کسیکو
اسطرح کہتے ہوئے سنا کہ اگر دو شخص جنکے نام سعد ہیں مسلمان ہو جائیں تو پھر محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو مکہ میں کسی دشمن کی مخالفت کا ڈر نہ رہے جب صبح ہوئی تو ابوسفیان نے کہا
کہ یہ کون تھا اور دونوں سعد سے کونسے سعد مراد ہیں کیا سعد بنی بکر یا سعد بنی تیم یا سعد بنی ہذیم

جب دوسری رات ہوئی تو پھر قریش نے سنا کہ وہی شخص اس طرح کہہ رہا ہے کہ اے
سعد بنی اوس اور اے سعد بنی خزرج کے نوجوان بہادرو اٹھو اور مدد کرو۔ ہادی برحق کا
کہا مانو اور عارفین کی طرح تم بھی اللہ عزوجل سے فردوس بریں کی خواہش کرو کیونکہ
اللہ کے ثواب کے وہی لوگ مستحق ہیں اور بہشت بریں اور اسکی زیب وزینت کے وہی
لوگ مالک ہیں جو ہدایت کے طالب ہیں۔ جب صبح ہوئی تو ابو سفیان نے کہا خدا کی قسم
اس سے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ مراد ہیں۔ (تاریخ طبری کی روایت کا ترجمہ ختم ہوا)

اب آپ بستر پر لیٹنے کی کہانی کو بغور ملاحظہ فرمائیں اگرچہ بعد کی کل تاریخوں میں قریب
قریب اس کہانی کو دوہرایا گیا ہے اور جیسا کہ اکثر مورخین کا قاعدہ ہے کہ وہ آنکھ بند
کرکے ایک دوسرے کی تقلید کر بیٹھتے ہیں اور بغیر واقعات کو جانچے جو کچھ ان کا دل چاہتا
ہے حاشیہ چڑھا کے بغیر انتقاد محض تقلیداً اپنی کتاب میں واقعات کا اندراج کر دیتے
ہیں اسی طرح اس بستر والی روایت میں اپنی اسی قدیم فطرت سے کام لیا گیا ہے اور آنکھ
بند کرکے بعض نے اعتقاداً بعض نے تقلیداً اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا
ہے مگر خوب چھان بین کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ بستر پر لیٹنے کی کہانی
بعد کی ایجاد کردہ ہے کیونکہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکے سے
ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ دوپہر سے ابو بکر صدیق کے مکان پر آگئے اور جب
آپ نے مکے کو چھوڑا ہے تو ابو بکر صدیق ہی کے مکان سے آپ روانہ ہوئے ہیں یہ
کسی صحیح روایت میں نہیں معلوم ہوتا کہ روانہ ہونے سے پہلے سوائے ابو بکر صدیق
اور ان کے بچوں کے کسی شخص کو بھی آپ کی روانگی کی اطلاع تھی یہ کام بہت ہی
راز دارانہ کیا گیا تھا اسکے علاوہ کوئی روایت صحیح اسناد سے ایسی دیکھنے میں نہیں آئی
کہ جو حضرت علی سے منقول ہو اور حضرت علی خود بیان فرمائیں کہ ایسا ایسا موقعہ ہوا تھا

اور مجھے چلتے وقت رسولِ خدا نے بستر پر لیٹنے کا حکم کیا تھا تمام کتب سیر اور تمام
روایتی مواد ایسی مستند روایت سے خالی ہے اسد الغابہ میں بھی حضرت علی کی روایت
سے بستر والی کہانی درج نہیں کی گئی ہے خود طبری تو ایک حد تک خاموش ہے ہجرت
کے واقعات یا حالات صرف اِن حضرات کی شہادت سے معلوم ہو سکتے ہیں خود حضورِ انور[۴]
ابوبکر صدیق دونوں آپ کی صاحبزادیاں عائشہ صدیقہ اور اسماء حضرت علیؑ بس سوائے ان آٹھ
کے کوئی اور شخص ایسا نہیں معلوم ہوتا جسکی نسبت یہ شبہ بھی ہو سکے کہ رسولِ خدا
صلے اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت کی خبر اسے ہوئی ہو صحیح بخاری میں زیادہ تر ہجرت
کے واقعات محض عائشہ صدیقہ سے منقول ہیں اور انہیں کی شہادت پر اکتفا کیا جاتا ہے
اسلئے کہ انہوں نے خود رسول اکرم کو غیر معمولی وقت میں اپنے مکان کے اندر دیکھا
آپ کی باتیں سنیں جس غار میں آپ پناہ گزیں ہوئے تھے وہاں حضرت عائشہ کی بہن
اسماء خود کھانا لیکے جاتی تھیں انہیں سارے حالات اچھی طرح معلوم تھے تو انہیں
کی شہادت ایک کافی شہادت ہے اور ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور کوئی وجہ اسمیں
نقص اور شبہ کی نہیں پاتے معاملات بالکل آئینہ اور صاف ہیں صدیقہ کا بیان بہت
سادہ اور واقعات پر مبنی ہے اب سمجھ میں نہیں آتا جب وہ ہجرت کے راز سے من
اولہ الی آخرہ کل حالات سے واقف تھیں تو انہوں نے کیوں نہیں حضرت علی کے
بستر پر لیٹنے کا واقعہ بیان کیا یہ بات بظاہر کچھ معمولی نہ تھی کہ وہ اسکی نسبت کچھ بیان
نہ فرماتیں ان کے بیان سے صداقت ٹپکتی ہے اور کسی قسم کی نکتہ چینی ان کے بیان
کردہ حالات پر نہیں ہوسکتی۔ یہ واقعہ کہ حضورِ انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم چلتے
وقت حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹا گئے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بیان یہ کیا گیا ہے کہ مشرکین
عرب کو جو آپ کے قتل پر آمادہ تھے دھوکہ دینے کے لئے آپ نے ایسا کیا تھا۔

[۴] عبداللہ بن ابو بکر - عامر بن فہیرہ - عبداللہ بن اریقط

حالانکہ جس وقت آپ ابوبکر صدیق کے مکان پر آتے ہیں اور برابر روز مرہ آتے رہے اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کوئی باقاعدہ پہرہ چوکی شعیب ابو طالب پر نہیں تھا اور نہ آپ کو اندر جانے اور باہر نکلنے کی ممانعت تھی صرف ایک معمولی نگرانی ضرور تھی اور اس نگرانی کا اتنا ہی مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ رسول اللہ حدود مکہ سے باہر نہ جانے پائیں مگر جب قریشوں کا جلسہ ہوا اور انہوں نے اس کشمکش سے نجات پانی چاہی اور ان کا منشا یہ ہوا کہ رسول اللہ کو قتل کر دیں اور اس منشار کی خبر خواہ بذریعۂ وحی خواہ قرآن سے آپ کو معلوم ہوگئی تو آپ نے یہی بہتر سمجھا کہ یہاں سے ہجرت کر جانا ہی بہت بڑی عاقلانہ کارروائی ہے اور اس سے بہتر دوسری تدبیر نہیں ہو سکتی - چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ تشریف لے گئے بس سوائے اسکے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی جب قریشیوں کو آپ کے چلے جانے کی خبر ہوئی تو انھوں نے بیشک آپ کا تعاقب کیا اور اس تعاقب میں خداوند تعالےٰ نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا جب قدرت کوئی نیا کام کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو اسکے اسباب بھی ویسے پیدا کر دیتی ہے قدرت کو یہ منظور تھا کہ مکہ نہیں بلکہ یثرب جو بعد ازاں مدینۃ النبی کہلایا خداوند قدوس کی توحید کا مرکز قرار دیا جائے اور یہیں سے روحانی برتری فضائل حمیدہ اور فتوحات ملکی کا چشمہ اُبلے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور چند سال میں اسی مرکز سے تمدن کی اشاعت ہوئی توحید کا آفتاب طلوع ہوا اور خدا پرستی کے چاند نے اپنی خنک شعاعوں سے طلوع ہو کے تمام دنیا کو روشن کر دیا بس بستر والی کہانی ختم ہو گئی جو کچھ ہمیں تحقیق ہوا اور جتنی ہمسے کوشش ہو سکی ہمنے اس کہانی کی اُدھیڑبُن میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اب اسکا فیصلہ ناظر کتاب کے ہاتھ میں ہے مندرجہ واقعات سے جو اوپر درج کئے گئے ہیں ناظر خود اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ غیر طرفدارانہ اسپر نظر کرے عقائد اور اپنے خیالات کو یا قدیم سنی سنائی باتوں کو

دور کرکے ٹھنڈے دل اور تامل سے محققانہ طور پر اسپر غور کرے تو ہمیں امید ہے کہ وہ یقیناً اسی نتیجے پر پہنچ جائے گا جس نتیجے پر ہم پہنچے ہیں فقط۔

حضرت علی کا نکاح

ہجرت کے دوسرے سال مدینے میں حضور انور نے اپنی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ کا نکاح حضرت علی کے ساتھ کردیا یہ کوئی اہم واقعہ نہ تھا اسکے علاوہ آپ کی اور کئی صاحبزادیوں کا نکاح اسی طرح ہوا مگر کسی نے بھی کسی نکاح کو ایسی اہمیت نہیں دی جیسے کہ بعض خوش اعتقادوں نے حضرت علی کے نکاح کو دی کیسی کیسی روائتیں گھڑی گئیں اور کیسی کیسی کہانیاں ایجاد کی گئیں اور تخیل کی کس طرح باگ ڈھیلی چھوڑی گئی غرض حسب عادت کیا کیا کچھ نہ کیا گیا ہمارے احباب نے حضرت خاتون محشر کے بیان میں اپنے اصلی مذاق کو نہ جانے دیا یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی خوب ہی لے دے کی ہے اور بغیر کسی صحیح سند کے آنکھ بند کرکے ان لوگوں کی روائتیں جنکی صداقت مشکوک ہے اپنی مختلف کتابوں میں درج کردیں جسوقت حضرت بی بی فاطمہ کا نکاح ہوا ہے کہتے ہیں اسوقت آپ کی عمر پندرہ برس ساڑھے پانچ مہینے کی تھی اور حضرت علی کی عمر اکیس برس اور پانچ مہینے کی تھی ایک روایت میں حضرت بی بی فاطمہ کی عمر کے پندرہ دن کم بیان ہوئے ہیں جیسا کہ استیعاب[1] والے نے درج کیا ہے۔

---

[1] عن عبداللہ بن جعفر الہاشمی قال انکح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ بعد واقعۃ احد وکان عمرھا اذ ذاک خمسۃ عشر سنۃ وخمسۃ اشھر ونصف وکان سن علیؑ احدی وعشرین سنۃ وخمسۃ اشھر وقال زبیر بن بکار تزوجھا علیؑ فی السنۃ الثانیۃ من الھجرۃ وکان عمرھا اذ ذاک خمسۃ عشر وخمسۃ اشھر۔ فقط

اب ملاحظہ فرمائیے ان روایتوں کی رو کو جنہیں خوش اعتقادی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے اور جن روایتوں کی نسبت معاذ اللہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے چنانچہ دیلمیؒ کی ایک روایت یہ بیان ہوئی ہے کہ ام المومنین ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر علی پیدا نہ ہوتے تو فاطمہ کے لئے کوئی کفو نہ ہوتا یہ روایت خود اپنے موضوع ہونے کی شہادت دیتی ہے کوئی باپ کسی ایک شخص کو اپنی بیٹی کے لئے مخصوص نہیں کرسکتا اور یہ ہرگز نہیں کہ سکتا کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو پھر تمام دنیا میں کوئی اسکا شوہر بنے کے قابل نہ ہوتا اس کے آگے آپ احمدؐ کی کتاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴) عمروں کے متعلق جو اس روایت میں بیان ہوا ہے ہمیں اس میں بھی شک ہے مگر ہم اسپر زیادہ زور دینا نہیں چاہتے ۔ وجہ یہ ہے کہ یہ بہت ہی معمولی بات ہے ۔ اگرچہ اس میں بھی مہینوں کا اختلاف ہے ۔ مگر عمروں کو یوں ہی تسلیم کر لینا جیساکہ اوپر کی روایت میں بیان ہوا ہے حضرت علی کے واقعات زندگی میں اتنا ہرج نہیں پیدا کرتا

(متعلق صفحہ ھذا) ؎۱ عن ام سلمۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولم یخلق علی ما کان لفاطمۃ کفو ۔ فقط ۔

؎۲ عن انس قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فغشیۃ الوحی فلما افاق قال لی یا انس اتدری ما جاءنی بہ جبرائیل من صاحب العرش عز وعلا قلت بابی انت وامی بما ءرک بہ جبرائیل قال قال لی ان اللہ تبارک وتعالی یا مرک ان تزوج فاطمۃ من علی فانطلق وادع لی ابا بکر وعمر وطلحۃ و الزبیر وبعددھم من الانصار قال فانطلقت فدعوتھم فلما ان اخذ وا مجالسھم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ المحمود بنعمتہ والمعبود بقدرتہ المطاع سلطانہ المرھوب الیہ من عذابہ النافذ امرہ فی ارضہ وسمائہ الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزھم باحکامہ واعزھم بدینہ واکرمھم بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عز وجل جعل المصاھرۃ نسبا لاحقا وامرا مفترضا وحکما

مناقب میں اور ابو حاتم میں یہ روایت ملاحظہ فرمائیں۔ انس سے منقول ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا آپ کو وحی کے نازل ہونے سے غش طاری ہو گیا

عادلا و خیرا جامعا و شیح به الارحام و الزمها للانام فقال عزوجل وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا وامر اللہ تعالیٰ یجری الی قضائه وقضائه یجری الی قدره ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمة من علی واشھدکم انی زوجت فاطمة من علی علی اربعمائة مثقال فضة ان رضی بذلک علی السنة القائمة والفریضة الواجبة فجمع اللہ شملھما وبارک اللہ لھما اطاب اللہ نسلھما وجعل نسلھما مفاتیح الرحمة ومعادن الحکمة وامن الامة اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم متبسما یا علی ان اللہ امرنی ان ازوجک فاطمة وانی قد زوجتکھا علی اربعمائة مثقال فضة فقال علی رضیت یا رسول اللہ ثم ان علیا خر ساجدا شکرا للہ فلما رفع رأسه قال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بارک اللہ لکما وعلیکما واسعد جدکما واخرج منکما کثیرا الطیب قال انس واللہ لقد اخرج منھما الکثیر الطیب۔ فقط

خیال کی یہ آفرینی کچھ ایسی بے تکی سی ہے کہ اسکے موجد کی عقل پر افسوس آتا ہے وحی کے نازل ہونے رسول خدا پر عالم غشی کے طاری ہونے کا جو نقشہ اس روایت میں کھینچا گیا ہے وہ قرآنی وحیوں سے تو ملا دیا گیا ہے مگر کنایۃً اور اشارۃً قرآن مجید تو قرآن مجید صحیح روایتوں میں سے ایک روایت میں بھی اس واقعہ کی جسے اتنا عظیم الشان بنایا گیا ہے کہیں سند نہیں ملتی۔ ہم اس روایت کی صحت چاہتے ہیں ہم نے بجائے خود بہت کچھ تحقیق کی مگر ہمیں اس فرضی روایت کی صحت مطلق نہیں ملی +

مگر جب اس غشی سے آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے انس تو جانتا ہے میرے
پاس جبرئیل خداوند تعالےٰ کی طرف سے کیا حکم لائے ہیں میں نے عرض کیا میرے ماں
باپ آپ پر فدا ہوں میں نہیں جانتا حضور ہی ارشاد فرمائیں کہ جبرئیل کیا حکم لائے ہیں
حضور انور نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو حکم کرتا ہے کہ فاطمہ
کا علی سے نکاح کر دو پس تو جا اور ابوبکر۔ عمر۔ طلحہ اور زبیر کو میرے پاس بلا لا اور اتنے
ہی انصار میں سے آدمیوں کو ۔ انس کہتے ہیں کہ میں گیا اور انہیں بلا لایا جب وقت
وہ لوگ آئے اور بیٹھے حضور انور نے یہ خطبہ پڑھا کہ جمیع حمد اللہ تعالےٰ کے لئے ثابت ہے
جو اپنی نعمتوں کے باعث محمود ہے اور اپنی قدرت کی وجہ سے معبود ہے غالب ہونے
کی وجہ سے اسکی اطاعت کی گئی ہے اسکے عذاب سے لوگ اسکی طرف گریز کرتے ہیں
اسکی زمین اور اسکے آسمان میں اسکا حکم جاری ہے اُسی نے خلقت کو اپنی قدرت سے
پیدا کیا ہے اور اپنے احکام سے انہیں تمیز دی ہے اور اپنے دین سے انہیں
عزت بخشی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے انہیں بزرگی عطا فرمائی ہے
یقیناً اللہ تعالےٰ نے سسرالی رشتے کو تازہ نسب امر واجب۔ حکم عادل۔ اور جامع
خیر قرار دیا ہے اور اسی کے سبب سے رحموں کو ملایا ہے اور تمام مخلوق پر اسے لازم کر دیا
ہے پھر فرمایا وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا اسکے واسطے نسب
اور سسرالی رشتہ قرار دیا ہے اور تیرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے خدا کا حکم اسکی
قضا کی طرف جاری ہوتا ہے اور اسکی قضا قدر کی طرف جاتی ہے (یقیناً) واسطے ہر قضاء
کے ایک قدر ہے اور ہر قدر کے لئے ایک زمانہ معین ہے اور ہر معین زمانے کے
واسطے ایک کتاب ہے اللہ جس چیز کو چاہتا ہے محو اور ثابت کر دیتا ہے اس کے پاس
اصل کتاب ہے یعنی لوح محفوظ اما بعد اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا

علیؑ سے عقد کروں اور میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کا علی سے چارسو مثقال چاندی پر عقد کیا ہے اگر علی اس بات پر راضی ہوا تو یہ سنت قائم ہو جائے گی اور فریضہ واجب اللہ تعالےٰ ان دونوں میں جمعیت عطا کرے اور ان میں برکت دے۔ ان دونوں کی نسل کو پاکیزہ کرے اور ان کی نسل کو رحمت کی کنجیاں حکمت کی کان اور امت کے لئے امان بنائے میں یہ کہتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں اسکے بعد حضور انور نے متبسم کرکے فرمایا اے علی اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ سے تیرا نکاح کروں اور میں نے تم دونوں کا چارسو مثقال چاندی پر عقد کیا ہے اسپر علی نے کہا میں راضی ہوں (یہ کہتے ہی) حضرت علی شکر کرنے کے لئے سجدے میں گر پڑے جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا تو حضور انور نے ارشاد کیا کہ اللہ تعالےٰ تم دونوں کے واسطے اور دونوں پر برکت کرے اور تم دونوں کی کوشش کو نیک کرے اور تم دونوں سے پاکیزہ اولاد کثرت سے پیدا کرے انس کہتے ہیں واللہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ان دونوں سے پاکیزہ اولاد بکثرت پیدا کی ہے۔ فقط۔

یہ صحیح ہے کہ کل کام خدا کی مرضی سے ہوتے ہیں یہ تو پیغمبر زادی کے نکاح کا ذکر ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ جب تک خداوند قدوس کی مرضی شامل حال نہ ہو کسی معمولی لڑکی یا لڑکے کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا اب رہا جبرئیل کا آنا اور خاص طور پر خداوند تعالیٰ کی نکاح کے متعلق وحی لانا یہ ایک ایسا امر ہے جسے خوش اعتقادی کی ایجاد کہہ سکتے ہیں باقی ایسے معمولی امور کو جنکا تعلق معاشرت سے ہے ہم کسی صورت سے بھی گوارا نہیں کرتے کہ جبرئیل امین کو یہ تکلیف دیں کہ وہ کروڑہا میل کی دوری سے بھاگوں بھاگ آئیں اور یہ حکم آکے سنائیں اس روایت کے پہلے حصے نے جسمیں جبرئیل کو زحمت دی

آسمان سے اتارا گیا ہے ساری روایت کی سچائی پر مطلقاً پانی پھیر دیا ہے اس کے علاوہ یاران مشرب نے انس کی زبانی ایک اور مضحکہ خیز روایت بیان کی ہے اور وہ بہت ہی عجیب وغریب ہے چنانچہ انسؓ کہتے ہیں۔

کہ جب رسول اللہ نے جناب فاطمہ کا عقد کر دیا تو لوگوں کو ان کے جہیز کی تیاری کا حکم دیا ان کے لئے ایک تخت چمڑے کا ایک بچھونا جو کھجور کے چھال سے بھرا ہوا تھا بنایا گیا (اسکے بعد) حضور انور نے حکم دیا کہ اس تخت پر میری بیٹی کو بٹھا کے علی کے لئے زینت دو اور علی کو کہلا بھیجا کہ جب فاطمہ پہنچیں تو تعجیل نہ کرے چنانچہ سیّدہ ام ایمن کے ساتھ حضرت علی کے گھر میں تشریف لے گئیں اور گھر میں جا کے ایک طرف بیٹھ گئیں جب حضور انور عشاء کی نماز پڑھ چکے تو پانی کا ایک لوٹا (اپنے دست مبارک میں) لیکے علی کے گھر میں تشریف لائے اور اس لوٹے کے پانی میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اپنی

---

۵ عن انس قال لما زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ امرھم ان یجھزوھا فجعل لھا سریرا و وسادۃ من ادم حشوھا لیف وقال زین ابنتی الی علی وامرہ ان لا یعجل علیھا حتی اتیھا فجاءت مع ام ایمن حتی قعدت فی جانب البیت فلما صلی العشا اقبل برکوۃ فیھا ماء فتفل فیھا فقال لفاطمۃ تقدمی فتقدمت ونضح بین ثدییھا وعلی راسھا وقال اللھم انی اعیذ بک وذریتھا من الشیطان الرجیم ثم قال لھا ادبری فادبرت فصب بین کتفیھا وقال اللھم انی اعیذ بک وذریتھا من الشیطان الرجیم ثم قال تقدم یا علی وصب علی راسہ وبین ثدییہ ثم قال اللھم انی اعیذ بک وذریتہ من الشیطان الرجیم ثم قال ادبر فادبر فصبہ بین کتفیہ وقال اللھم انی اعیذ بک وذریتہ من الشیطان الرجیم فقال لعلی ادخل باھلک بسم اللہ الرحمن الرحیم فبکت فاطمۃ فقال ما یبکیک وقد زوجتک اقدمھم سلما واحسنھم خلقا فخرج وغلق علیھما الباب بیدہ۔ فقط

صاحبزادی سے فرمایا آگے آؤ وہ آگے آئیں حضور انور نے ان کے سینے اور سر پر لوٹے کے پانی کے چھینٹے دیئے اور دعا کی کہ اے پروردگار میں اپنے لئے اور اسکی ذریت کے لئے شیطان رجیم سے تیری پناہ مانگتا ہوں پھر ارشاد کیا کہ پیٹھ پھیرو حضرت فاطمہ نے آپ کی طرف پیٹھ کرلی پھر آپ نے ان کے دونوں کندھوں کے بیچ میں پانی کے چھینٹے دے کے دعا کی کہ اے پروردگار اپنے لئے اور اسکی ذریت کے لئے شیطان رجیم سے تیری پناہ مانگتا ہوں پھر علی سے کہا اے علی آگے آؤ علی آگے آگے رسول اللہ نے ان کے بھی سینے اور سر پر پانی کے چھینٹے دیئے اور دعا کی کہ اے پروردگار میں اپنے لئے اور اسکی ذریت کے لئے شیطان رجیم سے تیری پناہ مانگتا ہوں پھر علی کی پشت اپنی طرف کی اور آپ نے ان کے دونوں کندھوں کے بیچ میں پانی کے چھینٹے دیکر فرمایا کہ اے پروردگار میں اپنے لئے اور اسکی ذریت کے لئے شیطان رجیم سے تیری پناہ مانگتا ہوں پھر علی سے کہا اب تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ اللہ مہربان رحم والے کے نام کے ساتھ اسپر حضرت فاطمہ رونے لگیں حضور انور نے ارشاد کیا فاطمہ تم کیوں روتی ہو میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو سب سے پہلے اسلام لانے والا ہے اور سب سے اچھا خلق والا ہے یہ کہکے حضور انور باہر تشریف لے آئے اور اپنے ہاتھ سے انکا دروازہ بند کرکے (گھر) چلے آئے فقط

اس عجیب وغریب روایت میں کئی باتیں غور طلب ہیں اول تو یہ کہ آپ کا لوٹے میں پانی بھرکے داماد کے گھر جانا اور پانی کے چھینٹے سینہ اور کندھوں پہ دیکے انہیں دعا کرنا اس قسم کی کوئی بھی رسم عرب میں جاری نہیں تھی ہاں نصرانیوں میں یہ رسم ضرور ہے کہ وہ نوعیسائی کو یا ایسے شخص کو جو نصرانی بننے کے لئے تیار ہو پانی کے چھینٹے دیکے برکت دیتے ہیں اور یہ رسم ابھی تک نصرانیوں میں موجود ہے کسی مستند روایت سے

یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور انور نے ایسے موقع پر کسیکو بھی اس طرح پانی کے
چھینٹے دے کے برکت دی ہو دوسرے حضرت بی بی فاطمہ کا رونا یہ بالکل ایک
معمولی بات تھی مگر شیعی احباب نے ان کے رونے کی ایک بہت ہی خطرناک وجہ قرار
دیدی یہ عموماً نئی دلہنوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ اپنے والدین کے گھر سے رخصت
ہونے لگتی ہیں تو انہیں رونا آجاتا ہے یہ کوئی اعجوبہ بات نہیں ہے مگر اسپر حضور انور
کا یہ فرمانا کہ تم کیوں روتی ہو تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو سب سے پہلے
اسلام لانے والا ہے اور اسکا خلق سب سے بہتر ہے اس بات کی صاف صاف
شہادت دے رہا ہے کہ جناب سیدہ کو اس بات کا خوف تھا کہ ان کے شوہر کا
برتاؤ ان سے اچھا نہیں ہونے کا اور ان کی نظروں میں شوہر کی زیادہ وقعت
نہیں ہے کیونکہ سوائے اس فرضی فضیلت کے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے رسول
اللہ نے اور کوئی بات بیان نہیں کی اگر ہم ان الفاظ کو صحیح تسلیم کرلیں اور یہ مان لیں
کہ حضور انور نے قطعی اپنی صاحبزادی کے رونے پر ایسا فرمایا تو پھر ہم بلاتامل اس سے
یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ جناب سیدہ کی نظروں میں نہ علی کی وقعت تھی اور نہ وہ انہیں
اچھے اخلاق والا سمجھتی تھیں کم سے کم یہ بات ماننی پڑے گی کہ حضرت علی نے ان کے گھر
میں پرورش پائی تھی ان کے عادات و اطوار سے ان کے اخلاق سے ان کے خیالات
سے جناب سیدہ اچھی طرح واقف تھیں گو حضرت علی حضور انور کے چچا کے بیٹے بھائی
تھے مگر حضور کا قحط کے زمانے میں اور ایسی حالت میں کہ ابو طالب محتاج ہو گئے تھے اور
اپنے بچوں کی پرورش نہ کرسکتے تھے علی کو اپنے پاس رکھ لینا اور انہیں پرورش
کرنا اور ان کے کھانے کپڑے کا کفیل ہونا یہ ایسے امور تھے جنکی وجہ سے ممکن اور قرین
قیاس ہے کہ جناب سیدہ کی نظروں میں زیادہ وقعت نہ ہو کیونکہ انہیں خیال آتا ہوگا

کہ یہی وہ شخص ہے جو میرے باپ کا پروردہ ہے اور آج یہ میرا سرتاج یعنی شوہر بنایا جاتا ہے ہمارا یہ ذاتی خیال نہیں ہے ہم اس روایت کو اور ان جیسی اور روایتوں کو صحیح نہیں سمجھتے کہ حضرت خاتونِ محشر نے ایسا خیال کیا ہو اور انکا رونا خاص اسوجہ سے ہو نہ ہم اس بات کو صحیح سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا اصل بات تو یہ ہے کہ محض یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت علی سب سے پہلے اسلام لائے یہ ساری روایت گھڑی گئی ہے ہم حضرت علی سے ایسے سوءظنی نہیں رکھتے نہ جناب سیدہ کی نسبت ہمارا یہ خیال ہے کہ انکا رونا محض اسوجہ سے تھا کہ وہ حضرت علی کو وقعت سے نہیں دیکھتی تھیں اور انہیں بدخلق سمجھتی تھیں۔

شیعی احباب نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں خاص اس امر پر بہت زیادہ زور دیا ہے کہ جناب سیدہ کا نکاح بالخصوص خداوند تعالےٰ کے حکم سے ہوا چنانچہ ذیل کی روایت اسکی شاہد ہے انس[1] کہتے ہیں کہ ابوبکر نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ اپنی صاجزادی فاطمہ کا نکاح مجھ سے کر دو رسول اللہ نے ارشاد کیا اے ابوبکر ابھی حکم خدا نازل نہیں ہوا پھر عمر فاروق نے قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ جناب سیدہ کی خواستگاری کی رسول اللہ نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو ابوبکر کو دے چکے تھے اسکے بعد علی سے کہا گیا کہ اگر تم خواستگاری کرتے تو جناب سیدہ کے لئے زیادہ حقدار تھے حضرت علی نے جواب دیا کہ میں کس طرح استدعا کروں جبکہ اشراف قریش نے فاطمہ کی نسبت استدعا

[1] عن انس بن مالک قال ابوبکر خطب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابنة فاطمة فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا ابابکر لم ینزل القضاء ثم خطب عمر مع عدة من قریش فقال له مثل قال لابی بکر فقیل لعلی لو خطبت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تستحق ان یزوجها قال وکیف وقد خطبها اشراف قریش فلم یزوجها فخطبها فقال صلی اللہ علیہ وسلم قد امرنی ربی عز وجل بذلک فقط

کی اور رسول اللہ نے انکار کر دیا اخیر رسول اللہ نے علی سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اسکا حکم پروردگار نے کیا ہے۔

اسی کے متعلق ایک اور روایت[۵] ملاحظہ فرمائیے یعنی عمر کے آگے علی کا ذکر کیا گیا وہ کہنے لگے کہ علی رسول اللہ کے داماد ہیں یقیناً جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اللہ تعالے آپ کو حکم کرتا ہے کہ آپ فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیں۔

اسی طرح بقول شیعی علماء دیلمی کی ایک یہ روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے یا علی اللہ تعالے نے تیرے ساتھ فاطمہ کا نکاح کیا ہے اور تمام زمین کو اسکا مہر قرار دیا ہے پس جو شخص تجھسے بغض رکھے اور اپنے بغض کی حالت میں زمین پر چلے تو اسپر اسکا چلنا حرام ہے۔

اس قسم کی دور از کار اور گھڑی ہوئی روائتیں شیعی مختلف کتب میں بھری پڑی ہوئی ہیں اگر کوئی شخص بدقسمتی سے ان روایتوں کو صحیح سمجھے تو کم سے کم وہ ضرور اس نتیجے پر پہنچ جائے گا کہ حضرت علی کی کسیکی نظر میں ذرہ برابر وقعت نہیں تھی جسکے لئے یہ روک تھام کی گئی ہے ساری زمین کو حضرت علی کا اپنی بیوی کے مہر میں دیدینا یہ ایسی مضحکہ خیز بات ہے جسے معمولی عقل کا آدمی بھی صحیح نہیں سمجھ سکتا مہر میں وہی چیز شوہر دے سکتا ہے۔ جو اسکی ملک ہو اسے خداوند قدوس کی سلطنت میں یا زمین میں تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے حضرت علی نے یا ان کے دوست جبرئیل فرشتے نے کس قانون اور قاعدے سے ساری زمین کو مہر کے لئے پیش کر دیا اور پھر مہر میں دینے کے بعد کیوں نہیں بیوی کی طرف سے اسپر قبضہ کیا گیا ممکن ہے کہ خوش اعتقادوں کی مجلسوں میں اس قسم کی روائتیں

---

[۵] عن عمر قال ذکر عنده علی قال ذاک صهر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد نزل جبرائیل فقال ان اللہ یامرک ان تزوج فاطمة من علی۔ فقط

زیادہ مقبول ہوتی ہوں یہانتک کہ خوش اعتقاد اصحاب انہیں سنکے وجد میں آجاتے ہوں مگر پڑھے لکھوں کے آگے خواہ وہ کسی قوم اور مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اس سے زیادہ مضحکہ خیز اور کوئی روایت نہیں ہوسکتی یہ خوش اعتقادی کی کہانیاں سچے صحیح نفس واقعات پر بھی پردہ ڈالدیتی ہیں اور کوئی شخص ان کہانیوں کو پڑھ کے کسی صورت سے بھی واقعات کا علم حاصل نہیں کرسکتا۔

حضرت علی کے واقعات زندگی میں جیساکہ آپ اوپر سے ملاحظہ فرمارہے ہیں اسی قسم کی کہانیاں بھری پڑی ہوئی ہیں ان سے صحیح نتیجے پر پہنچنا اور واقعات کا علم حاصل کرنا واقعی بہت مشکل کام ہے۔

نفس مہر میں کہ حضرت بی بی فاطمہ کا کیا مقرر ہوا تھا گو شیعی علما رنے اختلاف کیا ہے مگر کوئی وجہ اختلاف کی نہیں معلوم ہوتی معاملہ صاف اور بالکل آئینہ ہے کہتے ہیں۔ کہ ۴۸۰ درہم پر حضرت علی کا نکاح ہوا تھا یعنی حضرت علی نے اپنی بی بی کے مہر میں ۴۸۰ درہم دئے تھے پھر دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں بلکہ مہر میں حضرت علی نے اپنی زرہ دی تھی یہ بات بالکل صاف ہے کہ حضرت علی کو حضور انور پرورش کرتے تھے ان کے کپڑے کھانے کا خرچ رسول اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا جب تک آپ مکہ میں رہے۔ حضرت علی کی کمائی کا کوئی سلسلہ نہیں تھا نہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کوئی کام ایسا شروع کررکھا تھا جمیں دو پیسے کی بھی آپ کو آمدنی ہوتی آپ کا سارا خرچ حضور انور اٹھاتے تھے اور آپ کا صرف یہی کام تھا کہ آپ کیا تو گھر میں رہیں یا اگر رسول اللہ کی مرضی ہو تو آپ کے ہمرکاب کہیں چلے جائیں باقی نہ آپ نے کسی کی ملازمت کی نہ آپ نے کوئی مزدوری کی نہ اور کوئی ذریعہ آپ کے پاس روپیہ وصول کرنے کا تھا اب رہے ابوطالب وہ بیچارے پہلے ہی مفلس ہوگئے تھے اور انکی

معاش کی تنگی یہانتک پہنچ گئی تھی کہ کھانے کپڑے سے بھی وہ اپنے بچوں کی پرورش نہیں کر سکتے تھے چہ جائیکہ وہ حضرت علی کو جیب خرچ کی صورت میں کچھ نقد روپیہ دیتے ہوں اور وہ حضرت علی نے جمع کر لیا ہو اسکے بعد جب ہجرت ہوئی ہے اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یثرب تشریف لے آئے ہیں تو وہ موقعہ اسقدر پریشانی اور بے سروسامانی کا تھا کہ اسمیں حضرت علی کے ہاتھ اتنی رقم کا لگ جانا ناممکن نہیں تو محال ضرور تھا اور نہ کسی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد ایک سال کے عرصے میں حضرت علی نے کسی کی ملازمت کرکے یا مزدوری کرکے یا کسی اور ذریعہ سے کچھ روپیہ کما لیا ہو کیونکہ ہجرت کے دوسرے سال جیسا کہ شیعی علمار کا بیان ہے حضرت علی کا نکاح ہو گیا ہاں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ آپکے پاس کسی کی دی ہوئی کوئی ٹوٹی پھوٹی زرہ ہو اور وہ آپ نے مہر میں دیدی ہو زرہ کا ہونا بھی ایک طرح سے تعجب انگیز ہے اسلئے کہ حضرت علی ابھی تک میدان جنگ میں نہیں آئے تھے اور نہ لڑائی کا اتفاق ہوا تھا نہ آپ نے اپنی چھوٹی عمر میں کبھی میدان جنگ کی صورت دیکھی تھی پھر یہ زرہ آپ کے پاس آئی کہاں سے ممکن ہے کہ آپ کے والد نے یا آپکے کسی چچا نے یہ زرہ آپ کو دے دی ہو بہر حال کچھ ہو خواہ آپ نے مہر میں زرہ دی ہو یا کوئی چادر نقد رقم کے متعلق تو مطلقاً وہم بھی نہیں ہو سکتا نہ اسلام میں اسکی ضرورت ہے کہ مہر میں کوئی چیز ہی دیجائے بلکہ بعض اوقات جب کسی کے پاس دینے کو کچھ نہ ہوا تو صرف دولھن کو قرآن مجید کی چند آیتیں یاد کرا دینا مہر قرار دیدیا گیا۔

اسکے بعد شیعی علمار نے خیالات کی ڈوری ایسی ڈھیلی چھوڑی ہے اور خیال کی تگ و دو اس بلا کی کی ہے کہ تعجب ہوتا ہے آخر اس معمولی نکاح میں اسقدر خیال آفرینیوں کی کیا ضرورت تھی اور کیوں بلا وجہ اور بلا سبب ایک صحیح واقعہ پر پردہ ڈالنے کے

لئے یا اُسے غلط بیانیوں کا لباس پہنانے کے لئے دماغ پر اسقدر شاقہ محنت کا بوجھ ڈالا گیا اور ایسی ایسی کہانیاں ایجاد کی گئیں جنہیں سنکے ایک بچہ بھی ہنس دے مثلاً کہتے ہیں کہ جب وقت علی کا نکاح ہوا ہے تو چالیس ہزار فرشتوں کی شہادت نکاح نامہ پر ثبت ہوئی اور طوبیٰ کے درخت نے یاقوت کا ہار حضرت بی بی فاطمہ کو پیش کیا۔

انسان کے نکاح میں خواہ مخواہ بلاوجہ اور بلا سبب فرشتوں کو کیوں گھسیٹا گیا اور کیوں اتنی بڑی تعداد کی شہادت لی گئی چالیس ہزار فرشتوں نے آیا زمین پر آکے اس نکاح نامہ پر اپنی شہادتیں لکھیں یا جبرئیل امین وہ نامہ لیکے آسمان پر چلے گئے اور چالیس ہزار فرشتوں کی شہادت کنوالائے اس روایت میں بھی وہی ضعف اور کمزوری پائی جاتی ہے جس سے حضرت علی کی والاشان ذات پر در پردہ ایک حملہ ہو یعنی اگر اسے تسلیم کر لیا جائے کہ بیشک ایسا ہوا کہ چالیس ہزار فرشتوں نے نکاح نامے پر دستخط کئے تو از خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول خدا کو حضرت علی کی اسقدر بے اعتباری تھی کہ آپ نے انسانوں کو چھوڑ کے اپنے صحابہ کو چھوڑ کے اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کے فرشتوں سے نکاح نامے پر دستخط کرائے تاکہ داماد قابو میں رہے اور جو شرطیں اس سے ہوئی ہیں اس سے انحراف نہ کرے نکاح نامے کی سب سے بڑی شرط یہ تھی کہ جب تک **خاتونِ محشر حضرت بی بی فاطمہ زندہ رہیں علی کوئی دوسرا نکاح نہ کرنے پائیں** مذکورۂ بالا روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شرط نامے کو قوی اور مضبوط کرنے کے لئے فرشتوں سے دستخط کرائے گئے اس خوف کے مارے کہ اگر آدمیوں ہی کی شہادت لی گئی اور ان سے ہی صرف دستخط کرائے گئے تو ممکن ہے علی اس سے انحراف کر جائیں اسکے بعد طوبیٰ کا یاقوتی ہار پیش کرنا اور بھی معنی خیز ہے ہار پیش کرنا چاہیے تھا جبرئیل کو۔ میکائیل کو۔ اسرافیل کو یا اور مقرب فرشتوں

یا اگر یہی قرار پا گیا تھا کہ بیجان چیز یعنی درخت وغیرہ یا سپٹ کریں تو سب سے زیادہ حقدار خداوند قدوس کا عرش. کرسی. اور لوح قلم تھے جو طوبے کے درخت سے بدرجہا افضل اور مرتبے میں زیادہ تھے پھر اس بار کا زمین پر آجانا تو قرین قیاس اور ممکن ہے کیونکہ جبرئیل برابر پھیروں پہ پھیرے کرتے رہتے تھے اور حضرت علی کے معاملات میں انہیں آنکھ اٹھانے کی فرصت نہیں ہوتی تھی آسمان سے زمین تک ان کی پرواز کا تانتا بندھا ہوا تھا ممکن ہے کہ یاقوتی ہار وہ ساتھ لیتے آئے ہوں مگر سوال یہ ہے کہ اس مفلسی کی حالت میں جبکہ سوائے زرہ کے حضرت علی کے پاس اور کچھ نہ تھا اور آپ کی زندگی نکاح ہونے کے بعد اس تنگی سے گزرتی تھی جیساکہ بیان کیا گیا ہے کہ چکی پیستے پیستے حضرت خاتون محشر کے مبارک ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے. تو یاقوت کا وہ ہار کیوں اور کس لئے بیکار رکھا رہا اور کیوں نہیں اسے فروخت کر کے کم سے کم اپنی حالت درست کی گئی.

خوش اعتقادوں نے تو آنکھیں بند کر کے ایسی روایتیں گھڑ لیں مگر انہیں یہ خیال نہ رہا کہ اصلی واقعات اخیر میں جا کے ان سب کی تردید کر دیں گے اور کوئی شخص خواہ معمولی سے معمولی عقل کا کیوں نہ ہو ہرگز ان کہانیوں کو تسلیم نہیں کرنے کا بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ یہ کہانیاں نہ صرف حضرت علی کی ذات پر برا اثر ڈالتی ہیں بلکہ اسلام کو بھی ان سے بڑا نقصان پہنچتا ہے جو شخص ان کہانیوں کو پڑھے گا اسلام اس کی تعلیم اور اسکے ماننے والوں کی وقعت اسکی نظر میں کیا خاک ہوگی.

اب اور سنئے بقول شیعی علماء وکیلی صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے جب اپنی صاحبزادی فاطمہ سے فرمایا فاطمہ اللہ تعالے نے جب ارادہ کیا کہ تمہیں علی کی ملکیت میں دے یا بالفاظ دیگر تمہاری شادی علی سے کر دے تو جبرئیل نے خدا کے حکم سے

چوتھے آسمان پر کھڑے ہوکے فرشتوں کی صف بندیاں کیں پھر خطبہ پڑھا پھر جنت کے درخت کو حکم دیا کہ تو زیورات اور عمدہ حلّوں سے بارآور ہو چنانچہ وہ فورًا بارآور ہو گیا پھر اسنے خدا کے حکم سے وہ زیورات اور حلّے فرشتوں کو تقسیم کر دئے جسے زیادہ زیور اور حلّے ملے وہ پھولا نہ سمایا اور وہ قیامت تک اسپر فخر کرتا رہیگا۔ فقط

دیلمی کی یہ[1] روایت ہے جسے شیعی علماء نقل کرتے ہیں خدا معلوم اس بچارے کی ہے یا نہیں اب خیال کرنے کی جگہ ہے کہ نکاح کے وقت یہاں تو یہ بے سر و سامانی کہ ایک پیسہ مہر میں دینے کے لئے حضرت علی کے پاس نہ ہوا اور صرف زرہ پر مہر کا خاتمہ ہو جائے اور وہاں فرشتوں کے یہ گلچھرّے کہ زیور ان پر نثار ہو رہے ہیں اور پھر جنت کے شجر طوبے کی یہ خیرہ چشمی کہ بجائے دولہا دولھن کے دینے کے وہ فرشتوں کو کروڑہا روپے کے زیورات اور کپڑے دے رہا ہے ادھر جبرئیل کی یہ غلطی کہ نکاح تو ہو مدینے میں زمین پر اور وہ فرشتوں کا جلوس آراستہ کریں چوتھے آسمان پر جسکی خبر نہ دولھا کو ہو نہ دولھن کو نہ دونوں کے ساتھیوں کو اب فرمائے کہ جبرئیل امین کی اس تگ و دو اور محنت شاقہ کا نتیجہ کہ وہ چوتھے آسمان پر کھڑے ہوتے لاکھوں فرشتوں کی صفوں کو آراستہ کریں اور ان کے آگے نکاح کا خطبہ پڑھیں نکاح تو ہو اس بیچارے یعنی زمین پر اور خطبہ پڑھا جائے فرشتوں کے آگے اور دولھا دولھن کو اسکی مطلق اطلاع نہو

---

[1] عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفاطمة لما اراد اللہ ان املکك بعلی امر اللہ جبرئیل فقام السماء الرابعة وصف الملائکة صفوفا ثم خطب علیهم فزوجتك من علی ثم امر اللہ شجر الجنان فحملت الحلی والحلل ثم امرها فنثرت علی الملائکة فمن اخذ منهم شیئا اکثر مما اخذ غیره افتخر به الی یوم القیمة فقط

جب حضور انور فرمائیں تو اسوقت لوگوں کو اسکا علم ہو کہ نکاح کے وقت ایسا ہوا تھا یہ باتیں ایسی ہیں کہ نہ بوستانِ خیال کا مصنف ایسی خیال آفرینیاں کر سکا اور نہ یونانی فسانہ نویسوں کے کبھی خواب و خیال میں بھی اس قسم کی کہانیاں آئیں جو جا بجا لکھدیا مگر یہ نہ دیکھا کہ اسے کوئی بھی ایک لمحے کے لئے نہیں ماننے کا بلکہ مذاق اڑائیگا۔ اسی طرح ایک اور روایت شیعی علماء نے ابوبکر خوارزمی کی زبان سے بیان کی ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ ہنستے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے آپ کا رخ انور چاند کے ہالہ کی طرح نورانی تھا عبدالرحمن بن عوف نے کھڑے ہوکے عرض کیا یا رسول اللہ آج چہرہ اقدس پر کیسا نور ہے آپ نے فرمایا مجھے میرے پروردگار سے میرے بھائی اور ابن عم اور میری بیٹی فاطمہ کی نسبت بشارت آئی ہے تحقیق اللہ تعالےٰ نے علی کے ساتھ فاطمہ کا نکاح کیا ہے اور رضوان خازنِ جنت کو حکم کیا ہے کہ تو طوبیٰ کے درخت کو ہلا چنانچہ اسنے ہلایا وہ باردرہو گیا یعنی اسکا ہر ایک پتا برات نجات کا کاغذ بن گیا پھر طوبےٰ کے درخت کے نیچے نور کے فرشتے پیدا ہوگئے اور ہر ایک فرشتے کو وہ برات کا کاغذ دیا جب قیامت تمام لوگوں کے ساتھ قائم ہوگی میرے اہل بیت کا کوئی محب باقی نہیں رہے گا کہ اسپر وہ برات کا کاغذ نہ گرے اسمیں دوزخ کی آگ سے رہائی کا پروانہ لکھا ہوا ہوگا پس میرا بھائی اور ابن عم اور میری بیٹی مردوں اور عورتوں کے لئے

---

۵ عن بلال بن حمامة قال طلع علینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ذات یوم متبسما ضاحکا ووجهه مشرق کدارة القمر فقام الیه عبد الرحمن بن عوف فقال یا رسول اللہ ما هذا النور قال بشارة اتتنی من ربی فی اخی وابن عمی وابنتی فان اللہ زوج علیا من فاطمة وامر رضوان خازن الجنان فهز شجرة الطوبی فحملت رقاقا یعنی صکاکا بعدد محبی اهل بیتی وانشا تحتها ملائکة من نور ودفع الی کل ملک صکا فاذا استوت القیمة باهلها

دوزخ کی آگ سے رہائی کا سبب ہوئے فقط۔

یہ ایک بالکل نئی بات ہے کہ حضرت علی کے نکاح کو اُمت کی نجات کا سبب قرار دیا جائے برات کا کاغذ دیا گیا نورانی فرشتوں کو مگر ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ اے فرشتوں یہ کاغذ تمہارے لئے نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے کہ جو دنیا میں پیدا ہوکے اور مرکے جب قیامت کے دن ہمارے سامنے آئیں گے تو برات کے یہ کل کاغذ تم انہیں دیدینا اور جب تک قیامت نہ ہو تم ان کاغذوں کو اپنے پاس بحفاظت رکھنا کاش ان کل کاغذوں کا گٹھا جبرئیل امین کو دیدیا جاتا اور انہیں کو اسکا ذمہ دار قرار دیا جاتا کہ تم یہ کل کاغذات قیامت کے دن اہل بیت کے محبوں کو دیدینا تو زیادہ مناسب تھا نہ نورانی فرشتوں کے یک لخت پیدا کرنے کی ضرورت تھی نہ انہیں ان کاغذوں کی امانت کا متحمل بنایا جاتا وہ بیچارے ابھی تو پیدا ہوئے انہیں ابھی کاغذ دیدئے گئے اور اسی وقت انہیں نجات کا پروانہ سونپا گیا مگر وہ پروانہ ان کے ساتھ بھی مخصوص نہ رہا اور وہ اہلِ بیت کے محبوں کے لئے خاص کر دیا گیا یہ سخت بوالعجبی ہے۔

اس قسم کی کہانیاں کثرت سے شیعی علماء نے جمع کی ہیں جو ان کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں ہم نے نمونے کے طور پر چند کہانیاں نقل کر دیں ہم نہیں چاہتے کہ بے فائدہ کل کہانیوں کو نقل کرکے ناظرِ کتاب کا وقت بیکار صرف کریں جو دو تین کتابیں حال میں حضرت علی کے واقعات زندگی میں لکھی گئی ہیں بدقسمتی سے سب میں قریب قریب اسی قسم کی کہانیاں موجود ہیں اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج تک نہ عربی میں نہ اردو زبان میں حضرت علی کے صحیح واقعاتِ زندگی ترتیب دئے گئے اسی وجہ سے خواہ شیعہ ہوں

(بقیہ صفحہ ۲۴۹) بالخلائق فلا یبقی محب لاھل بیتی الا وقعت الیہ صکاً فیہ فکاکہ من النار فصار اخی وابن عمی وابنتی فکاک رجال ونساء من امتی من النار فقط

یاسنی انہیں حضرت علی کے صحیح واقعات زندگی پر مطلق اطلاع نہیں ہے اور وہ اناپ شناپ انہیں کہانیوں کو صحیح تسلیم کئے بیٹھے ہوئے ہیں اپنے وعظوں میں اور اپنی تحریروں میں وہ ان کہانیوں کو بیان کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں جھجکتے انہیں حق کی حس بالکل نہیں رہی وہ اپنا بہت بڑا کمال سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی کہانیاں لوگوں کے آگے بیان کر دیں اور یہ یقین کر لیں کہ بس ہماری نجات ہو گئی سننے والے بدنصیب جہالت کی وجہ سے ممکن ہے کہ ان کہانیوں کو صحیح تسلیم کر لیں مگر وہ زمانہ قریب آتا جاتا ہے۔ کہ یہ کہانیاں حرف غلط کی طرح بالکل مٹ جائیں گی اور شاید چند ہی خوش اعتقاد ایسے رہ جائیں جو بھی طور پر ان کہانیوں پر سر ہلایا کریں باقی کوئی شخص بھی خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو کبھی ان کہانیوں کو تفنن طبع کے لئے بھی دیکھنا گوارا نہیں کرنے کا۔ انشاء اللہ۔

حضرت علی کا پہلا میدان جنگ

سب سے پہلی مہم اسلام میں مہم عشیرہ یا عسیرہ سے مشہور ہے مگر ابو اسحاق تابعی کے بیان کے مطابق رسول اللہ نے پہلے مقام ابوا۔ پر مہم بھیجی یہ وہ مقام ہے جو مدینے اور مکے کے بیچ میں ہے مگر بہ نسبت مکے کے مدینے سے بہت پاس ہے اسکے بعد آپ نے مقام بواطہ پر مہم روانہ کی (بواطہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینے سے تین میل کے فاصلے پر ہے) پھر مشرکین عرب کے خلاف مقام عشیرہ یا عسیرہ پر مہم بھیجی گئی۔ مگر ان تینوں مہموں میں لڑائی نہیں ہوئی چوتھی مہم بدر صغری کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں حضرت علی کا شریک ہونا بیان کیا جاتا ہے مگر لڑائی اس میں بھی نہیں ہوئی اب رہی بدر کبری جس میں حضرت علی شریک ہوئے تھے تو ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا

چاہیے کہ آپ نے اس جنگ میں کیا کارنمایاں کئے ملاحظہ فرمایئے۔ شیعوں کے سب سے بڑے مجتہد سب سے بڑے امام سب سے بڑے قبلہ وکعبہ یعنی بقول ان کے قدوۃ المحدثین زین المتالہین عمدۃ المجتہدین شیخ الاسلام والمسلمین العالم الربانی آخوند ملا محمد باقر المجلسی الاصفہانی۔ کی تحقیق اور انتقاد اور واقعات کہ انہوں نے حضرت علی کے اس جنگ میں شریک ہونے کے متعلق کس طرح سے تحقیق کی ہے اور کیا گوہر افشانی فرمائی ہے آپ اپنی کتاب حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۲۶۳ سے جنگ بدر کے حالات مسلسل کئی صفحے تک اس طرح قلمبند فرماتے ہیں علی بن ابراہیم شیخ طبرسی۔ ابو حمزہ ثمالی۔ اور ابن شہر آشوب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ۳۱۳ آدمیوں کو ساتھ لیکے قریشوں کے قافلے کے جو شام سے آرہا تھا سدراہ ہوئے جھنڈا مہاجرین کا حضرت علی کے ہاتھ میں دیا گیا اور انصار کا جھنڈا سعد بن عبادہ کو سپرد ہوا (حالانکہ یہ بالکل غلط ہے بدر صغرا میں جہاں لڑائی نہیں ہوئی تھی شاید ایسا ہوا تھا۔) ابو سفیان جو سالار قافلہ تھا جوں ہی اسے یہ خبر لگی اسنے فوراً مقام نقرہ میں پہنچ کے ضمضم بن عمرو خزاعی کو دس درہم اجرت کے دے کے مکے کی طرف روانہ کیا کہ تو قریشوں سے جاکے کہدے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے سدراہ ہوئے ہیں تم فوراً مکے سے ہماری مدد کے لئے بڑھو چنانچہ قریشوں کا لشکر مکے سے روانہ ہوگیا اسکی خبر جب آنحضرت کو ہوئی تو آپ نے سب صحابہ کو جمع کرکے ابوبکر سے دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملے میں کیا رائے ہے آیا قریشوں سے جنگ کی جائے یا نہیں ابوبکر نے جواب دیا کہ وہ ہم سے قوت میں زیادہ ہیں تعداد میں زیادہ ہیں ان کے پاس ہتھیار بہت ہیں ہم ان سے لڑکے کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں رسول اللہ کو ابوبکر کا یہ کہنا ناگوار گزرا اور آپ نے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ پھر فاروق سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے بھی وہی بیان کیا جو ابوبکر نے

بیان کیا تھا انہیں بھی رسول اللہ نے بٹھا دیا پھر مقداد صحابی سے پوچھا وہ اٹھے اور انھوں
نے بیان کیا کہ ہم حضور کے قدموں پر خون بہانے کے لئے تیار ہیں پھر سعد بن معاذ
انصاری سے دریافت کیا گیا انھوں نے بھی یہی کہا کہ ہم جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں
ان سے بھی رسول اللہ بہت خوش ہوئے آخر دونوں لشکر مقابل ہوئے اور جنگ کی
ٹھیر گئی سب سے پہلے عتبہ اسکا بھائی شیبہ اور اسکا بیٹا ولید میدان جنگ میں نکلے
یہ تینوں زرہ پہنے ہوئے تھے اور خود فولادی ان کے سروں پر رکھا ہوا تھا انھوں نے
میدان میں آتے ہی غل مچایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو ہمارے مقابلے
میں بھیجو جو حسب نسب میں ہم سے برابر ہیں چنانچہ انصاریں سے تین آدمی عوذ۔ معوذ اور عوف
عفرا کے یہ تینوں بیٹے ان کے مقابلے کے لئے نکلے قریشوں نے کہا تم کون ہو اپنا
حسب نسب بیان کرو انھوں نے کہا ہم تینوں عفرا کے بیٹے ہیں اور انصاریں سے
ہیں قریشوں نے کہا تم جاؤ ہم تم سے نہیں لڑنے کے تم ہمارے نہ رشتے دار ہو
اور نہ خاندانی لوگ ہو ہم تو اپنے رشتے داروں اور خاندانی آدمیوں کو چاہتے ہیں
ادہر رسول اللہ کی بھی یہ مرضی نہ تھی کہ میدان جنگ میں سب سے پہلے انصار تلوار چلائیں
آپ نے ایک آدمی بھیجکر انہیں واپس بلا لیا اسکے بعد رسول اللہ نے عبیدہ بن الحرث
کی طرف دیکھا جو آپ کے چچازاد بھائی تھے اور جنکی عمر ۷۰ برس کی تھی وہ فوراً تلوار
لیکے اٹھ کھڑے ہوئے پھر آپ نے اپنے چچا حمزہ کی طرف دیکھا اور فرمایا اٹھو وہ
بھی تلوار لیکے اٹھ کھڑے ہوئے پھر آپ نے علی کی طرف دیکھا اور کہا کہ یا علی اٹھو
حضرت علی بھی اٹھ بیٹھے تینوں تلواریں پکڑ کے حضور انور کے آگے کھڑے ہوئے
آنحضرت نے حکم دیا کہ عبیدہ تم عتبہ سے جنگ کرنا چنانچہ یہ تینوں صاحب میدان میں
آئے عتبہ نے انہیں دیکھ کے کہا تم کون ہو اپنا نسب بیان کرو تاکہ میں تمہیں پہچان

جاؤں انہوں نے اپنا نسب بیان کیا نسب بیان کرنے کے بعد عبیدہ نے عتبہ پر حملہ
کیا اور ایک ایسی تلوار اسکے سر پہ ماری کہ سر دو ٹکڑے ہو گیا مگر عتبہ نے گرتے گرتے
ایک ہاتھ ایسا مارا کہ اسکے دونوں پاؤں اڑا دیئے اور یہ دونوں جنگجو زمین پر گر
پڑے حمزہ اور شیبہ کی لڑائی خوب معرکے کی ہوئی اتنے لڑے اتنے لڑے کہ دونوں
کی تلواریں کند ہو گئیں ادہر علی نے اپنے مقابل ولید کے دائیں کندہے پر تلوار ماری
جو اسکی بغل کے نیچے سے نکل گئی علی کہتے ہیں کہ جوقت ولید کا داہنا ہاتھ گرا ہے
اسنے اپنے بائیں ہاتھ میں اپنا دہنا ہاتھ اٹھا کے اس زور سے میرے سر پہ مارا مجھے
یہ گمان ہوا کہ آسمان میرے سر پر گر پڑا ولید کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی جب
اسکے ہاتھ کی حرکت سے سونے کی انگوٹھی چمکی تو اسنے تمام جنگل کو روشن کر دیا اور اس
نے ایسا نعرہ مارا کہ دونوں لشکر یعنی اسلامی اور قریشی لرزنے اور کانپنے لگے پھر وہ
اپنے باپ کے پاس بھاگا علی اسکے پیچھے لپکے اور بھاگتے ہوئے کی ران میں ایک
ایسی ضرب لگائی کہ وہ گر پڑا پھر علی میدان جنگ میں اپنی تعریف کرنے لگے اسی اثناء
میں حمزہ اور شیبہ برابر لڑے جا رہے تھے مسلمانوں نے غل مچایا علی فدا اس کتے کی
بھی خبر لو جو تمہارے چچا کو لپٹ گیا ہے اور بھنبوڑے کھاتا ہے علی یہ سنتے ہی اس کی
طرف متوجہ ہوئے حمزہ اور شیبہ دونوں چپکے ہوئے کھڑے تھے چونکہ حمزہ بلندقامت
تھے لہذا علی نے کہا کہ چچا حمزہ اپنا سر نیچا کر لو چنانچہ حمزہ نے اپنا سر شیبہ کے سینہ پر لگا
دیا حمزہ کے سر کے نیچے ہوتے ہی علی نے ایک ضرب ماری جس سے شیبہ کا نصف سر
اُڑ گیا پھر علی عتبہ کے پاس آئے ابھی اس کمبخت میں کچھ جان باقی تھی آپ نے اُس
نیم مردے کو بھی پورا مردہ کر دیا اور سسکنے کی حالت میں اوسکو مارا
پھر علی نے اور حمزہ نے عبیدہ کو اٹھایا اور میدان جنگ سے رسول اللہ کے پاس آئے

وغیرہ وغیرہ فقط۔

بس یہ کہانی ہے حضرت علی کے جنگ بدر میں شریک ہونے کی اور یہاں دسی دکھانے کی جو کچھ شیعوں کے قبلہ وکعبہ محمد باقر مجلسی نے لکھا ہے اگر ہم اس کہانی کو اول سے آخر تک صحیح تسلیم کرلیں تو صرف ہمیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی مثل عام سپاہیوں کے تنہا ایک ایک شخص سے اچھی طرح لڑ سکتے تھے اور مختلف جنگوں میں زیادہ تر ان سے یہی کام لیا گیا اب آپ ملا باقر مجلسی کی اس تحقیق اور بے مثال روایتوں کو ملاحظہ فرمائیں جس سے حضرت علی کی کم وقعتی اور ابوبکر صدیق اور فاروقِ اعظم کی برتری صاف طور پر ثابت ہوتی ہے۔

ہمنے ملا محمد باقر مجلسی کی طول طویل عبارتوں کا فقط خلاصہ کر دیا ہے اور صفحوں کا حوالہ دیدیا ہے جسکا جی چاہے ان کی کتاب میں دیکھ لے سب سے پہلے انہوں نے یہ بات تحریر کی ہے کہ جب رسول اللہ جنگ کے لئے تیار ہوئے تو انھوں نے صحابہ کو جمع کیا اور صحابہ میں سے سب سے اول اور سب سے مقدم ابوبکر سے مشورہ لیا کہیں قریش سے لڑوں یا نہ لڑوں اسکے بعد عمر فاروق سے مشورہ لیا اگرچہ بقول ملا محمد باقر مجلسی رسول اللہ نے اپنے ان دونوں اصحاب کی رائے سے اتفاق نہیں کیا مگر مجلسی صاحب کی تحریر کے مطابق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ رسول اللہ کی نظروں میں سب سے زیادہ وقعت ابوبکر وعمر کی تھی کیونکہ سوائے ان کے رسول اللہ نے اس مجلس شورہ میں پہلے اور کسی سے خطاب نہیں کیا یہ اور بات ہے کہ اتفاق رائے ہوا ہو یا نہیں مگر اسمیں اب کلام نہیں رہا کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں ابوبکر وعمر سب صحابہ سے زیادہ افضل تھے پھر آپ نے مقداد سے مشورہ لیا پھر سعد بن عبادہ سے مگر اس مشورے میں علی کو شریک نہیں کیا۔ جیسا کہ

مجلسی صاحب نے اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ لطف تو اسی کا ہے کہ ملا باقر مجلسی نے یا ان کے دوست ابن شہر آشوب وغیرہ یا طبرسی نے یہ کہانی اس نظر سے بنائی تھی کہ ابو بکر و عمر کی توہین کی جائے مگر وہاں معاملہ ہی دوسرا پیدا ہو گیا اور اس کہانی کی بنا پر کھلم کھلا شیخین کی فضیلت روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی پھر میدان جنگ میں ایک ایسے شخص کا قتل کرنا جس میں رمق برابر جان باقی ہو یہ بقول ملا باقر مجلسی حضرت علی جیسے بہادر کا کام تھا رمق کا لفظ ملا صاحب نے خود اپنی کتاب حیات القلوب میں لکھا ہے ایسا سپاہی جسے کچھ بھی بہادری کا حصہ ملا ہو اسکی تلوار کبھی بھی اس مغلوب پر نہیں اٹھنے کی جو کمبخت میدان جنگ میں پڑا ہوا سسک رہا ہو اور جسکے مرنے میں صرف چند لمحے ہی باقی ہوں۔ پھر ملا صاحب کی یہ کہانی کہ علی کے مد مقابل نے جب نعرہ مارا تو دونوں لشکر کانپنے لگے اور جوقت اسکے ہاتھ کو حرکت ہوئی تو اسکی چھنگلیا کی انگوٹھی ایسی چمکی کہ اسنے تمام صحرا کو روشن کر دیا یہ کہانی اپنے غلط ہونے کی خود شہادت دے رہی ہے لڑائی دن کو ہوئی تھی نہ کہ آدھی رات کو آفتاب کی روشنی میں کوئی چیز بھی ایسی چمکدار نہیں ہو سکتی کہ وہ مہر جہانتاب کی روشنی پر فوقیت لے جائے نہ اس انگوٹھی کی روشنی سے میدان جنگ کو یا حضرت علی کی شجاعت کو کوئی تعلق ہو سکتا ہے پھر خبر نہیں کہ یہ کہانی شیعی علماء اور مجتہدین نے کیوں گھڑ لی۔ بلا قیل و قال ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی شل اور عربوں کے بہت بہادر جری اور شمشیر باز تھے اور تنہا تنہا ان سے دشمن نے مقابلہ کیا تو اکثر اوقات آپ ہی غالب رہتے تھے۔ آپ شمشیر بازی کے فن میں اچھی مہارت رکھتے تھے اور آپ میں تنہا لڑنے کی پوری قابلیت تھی جس طرح رسول اللہ کے اور صحابہ کو شجاعت اور جگری کا حصہ ملا تھا مگر کثیر التعداد فوج تو ایک طرف رہی آپ میں قلیل التعداد فوج کے کمان کرنے کی بھی

قابلیت نہ تھی اور اسی وجہ سے بعض جنگوں میں جو آپ کے زمانہ خلافت میں ہوئیں آپ کو کامیابی نہیں ہوئی جیسا کہ نہج البلاغۃ وغیرہ سے پایا جاتا ہے کہ آپ اپنی سپاہ کو ایک دن بھی اپنے قابو میں نہ رکھ سکے۔ اسکا مفصل ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔

اب ہم اس جنگ بدر کا مفصل حال بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے اور ناظر کتاب اس بات کو اچھی طرح سمجھے کہ حضرت علی نے کوئی نمایاں کام اس جنگ میں نہیں کیا سوائے اسکے کہ میدان جنگ میں اپنے مقابل کو تیز دستی سے قتل کر دیا اور بس۔ یاد رکھو اس طرح ایک آدھ کے مارے جانے سے کبھی شکست و فتح کا فیصلہ نہیں ہوا کرتا اور نہ شکست و فتح کا دار و مدار کسی ایک یا چند اشخاص کے قتل پر ہے۔ جنگ میں نمایاں کام فوجوں کی نقل و حرکت مورچوں کا بنانا۔ دشمن کے عقب کو کاٹنا اور مختلف سمتوں سے دشمن کا اس طرح گھیرا ڈالنا کہ وہ نکل نہ سکے ہوا کرتا ہے غرض اسیطرح اور بھی بہت سے کام ہیں جنہیں کارنمایاں کہہ سکتے ہیں نہ کہ ایک آدھ مقابل کو قتل کرنا کارنمایاں میں داخل ہو سکتا ہے۔

بہرحال اب آپ قرآن۔ حدیث اور تاریخ سے جنگ بدر کبریٰ کے حالات ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ ملا باقر مجلسی۔ ابن شہر آشوب اور طبرسی وغیرہ نے اصل واقعات کیا ہیں اور انہیں کس رنگ میں دکھایا ہے اور ان واقعات پر جو واقعہ بدر کی جان ہیں کس طرح پردہ ڈالا ہے سب سے اول آپ ملاحظہ فرمائیں خداوند تعالےٰ واقعہ بدر کا ذکر اس طرح فرماتا ہے۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون ○ اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثۃ الاف من الملئکۃ منزلین ○ بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملئکۃ مسومین ○ وماجعلہ اللہ

الا بشریٰ لکم ولتطمئن قلوبکم بہ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم لیقطع طرفا من الذین کفروا او یکبتھم فینقلبوا خائبین ○ فقط

یعنی اور بے شک یقیناً (جنگ) بدر میں باوجودیکہ تم (بہت ہی) بے حقیقت تھے۔ (پھر بھی) اللہ نے تم (ہی) کو فتح دی پس (لڑائی کے باب میں) اللہ (کے حکم کی مخالفت) سے ڈرو شاید (اس کے ضمن میں) تم شکر گزاری کرو (اور اے محمد یہ فتح اسوقت دی تھی) جب تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے (اے مسلمانو؟ کیا تمہیں (یہ) کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے (آسمان سے) اتار کے تمہاری مدد پہنچاتے۔ ہاں اگر (اپنے نبی کے ساتھ لڑائی میں) ثابت قدم رہو اور (اسکی مخالفت سے) بچو اور کفار اپنے اسی جوش میں پھر چڑھ آئیں تو تمہارا پروردگار پانچہزار فرشتوں سے جو نشان کردہ (گھوڑوں پر سوار) ہونگے تمہاری مدد پہنچاتے گا۔ اور اللہ نے یہ (امداد) صرف تمہاری خوشی کے لئے کی اور اس لئے (بھی) کہ تمہارا دل اس سے مطمئن ہو ورنہ (اصل میں) فتح (تو فرشتوں کے نازل ہونے سے نہیں بلکہ) اللہ ہی کیطرف سے ہے (جو بڑا) زبردست اور حکمت والا ہے (اور مدد پہنچانے سے یہ غرض تھی) تاکہ کافروں میں سے کچھ لوگوں کو ہلاک کرے یا انہیں (شکست دے کے) ذلیل کرے تو (وہ شکست خوردہ) اپنے گھروں کو) نامراد واپس پھریں فقط

اسکے علاوہ اور بھی ایک آدھ جگہ قرآن مجید میں جنگ بدر کا ذکر ہے جس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود قلت تعداد اور کمزوری کے جب قریش مکہ مدینہ پر چڑھ کے آئے تو خداوند تعالےٰ نے انہیں مغلوب وذلیل وخوار کرکے بھگا دیا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ خداوند قدوس کے ملائکہ برابر مدد دے رہے تھے۔ اسقدر طوفان باد وباران آیا کہ قریشوں کے ڈیرے خیمے سب اکھڑ گئے۔ گھوڑے اور اونٹ تتر بتر

ہو گئے اور وہ ایسے بے اوسان ہو کے بھاگے کہ انہیں اپنی سدہ بدہ ہی نہ رہی۔ خدا کے فرشتے بادوباران کی صورت میں ان پر ٹوٹ پڑے اور چشم زدن میں ان کے کیمپ کو بیخ و بن سے اکھیڑ کے پھینک دیا۔

بس قرآن مجید میں تو جنگ بدر کا یہ ذکر ہے نہ اسمیں حضرت علی کی شجاعت کا بیان ہے اور نہ کسی قریش کی انگوٹھی کے نگینہ کی چمک کا کچھ بھی نہیں۔ خداوند تعالے فرماتا ہے کیسے فرشتے اور کس کے فرشتے فتح تو میں دیتا ہوں جب یہ بات ہے تو پھر یہ کیونکر کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی جنگ بدر میں باعث فتح ہوتے۔

علی کی شجاعت سے کوئی انکار نہیں کرتا مگر دیگر عرب شجاعوں کی شجاعت کو بھی چھپایا نہیں جا سکتا۔ ایسے ایسے بہادر عرب ہوتے ہیں اور انہوں نے ایسے ایسے کام کئے ہیں کہ باید وشاید۔ ہر مسلمان بشرطیکہ وہ مسلمان ہو مثل علی کے بہادر ہو سکتا ہے یاد رکھو جو شخص خداوند قدوس سے محبت کرے گا وہ کبھی کسی سے نہیں ڈرنے کا۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اب ہم جنگ بدر کے حالات صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں تاکہ پوری کیفیت معلوم ہو جائے اور ہر شخص کی دمعہ حضرت علی کے کارکردگی کا پورا اوزن کرلیا جاتے۔ چنانچہ صحیح بخاری اردو مطبوعہ کرزن پریس صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸ وغیرہ (آگے تک جلد ۲ پارہ سولھواں۔

(۱۰۲۲) طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں میں نے ابن مسعود سے سنا وہ فرماتے تھے میں مقداد بن اسود کے ایک درجہ سے واقف ہوں بجز اب مجھے وہ مرتبہ دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے (اور وہ یہ ہے) مقداد بن اسود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ لوگوں کو مشرکوں سے لڑنے کی رغبت دے رہے تھے (اسوقت) مقداد نے کہا جس طرح موسے کی قوم نے اپنے نبی سے کہدیا تھا تو جا اور تیرا رب تم (دونوں)

دجاکر قوم عمالقہ سے) لڑو ہم نہیں کہیں گے بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آپ کے سامنے اور پیچھے سے لڑیں گے (ابن مسعود کہتے ہیں) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کا چہرہ مبارک روشن ہوگیا اور مقداد کی اس بات نے آپ کو خوش کر دیا۔

(۱۰۲۳) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ میں تجھ سے تیرے عہد وعدہ کو پورا کرانا چاہتا ہوں اگر تو ہی چاہے کہ (آج کے بعد) تیری کوئی عبادت نہ کرے (کفار کو فتح دے) حضرت ابو بکر نے آپ کا دست مبارک پکڑ کر عرض کیا بس کیجیے۔ بعدازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے نکلے عنقریب کافروں کی جماعت کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیریں گے۔

(۱۰۲۵) براء روایت کرتے ہیں میں اور ابن عمر جنگ بدر میں خورد سال خیال کئے گئے (یعنی لڑائی میں شریک نہیں کئے گئے) اور جنگ بدر میں کچھ اوپر ساٹھ آدمی مہاجر اور کچھ اوپر دو سو چالیس آدمی انصار تھے۔

(۱۰۲۶) براء کہتے ہیں مجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں نے ان لوگوں کا بیان کیا جو جنگ بدر میں حاضر تھے کہ وہ گنتی میں طالوت کے اُن یاروں کے برابر تھے جو نہر سے پار ہو گئے تھے اور وہ کچھ اوپر تین سو دس آدمی تھے۔ براء نے کہا اللہ کی قسم طالوت کے ساتھ سوائے مومن کے کوئی نہر سے پار نہیں اترا۔

(۱۰۲۹) ابن مسعود فرماتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف منہ کر کے قریش کی جماعت پر بد دعا کی یعنی شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور ابی جہل بن ہشام پر (ابن مسعود فرماتے ہیں) خدا شاہد ہے میں نے ان سب کو بدر کے دن کشتوں میں) پڑا ہوا دیکھا سورج نے انہیں متغیر کر دیا تھا اور وہ دن بہت گرم تھا (یعنی سڑ گئے تھے نعوذ باللہ)

(۱۰۳۰) عبداللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ وہ بدر کے دن ابوجہل کے پاس آئے جب وہ سسک رہا تھا (اُس وقت بجواب عبداللہ) ابوجہل نے کہا کیا کوئی عجیب بات ہے کہ ایک مرد کو اسی کی قوم کے لوگوں نے مارا ہو (یعنی بھائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا ہوں کچھ عار کی بات نہیں۔

(۱۰۳۱) انس سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو دیکھے ابوجہل کا کیا حال ہوا۔ ابن مسعود نکلے تو دیکھا کہ ابوجہل کو عفراء کے دونوں بیٹوں نے مارا ہے اور وہ قریب مرگ ہے عبداللہ بن مسعود نے اسکی ڈاڑہی پکڑ کر کہا تو ہی ابوجہل ہے اس نے کہا (ہاں) کیا یہ اُس سے زیادہ ہے کہ ایک مرد کو اُسکی قوم نے قتل کیا ہے (یعنی میں ایک آدمی ہوں برادری کے لوگوں سے قتل ہوا ہوں کچھ فخر کی بات نہیں ہے) یا یہ کہا کہ تم نے اُسے قتل کیا ہو۔

(۱۰۳۲) حضرت عروہ (زبیر کے بیٹے) بیان کرتے ہیں زبیر کے جسم میں تلوار کی چوٹ کے تین نشان تھے ان میں سے ایک اُن کے کندھے پر تھا۔ عروہ نے کہا میں ان میں اپنی انگلیاں ڈالا کرتا تھا (ان میں سے) دو چوٹیں جنگ بدر میں لگی تہیں اور ایک جنگ یرموک میں۔ عروہ کہتے ہیں جب (میرے بھائی) عبداللہ بن زبیر شہید کئے گئے (اور ان کا مال جس میں زبیر کی تلوار بھی تھی حجاج نے لے لیا) اُسوقت مجھ سے عبدالملک بن مروان نے کہا اے عروہ تو زبیر کی تلوار پہچانتا ہے میں نے کہا ہاں۔ عبدالملک نے کہا اس کی نشانی بتاؤ میں نے کہا اس میں دندانے ہیں جو بدر کے دن کثرت جنگ سے پڑ گئے تھے عبدالملک نے کہا تو سچا ہے اور یہ مصرعہ پڑہا) بھن فلول من قراع الکتائب + یعنی وہ تلواریں لشکروں کے مارنے سے کہنڈی ہوگئی ہیں۔ پہر عبدالملک نے وہ تلوار عروہ کو دیدی ہشام (عروہ کا بیٹا) کہتا ہے ہم نے (بوقت تقسیم ترکہ عروہ) اس تلوار کے تین ہزار (درہم یا دینار) قیمت

لگائے اور اُسے بعض ورثہ (یعنی عثمان بن عروہ) نے اپنے حصہ میں لے لیا اور میرا دل چاہتا تھا اُسے میں لوں۔

(۲۶۴ ۱۰) حضرت قتادہ کہتے ہیں ہم سے انس بن مالک نے ابی طلحہ سے روایت بیان کی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن چوبیس سرداران قریش (مقتولین) کے لئے واسطے ڈالنے ایک سڑے ہوئے گندے کنوئیں ناپاک کرنے والے جملہ اشیاء کے حکم دیا اور آپ کی عادت بھی جب آپ کسی قوم پر فتح پاتے تھے تو اُس میدان میں تین رات قیام کیا کرتے تھے جب فتح بدر کا تیسرا دن ہوا۔ تو آپ نے اپنی سواری کے جانے کا ارشاد فرمایا اصحاب آپ کے ہمراہ چلے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی حاجت کے واسطے نکلے ہیں یہانتک کہ آپ ایک کنوئیں کے کنارے پر ٹھیرے اور کفار مقتولین کو نام بنام مع ان کے باپوں کے پکارنے لگے اے فلاں بیٹے فلاں کے اور اے فلاں بیٹے فلاں کے کیا تمہیں بھی اب اللہ اور رسول کی اطاعت خوش لگتی ہے (یہ بطور ہنسی فرمایا) ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے سچا پالیا کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا ابو طلحہ کہتے ہیں حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کلام کرتے ہو ایسے جسموں سے جن میں روح نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ میری بات تم ان مردوں سے زیادہ سننے والے نہیں ہو قتادہ (بطور درست کرنے سماع موتٰی) کہتے ہیں اللہ نے اپنے نبی کا قول ان کو زندہ کرکے واسطے جھڑکنے اور رسوائی اور حسرت اور ندامت کے سنایا۔

(۲۶۵ ۱۰) حضرت ابو اُسید سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا جب کفار تم پر چڑھ کر آویں۔ تم بھی انہیں تیر مارنا اور قریب ہو کر تیر مارنا تاکہ تمہارا تیر زمین پر گر کر ضائع نہ ہو۔

(۱۰۵۴) حضرت ابو اسحاق کہتے ہیں میں نے براء ابن عازب سے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن عبد اللہ بن جبیر کو تیراندازوں پر افسر بنایا (اس دن) ہم میں سے ستر آدمیوں کو صدمہ پہنچا (یعنی زخمی اور شہید ہوئے) اور ہمارے فریق نے بدر کے دن ایک سو چالیس کافروں کو مارا اور قید کیا یعنے ستر مارے اور ستر اسیر کئے۔ ابو سفیان نے کہا آج بدر کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی ہمیشہ دو طرفہ) ڈولوں کی طرح ہوتی ہے۔

(۱۰۵۶) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کہتے ہیں میں بدر کے دن لڑائی کی صف میں کھڑا تھا ناگاہ مڑ کر دیکھا میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے ہیں مجھے ان کے بیچ میں ہونے سے دشمن کا خوف ہوا۔ اُن میں سے ایک نے اپنی ہمراہی سے چھپا کر مجھ سے کہا اے چچا مجھے ابوجہل کو دکھا۔ میں نے اس سے کہا اے بھتیجے تجھے ابوجہل سے کیا کام ہے وہ بولا میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا ہے اگر میں ابوجہل کو دیکھوں گا (فوراً) یا تو اسے قتل کروں گا یا میں خود مر جاؤں گا پھر دوسرے نے بھی اسی طرح اپنے ہمراہی سے پوشیدہ مجھ سے پوچھا عبد الرحمٰن بن عوف کہتے ہیں اُس وقت مجھے وہ تمنا اچھی نہ لگی کہ ان کے بدلہ میں دو بڑے مردوں کے بیچ میں ہوتا۔ میں نے انہیں ابوجہل کو اشارہ سے بتا دیا۔ انھوں نے ابوجہل پر دو بازوں کی طرح حملہ کیا یہانتک کہ اسے مار دیا۔ وہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔

(۱۰۵۷) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس جاسوس بھیجے اور انپر عاصم بن ثابت انصاری کو جو عاصم بن عمر بن الخطاب کے نانا تھے سردار بنایا یہاں تک کہ جب وہ ہدہ میں جو عسفان و مکہ کے بیچ میں ہے پہنچے۔ ہذیل کے ایک قبیلہ میں جنہیں بنی لحیان کہتے تھے اُن کا ذکر کیا گیا انہوں نے ان کے پیچھے تقریباً سو تیرانداز روانہ کئے (وہ برابر سراغ لگاتے ہوئے) ان کے قدموں کے نشانوں پر چلے چنانچہ جب مقام پر وہ ٹھیرتے تھے وہاں　ان کے کھانے کی جگہ پر کافروں نے کھجوریں پڑی ہوئی پائیں تو کہنے لگے کہ یہ مدینہ

کھجوریں ہیں پھران کے قدموں کے نشانوں پر چلے جبکہ عاصم اور اُسکے ہمراہیوں سنے ان کو تاڑ لیا تو ایک جگہ دبک گئے کافروں نے ان دسوں کو گھیر لیا اوران سے کہا تم اتر آؤ اور جو تمہارے ہاتھوں میں ہے دیدو اور تمہارے واسطے عہد و پیمان ہے ہم تم میں سے کسیکو نہیں ماریں گے عاصم بن ثابت نے کہا اے قوم میں تو کافر کے ذمہ پر ہرگز نہیں اترونگا۔ پھر کہا اے اللہ ہمارے حال سے نبی کو خبر دیدے۔ انھوں نے عاصم کو اور اسکے چھ ہمراہیوں کو تیر مار کے شہید کیا۔ اور تین آدمی اُن کے عہد و پیمان پر اُن کے پاس آگئے ان ہی میں سے خبیب تھا اور زید بن دثنہ اور ایک اور شخص۔ جب کافر انپر قادر ہوگئے تو ان تینوں کے کمانوں کے چلے کھولکر ان کی مشکیں باندہ لیں تیسرا شخص بولا یہ کافروں کی پہلی بے وفائی ہے بخدا میں تمہارے ساتھ نہیں رہونگا مجھے ان مردوں کے ساتھ رہنے دو۔ انھوں نے اسے کھینچا اور بہت کوشش کی لیکن اس نے ساتھ جانے سے انکار کیا آخر اُسے بھی مار ڈالا خبیب اور زید بن دثنہ بکتے گئے یہاں تک کہ بعد واقعہ بدر کے انہیں بیچ ڈالا حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خبیب کو خریدلیا اور خبیب نے بدر کے دن حارث بن عامر کو مارا تھا۔ خبیب ان کے ہاں قید رہا یہاں تک کہ انھوں نے اُسکے قتل کا ارادہ کیا خبیب نے حارث کی بیٹی سے زیر ناف بال صاف کرنے کو استرا مانگا۔ اُس لڑکی نے دیدیا اتفاقاً اُس عورت کا ایک ننھا سا بچہ خبیب کے پاس چلا گیا اور وہ بے خبر تھی جب اُسنے خبیب کو دیکھا لڑکے کو اپنے زانو پر بٹھائے ہوئے ہے اور اُسکے ہاتھ میں استرا ہے وہ لڑکی کہتی ہے کہ اس حالت سے میں ایسی گھبرائی کہ خبیب تاڑ گیا اور کہنے لگا کیا تجھے یہ خوف ہے کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گا ایسا کام کرنا مجھے لایق نہیں ہے وہ کہتی ہے بخدا میں نے خبیب سے اچھا کوئی قیدی نہیں دیکھا اور بطریق تعجب قسمیہ کہتی ہے میں نے ایک دن اُسے انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا جو اسکے ہاتھ میں تھا حالانکہ وہ لوہے سے بندھا ہوا تھا۔

اور اسوقت مکہ میں میوہ (بالکل) نہ تھا۔ اور کہتے تھے وہ اللہ کی دی ہوئی روزی تھی جو اللہ عزوجل نے خُبَیب کو دی تھی جب لوگ خبیب کو مارنے کے واسطے حرم سے نکال کر حل میں لے گئے خبیب نے ان سے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ میں دو رکعتیں پڑھ لوں انھوں نے چھوڑ دیا خبیب نے دو رکعتیں پڑھکر کہا بخدا اگر تم میرا اس فعل کو قتل سے دیر کرنے کا حیلہ اور بہانہ نہ سمجھتے تو میں اور زیادہ پڑھتا۔ پھر خبیب نے (بد دعا کی اور) کہا اے اللہ انہیں خوب گن لے اور انہیں جدا جدا ماریو اور کسیکو ان میں سے باقی نہ رکھیو۔ پھر یہ شعر پڑھے فلست ابالی حین اقتل مسلما + علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی + وذلک فی ذات الالہ وان یشاء + یبارک علی اوصال شلو ممزع + یعنے جب میں مسلمان شہید کیا جاتا ہوں مجھے کچھ پروا نہیں جس کروٹ پر اللہ کی راہ میں پچھاڑا جاؤں (اور کیوں نہ ہو) یہ قتل تو خدا کی راہ میں ہے وہ اگر چاہے تو ہر ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے اعضاء کے جوڑوں پر ثواب دے سکتا ہے پھر ابو سروعہ عقبہ بن حارث نے اسے شہید کر دیا۔ خبیب نے ہر مسلمان پر جو ظلماً مارا جاوے نماز پڑھنے کا طریقہ جاری کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسی روز جبکہ یہ لوگ مصیبت میں گرفتار ہوئے اپنے یاروں سے کہدیا تھا۔

(۱۰۶۴) حضرت زبیر کہتے ہیں میں بدر کے دن عبیدہ بن سعید بن العاص سے ملا اور وہ ہتیاروں کو اس طرح لگائے ہوئے تھا کہ اسکا جسم بجز آنکھوں کے نہ دکھائی دیتا تھا۔ اُسے ابو ذات الکرش کہتے تھے۔ اُس نے کہا میں ابو ذات کرش (یعنی والا) ہوں میں نے اُسپر نیزہ سے حملہ کیا۔ اور اسکی آنکھ میں میں نے وہ نیزہ مارا اور وہ مر گیا۔ ہشام کہتا ہے مجھے خبر دی گئی زبیر نے کہا میں نے اپنا پاؤں اسکے اوپر رکھکر اپنے ہاتھ کو انگڑائی لینے والے کی طرح اس نیزہ کے نکالنے کے واسطے دراز کیا اور مجھے اُسکے نکالنے کیواسطے بہت ہی کوشش ہوئی پھر بھی اسکی دونوں طرفیں ٹیڑہی ہو گئی تہیں عروہ کہتے ہیں رسول

خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نیزہ زبیر سے مانگا انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو زبیر نے لے لیا پھر زبیر سے وہ نیزہ ابوبکر صدیق نے مانگا تو انہیں دیدیا پھر جب حضرت ابوبکر نے انتقال فرمایا وہ نیزہ حضرت عمر نے مانگا زبیر نے انہیں دیا جب حضرت عمر نے اس جہان سے رحلت فرمائی زبیر نے وہ نیزہ لے لیا پھر اسے حضرت عثمان نے مانگا تو وہ نیزہ انہیں دیا۔ جب حضرت عثمان شہید کئے گئے تو وہ نیزہ حضرت علی کی اولاد کے پاس رہا پھر اسے عبداللہ بن زبیر نے لیا وہ انہیں کے پاس ان کے شہید ہونے تک رہا۔

جنکا بدری کے لفظ سے اس کتاب میں نام لیا ہے ان کی تعداد اس باب میں ہے (اور یہ حروف معجم کے اعتبار سے مذکور ہیں) رسول اللہ محمد بن عبداللہ ہاشمی۔ ایاس بن بکیر۔ بلال بن رباح ابوبکر قرشی کے غلام۔ حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی۔ حاطب بن ابی بلتعہ حلیف قریش۔ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ قرشی۔ حارثہ بن ربیع انصاری جو بدر کے دن شہید ہوئے۔ اور حارثہ بن سراقہ جو نگہبانی پر مامور تھے۔ خبیب بن عدی انصاری خنیس بن حذافۃ السہمی رفاعہ بن رافع انصاری۔ رفاعہ بن عبدالمنذر ابولبابہ انصاری زبیر بن العوام قرشی۔ زید بن سہل ابوطلحہ انصاری سعد بن مالک زہری۔ سعد بن خولہ قرشی۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل قرشی۔ سہل بن حنیف انصاری ظہیر بن رافع انصاری۔ اور اسکا بھائی عبداللہ بن عثمان ابوبکر صدیق قرشی عبداللہ بن مسعود ہذلی عبدالرحمن بن عوف زہری۔ عبیدہ بن حارث قرشی عبادہ بن صامت انصاری عمر بن الخطاب العدوی۔ عثمان بن عفان قرشی انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی (جو حضرت عثمان کی زوجہ تھیں) کی تیمارداری کے لئے چھوڑ آئے تھے بدر میں موجود نہ تھے اور انہیں حصہ دیا گیا۔ علی بن ابیطالب ہاشمی۔ عمرو بن عوف حلیف بنی عامر بن لوی۔ عقبہ بن عمرو بن انصاری۔ عامر بن ربیعہ عنزی۔ عاصم بن ثابت انصاری۔ عویم بن

(حاشیہ: ابوزید انصاری — عثمان بن مظعون)

ساعدی انصاری - عتبان بن مالک انصاری - قدامہ بن مظعون - قتادہ بن نعمان انصاری معاذ بن عمرو بن الجموح - معوذ بن عفرا - اور اسکا بھائی (معاذ بن عفرا) مالک بن ربیعہ ابو اسید انصاری - عمارہ بن ربیع انصاری - معن بن عدی انصاری - مسطح بن اثاثہ بن عباد بن عبد المطلب بن عبد مناف - مقداد بن عمر کندی - حلیف بنی زہرہ - ہلال بن امیہ انصاری - رضی اللہ عنہم

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ صحیح بخاری میں جنگ بدر کے متعلق کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس سے حضرت علی کی کوئی ایسی کارگزاری پائی جاتی ہو جو دوسروں سے نہ ہو سکی ہو۔ جس طرح اور لڑے آپ بھی لڑے اور مثل دیگر صحابہ کے اچھے لڑے اور خوب لڑے۔

اگر آپ اس امر کی اور مزید تحقیق چاہیں کہ بدر میں علی نے کیا کارنمایاں کئے اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ابو بکر صدیق اور علی کی کیا وجاہت تھی تو آپ اسی امر سے اندازہ کرلیں کہ حضور انور عریش میں جو ایک بلند جگہ انصار نے حضور انور کے لئے بنا دی تھی - ابو بکر کو بحیثیت دوست صادق - یا بحیثیت مشیر خاص یا بحیثیت وزیر اعظم ہمراہ لیکے تشریف فرما ہوئے اور علی مثل عام سپاہیوں کے میدان جنگ میں لڑتے رہے اور بس۔

ملاحظہ ہو تاریخ ابن الاثیر الجزری جلد ۶۔

اسی ۲ہجری میں ماہ رمضان کی سترہویں یا انیسویں کو بروز جمعہ بدر الکبریٰ کی لڑائی ہوئی - اس لڑائی کا سبب یہ ہوا تھا کہ ادھر تو عمرو بن الحضرمی مارا گیا - اور ادھر ابو سفیان بن حرب شام سے آیا - جسکے ساتھ قریش کے بہت اونٹ تھے - اور ان پر کثرت سے مال لدا ہوا تھا - اور اسکے ساتھ تیس چالیس اور ایک روایت میں ہے کہ قریب ستر قریش کے آدمی تھے جن میں مخرمہ بن نوفل الزہری اور عمرو بن عاص بھی تھے۔

جب رسول اللہ صلعم نے سنا کہ وہ آ رہے ہیں - تو مسلمانوں کو ان کی طرف جانے کے واسطے متوجہ کیا اور فرمایا کہ یہ قریش کے اونٹ ہیں اور ان پر بہت مال و اسباب ہے۔

ان کی طرف جاؤ۔ شاید اللہ تعالےٰ یہ تم کو دلا دے۔ اسواسطے لوگ تیار ہوئے۔ کسی نے تو بہت جلدی کی اور کوئی کوئی سستی سے نکلا۔ کیونکہ ان لوگوں کو یہ خیال نہ تھا کہ رسول اللہ صلعم لڑائی لڑیں گے۔

ادھر ابوسفیان کو یہ خبر لگ گئی تھی۔ کہ نبی صلعم اسکی طرف نکلنے والے ہیں اوس نے اپنا بچاؤ کیا۔ اور ضمضم بن عمرو الغفاری کو کچھ دیا اور اسے مکہ بھیجا کہ وہاں سے قریش کو مدد کے لئے بلائے۔ اور انہیں جاکر یہ خبر دے۔ چنانچہ ضمضم ابوسفیان کے کہنے کے بموجب روانہ ہوگیا۔

عباس کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی لوگ جلدی جلدی تیار ہوئے۔ اور قریش کے اشراف میں سے بجز ابولہب کے اور کوئی نہیں رہا۔ جو وہیں نہ گیا ہو۔ ابولہب نے اپنے عوض عاص بن ہشام بن المغیرہ کو بھیجا تھا۔ اور امیہ بن خلف الجمحی نے بھی چاہا تھا کہ نہ جائے کیونکہ وہ بڑا موٹا اور بھاری اور بوڑھا تھا۔ یہ سنکر اُسکے پاس عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اور آگ کی بھری ہوئی انگیٹھی لایا۔ اور بخور کی چیزیں بھی لایا۔ اور کہا انگیٹھی میں خوشبو جلا کر جلا کر سونگھا کر کیونکہ تو عورت ہوگیا ہے۔ امیہ نے کہا خدا تجھے اور جو چیز تو لایا ہے دونوں کو غارت کرے اور پھر تیار ہوکر ان کے ساتھ ہوا۔ عتبہ بن ربیعہ نے بھی جانے سے جی چرایا تھا۔ اُس سے اسکے بھائی شیبہ نے کہا۔ اگر تو ہمارے ساتھ نہ چلا تو یہ امر ہمارے واسطے بڑی شرم کی بات ہوگی۔ اسلئے تو ہمارے ساتھ چل۔ پھر وہ بھی ساتھ چلا۔

جب یہ لوگ چلنے کے لئے سب مستعد ہوگئے تو انہیں یاد آیا کہ ان میں اور بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن الحارث میں رنج ہے اس سے انہیں اندیشہ ہوا۔ کہ کہیں وہ ہمارے گھروں پر ہمارے پیچھے نہ آویں۔ اسواسطے ابلیس ان کے پاس سراقہ بن جعشم المدلجی کی صورت بناکر آیا۔ جو کنانہ کے اشراف میں سے تھا۔ اور کہا کہ میں ان کا ذمہ دار ہوں

تم یہاں سے نکلکر جاؤ۔ ورنہ کرو۔

یہ سب ساڑہے نوسو آدمی تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہزار آدمی تھے اور انکے پاس گھوڑے سو تھے ستر تو بچکر نکل گئے تھے اور تیس مسلمانوں کو غنیمت میں ملے تھے اور مشرکین کے پاس سات سو اونٹ بھی تھے۔

اور رسول اللہ صلعم تین سو تیرہ یا چودہ اور ایک روایت میں ہے کہ تین سو دس سے کچھ اوپر اور بعض کے قول کے بموجب تین سو اٹھارہ آدمی لیکر ماہ رمضان کی تیسری تاریخ روانہ ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان میں آپ کے ساتھ ستتر اور ایک روایت میں ہے کہ تراسی مہاجرین اور انصار تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ان سب لوگوں کی تعداد جنکے لئے رسول اللہ صلعم نے حصہ لگائے تھے اتنی تھی کہ تراسی مہاجرین اور اوس کے اکسٹھ اور خزرج کے ایک سو ستر آدمی تھے۔ (یعنے سب ۳۲۴ تھے) ان میں دو کے سوا اور کوئی سوار نہ تھا۔ ایک تو مقداد بن عمرو الکندی تھا۔ اور اسکی نسبت کچھ اختلاف نہیں ہے۔ اور دوسرا بعض تو کہتے ہیں زبیر بن العوام تھا اور بعض کہتے ہیں مرثد بن ابی مرثد تھا۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ مقداد اکیلا ہی سوار تھا۔ اور ستر اونٹ بھی آپ کے ساتھ تھے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ دو دو تین تین چار چار آدمی تھے۔ اور باری باری سے سوار ہوتے تھے رسول اللہ صلعم کے اور علی اور زید بن حارثہ کے پاس ایک تھا۔ اور ایسے ہی ابوبکر اور عمر اور عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ ایک اونٹ تھا اور یہی حال اوروں کا بھی تھا مقداد کے گھوڑے کا نام سبحہ اور زبیر کے گھوڑے کا نام یعسوب تھا۔ اور آپ کا لوا مصعب بن عمیر بن عبدالدار کے ساتھ اور رایت علی بن ابیطالب کے ساتھ تھا۔ اور ساقہ یعنی چنداول پر قیس بن ابی صعصعۃ الانصاری تھا۔

پھر جب آپ صفرا مقام کے قریب پہونچے تو آپ نے بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغبا

جہنیوں کو ابوسفیان کے حالات دریافت کرنے کو بھیجا۔ پھر آپ وہاں سے چلدئے اور صفراوست چپ کی طرف چھوڑ دیا۔ اتنے میں بسبس بن عمرو آپ کے پاس لوٹ کر آیا۔ اور بیان کیا کہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا ہے۔ رسول اللہ صلعم کو یہ حال معلوم نہ تھا کہ قریش مکہ سے قافلہ کی حفاظت کے واسطے آئے ہیں۔ مگر آپ نے بدر کی طرف علی زبیر اور سعد کو بدر کے گرد و نواح کی خبر دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ انہیں وہاں قریش کے پانی کا اونٹ ملگیا اسکے ساتھ اسلم بنی الحجاج کا غلام اور ابویسار بنی العاص کا غلام تھا انہیں دونوں کو وہ رسول اللہ کے پاس پکڑ لائے۔ آپ اُسوقت نماز پڑھتے تھے۔ اور لوگوں نے ان غلاموں سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم قریش کے پانی والے ہیں۔ انہوں نے ہمیں پانی پینے کے لئے بھیجا تھا مسلمانوں نے ان کی بات کو جھوٹ سمجھا۔ اور انہیں مارا کہ ابوسفیان کا حال بتا دیں اسواسطے وہ کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں مسلمانوں نے تب مارنا چھوڑ دیا جب رسول اللہ صلعم نماز سے فارغ ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب انہوں نے سچ کہا تو تم نے انہیں مارا۔ اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے اُنہیں چھوڑ دیا۔ وہ سچ کہتے ہیں کہ ہم قریش کے آدمی ہیں۔

اور پھر ان سے پوچھا کہ قریش کہاں ہیں۔ کہا وہ عُدوۃ قصویٰ میں اس ریت کے ٹیلے کے پرے ہیں جو آپ کو دکھائی دیتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے ان سے پوچھا کہ وہ کتنے ہیں۔ کہا کہ بہت ہیں۔ کہا بھلا ان کی تعداد کتنی ہے۔ وہ بولے کہ ہمیں نہیں معلوم کہا وہ کتنے اونٹ ذبح کیا کرتے ہیں۔ کہا ایک روز نو اور ایک روز دس آپ نے فرمایا تو وہ لوگ نو سو سے ہزار تک ہیں۔

پھر ان سے آپ نے پوچھا کہ قریش کے اشراف میں سے ان میں کون کون ہے کہا عتبہ اور شیبہ ربیعہ کے بیٹے ولید ابوالبختری بن ہشام حکیم بن حزام۔ حارث بن عامر

طعیمۃ بن عدی نضر بن الحارث ۔ زمعہ بن الاسود ۔ ابوجہل ۔ امیہ بن خلف ۔ منبیہ و منبہ حجاج کے بیٹے سہیل بن عمرو ۔ اور عمرو بن عبدالدود ۔ پھر رسول اللہ نے اپنے اصحاب کی طرف توجہ کی ۔ اور فرمایا کہ یہ مکہ کی آمد ہے ۔ اور اوس نے اپنے جگر گوشوں کو نکال کر بھیجا ہے ۔

پھر رسول اللہ نے اصحاب سے مشورت کی کہ کیا کرنا چاہئے ۔ ابوبکر نے کچھ رائے دی اور اچھی رائے دی ۔ پھر ایسے ہی عمر نے بھی رائے دی اور اچھی رائے دی ۔ پھر مقداد بن عمرو اٹھا ۔ اور کہا یا رسول اللہ چلئے جہاں اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکم دیا ہے واللہ ہم ایسا نہیں کہتے جیسا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا ۔ اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ۔ (تو اور تیرا خدا دونو جاؤ اور ان سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا خدا دونوں چلیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ دشمن سے لڑینگے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو سچا نبی کر کے بھیجا ہے کہ اگر آپ ہم کو برک الغماد یعنی شہر حبشہ تک بھی لے جائیں گے ۔ تو ہم آپ کے ساتھ وہاں چلنے کو موجود ہیں ۔ اور جو لوگ راستہ میں روکیں گے ان سے ہم لڑ کر وہاں آپ کو لے جائیں گے ۔ رسول اللہ نے اسکے حق میں دعائے خیر فرمائی ۔

پھر فرمایا ۔ اے لوگو کچھ مشورہ دو ۔ یہ خطاب آپ کا انصار سے تھا کیونکہ وہ ہی دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کے قوت بازو تھے ۔ آپ کو یہ خیال تھا کہ انصار آپ کو مدد دینا اسوقت شاید اپنے اوپر لازم سمجھیں گے جب کہ کوئی چڑھ کر مدینہ پر آتے ۔ اور انپر یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ آپ کے ساتھ کسی دوسرے پر چڑھ کر جائیں ۔ یہ سنکر سعد بن معاذ نے کہا ۔ شاید آپکا خطاب ہماری طرف ہے ۔ آپ نے فرمایا ہاں ۔ سعد نے کہا ہم آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی ہے اور آپ کے ساتھ عہد کئے ہیں ۔ یا رسول اللہ جہاں آپکو حکم ہوا ہے وہاں چلئے اگر آپ ہم کو اس سمندر پر بھی لے جائیں گے اور آپ اسمیں قدم

رکھیں گے تو ہم آپ کے ساتھ اوسمیں بھی گھس پڑیں گے ہم اس سے جی نہیں چراتے کہ آپ کل ہم کو لیکر دشمن کے سامنے ہوں۔ اور ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور معرکہ جنگ میں ثابت قدم رہنے والے لوگ ہیں اللہ سے امید ہے کہ جو کچھ ہم کریں گے اُسے آپ کی آنکھیں دیکھکر ٹھنڈی ہونگی۔ اللہ کا نام لیکر آپ جہاں چلئے ہم ساتھ ہیں۔

پھر رسول اللہ صلعم آگے بڑھے اور فرمایا خوش ہو جاؤ۔ اللہ تعالےٰ نے ان دونوں طائفوں میں سے مجھے ایک پر قابو عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے اور اسکا مجھے یقین ہے کہ گویا میں ان کے مقتل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ بدر کی جانب نیچے کو اترے اور اُسکے قریب میں جاکر فروکش ہوئے۔

ابوسفیان رستہ چھوڑکر ساحل بحر پر چلا گیا۔ اور بدر کو دست چپ کی طرف چھوڑ گیا۔ اور وہاں سے تیزی کے ساتھ نکل کر بچ گیا۔ پھر جب ابوسفیان نے جان لیا کہ اوس نے اپنے اونٹ بچا لئے۔ تو قریش سے جو اسوقت جحفہ میں تھے کہلا بھیجا۔ کہ تمہارا قافلہ تو اللہ تعالےٰ نے بچا دیا اور تمہارا مال واسباب امن میں ہے۔ تم کو چاہئے کہ لوٹ جاؤ۔

مگر ابوجہل بن ہشام نے کہا کہ ہم بدر کو بغیر جائے نہ لوٹیں گے۔ بدر میں عرب کے اور میلوں کی طرح ایک میلہ ہوا کرتا ہے وہاں ہر سال لوگ اکھٹے ہوتے اور بازار لگتا تھا۔ ابوجہل نے کہا کہ ہم وہاں تین روز رہیں گے اور وہاں اونٹوں کو ذبح کریں گے اور کھانا کھائیں گے اور شراب پئیں گے۔ تاکہ عرب اسکا حال سنیں اور ہم سے ہمیشہ ڈرتے رہیں۔

اسپر اخنس بن شریق الثقفی نے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا کہا۔ اے بنی زہرہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے اموال اور تمہارے آدمیوں کو بچا دیا اب لوٹ چلو۔ چنانچہ وہ لوگ لوٹ گئے اور بدر کے معرکہ میں کوئی زہری اور عدوی نہیں گیا۔ باقی قریش کے تمام بطون اس میں شریک تھے۔

اس جگہ جب کہ قریش جحفہ میں تھے تو جہیم بن الصلت بن مخرمہ بن عبد المطلب بن عبد مناف نے ایک خواب دیکھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں نے دیکھا ایک شخص گھوڑے پر آرہا ہے اور اس کے پاس ایک اونٹ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عتبہ اور شیبہ و ابوجہل وغیرہ (مقتولین بدر) مارے گئے اور میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کی گردن زخمی کی اور اُسے لشکر میں چھوڑ دیا پھر اسکا خون تمام ڈیروں میں جا لگا۔ کوئی جگہ اسکی خون بغیر نہ رہی۔ ابوجہل نے یہ سنکر کہا۔ یہ تو بنی المطلب میں ایک اور نبی پیدا ہوا کل معلوم ہوگا کہ کون مقتول ہے۔

طالب بن ابیطالب جو انہیں لوگوں کے ساتھ تھا۔ اُس سے اور کسی اور ایک قریش کے آدمی سے کچھ سخت گفتگو ہوپڑی۔ قریش بولے کہ ہمیں معلوم ہے تم لوگ محمد ہی کا دم بھرتے ہو۔ یہ سنکر طالب ان لوگوں کے ساتھ مکہ کو لوٹ گیا جو وہاں سے لوٹ گئے تھے کہتے ہیں کہ وہ قریش کے ساتھ بددلی سے آیا تھا۔ اسکے بعد اوسکا کچھ پتہ نہ چلا۔ نہ تو وہ اسیروں میں آیا اور نہ مقتولوں میں اسکی لاش ملی اور نہ مکہ کو لوٹ کر گیا۔ اسی نے یہ اشعار کہے ہیں۔

یارب اما یغزون طالب　　فی مقنب من ھذہ المقانب

اے پروردگار اگر ان مسلمانوں کے مقنبوں میں سے طالب کسی مقنب پر چڑھائی کرے۔ مقنب تیس چالیس سوار کو کہتے ہیں۔

فلیکن المسلوب غیر السالب　　ولیکن المغلوب غیر الغالب

تو چاہیے کہ اسکے کپڑے چھینے جائیں اور وہ مغلوب ہو نہ وہ کسی کے کپڑے چھینے اور نہ غالب ہو (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا طرف دار تھا)

غرض قریش ہوتے ہوتے عدوۂ قصوٰے میں جو وادی میں ہے پہونچے۔ وہاں اللہ تعالےٰ نے ابر کو بھیجا۔ اس وادی کی زمین نہ تو ریتلی ہی ہے اور نہ اس میں خاک تھی نرم مٹی تھی۔ جب مینھ برسا تو رسول اللہ اور آپ کے اصحاب کی طرف کی زمین تو سخت ہوگئی

کہ جس سے چلنے پھرنے میں دقت نہ رہی لیکن قریش کی طرف اوسکی یہ حالت ہوگئی کہ جس سے چلنا دشوار ہو گیا۔

پھر رسول اللہ جلدی سے پانی کی طرف روانہ ہوئے اور جب بدر کا نہایت قریب کا چشمہ آیا تو وہاں قیام کیا۔ خباب بن المنذر بن الجموح نے کہا۔ یا رسول اللہ یہاں اترنے کے واسطے کیا اللہ تعالے نے حکم دیا ہے کہ جس سے نہ تو ہم آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ یا یہ آپ کی رائے ہے اور لڑائی کا موقع آپ نے تلاش کیا ہے اور دشمن کے مقابلہ کے واسطے اچھی جگہ جانی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ میری رائے ہے۔ اسے میں نے فنون جنگ کے موافق خیال کیا ہے خباب نے کہا تو یہ ٹھیرنے کی جگہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں سے آپ لوگوں کو لے چلئے۔ اور اسکے سوا اس چشمہ پر چلئے جو مخالفوں کے بالکل قریب ہو۔ وہاں ہم جاکر اتریں گے۔ پھر ہمارے کنوے کے سوا جتنے کنوے ہیں اون کا پانی غارت کرڈالیں گے۔ اور اپنے کنوے کے پاس ایک حوض بنائیں گے اور اسے پانی سے بھرلیں گے۔ اور ہم پانی پئیں گے اور دشمنوں کے لئے پانی نہ رہیگا پھر ہم ان سے لڑینگے۔ رسول اللہ صلعم نے یہی کیا۔

جب رسول اللہ فروکش ہوگئے۔ تو سعد بن معاذ آپ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ آپ کے واسطے ہم کھجور کی ڈالیوں کا عریش (سایبان) بنائے دیتے ہیں۔ اوس میں آپ قیام کریں۔ اور کچھ اونٹنیاں آپ کے پاس چھوڑے دیتے ہیں۔ اور پھر دشمن سے لڑنے کو جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالے نے ہم کو غلبہ دیا۔ اور ہماری دشمنوں پر فتح ہوئی۔ تب تو ہمارے دل کی جو مراد تھی وہ پوری ہوگئی۔ اور اگر کوئی دوسری صورت ہوئی۔ تو آپ ان اونٹوں پر سوار ہو جائیے اور جو لوگ کہ ہماری قوم کے باقی رہ گئے ہیں اون میں جا ملئے وہ لوگ بھی آپ کی وفاداری میں ہم سے کچھ کم نہیں ہیں یہانتک کہ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ

آپ کو لڑائی کا اتفاق ہوگا تو وہ بھی ضرور ہی ساتھ آتے۔ اللہ کی اگر مرضی ہوگی تو وہ آپ کی مدد کریں گے اور مناسب رائے دیں گے اور ساتھ ہوکر دشمنوں سے لڑیں گے۔ اس سے رسول اللہ نے اسپر بڑی آفریں وتحسین کی۔ پھر آپ کے لئے ایک عریش بنایا گیا اور آپ اوسیں ٹھیرے۔

قریش جب بدر میں آئے تھے تو بڑے غرور اور گھمنڈ کے انداز سے آئے تھے۔ جب رسول اللہ صلعم نے انہیں دیکھا تو فرمایا۔ اللہ یہ قریش ہیں اور بڑے غرور اور گھمنڈ سے آئے ہیں۔ کہ تجھ سے لڑیں اور تیرے رسول کو جھٹلادیں۔ اور اللہ تونے جو نصرت کا وعدہ کیا ہے اُسے تو پورا کر۔ اور ان کی صبح ہی پیٹھ توڑ دے۔

پھر آپ نے دیکھا۔ کہ عتبہ بن ربیعہ ایک سرخ اونٹ پر سوار ہے۔ تو فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص ان لوگوں میں اچھا ہے تو یہی سرخ اونٹ والا ہے۔ اگر وہ اس کی بات مانیں گے۔ تو رستہ پر لگ جاویں گے۔

جب قریش بدر کو آتے وقت خفاف بن ایما بن احضہ الغفاری کی طرف ہوکر گزرے تھے تو اس نے یا اسکے باپ ایمار نے اپنا بیٹا اونکے پاس ہدیہ کے طور پر کچھ اونٹ دیکر بھیجا تھا۔ اور ان سے کہا تھا کہ اگر فوج اور ہتیاروں کی ضرورت ہے تو ہم مدد کے لئے موجود ہیں۔ قریش نے کہا اگر ہم آدمیوں سے لڑنے کو جاتے ہیں تو ہم ان سے مقابلہ کے لئے کافی ہیں کوئی قوت کی ہم میں کمی نہیں ہے۔ اور اگر اللہ سے لڑنے جاتے ہیں جیسا کہ محمد کا خیال ہے تو اللہ کے مقابلہ میں کسی کی طاقت کافی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے آپ لوگوں کی مدد کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔

جب قریش بدر میں آکر اُترے۔ تو اُن کے لوگ جن میں حکیم حزام بھی تھا آگے بڑھے اور نبی صلعم کے حوض تک آگئے رسول اللہ نے فرمایا کہ اُن سے مت بولو۔ جو کوئی اس کا

پانی پیئے گا وہ آج ہی قتل ہو گا۔ بجز حکیم بن حزام کے۔ جو اپنے گھوڑے وجیہ نام پر سوار ہو کر نکل بھاگا تھا۔ اور اس کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اچھا مسلمان تھا۔ جس وقت وہ اپنی قسم پر زیادہ زور دیتا تھا تو کہا کرتا تھا۔ قسم ہے اُس خدا کی جس نے مجھے بدر کے روز بچایا تھا

جب قریش بدر میں آئے اور وہاں قیام کیا۔ اور انہیں اطمینان ہو گیا تو انہوں نے عمرو بن وہب الجمحی کو بھیجا۔ کہ مسلمانوں کی تعداد دریافت کرے۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ اور مسلمانوں کے گرد چکر لگایا۔ اور پھر اون کے پاس لوٹ کر آیا۔ اور بیان کیا کہ وہ تین سو سے کم وبیش ہیں۔ مگر میں نے دیکھا کہ ان کے اونٹوں پر موت لدی ہوئی ہے۔ اور یثرب کے پانی کے اونٹوں پر ایسی موت کا بار ہے کہ جس سے بچنا مشکل ہے۔ ان کے پاس بجز شمشیر براں کے اور کوئی چیز بچاؤ کی نظر نہیں آتی اون میں سے اگر کوئی شخص مار لیا جائے گا تو وہ بھی ضرور ایک کو تم میں سے مار کر ہی مرے گا۔ پھر اگر تم میں سے استنے آدمی مر گئے جن کی تعداد اون کے برابر ہو۔ تو زندگی کا کیا مزہ رہا۔ اس واسطے اون سے لڑائی کے باب میں آپ لوگ سوچیں اور دیکھیں کہ کیا کرنا چاہیئے۔

جب حکیم بن حزام نے یہ بات سنی تو لوگوں کو لیکر عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور کہا۔ ابوالولید تو قریش میں بڑا اور سید ہے۔ کوئی کام ایسا کر جس سے ہمیشہ تک تیری نیک نامی کی شہرت لوگوں میں رہے۔ اس نے کہا وہ کیا کام ہے۔ حکیم نے کہا کہ تو قریش کو لیکر لوٹ جا۔ اور اپنے حلیف عمرو بن الحضرمی کا خون اپنے ذمہ لے۔ عتبہ نے کہا بہت اچھا میں نے اسکا خون اپنے اوپر لیا اسکی دیت دوں گا۔ اور جو مال اوسکا گیا ہے وہ بھی دوں گا۔ تو ابن الحنظلہ یعنی ابوجہل کے پاس جا۔ میں جانتا ہوں کہ اسکے سوا اور کوئی نہیں ہے جو لوگوں کو بہکائے۔

اسپر عتبہ لوگوں کے سامنے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ محمدؐ سے اور اسکے اصحاب سے لڑکر

تم لوگ کیا فائدہ اٹھاؤ گے۔ واللہ اگر تم نے اون کو مار ڈالا۔ تو یہ ہوگا کہ جب تم میں کا ایک شخص دوسرے کو دیکھے گا تو کہے گا یہ وہ شخص ہے جس نے میرے بھتیجے یا بھانجے کو یا اور کسی میرے خاندان کے آدمی کو قتل کیا ہے۔

حکیم بن حزام کہتا ہے۔ کہ اسپر میں ابوجہل کے پاس گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اس نے اپنی زرہ اتاری ہے اور اسے درست کر رہا ہے۔ میں نے اُس سے وہ سب باتیں کہیں جو عتبہ نے مجھ سے کہی تہیں۔ ابوجہل بولا۔ کہ جب محمدؐ اور اسکے اصحاب کو عتبہ نے دیکھا تو ڈر کے مارے اس کا کلیجہ پھول گیا ہے۔ واللہ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے کہ اللہ تعالے ہم میں اور محمدؐ میں فیصلہ کر دے۔ میں جانتا ہوں عتبہ نے جس واسطے یہ بات کہی ہے۔ اسکا بیٹا ابوحذیفہ مسلمانوں میں ہے اُسے اوسکا خوف ہے کہ کہیں تم اُسے نہ مار ڈالو۔

پھر ابوجہل نے عامر بن الحضرمی کو بلایا۔ اور کہا یہ تیرا حلیف چاہتا ہے کہ لوگوں کو لیکر مکہ کو لوٹ جائے۔ اور تو نے اپنی آنکھوں سے اپنا ثار دیکھ لیا ہے۔ تو اپنے حق کے اور اپنے بھائی کے قتل کی چلی پکار مچا۔ اسپر عامر اٹھا اور واعمراہ واعمراہ کی پکار مچائی جس سے آتش جنگ مشتعل ہوئی۔ اور لوگوں میں لڑائی کا جوش اُٹھ کھڑا ہوا۔

جب عتبہ نے سنا کہ ابوجہل کہتا ہے اُسکا کلیجہ پھول گیا ہے تو کہا اسکو مطلق جرأت وہمت نہیں ہے اُسے جلد معلوم ہو جائے گا کہ کسکا کلیجہ پھول گیا۔ میرا یا اُسکا۔ پھر اپنے سر کا خود تلاش کیا مگر سر اتنا بڑا تھا کہ اوسکے سر کے موافق کہیں خود نہ ملا۔ مجبوراً چادر کا عمامہ سر پر باندھ لیا۔ اور لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔

پھر اسود بن عبدالاسد المخزومی نکلا جسکی شکل بدنما تھی اور کہا کہ میں اللہ تعالے سے عہد کرتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کے حوض کا پانی پیوں گا۔ اور اسے توڑ ڈالوں گا۔ یا اسی کوشش میں مر جاؤں گا۔ جب حمزہ نے اسے آتے دیکھا تو یہ بھی اس کی طرف جھپٹے۔ اور اسکے

ایک تلوار ایسی ماری کہ نصف ساق کٹ گئی۔ اور وہ زمین پر گر پڑا۔ پھر بھی اس نے حوض کا رخ نہ چھوڑا۔ اور یکایک آکر اسمیں گھس گیا۔ کہ اپنی قسم پوری کرلے۔ حمزہ بھی اسکے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ اور جاکر اُسے حوض میں ہی قتل کیا۔

پھر عتبہ اور شیبہ ربیعہ کے بیٹے اور ولید بن عتبہ میدان میں آئے۔ اور لشکر اسلام سے مبارز طلب کیا۔ ادہر سے عوف اور معوذ عفرا کے بیٹے اور عبداللہ بن رواحہ میدان میں آئے۔ جو تینوں کے تینوں انصار میں سے تھے۔ قریشیوں نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا ہم انصار ہیں۔ قریشیوں نے کہا بیشک تم ہمارے اکفائے کرام سے ہو مگر ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ چاہیئے کہ کوئی شخص ہماری قوم میں سے ہمارا کفو نکلے۔ یہ سنکر نبی صلعم نے فرمایا حمزہ اٹھو۔ عبیدہ بن الحارث اُٹھو۔ علی اٹھو۔ اور میدان میں جاؤ۔ یہ لوگ اٹھے اور میدان میں گئے وہاں فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب جو امیر قوم تھا عتبہ کے مقابل ہوا۔ اور حمزہ شیبہ کے اور علی ولید کے مقابل ہوئے حمزہ نے تو شیبہ کو ذرا بھی مہلت نہ لینے دی۔ اور اسے قتل کردیا۔ اور ایسے ہی علی نے ولید کو ایک لحظہ میں مار ڈالا۔ عبیدہ اور عتبہ میں دو دو چوٹیں ہوئیں۔ اور ہر ایک نے اپنے مقابل پر پورا وار کیا۔ اس میں علی اور حمزہ عتبہ پر دوڑ پڑے۔ اور اسے قتل کر ڈالا۔ اور عبیدہ کو اپنی فوج میں اٹھا لائے۔ جسکا پیر کٹ گیا تھا جب یہ لوگ نبی صلعم کے پاس آئے تو عبیدہ نے رسول اللہ سے عرض کیا۔ کیا میں شہید نہیں ہوں۔ فرمایا۔ ہاں تو شہید ہے۔ پھر عبیدہ نے کہا۔ کہ اگر ابو طالب ہوتے تو وہ جان جاتے کہ اون کے اس قول کے مصداق ہونے کے ہم احق ہیں۔ ؎

ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

اور چھوڑ دیں گے ہم اوسے اور اپنے بچوں اور بیبیوں کو اسوقت جب کہ ہم اسکے گرد قتل ہوجائینگے

پھر عبیدہ مر گیا۔

پھر فریقین نے حملہ کیا۔ اور ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے اسوقت ابوجہل کہ رہا تھا کہ ای اللہ جو شخص ہم میں قرابت کو قطع کرتا ہے اور ایسی باتیں کہتا ہے جسے ہم نہیں جانتے اسے تو غارت کر ڈال۔ اس سے اس نے خود ہی اپنے اوپر ہلاکت کا رستہ کھولا۔

رسول اللہ صلعم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا۔ کہ جب تک میں نہ کہوں تم لوگ حملہ نہ کرنا اور کہدیا تھا۔ کہ اگر وہ لوگ تمہیں آکر گھیر لیں تو تم انہیں تیروں سے مارنا۔

اسوقت رسول اللہ صلعم عریش میں تھے۔ اور حضرت ابوبکر آپ کے ہمراہ تھے۔ اور آپ دعا مانگتے اور کہتے تھے۔ اے اللہ اگر یہ جماعت مسلمانوں کی ہلاک ہو گئی۔ تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ اے اللہ جو تو نے مجھسے وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ اس دعا میں آپ ایسے مشغول ہوئے۔ کہ آپ کی چادر مبارک نیچے اتر گئی۔ ابوبکر نے اسے اٹھا دیا۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ کا پروردگار سے اسی قدر دعا مانگنا کافی ہے۔ جو اس نے وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔

اسی میں رسول اللہ صلعم کو غنودگی آگئی۔ اور اس عریش میں آنکھ لگ گئی اور یکایک بیدار ہو گئے پھر فرمایا۔ کہ ابوبکر اللہ کی مدد آگئی یہ جبرئیل اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے آگے آگے جاتے ہیں۔ اور ان کے دانتوں پر گرد و غبار ہے۔ اور یہ آیت بھی اللہ تعالےٰ نے اسی موقع کی نسبت نازل فرمائی۔

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین وما جعلہ اللہ الا بشریٰ ولتطمئن بہ قلوبکم۔ وما النصر الا من عند اللہ۔

جب کہ تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے۔ تو اس نے تمہاری دعا سن لی۔ اور فرمایا کہ ہم لگاتار ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے۔ اور یہ فرشتوں کی امداد جو خدا نے کی تو صرف تمہارے خوش کرنے کو کی۔ اور تاکہ تمہارے دل اسکی وجہ سے مطمئن ہو جائیں۔ ورنہ فتح تو اللہ

ہی کی طرف سے ہے۔

پھر رسول اللہ صلعم عریش سے نکلے۔ اسوقت آپؐ فرماتے جاتے تھے۔ اب دشمنوں کو شکست ہوتی ہے۔ اور پیٹھ پھیر کر بھاگے جاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو لڑائی کے لئے برانگیختہ کرتے تھے۔ یہاں یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ آج جو شخص لڑے گا اور مارا جائے گا اور وہ صبر کر کے اللہ کے ہی واسطے لڑا ہو۔ اور آگے ہی بڑھتا گیا ہو۔ پیٹھ نہ پھیری ہو۔ تو اسے یقیناً اللہ تعالے جنت میں داخل کرے گا۔

جب رسول اللہ کے یہ کلمات عمیر بن الحمام الانصاری نے سنے جس کے ہاتھ میں خرمے تھے انہیں وہ کھا رہا تھا۔ تو اس نے کہا واہ واہ مجھ میں اور جنت میں اتنا ہی فرق ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں۔ تو میں دنیا میں رہ کر کیا کروں گا۔ یہ کہا اور خرمے پھینک مرنے کو چلا گیا اور لڑکر مارا گیا۔ خدا ان مسلمانوں کو جزائے خیر دے جو آخرت کے سامنے جان کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ مہجع جو حضرت عمر بن الخطاب کا مولیٰ تھا۔ اسکے آکر ایک تیر لگا اور سب سے اول اسلام میں یہی مارا گیا۔ پھر حارثہ بن سراقۃ الانصاری کے تیر لگا اور وہ بھی مارا گیا عوف بن عفرا جا کر میدان میں لڑا اور قتل ہوا۔ غرض کہ خوب شدت سے لڑائی ہونے لگی۔ پھر رسول اللہ صلعم نے ایک مٹھی بھر خاک لی اور قریش کی طرف پھینک کر فرمایا۔ ان کے مونہ کالے ہوگئے اور اصحاب سے کہا کہ انپر حملہ کرو۔ اسی میں دشمنوں کو شکست ہوگئی۔ اور مشرکین قتل اور اسیر ہوئے

جس وقت رسول اللہ عریش میں تھے اور سعد بن معاذ عریش کے دروازہ پر کچھ انصار کے ساتھ تلوار سے لئے کھڑا ہوا تھا۔ اور دشمن کے حملہ کے اندیشہ سے رسول اللہ صلعم کی حفاظت کر رہا تھا۔ تو رسول اللہ صلعم نے سعد بن معاذ کے چہرہ پر کچھ آزردگی کے آثار دیکھے۔ کیونکہ لوگ دشمنوں کو قید کر رہے تھے۔ رسول اللہ نے اوس سے کہا۔ مجھے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ سعد تو اسے برا سمجھتا ہے۔ سعد نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں اسے برا سمجھتا ہوں۔ یہ پہلی ہی لڑائی ہے جو مشرکین سے

ہوئی ہے۔ اس میں دشمنوں کے زندہ رکھنے سے اون کا قتل کرنا میرے نزدیک بہتر ہے۔

اول شخص جو ابوجہل کے سامنے پہونچا ہے۔ وہ معاذ بن عمرو بن الجموح تھا قریش اسوقت ابوجہل کو گھیرے کھڑے تھے اور کہتے تھے کہ ابوالحکم تک دشمن نہ آنے پائیں۔ معاذ کہتا ہے کہ میں نے ابوجہل کے قتل کا ارادہ کیا۔ پھر جب میرا موقع پڑا تو میں نے اسپر حملہ کیا۔ اور ایک تلوار ایسی ماری کہ اسکا پانو کاٹ ڈالا اور نصف ساق اڑ گئی۔ مگر اسی کے ساتھ اس کے بیٹے عکرمہ نے مجھپر تلوار کا وار کیا۔ اور میرے کندہے سے میرا ہاتھ کاٹ ڈالا کچھ کھال لگی رہی جس سے وہ میرے جسم سے لٹکتا رہا۔ اسیطرح میں سارے دن لڑتا رہا اور ہاتھ اپنے ساتھ کھینچے کھینچے پھرتا پھرا۔ جب اُس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی تو میں نے اُسے ایک پیر کے نیچے دبایا۔ اور انگڑائی لی جس سے وہ ٹوٹ کر گرگیا۔ پھر معاذ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہا تھا۔

پھر معوذ بن عفرا کا ابوجہل پر گزر ہوا۔ اس نے بھی اسکے ایک تلوار ماری اور ایسا کر دیا کہ اس میں پھر بجز ایک رمق کے اور کچھ باقی نہ رہا۔

پھر ابن مسعود اسکی طرف ہو کر نکلے۔ رسول اللہ صلعم نے حکم دیا تھا کہ اسے مقتولوں میں دیکھیں۔ ابن مسعود نے اسے دیکھا تو اسمیں کچھ رمق جان باقی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا پانوں اسکی گردن پر رکھا۔ اور کہا اے اللہ کے دشمن اللہ نے کیا تجھے تباہ کر ڈالا کہا مجھے کیا تباہ کیا میں ایک آدمی سے بڑھ کر ہوں۔ سو ایک کو تم نے قتل کیا۔ مجھے یہ بتا کہ غلبہ کسکو رہا۔ میں نے کہا اللہ اور اسکے رسول کو۔ پھر ابوجہل نے کہا کہ اے بکریوں کے چرواہے تو تو بڑی دشوار گزار جگہ پر چڑھ گیا۔ عبداللہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کہ میں تیرا قاتل ہوں۔ کہا یہ اول ہی مرتبہ نہیں ہے۔ کہ غلام نے اپنے آقا کو قتل کیا ہو۔ لیکن آج جس بات کا مجھے بڑا رنج ہے وہ یہ ہے کہ تو نے مجھے قتل کیا۔ اور کسی شخص نے مطیبین اور احلاف میں سے

مجھے نہ مارا۔ پھر عبداللہ بن مسعود نے اُس کے تلوار ماری۔ اور اُسکا سر اُن کے پیروں میں آگرا۔ اُسے وہ رسول اللہ صلعم کے پاس اٹھا لائے۔ آپ نے اُسے دیکھ کر سجدہ شکر ادا کیا۔

عبدالرحمن بن عوف نے کچھ زرہیں لوٹی تھیں۔ اسی میں انکا امیہ بن خلف اور اسکے بیٹے علی پر گزر ہوا۔ وہ بولے کہ ان زرہوں سے تو اگر ہمیں گرفتار کرے تو بہتر ہے۔ انہوں نے زرہیں پھینک دیں۔ اور باپ بیٹے دونوں کو پکڑ لیا۔ اور انہیں لے چلے۔

پھر امیہ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جسکے سینے پر شتر مرغ کے پر لگے ہوئے ہیں عبدالرحمن نے کہا یہ حمزہ بن عبدالمطلب ہے۔ امیہ نے کہا یہی شخص ہے کہ جس نے ہم پر یہ سب آفت ڈالی ہے۔ اسی میں بلال نے امیہ کو دیکھا جس نے انہیں مکہ میں بڑے عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ انہیں مکہ کی گرم چٹانوں پرلے جاتا۔ اور چت لٹاتا اور حکم دیتا تھا۔ تو بڑا پتھر ان کے سینہ پر رکھدیا جاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ جب تک تو محمدؐ کے دین کو نہ چھوڑے گا۔ تب تک میں تیرے ساتھ یہی سلوک کرتا رہونگا۔ بلال کہتے تھے اَحَدٌ اَحَدٌ (خدا ایک ہے خدا ایک ہے) جب بلال نے اسے دیکھا۔ تو کہا رئیس الکفار ہے۔ اگر وہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ پھر انہوں نے پکارا کہ یا انصار اللہ رئیس الکفار امیہ بن خلف اگر وہ بچگیا تو میں نہیں بچوں گا۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں نے اُسے گھیر لیا۔ اور امیہ اور اسکے بیٹے کو مار ڈالا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں بلال پر خدا رحمت کرے میری زرہیں بھی گئیں۔ اور ان کے سبب سے قیدی بھی میرے ہاتھ سے گئے۔

اور حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب بھی مارا گیا۔ اسے حضرت علی نے مارا تھا جب مشرکوں کو شکست ہو گئی۔ تو رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ ابوالبختری بن ہشام کو کوئی قتل نہ کرے۔ کیونکہ جب آپ مکہ میں تھے تو اُسوقت وہ آپ کے ساتھ نرمی سے پیش آتا تھا۔ اور نقض صحیفہ میں بھی اس نے بڑی کوشش کی تھی۔ مجذر بن زیاد البلوی سے اسکا سامنا ہو گیا۔ جو انصار کا حلیف تھا۔

ابو البختری کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا۔ مجذر نے ابو البختری سے کہا۔ کہ رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ تجھے قتل نہ کیا جائے ابو البختری نے کہا کیا میرے رفیق کے قتل کو بھی منع کیا ہے مجذر نے کہا نہیں اسکے قتل کو تو منع نہیں کیا۔ تو کہا میں اور وہ دونوں ساتھ ساتھ مریں گے۔ تا کہ قریش کی عورتیں نہ کہیں میں نے زندگی کے واسطے رفیق کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ مارا گیا اور رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر دی گئی۔

بعد ازاں قیدیوں میں عباس پکڑے آئے۔ ابو الیسر نے انہیں گرفتار کیا تھا اور مشکیں باندھکر لایا تھا۔ عباس بڑے موٹے جسیم آدمی تھے۔ لوگوں نے ابو الیسر سے پوچھا کہ تو نے انہیں کیونکر قید کیا۔ کہا ایک شخص نے میری مدد کی۔ اور میں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اس سے پیشتر میں نے اس شخص کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسکی شکل ایسی ایسی تھی۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ ایک بڑے فرشتہ نے اس میں تیری مدد کی تھی جب عباس کو قید میں رات ہو گئی۔ تو رسول اللہ صلعم کو نیند نہ آئی۔ اور ابتدائے شب میں برابر جاگتے رہے۔ رسول اللہ کے اصحاب نے کہا۔ کہ آج آپ کیوں نہیں سوتے۔ آپ نے فرمایا کہ عباس تو بندھے ہیں اور اس سے بیتاب ہو رہے ہیں۔ اس سے مجھے نیند نہیں آتی ہے۔ اسواسطے لوگ اٹھے اور انہیں جاکر کھولدیا تب رسول اللہ صلعم کو نیند آئی۔ اور آپ نے آرام فرمایا۔

پھر ملاحظہ ہو ابو الفدا۔ اپنی تاریخ صفحات ۲۰۳ سے ۲۰۴ میں واقعہ بدر کے متعلق حسب ذیل لکھتا ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ یہ وہ لڑائی ہے جسمیں خدا تعالےٰ نے ظاہر کیا ہے یہ سچا دین اسلام ہے حال اسکا یہ ہے کہ قافلہ ملک شام سے بہرہ ابو سفیان ابن حرب کے معہ جمعیت تیس مردوں کے قریش میں آیا تہا اسکے پاس رسول اللہ نے چند آدمیوں کو بھیجکر اپنے پاس بلایا۔ یہ خبر ابو سفیان نے پاکر مکہ میں جاکر قوم قریش سے اسطور سے بیان کی کہ رسول اللہ کا تم پر چڑھائی

کرنے کا ہے۔ یہ خبر سنکر وہاں کے باشندوں کی تنوں میں آگ لگ گئی۔ فوراً نو سو پچاس مرد کی جمعیت لیکر جنمیں سو آدمی سوار باقی پیادہ تھے مکہ سے خروج کیا اس لڑائی میں تمام اشراف قریش پیغمبر خداؐ پر چڑھ کر آئے تھے مگر ابولہب نہ آیا۔ اسکی جائے پر خاص بن ہشام تھا اور اس طرف پیغمبر خداؐ کے ہمراہ تین سو تیرہ مرد بدین تفصیل تھے ستر مہاجرین میں کے باقی انصار۔ اور سوار کوئی نہ تھا سوا دو مردوں کے ایک مقداد بن عمر کندی بلا شک و شبہ۔ اور دوسرے میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ وہ زبیر بن العوام ہے اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں کوئی اور تھو اور ستر اونٹ حضرت کے ہمراہ تھے۔ جب حضرت الصفرا میں پہنچے تو آپ کو خبر آئی کہ مشرکین عیو کے پاس آ پہنچے ہیں اور یہیں وہ وہ لوگ اپنی جمعیت کے ساتھ اتریں گے۔ اس لئے حضرت نے وہاں سے کوچ فرما کر بدر میں ایک چشمہ پر جو کہ ایک قبیلہ کا تھا مقام کیا حضرت سعد بن معاذ نے لکڑیوں کی ایک چھت واسطے اجلاس فرمانے پیغمبر خدا کے بنا دی اوسپر جناب سرور کائنات معہ ابوبکر صدیق رضہ کے بیٹھے۔ اور حضرت نے قوم قریش کو ملاحظہ فرما کر دست بدعا ہوکر جناب باری سے عرض کی کہ اے خدا یہ قوم قریش بہت فخر اور غرور سے تیرے رسول کو جھٹلانے کے واسطے سوار لیکر آئے ہیں۔ جو تو نے وعدہ کیا تھا اوسکے بموجب اب اپنے بندے کی مدد بھیج حضرت یہ دعا کر رہے تھے کہ قریش بہت نزدیک آگئے اور عتبہ بن ربیعہ۔ اور شیبہ بن ربیعہ۔ اور ولید بن عتبہ یہ تین شخص ہنگامہ آرائے مقابلہ ہوئے۔ پیغمبر خداؐ نے عبیدہ بن حارث بن مطلب کو اشارہ کیا کہ تم عتبہ سے مقابلہ کرو۔ اور اپنے چچا حمزہ کو ارشاد کیا کہ شیبہ سے لڑو۔ اور علی بن ابیطالب کو حکم ہوا کہ ولید بن عتبہ سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضہ نے شیبہ مذکور کا سر بھٹا سا اڑا دیا۔ اور حضرت علی رضہ نے ولید کو جہنم واصل کیا۔ اور عبیدہ اور عتبہ دونوں گھائل ہوئے اسنے اُسکو مارا۔ اور اسنے اسکو حضرت علی اور حضرت حمزہ نے جو یہ حال دیکھا ایک عقبہ کو قتل کیا اور عبیدہ کو دونوں نے

اوٹھا لیا۔ کیونکہ ان کے پیر کٹ گئے تھے۔ چنانچہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ پیغمبر خدا اس چبوترہ
پر دعا میں مستغرق ہوئے تھے آپ کے ہمراہ ابو بکر بھی تھے اور حضرت یہی فرما رہے تھے
کہ اے خدا ہلاک کر اس قوم سرکش کو جو عبادت نہیں کرتے تیری زمین کے درمیان
اور نجات دے ہمکو جیسا کہ وعدہ کیا ہے تو نے حضرت ایسے بیہوش اپنی دعا میں تھے
کہ آپ کی چادر گر پڑی حضرت ابو بکر صدیق نے وہ چادر آپ کے اوپر پھر اوڑھا دی اور
کفار نے حضرت کے اس چبوترہ تک آ ہجوم کیا آپ دفعتاً ہوشیار ہوئے اور فرمایا کہ اے
ابو بکر اب اللہ تعالے کی مدد آئی یہ فرما کر حضرت وہاں سے اتر کر لوگوں کو لڑنے
پر برانگیختہ کرتے اور ڈھارس دیتے ہوئے تشریف لائے اور ایک مٹھی کنکروں کی حضرت
نے ہاتھ میں لیکر قوم قریش پر پھینک دی اور بددعا کی۔ بعد ازاں اپنے اصحاب کو حکم دیا۔
کہ انپر سختی اور تشدد کرو چنانچہ اونکو شکست ہوئی یہ واقعہ سترویں تاریخ ماہ رمضان روز
جمعہ کو ہوا۔ عبد اللہ بن مسعود صحابی ابوجہل ابن ہشام کا سر جو قت روبرو پیغمبر خدا کے
اٹھا کرے گیا۔ حضرت نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ ابوجہل کی عمر بروقت مارے جانے کے
ستر برس کی تھی نام ابوجہل کا عمرو ہے وہ بیٹا ہشام کا پوتا مغیرہ کا پڑوتا عبد اللہ
بن عمرو بن مخزوم کا ہے۔ العاص بن ہشام بھائی ابوجہل کا بھی اسی جنگ میں مارا گیا
تھا اس لڑائی میں اللہ تعالے نے اپنے نبی کی مدد کو ایک ہزار ملایک کی کمک دی تھی
جب ابولہب نے یہ حال اہل بدر کا مکہ میں سنا مارے غم و الم کے سات دن کے بعد
وہ بھی مر گیا۔ تعداد مقتول مشرکین کی ستر اور مقیدین کی بھی اتنی ہی ہے۔ سوائے ان
ستر مرد مقتولین کے اور بھی ہیں چنانچہ حنظلہ بن ابوسفیان بن حرب اور عبیدہ بن سعید بن
العاص بن امیہ۔ ان دونوں کو حضرت علی ابن ابیطالب نے قتل کیا۔ اور زمعہ بن الاسود
کو حضرت حمزہ اور حضرت علی نے ملکر مارا تھا۔ اور ابوالبختری بن ہشام کو المجذر بن زیاد نے

قتل کیا۔ اور نوفل بن خویلد بھائی خدیجہ کا جو ایک شیطان شیاطین قریش کا تھا یہ وہ ہے جو نزدیک ابوبکر اور طلحہ بن خویلد کے بوقت ان کے مسلمان ہونے کے درمیان پہاڑ کے تھا۔ اسکو حضرت علی نے قتل کیا۔ اور مسعود بن ابی امیہ مخزومی اسکو حضرت حمزہ نے قتل کیا۔ اور عبداللہ بن منذر مخزومی کو حضرت علی ابن ابیطالب نے قتل کیا۔ اور منبہ بن الحجاج سہمی کو ابوالیسر انصاری نے قتل کیا۔ اور اسکے بیٹے عاص بن منبہ کو حضرت علی نے قتل کیا۔ اور اسکے بھائی نبیہ بن الحجاج کو حضرت حمزہ اور سعد بن ابی وقاص نے ملکر مارا۔ اور ابوالعاص بن قیس سہمی کو حضرت علی نے قتل کیا۔ اور منجملہ مقیدین کے ایک عباس چچا حضرت کے اور دو بھتیجے حضرت عباس کے ایک عقیل بن ابیطالب۔ دوسرا نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب تھے۔ جب لڑائی سے فراغت ہوچکی حضرت نے ارشاد کیا کہ مقتولین کی لاشیں ایک کوئیں میں جو قریب تھا ڈالدو چنانچہ چوبیس سرداران قریش کی لاش کھینچکر اس کوئے میں ڈال دیں۔ اور حضرت نے میدان بدر میں تین رات ہمراہ چودہ مرد کے جنکی یہ تفصیل ہے کہ چھ ان میں سے مہاجرین اور آٹھ انصاری تھے۔ اقامت فرماکر الصفراء کی طرف مال غنیمت لیتے ہوئے جنگ بدر سے مراجعت کی۔ اسوقت پیغمبر خدا نے حضرت علی بن ابیطالب کو ارشاد کیا کہ نضر بن حارث کو بھی قتل کرو۔ یہ شخص پیغمبر خدا کا بہت دشمن تھا جسوقت پیغمبر خدا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے وہ یہ کہا کرتا تھا کہ محمد اگلوں ہی کے قصوں کو بیان کرتا ہے۔ کچھ نئی بات نہیں بولتا۔ جب اسکا سر حضرت علی نے اوڑا دیا۔ اسوقت ارشاد کیا کہ عقبہ بن ابی معیط کو گردن مارو۔ فوراً وہ قتل کیا گیا۔ حضرت عثمان بن عفان اس جنگ میں بموجب ارشاد پیغمبر خدا کے حاضر نہ تھے۔ کیونکہ ان کی بیوی رقیہ جو کہ حضرت کی بیٹی تہیں بیمار بہت ہورہی تہیں اسلئے حضرت نے ان کو فرمایا تھا کہ تم مدینہ ہی میں رہو۔ چنانچہ وہ دختر نیک اختر نبی کی یعنی بیوی

رقیہ زوجہ حضرت عثمان بن عفان کی راہی ملک بقا ہوئیں بروقت رحلت حضرت کے دیدار
مبارک کو بھی دیکھنے نہ پائیں۔ کیونکہ انیس روز تک حضرت مدینہ میں تشریف نہ لے گئے تھے
اسکے بعد روضۃ الصفا جلد ۲ صفحات ۸۶/۸۸ وغیرہ میں جنگ بدر کا حال اسی طرح لکھا ہے۔
نقل است کہ چون آنحضرت بعریش درآمد روئے نیاز بہ بارگاہ مہیمن کارساز آورد و دست
مبارک بدعا برداشت و سہ نوبت گفت اے خداوند من اے بحق تو کہ با من وعدہ دادہ وفا
فرمائی۔ وبعد ازان فرمود کہ اللھم ان تہلک ہذہ العصابۃ من اہل الاسلام لا تعبد فی الارض
ابداً۔ گویند کہ حضرت ختمی پناہ چندان مبالغہ در تضرع و دعا نمود کہ ردا از دوش مبارک آنحضرت
افتاد صدیق ردا را اٹھا اوسا برداشتہ بردوش مقدس انداخت و بازوہائے آنسرور
را در بغل گرفتہ و گفت کافیست آنچہ از دعائے خویش مبالغت نمودی زود باشد کہ خدا عز
جل ذکرہ وعدہ خویش با تو راست گرداند بعضے چنین گفتہ اند کہ حضرت دست بدعا برداشتہ
فرمود کہ الٰہی اگر مشرکان را برین گروہ غالب خواہی گردانید دین تو قایم نخواہد ماند صدیق
گفت یا رسول اللہ بخدا سوگند کہ حق تعالے ترا ظفر و نصرت ارزانی داشتہ سفید روی
خواہد ساخت۔ روایت کردہ اند کہ حضرت حی لاینام خوابی سبک در عریش بر جبیب خویش
گماشت و صدیق آنسرور را بیدار ساخت و عرض کرد یا رسول اللہ مشرکان با نزدیک
رسیدند و دران خواب خداوند عز و علا مشرکان را در چشم حضرت ختمی پناہ اندک نمود گویند
کہ چون رسول خدا از خواب در آمد فرمود کہ یا ابابکر نصرت خدائے تعالے رسید اینک
جبرئیل آمد و عنان اسپ خویش گرفتہ و بر اسپ او غبار نشستہ آنگاہ از عریش بیرون آمد
و اہل اسلام را بہ حرب عبدۃ اصنام تحریض نمود و فرمود کہ ہر کس مشرکے را بکشد سلب
القتیل ازان او باشد و بدان خدائے کہ نفس محمد بید قدرت اوست کہ ہیچ مرد با ایشان
جنگ نکند کہ چون او را بکشند در حالیکہ طالب ثواب و رضائے خداوند تعالے بودہ باشد

در روئے بگریز نیا وردہ باشد مگر آنکہ بہشت جا ودان اورا باشد و دریں حال عمیر بن الحمام
بخوردن خرما مشغول بود چوں ایں سخن استماع نمود گفت بخ بخ میان من و بہشت واسطہ
ہمیں است کہ کشتہ شوم و بقیہ تمر راکہ در دست داشت بینداخت و شمشیر خود بر داشتہ مخالفان
دین حرب آغاز نہاد تا درجہ شہادت یافتہ بفرادیس جناں شتافت گویند کہ چوں تلاقی
فریقین روے نمود ابوجہل گفت خدا وندا ہر کدام کہ از ما قطع رحم بیش میکند و امرے
درمیان آوردہ کہ کس معرفت ندارد اورا ہلاک گرداں و بحقیقت نفریں در بارہ خویش
کردہ

ہیچ دشمن بدشمن آں نکند
کہ کند مرد بے خبر با خود

جمہور اہل سیر برآنند کہ اول کسیکہ از مشرکان قدم در میدان جلادت و مبارزت نہاد
عتبہ بن ربیعہ بود با برادر خود شیبہ و پسر خویش ولید کیفیت واقعہ آنکہ عتبہ از سرزنش
ابوجہل کہ اورا بجبن و بددلے موسوم کردہ بود متاثر گشتہ دل بر محاربہ نہاد و جوشن پوشیدہ ہر
چند تفحص نمود کہ خودی پیدا شود کہ بر سرش راست آید نیافت چہ سری بغایت بزرگ داشت
بنا بریں بعمامہ اکتفا کرد و پائے پیادہ با برادر و پسر خود محاربہ یک جہت گشت ہر چند حکیم
بن حزام از در نصیحت در آمد سفید نیفتاد و دریں اثنا چشم عتبہ بر ابوجہل افتاد کہ بر مادیانی
سوار و در صف کارزار ایستادہ از غایت خشم شمشیر بر کشیدہ اسپ اورا پے کرد و گفت امروز
روز سواری نیست چہ بسیاری از قوم تو پیادہ اند ابوجہل ز پشت زین بزمیں آمدہ واقدی گوید
کہ بعد ازاں عتبہ و شیبہ و ولید در میان معرکہ آمدہ مبارز خواستند و از لشکر اسلام سہ نفر
معاذ و مسعود و عوف از ابنائے حارث بعزم مقاتلہ بیروں آمدند و بعضے بجائے معاذ عبداللہ
بن رواحہ را گفتند و برخی از ناقلان سیر را عقیدہ آنست کہ حضرت مقدس نبوی مکروہ داشت

کہ در اول ملاقات کفار طائفہ انصار برامر حرب قیام نمایند و خواست کہ ایں شوکت درمیان بنی اعمام و اقربائے او باشد لاجرم جوانان انصار را بمراجعت امر فرمودہ دربارۂ ایشاں سخنان نیکو گفت اما جمہور رواۃ اخبار سلف گفتہ اند کہ چوں عوف و مسعود و عبداللہ بن رواحہ دربرابر عتبہ و شیبہ و ولید آمدند مشرکان از ایشاں پرسیدند کہ شما چہ کسانید جواب دادند کہ فلاں و فلانیم از انصار گفتند کہ مارا بشما ہیچے نیست و ما طالب بنی اعمام خودیم مسلمانان باز گشتہ یکے ازاں سہ نفر ندا کرد کہ اے محمدؐ با کفار مارا بجاربہ بیروں فرست خواجہ کائنات حمزہ و علی و عبیدہ بن الحارث را بمجاربہ مشرکان نامزد فرمود و چوں ایں سہ کس قدم درمیدان نہادند عتبہ از حمزہ پرسید کہ تو چہ کسی جواب داد کہ من حمزہ ابن عبدالمطلبم شیر خدائے و شیر رسولؐ خدائے و عتبہ نیز خود را ستودہ گفت تو کفو کریمی باز استفسار نمود کہ ایں دو شخص کہ با تواند چہ کسانند حمزہ فرمود کہ یکے علی ابن ابیطالب ست و دیگرے عبیدہ بن الحارث بن مطلب بن عبد مناف عتبہ گفت کفو کریمانند واقدی گوید کہ بعد از مکالمہ حمزہ و عتبہ و ولید باشارت پدر خود عتبہ با علی مبارزت نمودہ و عتبہ دربرابر حمزہ آمد و شیبہ متوجہ عبیدہ شد علی ابن ابیطالب ولید را بزخم تیغ تیز از پائے درآوردہ و حمزہ بشمشیر خونریز عتبہ را بدوزخ فرستاد و شیبہ ضربۂ قوی برپائے عبیدہ بن الحارث زد چنانچہ درمیدان افتادہ مغز از استخوان ساقش رواں شد حمزہ و علی بمدد عبیدہ شتافتہ شیبہ را بقتل رسانیدند و عبیدہ را از معرکہ برداشتہ نزد حضرت رسالتؐ آوردند عبیدہ گفت یا رسول اللہ من شہید نیستم فرمود کہ بلی تو شہیدی و بہنگام مراجعت از غزائے بدر درروحا یا در وادی صفرا بریاض رضوان خرامید و ہم دراںجا مدفون گشت۔ آوردہ اند کہ آیہ ہذان خصمان اختصموا فی ربہم درشان ایں شش کس نازل شد و زمرۂ گفتہ اند کہ مرتضےٰ علی با شیبہ مبارزت کردہ او را بقتل رسانید و عبیدہ دربرابر ولید آمدہ ازوے زخم خورد و فرقۂ گویند کہ عتبہ را علی ابن ابیطالب کشت و شیبہ را

حمزہ واللہ اعلم۔ بالجملہ چون کفار ثلاثہ بدوزخ شتافتند بنو مخزوم مجتمع گشتہ ابوجہل را درمیان گرفتند از بسیاری نیزہ داران کہ بگرد ابوجہل درآمدہ بودند بینندگان چناں تصور میکردند کہ او درمیان درختان ست بنو مخزوم اتفاق نمودہ زرہ ابوجہل را بعبداللہ بن المنذر دادند تا بپوشد و علی عبداللہ را ابوجہل پنداشتہ متوجہ او شد و دران زمان میگفت کہ بگیر این حملہ را کہ منم پسر عبدالمطلب وبتیغ تیز پیکر ش را ریزریزہ کردہ بجانب دیگر متوجہ شد بعد ازاں قوم آن زرہ را در ابوقیس پوشانیدند و حمزہ بہماں تصور آہنگ ابوقیس نمودہ از پایش در آوردہ آنگاہ ہم باشارت مشرکان حرملہ بن عمرو پوشیدہ بزخم حیدر کرار بجانب دارالبوار شتافت دیگر ہر چند بنو مخزوم سعی نمودند کہ زرہ شوم را خالد بن الاعلم پوشد خالد ابا و امتناع نمودہ دربر نہ کرد۔ در اکثر کتب سیر از عبدالرحمن بن عوف روایت کردہ اند کہ گفت من در روز بدر در صف کارزار درمیان دوجوان انصار بودم در اثنائے این حال باخود گفتم کہ مالیستی کہ تو درمیان دوکس کاردیدہ گرم وسرد روزگار نوشیدہ بودی کہ ناگاہ یکے از ایں دوجوان جامۂ مرا کشیدہ آہستہ پرسید کہ اے عم ابوجہل رامی شناسی گفتم ترا با وچہ مہم است گفت شنیدہ ام کہ او درآزار رسول اللہ کوشیدہ وبزبان نامبارک بدشنام و سب آنحضرت کشادہ وبداں خدائیکہ نفس من درقبضہ قدرت اوست کہ اگر چشم ما بر ابوجہل افتد از وے جدا نشویم تا یک تن از ما کشتہ نگردد و چوں آن جوان سخن خود را تمام کرد جوان دیگر کہ بر جانب یسار من بود ہمیں سخن گفت و من از جرارت وجلادت ایشاں مستظہر و قوی خاطر گشتم وبعد از لحظہ دیدم کہ ابوجہل درمیان معرکہ بر شتر خویش سوار بود وجولان می کرد و من بجانب او اشارت کردم وگفتم اینک مطلوب شماست آن جوانان چوں باز در پرواز آوردہ آہنگ ابوجہل کردند و بضرب شمشیر آتشبار پائے آن خاکسار باد پیمار اقلم کردہ از شتر بزمین افگندند و آن دوکس معاذ و معوذ بودند و ایشاں راگاہی بپدر منسوب داشتہ ابنائے

حارث گویند وگاہے بمادر نسبت کردہ پسران عفران خوانند از معاذ منقول است کہ گفت
در روز بدر زخمی برابوجہل زدم کہ ساقش جدا شد وعکرمہ پسر او از عقب در آمدہ تیغی بر من راند
کہ دستم را جدا ساخت چنانچہ بواسطۂ پوستی کہ شمشیر قطع آن نکردہ بود از پہلوئے من آویختہ
شد وبدیں ہیأت جنگ میکردم تا بتنگ آمدم وچوں کار بجاں وکارد باستخواں رسید
دست آویختہ را بزیر پایہ در آوردہ از بدن جدا ساختم گویند کہ معوذ برادر معاذ زخمی دیگر
برابوجہل رسانیدہ او را قریب بسر حد عدم رسانید وہر دو برادر نزد پیغمبر آمدہ حدیث
قتل آن ملعون را معروض داشتند حضرت رسول با ایشاں فرمود کہ کدام یک از شما او را
کشتہ آید ایشاں ہر یک قتل او را بخود اسناد کردند وآنحضرت فرمود کہ شمشیر ہائے خود پاک
کردہ آید گفتند نے آنگاہ حضرت رسول نظر در شمشیر ہائے ایشاں انداختہ فرمود کہ شما ہر دو
او را کشتہ آید اما صلیب ابوجہل را بہ معاذ بخشید ومعوذ برادر معاذ از نزد پیغمبر بازگشتہ بجنگ مشغول
شد تا شہادت یافت ومعاذ با وجود زخمے ہمچناں تا زمانہ خلافت عثمان بن عفان زیست ودر بعضی
از کتب سیر بنظر رسیدہ کہ حضرت مقدس نبوی نزد عکرمہ بن ابوجہل فرستادہ پرسید کہ قاتل
پدر تو کیست عکرمہ گفت آن کس کہ آسیب شمشیر من بدست او رسیدہ بعد ازاں آنحضرت
صلیب ابوجہل را بمعاذ ارزانی داشت واقدی گوید کہ اصح اقوال آنست کہ معاذ بن عمرو
بن الجموح ابوجہل را بسر حد ہلاکت رسانید او بود کہ عکرمہ دستش را انداخت وبا یکدست
تا زمان خلافت ذوالنورین زندگانی یافت وہم واقدی روایت کردہ کہ رسول بر مصارع
پسران عفران ایستادہ فرمود کہ خدائے تعالےٰ رحمت کناد بر پسران عفران کہ ایشاں شریک شدند
در خون فرعون ایں امت وراس ائمہ کفر از آں حضرت پرسیدند کہ دیگر بود کہ با ایشاں
دراں امر شرکت نمود فرمود کہ ملائکہ با ایشاں شرکت کردند وایں معوذ بر قتل آں جرات ومسارعت
کردہ بر کشتن او شریک شدند راقم حروف گوید کہ پوشیدہ نماند کہ بحسب ظاہر در سخنان واقدی

تنا قضے می نماید۔ والعلم عند اللہ۔

وہرچند سعی مشکور ابن عباس در قتل فرعون این امت بعد از فراغ محاربۂ بدر روے
نمود اما تا کلام از نظام نیفتد کلک بیان اول بتحریر ازالہ رمق ابوجہل پرداخت بعد از شرح کیفیت
نزول ملائکہ وانہزام مشرکان را وجہ ہمت ساخت نقل ست کہ در روز بدر بعد از انہزام مشرکان
رسول فرمود کیست کہ برود واز ابوجہل خبرے بیاورد کہ ھم او بچہ انجامیدہ ابن مسعود متصدی
ایں امر گشتہ فوراً رواں شد و درمیان کشتگان ابوجہل را دید خوار وزار وز خمدار افتادہ ورمقے
از حیات او باقی ست بواسطہ آنکہ در مکہ از وے ایذائے بسیار یافتہ بود بر سینہ او نشست۔
وریش او را گرفتہ گفت اے ابوجہل توئی باین حال اللہ تعالے ترا رسوا کرد اے دشمن
خدائے ابوجہل گفت زیادہ ازیں نیست کہ مردے را قوم او کشتند و بروایتی ابن مسعود گفت
اے ابوجہل کشندہ تو منم جواب داد کہ اول بندہ کہ خداوند خود را کشت تونیستی و قوے آنکہ
ابوجہل گفت چہ بودی کہ غیر دہقانے مرا کشتی و این سخن تعریفی بود نسبت با نصار چہ آن
جماعت از ارباب زراعت بودند و بعضے گویند کہ بر زبان نامبارک راند کہ اے کاش قاتل
من یکے از خلفا یا از مطلب بودی و ذکر این دو فرقہ در نسخ مبسوطہ مسطور ست وچون عبد
اللہ بن مسعود بر سینہ او نشست یا پائے بر گردن شوم ابوجہل نہاد علی اختلاف الروایتین
آن ملعون گفت اے شبان بر جائے بلند بر آمدی اکنوں بگوئے کہ ظفر و نصرت کراست
ابن مسعود فرمود یا عدو اللہ خدا و رسول را در بعضے از کتب سیر بنظر درآمدہ کہ مسعود با بوجہل
گفت تو از فرعون بدتری زیرا کہ او در آوان غرق بکردار ناپسندیدۂ خویش اعتراف نمودہ
انصاف داد و تو درحالتے چنیں بر ضلالت وغوایت اصرار می نمائی در سیر گازرانی آوردہ
اند کہ روایتے آنست کہ عبد اللہ ابن مسعود گفت کہ در روز بدر با بوجہل رسیدم وا ورا بے پائے
دیدم افتادہ بود و شمشیرے در دست داشت کہ بداں مردم را از خود دور می کرد و گفتم اے دشمن

خدا ے الحمدللہ کہ ایزد تعالے ترا رسوا کرد گفت مردے ام کہ قوم من مرا کشتہ اند پس پاے بر بام
وا ور ا بشمشیر میزدم تا دستش را قطع کردم و شمشیر اورا برگرفتہ سرش از تن جدا کردم و بنزد
حضرت رسالتؐ بردم و سرا و چناں سنگین بود کہ گو یا از زمین بر می کشیدم و ہم از عبداللہ
منقول است کہ گفت ہر چند و شمشیر عبد را با بوجہل زدم کار نہ کرد پس تیغ او را برگرفتہ بداں
از تن جدا ساختم و کشاں کشاں بنظر فرخندہ نشان پیغمبر رسانیدہ بینداختم و عرض کردم یا رسول
اللہ این سر ابوجہل ست فرمود کہ واللہ اوست گفتم بخدا سوگند کہ اوست آن گاہ حضرت
رسالت بر خاست و بنزد سرش باایستاد و نیک احتیاط کردہ فرمود کہ الحمدللہ الذی اقتلک و
فرمود کہ این شخص فرعون این امت بود و در روایتی دیگر آنکہ سر آن ملعون را حضرت مقدس
نبوی دید و دو رکعت نماز بگذارد و قوے آنکہ سر آن ملعون را حضرت مقدس نبوی دید
سجدۂ شکر بجا آورد۔

ان حالات کے پڑھنے سے کم سے کم انسان اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ غزوۂ بدر کی
کامیابی کسی صورت سے بھی حضرت علی کی ذات پر موقوف نہیں ہو سکتی حضرت علی مثل عام
سپاہیوں کے میدان جنگ میں لڑے اور مثل اپنے دوسرے بھائیوں کے بہت اچھی
شجاعت دکھائی تنہا ایک شخص کا لڑنا اور تنہا ایک شخص کا دو تین آدمیوں کو قتل کر دینا چنداں
کچھ اثر نہیں ڈال سکتا تاریخ محمد بن جریر الطبری جلد ۲ صفحہ ۲۶ سے اخیر تک بدر کے حالات
لکھتا ہے مگر وہ حالات بھی کم و بیش بالکل وہی ہیں جو اوپر کی تاریخوں میں آپ نے ملاحظہ فرمائے
اسلئے اس بات کی ضرورت نہیں خیال کی جاتی کہ ناظر کا زیادہ وقت بیکار لیا جائے اور اسے
مکرر ان حالات کے پڑھنے کی تکلیف دی جائے بعض شیعی اصحاب نے بلا وجہ حضرت علی کے
حق میں ایسے کلمات کہے ہیں کہ جو واقعات سے مطلق ثابت نہیں ہوتے عام طور پر ہر شخص
یہ سمجھ سکتا ہے بلکہ جانتا ہے کہ میدان جنگ میں سپاہ لڑا کرتی ہے اور اعلٰے افسر محض اس

سپاہ کی کمان کیا کرتے ہیں حضور انور اس جنگ میں بطور ایک اعلیٰ سپاہ سالار کے پیش ہوئے
اور آپ نے عربی فنون جنگ کے متعلق پورے طور پر مورچہ بندی کرکے ایک بلند مقام پر
نشست فرمائی تھی اور اپنے ساتھ اپنے سچے حبیب اور اپنے حقیقی یار غار یعنی ابوبکر صدیق
کو عریش پر بٹھالیا تھا صدیق اکبر ہمیشہ حضور انور کے ساتھ ساتھ میدان جنگ میں رہا کرتے
تھے اور کل کام یا تو آپ کے مشورے سے یا خداوند قدوس کی وحی سے انجام پاتے تھے
اکثر خاص معاملوں میں اوروں کے مشورے کا بہت کم دخل تھا بدر کے حالات کو جب آپ
غیر طرفدارانہ اور بے رو رعایت انصاف پسندی سے ملاحظہ کریں گے تو آپ کو یہ عقدہ
حل ہو جائے گا کہ صدیق اکبر کی جو عظمت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں
میں تھی اسکا ایک ہزارواں حصہ بھی کسیکو نصیب نہ تھا شیعی اصحاب کی لن ترانیاں بدر کے
اصلی حالات دیکھکر سب اوندھے مونہ گر پڑتی ہیں اگر حضرت علی اسوقت دنیا میں دوبارہ زندہ
کرکے بھیجے جائیں تو شیعی اصحاب جو کچھ ان کی نسبت گوہر افشانی فرماتے ہیں وہ حیران ہو
جائیں کہ ایسے اتہامات مجھپر کیوں لگاتے گئے بہر حال ہم بدر کے واقعہ کو یہیں ختم کرتے
ہیں اور اسے زیادہ طول دینا نہیں چاہتے ہاں بدر کے حالات کے خاتمے پر ہم حضرت علی
کی شجاعت اور سپاہ گری کی دل سے تعریف کرتے ہیں کہ وہ جن مخالفوں سے لڑے۔
انہیں نیچا دکھادیا باقی شل اور سپاہیوں کے معاملات کے بسط وکشو میں نہ کبھی انہیں
حصے دار بنایا گیا نہ انہوں نے اسکی خواہش کی کیونکہ وہ اپنی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت
اچھی طرح محسوس کرتے تھے نہ وہ شیخ قبیلہ تھے نہ انہوں نے کبھی خاندانی اور قبائل کے
جھگڑوں کا تصفیہ کرایا نہ کسی نے انہیں اپنا پنچ بنایا آپ سیدھے سادے مسلمان سپاہی
تھے اور حضور انور کے چچا کے بیٹے ہونے سے اور پھر خاتون محشر کے ساتھ نکاح ہونے
سے آپ کی لوگوں کی نظروں میں کیقدر وقعت ہوگئی سچ پوچھ زندگی بھر کوئی کام آپ سے

ایسا نہیں ہوا کہ جو مسلمانوں کو ان کی طرف کھینچتا۔

اسکے بعد علاوہ اور غزوات کے صرف دو غزوے بڑے معرکے کے ہیں جنہیں شیعی علماء نے حضرت علی کو سب سے بڑا حصہ دار بنایا ہے ایک غزوۂ احد اور ایک غزوہ خیبر لہذا ہم باقی اور غزووں کو چھوڑ کے انہیں دو غزووں کی مشرح کیفیت لکھتے ہیں جن پر شیعی علماء نے حضرت علی کی شہ زوری اور معمولی شجاعت کا دارومدار رکھا ہے۔

غزوۂ احد

یہی غزوہ ہے جسمیں مسلمانوں کو ایک معمولی غلطی سے چشم زخم اٹھانی پڑی اور یہی وہ غزوہ ہے جسمیں حضرت علی کے سر وہ واقعات اور حالات تھوپے گئے ہیں جنکا وجود کسی معتبر روایت میں نہیں ہے یہی وہ غزوہ ہے جسمیں شیعی علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ بہت سے راشدین صحابہ اپنے نبی کو تنہا چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے تھے ہم چاہتے ہیں کہ اس غزوے کا مفصل ذکر کریں اور ایک ایک واقعہ کی ہنڈی کی چنڈی کر دیں۔ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو سب سے پہلے قرآن مجید میں اس غزوے کا ذکر خداوند قدوس نے اس طرح کیا ہے۔

(اے[1] محمد ان کو یاد دلاؤ) جب تم (جنگ احد میں صبح کے وقت اپنے گھر سے نکلے تھے (اور) مسلمانوں کو (جبل احد پر) لڑائی کے مقامات میں بٹھا رہے تھے اور اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے (یہ اسوقت کا واقعہ ہے) جب تم میں سے دو گروہوں (بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے) بزدلاپن کرنا چاہا (لیکن قدم پیچھے نہ ہٹا سکے) اور خدا انکا مددگار تھا اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ (خاص) اللہ ہی پر بھروسا کریں۔

---

[1] واذ غدوت من اھلک تبوئ المؤمنین مقاعد للقتال۔ واللہ سمیع علیم۔ اذ ھمت طائفتن منکم

اس میں دو گروہوں کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ قدم پیچھے ہٹانا چاہتے تھے مگر پھر توفیق آلہی ان کے شامل حال ہوئی اور وہ اپنی جگہ پر قایم رہے پھر دوسری جگہ خداوند تعالے قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے۔

اگر[۵۱] (احد کی لڑائی میں) تمہارے زخم لگا ہے بلا شک (بدر میں) اس فریق (کفار) کو (بھی) اسی کی مانند زخم لگ چکا ہے (اسپر ان کی ہمت نہیں ٹوٹی تھی) اور یہ (فتح وشکست آسمانی) حادثے ہیں ہم انہیں لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں (یعنی آج اسکی فتح ہے تو کل اسکی) اور (جنگ احد میں ناکامی ہونے سے یہ غرض تھی) تاکہ اللہ کو (خالص) ایمان والے معلوم ہو جائیں۔ (کہ وہ کون ہیں) اور (تاکہ) تم میں سے بعض کو شہید بنا دے اور بے انصافوں کو اللہ (کسی طرح) دوست نہیں رکھتا۔ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو (گناہوں سے) پاک کرے۔ اور کافروں کو ہلاک کر دے۔

اللہ[۵۲] نے اپنا (فتح کا) وعدہ (تو) تم کو سچا کر دکھایا جب کہ تم اللہ کے حکم سے (اول ہی حملہ میں) ان کو (خوب) قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تمہیں اس کے بعد وہ چیز دکھا دی جسکو تم پسند کرتے تھے (یعنی فتح اور مال غنیمت) تو تم نے مال غنیمت دیکھکر بزدلاپن کیا

(بقیہ حاشیہ) ان تفشلا - واللہ ولیہما وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ٥

۵۱ ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ - وتلک الایام نداولہا بین الناس ولیعلم اللہ الذین آمنوا ویتخذ منکم شہداء - واللہ لا یحب الظالمین ٥ ولیمحص اللہ الذین آمنوا ویمحق الکافرین ٥

۵۲ ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونہم باذنہ - حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما ارٰکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ - ثم صرفکم عنہم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم - واللہ ذو فضل علی المؤمنین ٥

اور[۱] (کفار کو بھاگتا ہوا دیکھ کے) معاملہ میں جھگڑا کیا (کہ مورچہ پر کھڑے رہیں یا نہیں) اور (رسول کے حکم کی) نافرمانی کی کچھ تو تم میں سے (جنھوں نے مورچہ چھوڑ دیا تھا) دنیا کے طالب تھے اور کچھ تم میں سے (جو مورچہ سے ہٹے نہیں تھے) آخرت کے طالب تھے۔ پھر تمہارے آزمانے کی غرض سے تم کو ان کی طرف سے پھیر دیا اور بے شک تم سے درگزر کی۔ اور اللہ ایمان والوں پر (اپنا فضل (وکرم) رکھتا ہے۔ جب تم کافروں پر چڑھے چلے جاتے تھے اور رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمھاری پس پشت (والی جماعت) میں (کھڑے ہوئے) تم کو بلا رہے تھے اور تم کسی کی طرف مڑ کے (بھی) نہ دیکھتے تھے تو اللہ نے تم کو غم پر غم دیا (یہ ایک نصیحت ہے) تاکہ جو چیز تمھارے ہاتھ سے جاتی رہی ہے اسپر تم غم نہ کھایا کرو اور نہ اسپر جو (مصیبت) تم کو پہنچے۔ تاسف کیا کرو۔ اور جو کچھ (بھی) تم کرتے ہو (سب کی) خبر اللہ کو ہے۔ پھر (اللہ نے شکست کے) غم کے بعد تم پر اطمینان کی حالت طاری کر دی (اور وہ) اونگھ تھی جو تم میں سے ایک گروہ کو گھیر رہی تھی اور ایک گروہ (منافقوں کا) تھا جنکو اپنے ہی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے (اور) اللہ کیطرف (زمانہ) جاہلیت کا (سا) ناحق گمان کرتے تھے۔ (یعنے) کہتے تھے آیا ہمارے لیئے بھی اس امر (یعنے غلبہ اور مال غنیمت میں) سے کچھ (حصہ) ہے۔ (اے محمد کہدو ان سے کہ (یہ) امر (یعنے غلبہ اور غنیمت) سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ زبانی شکایتوں کے علاوہ) اپنے دلونمیں (اور باتیں بھی) جو تم پر ظاہر نہیں کرتے پوشیدہ رکھتے ہیں

---

[۱] اذ تصعدون ولا تلوٗن علی احد والرسول یدعوکم فی اخرٰکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم ۚ واللہ خبیر بما تعملون ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسا یغشٰی طائفۃ منکم وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شیء قل ان الامر کلہ للہ ۚ یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک

(آپس میں) ذکر کرتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے اس امر سے (یعنی غلبہ اور غنیمت سے) کچھ (حصہ) ہوتا۔ تو ہم یہاں مارے نہ جاتے (اے محمدؐ ان سے) کہدو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے۔ البتہ جن کی تقدیر میں (جس مقام پر) مارا جانا لکھدیا گیاہے (وہ آپ ہی اپنے گھروں سے نکل نکل کے) اپنے مقتل میں آموجود ہوتے اور یہ (جو کیا گیا اس میں چند مصلحتیں ہیں) تاکہ جو تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسکو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں (شبہ پیدا ہوگیاہے اُسکو بالکل صاف کردے اور دلوں کی بات سے اللہ خوب واقف ہے۔ بے شک جس دن دو جماعتیں (مسلمانوں اور کافروں کی) باہم مقابل ہوگئی تھیں اُسدن جو لوگ تم میں سے (شکست کھا کے پیچھے) ہٹ گئے تھے اُن ہی کے بعض اعمال (کی شامت سے) شیطان نے ان کو لغزش دی تھی اور بے شک اللہ نے اُن کی (عذر و معذرت سے) ان سے درگزر کی۔ بحقیق اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔ فقط

آپ نے قرآن مجید میں غزوۂ احد کا جو بیان ہے وہ تلاوت کرلیا۔ اب آپ بڑی بڑی عربی فارسی کی تاریخوں کا بیان غزوۂ مذکور کے متعلق ملاحظہ فرمائیں اور ہر واقعہ پر خوب غور کریں تاکہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ حضرت علی نے دوسروں کے مقابلہ میں کہاں تک داد مردانگی دی۔ اسکا فیصلہ آپ ہی پر رکھا جاتاہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ تاریخ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ سے آگے تک۔ (عربی متن کو اڑا کے محض ترجمہ ہی پر اکتفا کی گئی ہے)۔

ل۵ یقولون لو کان لنا من الامر شیء ما قتلنا ھٰھنا ط قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم ج ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم ط واللہ علیم بذات الصدور ہ ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعٰن انما استزلھم الشیطٰن ببعض ما کسبوا ج ولقد عفا اللہ عنھم ط ان اللہ غفور حلیم ہ

قریش کا بدر کے انتقام کے لئے جمع ہونا۔

اسی سنہ کے ماہ شوال کی ۷۔ تاریخ اور ایک روایت ہے کہ ۱۵۔ تاریخ کو غزوہ احد کا واقعہ ہوا۔ اور اسکی وجہ بدر کی لڑائی تھی۔ کیونکہ جب مشرکین میں وہ لوگ مارے گئے جنکا اوپر ذکر ہوا۔ تو عبد اللہ بن ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ وغیرہ جن جن کے آباؤ ابنا اور بھائی وغیرہ مارے گئے تھے اُٹھے اور ابو سفیان سے اور ان لوگوں سے جن کا اس قافلہ میں تجارتی مال واسباب تھا جا کر کہا کہ یہ جو تمہارے پاس مال ہے اس سے ہمیں محمدؐ کے مقابلہ میں مدد دو۔ تاکہ اس سے ہم اپنا انتقام لے لیں۔ ان سب نے اسے منظور کر لیا۔ اور لوگ لڑائی کے لئے تیار ہوئے۔ چار شخصوں عمرو بن العاص ہبیرہ بن ابی وہب ابن الزبعری۔ اور ابو عزۃ الجحی کو چاروں طرف بھیجا کہ وہ تمام عربوں سے مدد مانگیں وہ لوگ گئے۔ ثقیف اور کنانہ کے بہت آدمی جمع کئے اور قریش نے بھی اپنے احابیش کو اور جو قبائل کنانہ اور تہامہ کے اُن کے مطیع تھے انہیں جمع کیا۔

اور جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی بن حرب کو بلایا۔ جو حبشی تھا۔ اور ایسا حربہ مارتا تھا کہ بہت ہی کم خطا کرتا تھا۔ اور کہا کہ تو بھی لوگوں کے ساتھ چل۔ اگر تو نے محمدؐ کے چچا کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کر دیا۔ تو تجھے میں آزاد کر دوں گا۔

جب یہ قریش چلے تو انہوں نے اپنی بیبیوں کو بھی ساتھ لے لیا تاکہ لوگ بھاگیں نہیں۔ ابو سفیان ان کا سپہ سالار تھا اس نے بھی اپنی بی بی ہند بنت عتبہ کو ساتھ لیا۔ انکے علاوہ قریش کے رئیس بھی تھے۔ انہوں نے بھی اپنی عورتوں کو ساتھ لیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے اپنی زوجہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام کو اور حارث بن المغیرہ نے فاطمہ بنت الولید بن المغیرہ ہمشیرہ خالد کو ساتھ لیا تھا۔ اور صفوان بن امیہ نے بریرہ یا برزہ بنت مسعود الثقفیہ ہمشیرہ عروہ بن مسعود کو جو اسکے بیٹے عبد اللہ بن صفوان کی ماں تھی ساتھ لیا تھا۔ اور عمرو بن العاص

نے ریطہ بنت منبہ بن الحجاج کو جو اوس کے بیٹے عبداللہ بن عمرو کی ماں تھی اور طلحہ بن ابی طلحہ نے سلافہ بنت سعد کو جو اوس کے بیٹوں مسافع اور جلاس اور کلاب وغیرہ کی ماں تھی ساتھ لیا تھا۔ ان عورتوں کے پاس دف تھے۔ انہیں بجا بجا کر وہ مقتولین بدر پر روتیں اور مشرکین کو لڑائی پر برانگیختہ کرتی تھیں۔ . . . .

ابو عامر انصاری کا مکہ والوں سے جا ملنا اور قریش کا مدینہ آنا

اور مشرکین کے ساتھ ابو عامر الراہب الانصاری بھی تھا۔ رسول اللہ کو چھوڑ کر مکہ کو چلا گیا تھا اور اسکے پچاس غلام اور ایک روایت میں ہے کہ پندرہ غلام بھی لے گیا تھا۔ اور قریش سے کہتا تھا کہ جب محمد سے مقابلہ ہوگا تو اسکے دو آدمی بھی ایسے نہ نکلیں گے جو محمد کو چھوڑ کر آپ ہیں کے پاس نہ چلے آئیں جب فریقین کا احد میں مقابلہ ہوا تو سب سے اول ابو عامر احابیش اور اہل مکہ کے غلاموں کو لے کر نکلا۔ اور پکار کر کہا کہ اے معشر اوس میں ابو عامر ہوں۔ ادہر سے انصار نے جواب دیا۔ اے فاسق خدا تجھے غارت کرے۔ اسپر وہ قریش سے بولا۔ کہ میرے پیچھے میری قوم کے خیالات بگڑ گئے پھر وہ ان سے خوب شدت کے ساتھ لڑا۔ یہانتک کہ تیر مارنے میں کوتاہی نہ کی۔ اور ہند کی یہ کیفیت تھی کہ جب وہ وحشی کی طرف ہو کر گزرتی یا وحشی اسکی طرف ہو کر گزرتا۔ تو کہتی (ابو جو اسکی کنیت تھی)، کہ کسی طرح میرا دل بھی ٹھنڈا کر اور اپنا دل بھی ٹھنڈا کر۔

پھر قریش آئے اور عینین کے مقام پر ایک پہاڑ کے قریب اترے۔ یہاں قناۃ کے قریب شور زمین میں وادی کے اس کنارہ پر انہوں نے قیام کیا جو مدینہ کے قریب ہے۔

حمزہ وغیرہ کی رائے کے بموجب لشکر اسلام کا رسول کا مدینے سے نکلنا۔

جب رسول اللہ صلعم نے اور مسلمانوں نے سنا کہ قریش مدینہ آئے تو رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک گائے دیکھی ہے۔ اسکی تاویل تو میرے نزدیک اچھی ہے اور میں نے

دیکھاہے کہ میری تلوار کی دھار گر گئی ہے۔ اور میں نے ایک اچھی زرہ پہنی ہے سو وہ مدینہ ہے۔ اگر تم چاہو تو مدینہ ہی میں رہو۔ باہر مت جاؤ۔ دشمن جہاں ہے وہیں انہیں پڑا پہنے دو۔ اگر وہ وہاں پڑے رہے تو ان کو خود نقصان پہنچے گا۔ اور اگر وہ بڑھکر ہم پر مدینہ میں آئے تو ہم ان سے یہاں لڑیں گے۔ یہی رائے جو رسول اللہ صلعم کی تھی عبداللہ بن ابی بن سلول کی بھی تھی۔ وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ مدینہ سے نکلکر باہر جائے۔

مگر اور کتنے ہی لوگوں نے جن میں سے اس روز شہید ہوئے یہ رائے دی کہ مدینہ سے نکلکر لڑنا چاہئے (یہ رائے حمزہ بن عبدالمطلب اور سعد بن عبادہ وغیرہ لوگوں کی تھی)

قریش اپنے مقام پر چہارشنبہ پنجشنبہ جمعہ تین روز ٹھیرے رہے۔ پھر رسول اللہ صلعم جمعہ کی نماز پڑھکر مدینہ سے نکلے۔ اور ہفتہ کے روز پندرہ شوال کو فریقین کا مقابلہ ہوا۔ جب رسول اللہ صلعم نے ہتیار پہنے اور باہر نکلے تو وہ لوگ نادم ہوئے جنہوں نے قریش کی طرف نکلنے کی رائے دی تھی۔ اور بولے کہ ہم نے رسول اللہ کو ناراض کیا۔ ہم تو مشورہ دیتے ہیں اور اُس میں پھر وحی آجاتی ہے۔ پھر انھوں نے عذر کیا۔ اور عرض کیا کہ جو آپ کی مرضی ہو وہ کیجئے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ تو کسی نبی کے لئے زیبا نہیں ہے کہ زرہ پہنے اور پھر اوسے بغیر لڑائی لڑے اتار دے۔ اس واسطے آپ ہزار آدمیوں سے نکلے۔ اور مدینہ پر ابن ام مکتوم کو خلیفہ کیا۔

عبداللہ بن ابی کی واپسی رسول کی ہمراہی سے اور ایک اندھا منافق } جب رسول اللہ مدینہ سے احد کی طرف جا رہے تھے تو راستہ سے عبداللہ بن ابی بن سلول ایک ثلث آدمیوں کو لیکر لوٹ کھڑا ہوا اور کہا کہ رسول اللہ نے میرا کہنا نہ مانا۔ اور ان (لڑکوں) کا کہنا مانا جو لوگ اسکے ساتھ گئے اور اسکی تبعیت کی وہ منافق تھے۔ اور ان کے دل میں نفاق اور ریب

بھرا ہوا تھا عبداللہ بن خرام بنی سلمہ کے بھائی نے اون کا تتبع کیا۔ وہ بھی چلا گیا۔ ان لوگوں کا اللہ تعالے نے ذکر کیا ہے کہ وہ نبی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تب وہ کہنے لگے کہ اگر جانتے ہم کہ تم لڑائی لڑو گے۔ تو ہم تمہیں نہیں چھوڑتے۔ غرض جب وہ لوٹ گئے تو رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ اعداء اللہ خدا تمہیں دور ہی رکھے۔ امید ہے کہ وہ نہیں تم سے مستغنی کر دے گا۔

پھر رسول اللہ صلعم کے ساتھ سات سو آدمی رہ گئے۔ اور آپ حرہ بنی حارثہ میں گئے اور ان کے اموال اور اونٹوں کے درمیان میں پہنچے۔ وہاں منافقین میں سے بھی ایک شخص کے جسکا نام مربع بن قیظی تھا اونٹ تھے۔ اور وہ اندھا تھا جب اس نے رسول اللہ صلعم کی اور آپ کے ہمراہیوں کی آہٹ معلوم کی تو اٹھا اور ان کے موہوں پر دھول اڑانے لگا۔ اور کہنے لگا کہ اگر تو رسول اللہ ہے تو تجھ کو میری بلا اجازت یہ جائز نہیں ہے کہ میرے احاطہ میں داخل ہو۔ اور پھر ایک مٹھی بھر مٹی لی۔ اور کہا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اگر مٹی پھینکوں تو تیرے ہی موہنہ پر لگے گی تو یہ مٹی تیرے اوپر پھینکتا۔ یہ سنکر لوگ جھپٹے کہ اُسے قتل کر ڈالیں نبی صلعم نے کہا نہیں وہ آنکھوں کا اور دل کا دونوں طرف سے اندھا ہے اُسے جانے دو استنے میں سعد بن زید نے اپنی قوس اوسکے ماری جس سے اوسکے سر میں خون نکل آیا۔

اسی میں ایک گھوڑے نے دم ہلائی جو سوار کی تلوار کے کانٹی میں جا لگی۔ اور وہ میان سے نکل پڑی۔ رسول اللہ نے یہ دیکھکر فرمایا دیکھو اپنی تلواروں کو سنبھالو مجھے نظر آتا ہے کہ آج تمہاری تلواریں میان سے نکلیں گی۔

فریقین کا لشکر کو آراستہ کرنا اور ابو سفیان کا پیغام انصار سے

پھر رسول اللہ صلعم آگے بڑھے۔ اور رفتہ رفتہ انتہائے وادی پر پہونچکر قیام کیا۔ اور اپنی پشت پہاڑ کی طرف کی اور حاسی کے پاس لشکر کو اتارا۔

مشرکوں کے تین ہزار آدمی تھے جن میں سے سات سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے

اور ان کے سات پندرہ بی بیاں تھیں اور مسلمانوں کے کل سو زرہ پوش تھے اور بجز دو
گھوڑوں کے اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ ایک گھوڑا تو رسول اللہ کے پاس تھا اور ایک
گھوڑا ابو بردہ بن نیار کے پاس تھا۔ یہاں آپ نے لشکر کا ملاحظہ کیا۔ اور جنگ آوروں
کو دیکھا اُن [illegible] زید بن ثابت ابن عمر اُسید بن حضیر براء بن عازب عرابۃ بن اوس
ابو سعید الخدری وغیرہ کو کم عمری کے باعث واپس کر دیا۔ اور جابر بن سمرہ رافع بن خدیج
کو رہنے دیا۔

ابو سفیان نے انصار کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم تم سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ ہم اپنے
ابن عم سے لڑتے ہیں۔ تم لوگ بیچ میں کیوں بولتے ہو۔ ہم جانیں اور وہ جانے آپ
الگ ہو جائیے۔ ہم فقط اس سے لڑیں گے۔ مگر انصار نے ایسا جواب دیا جس سے اوس کا دل
آزردہ ہو گیا۔

غرض مشرکوں نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا۔ اور میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ
بن ابی جہل کو مقرر کیا۔ ان کا لوا بنی عبد الدار کے پاس تھا۔ ابو سفیان نے ان سے کہا کہ
رایت کے سبب سے فتح و شکست ہوا کرتی ہے۔ اگر تم سے ہو سکتا ہے کہ میدان جنگ سے
منہ نہ پھیرو تو تم اسے لئے رہو۔ ورنہ لوا ہمیں دیدو۔ اس سے اُسے تحریص مقصود تھی۔
انہوں نے کہا جب ہم دشمن کے مقابلہ میں ہونگے تو تو دیکھ لیگا کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ ابو سفیان
کی بھی یہی غرض تھی۔

رسول اللہ کی فوج کا منہ مدینہ کی طرف تھا۔ اور احد کی پہاڑ کی طرف پیٹھ تھی۔ اور تیر اندازوں
کو اپنی پشت کی طرف کھڑا کیا تھا۔ ان میں پچاس آدمی تھے۔ ان پر عبد اللہ بن جبیر کو امیر بنایا
تھا جو خوات بن جبیر کا بھائی تھا۔ اور اس سے کہدیا تھا کہ ہمارے پیچھے سے اگر سوار آئیں
تو انھیں اپنے تیروں سے روکے رہنا اور خواہ ہماری شکست ہو یا فتح مگر وہ اپنی جگہ سے

نہ پہنے۔ اور رسول اللہ صلعم نے دو زرہ پہنی تہیں۔ اور نشان مصعب بن عمیر کو دیا تھا۔ اور سواروں کے مقابلہ کے واسطے زبیر کو مقرر کیا تھا اور مقداد کو بہی اسکے ساتھ دیا تھا۔

لڑائی کا آغاز اور علی کا طلحہ کو زخمی کرکے چھوڑ دینا اور ابو دجانہ کو رسول اللہ کا تلوار دینا اور ہند کی گیت اور کفار کا پسپا ہونا — پہر ادہر سے حمزہ لشکر کو لیکر نکلے۔ اور خالد اور عکرمہ ادہر سے آئے زبیر اور مقداد ان کے مقابل ہوئے اور مشرکین کو بہگا دیا۔ اُدہر سے رسول اللہ نے اور آپ کے اصحاب نے حملہ کیا۔ اور ابو سفیان کو پیچھے ہٹا دیا۔

س میں طلحہ بن عثمان صاحب لوا مشرکین نکلا۔ اور چلا کر آواز دی۔ یا معشر اصحاب محمد تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہاری تلواروں سے ہم جہنم میں جاتے ہیں اور ہماری تلواروں سے تم جنت میں جاتے ہو۔ اچھا بہلا اب کوئی تم میں ایسا ہے جو میری تلوار سے جنت میں چلا جائے یا مجھے اپنی تلوار سے دوزخ میں پہنچائے۔ اگر ہے تو وہ باہر میدان میں آئے۔ علی ابن ابی طالب اوسکے مقابلہ میں گئے۔ اور اُس کے ایک تلوار ماری کہ اوسکا پاؤں کٹ گیا اور وہ گر پڑا۔ اور اسکا ستر کہل گیا۔ اور اس نے خدا کی قسم دیکر حضرت علی سے کہا کہ رحم کرو۔ حضرت علی نے اُسے چھوڑ دیا۔ اسپر رسول اللہ نے تکبیر کہی۔ اور علی سے کہا کہ تم نے کیوں اُسے قتل نہ کیا۔ کہا کہ مجھے اُس نے اللہ کی قسم دلائی کہ رحم کرو اس سے مجھے شرم آگئی اور میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

رسول اللہ صلعم کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی۔ آپ نے پکار کے کہا کہ کون اسکا حقدار ہے جسے میں یہ تلوار دیدوں کتنے ہی آدمی کہڑے ہوئے مگر آپ نے کیسکو نہ دی۔ اسی میں ابو دجانہ کھڑا ہوا۔ اور پوچھا رسول اللہ اسکا حق کیا ہے فرمایا اسکا حق یہ ہے کہ اس سے دشمنوں کو اسوقت تک مارے کہ وہ ٹیڑہی نہ ہو جائے۔ ابو دجانہ نے کہا۔ اچھا تو آپ یہ مجھے عنایت فرمائیے آپ نے وہ اسکو دیدی یہ بڑا بہادر شخص تھا۔ اور اسکا قاعدہ تھا کہ جب

سرخ عمامہ باندھتا تھا تو لوگ جانتے تھے کہ وہ اب لڑے گا۔ اس نے سرخ دوپٹہ باندھا
اور تلوار لی اور اکڑتا ہوا متبختراً بین الصفین آیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ ایسی چال
ہے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے مگر اس موقع پر یہ چال جائز ہے۔ پھر اسکے سامنے
جو چیز آئی اسے بھسم کرتا ہوا چلا گیا۔ اور پہاڑ کے دامن میں عورتوں تک پہونچ گیا۔ ان
میں ایک عورت کہتی تھی۔

نحن بنات طارق ٭ لا نمشی علی النمارق ٭ مشی القطا البوارق ٭ المسك فی المفارق
والدر فی المخانق ٭ ان تقبلوا نعانق ٭ ونفرش النمارق ٭ او تدبروا نفارق
فراق غیر وامق

ہم طارق (کوکب صبح یعنی سادات قوم) کی بیٹیاں ہیں۔ دوستوں سے کبھی منہ نہیں
پھیرتیں۔ ونزاکت کے باعث زرین پوش (کے منقش اور خوبصورت کپڑوں پر چلا کرتی
ہیں۔ اور اس چال سے کہ جیسے ہنس چلا کرتا ہے اور جسکے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتی
ہیں۔ ہمارے سروں میں مشک لگی ہوئی۔ اور گردن کے ہاروں میں موتی پڑے ہوئے
ہیں۔ اگر تم میدان جنگ میں آگے بڑھے تو ہم تم سے ہم آغوش ہیں۔ اور زریں پوش سے
خوبصورت چیزیں تمھارے واسطے بچھائیں گی۔ اور اگر تم نے پیٹ پھیری تو ہمارا تمھارا
فراق ہے اور فراق بھی ایسا کہ جیسے ہم تم کبھی دوست ہی نہ تھے۔

اور یہ بھی وہ کہتی تھیں۔

ویھًا بنی عبد الدار　　　ویھًا حماۃ الادبار
ضربا بکل بتار

چلنا اے بنی عبد الدار　　　چلنا اے حامیان ملک
مارنا ہر قسم کی قاطع تلواروں سے

ابو دجانہ نے تلوار اٹھائی کہ اس عورت کو مار ڈالے۔ مگر پھر یہ سوچکر رسول اللہ صلعم کی دی ہوئی ہے۔ اس سے عورت کو نہ مارنا چاہیئے۔ اُسے چھوڑ دیا۔ یہ عورت ہند تھی۔ اور عورتیں اسکے ساتھ مردوں کے پیچھے دف بجاتی جاتی تھیں اور مردوں کو لڑائی کی تحریص و ترغیب دلاتی تھیں۔

لڑائی پھر خوب جوش سے ہونے لگی۔ اور حمزہ علی اور ابو دجانہ مسلمانوں کو لیکر مخالفوں کی صفوں میں گھس گئے جس سے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی نصرت کی اور مشرکین کو ہزیمت ہوگئی۔ عورتیں بھی بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھ گئیں۔ اور مسلمان ان کے لشکر میں گھس کر لوٹ میں پڑ گئے۔

اس میں جب مسلمانوں کے لشکر کے تیر اندازوں میں سے ایک نے نظر کی۔ اور چونکہ کفار ہٹ گئے تھے تو اس نے میدان خالی پایا۔ اس سے کچھ تیر انداز غنیمت کیطرف چلے۔ اور کچھ اپنی جگہ کھڑے رہے۔ اور کہا ہم سے جو رسول اللہ صلعم نے کہا ہم وہی کرینگے اپنی جگہ کھڑے رہیں گے۔ اسپر اللہ تعالےٰ کے ہاں سے یہ آیت نازل ہوئی۔ منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ (تم میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کو چاہتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو آخرت کو چاہتے ہیں) یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مانتے ہیں۔

ابن مسعود کہتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت تک میں یہ جانتا نہ تھا کہ رسول اللہ کے اصحاب میں سے کوئی دنیا کا بھی طالب ہے۔ یہ مجھے اس آیت کے نزول کے بعد ہی معلوم ہوا۔ کہ بعض اصحاب رسول اللہ دنیا کے بھی طالب ہیں۔

تیر اندازوں کا لوٹ میں پڑنا اور غالبہ کا حملہ مسلمانوں پر اور مشرکین کا غلبہ اور حضرت علی کی نسبت اعتقادی روایت

جب کچھ تیر انداز اپنی جگہ سے چلے گئے۔ تو خالد بن الولید نے چند تیر اندازوں کو دیکھکر انپر حملہ کیا۔ اور انہیں قتل کر ڈالا۔ اور پیچھے سے اصحاب نبی صلعم پر بھی حملہ کیا۔ ادہر جب مشرکوں نے اپنے سواروں کو دیکھا تو وہ بھی جھپٹے اور مسلمانوں پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا اور بہت کو مار ڈالا۔

مسلمانوں نے مشرکین کے صاحب لوا کو قتل کر ڈالا تھا۔ ان کا لوا پڑا ہوا تھا کوئی اس کے پاس نہ جاتا تھا اُسے عمرہ بنت علقمۃ الحارثیہ نے اٹھایا اور بلند کیا جسے دیکھکر قریش اسکے گرد جمع ہو گئے۔ اور پھر اس عورت سے ایک شخص صواب نام نے لے لیا اور اسے لئے ہوئے مارا گیا جس نے اس لوا وار کو مارا تھا۔ وہ علی تھے۔ یہ بات ابو رافع نے بیان کی ہے۔

رسول اللہ کا زخمی ہونا اور ابن قمئہ کا مشہور کرنا کہ میں نے محمدؐ کو مار ڈالا ہے

پھر رسول اللہ صلعم کے نیچے کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اور لب چرگیا۔ رخسارہ پر اور نیز پیشانی پر جہاں بالوں کی جڑیں تھیں زخم آیا۔ آپ پر ابن قمئۃ اللیثی نے تلوار چلائی تھی اور اسی نے آپ کو زخمی کیا تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن شہاب الزہری جد محمد بن مسلم اور عتبہ بن ابی وقاص اور ابن قمئۃ اللیثی الادرمی نے جو بنی تیم بن غالب میں سے تھا مشورہ کیا۔ اور تیم کو ادرم یعنی ناقص الذقن اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اسکے ذقن میں کچھ نقصان تھا اور اسی مشورہ میں ابی بن خلف الجمحی اور عبداللہ بن حمید الاسدی اسد قریش بھی شامل تھے۔ انھوں نے اس مشورہ میں رسول اللہ کے قتل کا عہد کیا تھا۔ اسی میں ابن شہاب نے تو آپ کی پیشانی مبارک کو صدمہ پہنچایا۔ اور عتبہ نے چار پتھر مارے۔ جس سے آپ کے دہنے طرف کے دانت شہید ہو گئے۔ اور لب شق ہو گئے۔ رہا ابن قمئۃ اللیثی اُس نے

رخسارہ کوزخمی کیا۔ اورخود کے حلقہ رخساروں کی کھال میں گھس گئے۔ اورتلوار آپ پڑھائی مگراتنے زور سے نہیں لگی۔ کہ وہ آپ کے بدن کو کاٹے۔ تاہم رسول اللہ صلعم گر گئے۔ اور گھٹنا زخمی ہوگیا۔ ابی بن خلف نے حربہ لیکر حملہ کیا۔ لیکن یہ حربہ رسول اللہ صلعم نے اس سے چھین لیا اور اُسی سے لیکر آپ نے اسے مارا تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حارث بن الصمہ کا حربہ تھا جس سے آپ نے اسے مارا تھا۔ ایک عبداللہ بن حمید ان میں سے رہا سو اسے ابو دجانہ الانصاری نے مار ڈالا۔

جو وقت رسول اللہ صلعم زخمی ہوئے۔ اورخون آپ کے چہرہ مبارک پر بہنے لگا۔ اسوقت آپ اُسے پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ

کیف یفلح القوم خضبوا وجہ نبیھم بالدم یدعوھم الی اللہ (وہ قوم کیونکر فلاحیت پاسکتی ہے جس نے اپنے ایسے نبی کے چہرہ کو جو انہیں خدا کی طرف بلاتا ہو۔ خون سے رنگ دیا ہو۔

رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے واسطے انصار کے پانچ آدمی لڑتے رہے اور وہ پانچوں مارے گئے۔ ابودجانہ نے اپنے آپ کو رسول کے لئے ڈھال بنا لیا تھا۔ اور آپ کے اوپر جھک گیا تھا۔ اسکی پیٹ پر تیر پڑ رہے تھے۔ اسی وقت سعد بن ابی وقاص کے بھی رسول اللہ کی حفاظت میں ایک تیر آکر لگا تھا۔ اور رسول اللہ صلعم اسے تیرا ٹھا کر دیتے اور فرماتے تھے تیرے اوپر میرے ماں باپ قربان۔ یہ تیر مار۔

قتادہ بن النعمان کی آنکھ میں زخم آگیا۔ اورآنکھ باہر نکل آگئی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے اسکی آنکھ اپنی جگہ پر دہنے ہاتھ سے کردی اور وہ ایسی اچھی ہوگئی کہ پہلی آنکھ سے بھی بہتر تھی۔ مصعب بن عمیر صاحب لوا المسلمین بھی خوب لڑا۔ اور مارا گیا۔ اسے ابن قمئہ بن اللیثی نے مارا تھا اور یہ سمجھا تھا کہ یہی شخص نبی صلعم ہے۔ اسواسطے وہ قریش کی طرف گیا اور پکار کر

کہا کہ میں نے محمد کو مار ڈالا۔ اسواسطے لوگوں میں شہرت اڑگئی اور کہنے لگے کہ محمد مارے گئے
پھر جب مصعب مارا گیا تو رسول اللہ صلعم نے لوا علی بن ابیطالب کو دیدیا۔

حضرت حمزہ کی شہادت اور عبدالرحمن بن ابی بکر سے لڑنے کو ابوبکر کی تیاری اور عاصم کا سافع اور کلاب کو قتل کرنا

حمزہ بھی خوب لڑے اور لڑتے لڑتے اون کا گزر سباع بن عبدالعزی الغبشانی پر ہوا۔ اس سے انہوں نے کہا۔ اِدہر آ او ابن مقطعۃ البظور (بظر فرج کی نوک کو کہتے ہیں) اوسکی ماں ام انمار مکہ میں عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھی۔ جب دونو مقابل ہوئے تو حمزہ نے اسکے ایک تلوار ماری۔ اور مار ڈالا۔

وحشی کہتا ہے کہ میں حمزہ کو دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی تلوار سے لوگوں کے ٹکڑے ٹکڑے کئے ڈالتا تھا۔ اور جو کوئی سامنے آتا اسے مار ڈالتا۔ اور سباع بن عبدالعزی کو بھی اب اس نے مارا تھا۔ میں نے اس لئے اسکے اوپر اپنا حربہ اٹھایا تھا اور ایسا پھینک کر مارا کہ اس کی ناف میں جا کر لگا اور دونوں ٹانگوں میں ہو کر نکل گیا۔ پھر حمزہ میری طرف کو چلا۔ مگر طاقت نہ رہی گر گیا پھر میں نے اسے چھوڑ دیا جب وہ مر گیا تو میں نے اپنا حربہ نکال لیا اور لشکر کی طرف چلدیا (رضی اللہ عن حمزہ وارضاہ)

عاصم بن ثابت نے مسافع بن طلحہ اور اسکے بھائی کلاب بن طلحہ کو دو تیروں سے مار ڈالا ان دونوں کو لوگ ان کے دم نکلنے کے پہلے اٹھا کر ان کی ماں کے پاس لے گئے انہوں نے کہا اوس سے کہ عاصم نے ہمیں مارا ہے۔ اُس نے قسم کھائی کہ اگر ممکن ہوا تو عاصم کی کھوپری میں شراب پیونگی۔

عبدالرحمن بن ابی بکر جو مشرکوں کے ساتھ تھا میدان میں نکلا۔ اور مبازرت کے لئے کسیکو طلب کیا۔ ابوبکر نے چاہا کہ اس سے لڑنے کے واسطے وہ میدان میں نکلیں۔ مگر رسول اللہ

صلعم نے فرمایا کہ اپنی تلوار میان میں کر لو۔ اور اپنی ذات سے ہمیں دوسری جگہ فائدہ پہونچاؤ
دور حقیقت یہ بڑا مشکل کام تھا کہ اپنے دین اور اپنے رسول کے واسطے اپنے جوان بیٹے
کو قتل کرنے کے واسطے تیار ہو گئے۔ وہ لوگ ان کے پیر کی خاک کی برابری نہیں کر سکتے
جنھوں نے دنیا کی حکومتوں کے واسطے مسلمانوں کو قتل کیا ہے)

عمر اور طلحہ وغیرہ کی رسول اللہ کے مارے جانے کی خبر سنکر پریشانی اور انس کا انہیں سمجھانا

اسی میں انس بن النضر ابن مالک کا چچا عمرؓ و طلحہ کے پاس پہنچا جن کے پاس اور مہاجرین
بھی تھے۔ اور چپ کھڑے ہوئے تھے۔ (اور سوچ رہے تھے کہ اب کارروائی کا
کون طرز اختیار کیا جائے۔ اس نے پوچھا کہ کیوں چپ کیسے کھڑے ہو بولے کہ رسول
اللہ صلعم مارے گئے۔ انس نے کہا کہ جب وہ مارے گئے تو اب پھر ان کے بعد زندگی
کا کیا مزا ہے جس بات کے واسطے وہ لڑ کر مرے اسی بات پر تم بھی لڑ کر مر جاؤ۔ پھر دشمن
کے مقابل ہوا اور لڑ کر مارا گیا۔ اسکے جسم پر ستر زخم تلوار اور نیزہ کے لگے تھے۔ اس کی
زخموں سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ مرنے کے بعد صورت نہیں پہچانی جاتی تھی۔ صرف اسکی
بہن نے اسکے دانتوں کی خوبصورتی سے اسے پہچانا تھا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ جس وقت مشہور ہوا کہ رسول اللہ صلعم مارے گئے تو اسوقت کچھ مسلمانوں
نے کہا۔ کوئی ایسا ہے جو عبداللہ بن ابی بن سلول کو جا کر بلا لائے۔ تاکہ وہ ابوسفیان سے
ہمارے لئے اس سے پہلے اجازت حاصل کرا دے کہ ہم کو وہ قتل کر ڈالیں۔ انس نے ان
سے کہا کہ اگر محمدؐ مارے گئے تو مارے جانے دو۔ محمد کا رب تو نہیں مارا گیا۔ جس کے
لئے محمد لڑتے تھے۔ اسی بات کے لئے تم بھی لڑو۔ اے اللہ میں تو وہ بات نہیں کہتا
جو بات یہ لوگ کہتے ہیں۔ ان کی باتوں سے میں بری ہوں۔ پھر لڑا اور لڑ کر مارا گیا سب سے

اول رسول اللہ کو کعب بن مالک نے پہچانا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کو جب دیکھا کہ آپ زندہ ہیں تو میں نے خوب چلا کر آواز دی۔ کہ مسلمانوں تم کو بشارت ہو۔ رسول اللہ صلعم یہاں زندہ موجود ہیں کسی نے انہیں قتل نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اسکی طرف اشارہ کیا کہ خاموش خاموش۔ کہیں کفار نہ جان جائیں۔ غرض جب مسلمانوں نے آپ کو پہچان لیا۔ تو شعب احد کی طرف چلے۔ اسوقت آپ کے ساتھ علی ابوبکر عمر طلحہ زبیر اور حارث بن الصمہ وغیرہ تھے۔

(رسول اللہ صلعم کا ابی کو اپنے ہاتھ سے مارنا اور رسول کا خون تھمنا اور مالک کا طلحہ کے تیر مارنا)

جب رسول اللہ صلعم شعب کی طرف چڑھے تو وہاں آپ کو ابی بن خلف ملا اور بولا محمد اگر تو بچ گیا تو میں نہیں بچوں گا۔ یہ سنکر رسول اللہ صلعم اسکی طرف پھرے۔ اور اسکی گردن میں ایک حربہ مارا۔ ابی آپ سے مکہ میں کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے میں اسے ہر روز جوار کا ایک فرق (جو تیرہ سیر وزن کا ایک پیمانہ ہوتا ہے) کھلایا کرتا ہوں کہ وہ موٹا ہو جائے اور اسپر میں چڑھکر تجھے ماروں۔ رسول اللہ اس سے فرماتے تھے انشاء اللہ میں ہی تجھے مارونگا اسلئے جب وہ قریش کے پاس لوٹ کر گیا تو بولا کہ محمد نے مجھے قتل کر دیا۔ حالانکہ جو زخم اسکے لگا تھا وہ بہت بڑا زخم نہ تھا۔ وہ زخم دیکھکر بولے کہ اسکا کچھ اندیشہ نہیں۔ اس نے کہا نہیں یہ زخم مجھے مار ڈالے گا۔ محمد نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ واللہ اگر وہ میرے اوپر تھوک بھی دیتا تب بھی تو میں مر جاتا۔ چنانچہ وہ دشمن خدا سرف مقام پر مر گیا۔

رسول اللہ صلعم احد کی لڑائی میں خوب ہی لڑے اور اس قدر تیر مارے کہ آپ کے تیر سب ختم ہو گئے۔ اور آپ کی قوس کا چلہ ٹوٹ گیا۔ اور وتر کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے۔ تو آپ کے واسطے علی اس کنوے سے اپنی ڈھال میں پانی لاتے اور خون کو دھوتے تھے۔ مگر خون نہیں تھمتا تھا۔ اس میں بی بی فاطمہ آئیں۔

باپ کو لپٹ کر رونے لگیں۔ اور بوریہ کا ایک ٹکڑا جلا کر اسکی راکھ زخم پر لگائی تب خون کا نکلنا منقطع ہوا۔

مالک بن زہیر الجشی نے اور بعض کہتے ہیں کہ حبان بن العرقہ نے رسول اللہ کے ایک تیر مارا اور طلحہ نے اسے اپنے ہاتھ پر لیا جو اسکی چھنگلیا میں جا کر لگا۔ تیر کے لگنے سے اوس نے حس کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اگر وہ باسم اللہ کہتا تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا۔ اور لوگ اسے جنت میں جاتے ہوئے آنکھوں سے دیکھتے ہوتے۔ کہتے ہیں کہ اس سے اسکا ہاتھ انگشت سبابہ اور وسطی کے سواشل ہوگیا تھا۔ مگر اول قول زیادہ صحیح ہے۔

عمر کا ابوسفیان کو پسپا کرنا اور طلحہ کو جنت کی بشارت اور مسلمان بھاگنے والوں کو تنبیہ کرنا۔

ابوسفیان مشرکوں کی ایک جماعت کو لیکر پہاڑ پر چڑھا۔ رسول اللہ نے فرمایا یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ہم سے بلند ہو جائے۔ اسواسطے حضرت عمر مہاجرین کی ایک جماعت کو لیکر ادہر گئے۔ اور انہیں لڑکر اتار دیا۔ رسول اللہ ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے مگر آپ کو دو زرہوں کے بوجھ سے اس قدر طاقت نہ تھی کہ خود بلا مدد چڑھ جاتے اس لئے طلحہ وہاں بیٹھ گئے۔ اور آپ اسپر پاؤں رکھ کر چڑھ گئے اور فرمایا طلحہ کو جنت واجب ہوگئی۔

اور کچھ لوگ مسلمانوں کے جن میں عثمان بن عفان وغیرہ بھی تھے پیچھے ہٹتے ہٹتے اعوص مقام تک پہونچگئے تھے۔ وہاں وہ لوگ تین روز رہے۔ پھر نبی صلعم کے پاس آئے تو آپ نے انہیں دیکھکر فرمایا۔ کہ تم لوگ بہت ہی بڑے چوڑے گئے۔ (چونکہ یہ لوگ نہ توجبن کے سبب سے پیچھے ہٹ گئے تھے اور نہ دینِ اسلام سے بددلی تھی۔ اس لئے انپر کوئی خطا قایم نہیں کرسکتے۔ یہ اتفاقات جنگ ہیں ایسے وقت میں کٹ کر مرجانا بھی بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو الفاظ رسول اللہ نے فرمائے۔ اس میں کوئی ملامت

الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ صرف تنبیہ منظور ہے۔

خنظلہ اور ابوسفیان اور ابن شعوب کا خنظلہ کو قتل کرنا۔

اور خنظلہ ابن ابی عامر غسیل الملائکہ اور ابوسفیان بن حرب کا مقابلہ ہوگیا۔ اور خنظلہ اس پر اتنا غالب ہوگیا کہ اسپر چڑھ گیا۔ مگر جب شداد بن الاسود نے جسے ابن شعوب بھی کہتے ہیں ان دونوں کو دیکھا تو ابوسفیان ملے اُسے بلایا۔ اور اس نے آکر خنظلہ کے ایک ایسی تلوار ماری کہ اُسے قتل کر ڈالا۔ اسپر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اسے ملائکہ نہلائیں گے لوگوں نے اسکی وجہ اس کے گھر کے لوگوں سے دریافت کی اور اسکی بی بی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ گھر سے نکلا تو جنب تھا۔ اسی میں لڑائی کی منادی کی آواز اسکو سنائی دی۔ اور وہ ویسے ہی چلا گیا۔ اسیواسطے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اسے ملائکہ نے نہلایا ہے۔ ابوسفیان اپنے صبر و استقامت اور خنظلہ کے قتل میں ابن شعوب کی امداد کی نسبت کہتا ہے۔

ولو شئت نجتنی کمیت طمرۃ ولم احمل النعماء لابن شعوب

اگر میں چاہتا تو اسوقت کمیت خوبصورت گھوڑے مجھے بچا سکتے تھے۔ اور اگر میں اسپر چلدیتا تو مجھے ابن شعوب کا باراحسان اٹھانا نہ پڑتا۔

فمازال مھری مزجر الکلب منھم لدن غدوۃ حتی دنت لغروب

صبح سے لیکر اسوقت تک کہ دن غروب کے قریب آگیا ان سے میرا بچھیرا اتنی ہی دور رہا جتنی دور کتے کو ڈانٹ کر کردیتے ہیں۔

اقاتلھم وادعی یاآل غالب وادفعھم عنی برکن صلیب

اسوقت میں ان سے لڑتا جاتا تھا۔ اور پکارتا جاتا تھا یاآل غالب یاآل غالب اور مضبوط ڈنڈے یا ہمت قوی سے انہیں سامنے سے ہٹاتا جاتا تھا۔

فبکی ولا تری مقالۃ عاذل ولا تسامی من عبرۃ وتحیب

(اے میری عورت ہند بنت عتبہ) تو رو اور ملامت کرنے والوں کی گفتگو کی رعایت نہ کر۔ اور رونے میں جو آنسو نکلیں اس سے تو کچھ آزردہ خاطر نہ ہو۔

اباک واخوانا لنا قد تتابعوا وحق لھم من عبرۃ بنصیب

تیرا باپ اور ہمارے بھائی یکے بعد دیگر (اس جہان سے) چلتے بنے۔ ان کا حق ہے کہ انپر آنسو بہاتے جائیں۔

وسلی الذی قد کان فی النفس اننی قتلت من النجار کل نجیب

اور دل میں جو تیرے خیالات گذر رہے ہیں ان کی نسبت تو دل کی تسلی کر دے میں نے بنی نجار کے سب نجیبوں کو قتل کر دیا۔

ومن ھاشم قرما نجیبا ومصعبا وکان لدی الھیجاء غیر ھیوب

اور بنی ہاشم میں سے بھی ایک سردار نجیب النفس اور سانڈ کو مار ڈالا۔ جو لڑائی کے وقت بڑا بے باک اور نڈر تھا۔

ولو اننی لم اشف منھم قرونتی لکانت شجی فی القلب ذات ندوب

اگر میں ان کے (قتل) سے اپنا دل ٹھنڈا نہ کر لیتا۔ تو یہ غم میرے دل میں ہمیشہ زخم کرتا رہتا

اسکا جواب حسان نے اس طرح دیا ہے۔

ذکرت القروم الصید من آل ھاشم ولست لزور قلتہ بمصیب

آل ہاشم کے تو نے شکاری سرداروں کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں تو نے جو جھوٹ لگایا ہے تو راہ صواب پر نہیں ہے۔

اتعجب ان اقصدت حمزۃ منھم عشاءً وقد سمیتہ بنجیب

کیا تجھے اس سے تعجب آتا ہے کہ تو نے حمزہ کو ان میں سے شام کے اندھیرا پڑتے وقت

مارڈالا۔ جسے تو نجیب النسل بیان کرتا ہے۔

الم یقتلوا عمرًا وعتبة وابنه وشیبة والحجاج وابن حبیب

لیکن دوسری بات کو تو چھوڑ جاتا ہے۔ کیا تیرے دشمنوں نے عمرو اور عتبہ اور اس کے بیٹے؛ ورشیبہ اور حجاج اور ابن حبیب کو نہیں مارڈالا۔

غداۃ دعا العاصی علیا فراعه بضربة عضب بله بخضیب

اور صبح کے وقت جو عاصی نے علی کو میدان جنگ میں بلایا تھا اور اسوقت انھوں نے اسے ایک ضرب قاطع سے خون میں رنگ دیا تھا۔ تو اس سے وہ کیا چین نہیں بول گیا

ہند کا حمزہ کا کلیجہ چبانا اور ابوسفیان کی گفتگو عمر سے اور ناک کان کاٹنے کا عذر

ہندا ور اسکے ساتھ والیاں مقتولوں پر آکر جھکیں اور ان کے ناک کان کاٹنے لگیں۔ ہند نے مردوں کے کان اور ناکیں لیں۔ اور ان سے اپنی خلخالیں اور ہار بنائے۔ اور جو اپنے خلخالیں اور ہار تھے وہ نکالکر وحشی کو دیدیئے۔ حمزہ کا کلیجہ چیرا اور لے منہ میں چبایا۔ مگر اسکو نگل نہ سکی اس لئے تھوک دیا۔ (اگرچہ یہ ایک بہت ہی بُری حرکت تھی۔ مگر جب اسکے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں جما لیا جائے کہ ہند کا بیٹا حنظلہ حمزہ کے بھتیجے کے ہاتھ سے مارا گیا تھا تو اس برائی کا وزن ہلکا ہوجاتا ہے) پھر ابوسفیان نے ایک اونچے مقام پر چڑھ کر مسلمانوں کو دیکھا۔ اور آواز دیکر پوچھا کیا تم لوگوں میں محمدؐ ہیں یہ الفاظ تین مرتبہ کہے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اسکا جواب مت دو۔ پھر ابوسفیان نے کہا کیا تم میں ابوقحافہ ہے۔ پھر تین مرتبہ کہا کیا تم میں عمر بن الخطاب ہے۔ پھر جب ادھر سے جواب نہ دیا گیا تو وہ اپنے لوگوں کی طرف ملتفت ہوکر بولا۔ کیا یہ لوگ مارے گئے اسپر حضرت عمر بول اٹھے۔ تو جھوٹ کہتا ہے اے عدو اللہ۔ ان سب کو اللہ تعالےٰ نے تیری تخریب کے لئے باقی رکھا ہے۔ پھر ابوسفیان نے کہا اعل ہبل اعل ہبل (ہبل کا بول بالا

ہبل کا بول بالا) رسول اللہ نے فرمایا کہو اللہ اعلیٰ و اجل۔ ابوسفیان نے کہا۔
ان لنا عزی ولا عزی لکم۔ (ہمارا عزی ہے اور تمھارا عزی نہیں ہے) رسول اللہ
نے فرمایا۔ کہو اللہ مولینا ولا موے لکم (اللہ ہمارا موے اور مالک ہے اور تمھارا کوئی مولیٰ
نہیں ہے۔

پھر ابوسفیان نے کہا عمر میں تجھے قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ ہم نے محمد کو مار ڈالا ہے حضرت عمر
نے کہا ہرگز نہیں وہ زندہ ہیں اور تیری باتیں سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا تو ابن قمہ سے سچا ہے۔
پھر کہا آج تو ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا۔ لڑائی کے ہمیشہ انقلاب ہوا کرتے ہیں کبھی ادہر کا
پلہ بھاری ہوتا ہے اور کبھی اُدہر۔ پھر کہا تم لوگ اپنے مقتولوں میں دیکھوگے کہ بعض لاشوں
کے ناک کان کٹے ہونگے۔ واللہ یہ کام میری رضامندی سے نہیں ہوا اور نہ اسکے
کرنے والوں پر میں نے اپنی ناراضی ظاہر کی۔ نہ میں نے اسکا حکم دیا اور نہ منع کیا۔

جلیس بن زبان سید الاحابیش کہیں پھر رہا تھا۔ اس نے ابوسفیان کو دیکھا۔ کہ وہ
حمزہ کے منہ پر نیزہ کی نوک مار رہا ہے۔ اور کہتا ہے عاق بیٹے مزہ چکھا۔ جلیس نے بنی
کنانہ سے کہا۔ دیکھو یہ قریش کا سید ہے اور اپنے ابن عم سے کیا کر رہا ہے۔ ابوسفیان
نے کہا یہ مجھ سے غلطی ہوئی کسی سے کہنا نہیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان
انتقام کے جوش میں دشمن کی لاش سے بھی اس قدر گستاخی کو ناجائز سمجھتا تھا۔ یہ اسکی
کمال شرافت پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو حضرت عمر اور ابوسفیان کی گفتگو
کے بعد اس روایت کی صحت میں ہی شک ہے)

خفانہ کا ام ایمن کے تیر مارنا اور سعد کا خفانہ سے بدلہ لینا اور قریش کا مکہ کو لوٹنا

رسول کی حاضنہ ام ایمن اور اور عورتیں انصار کے مردوں کو پانی لالا کر پلاتی تھیں۔
خفانہ بن العرقہ نے ام ایمن کے ایک تیر مارا جو اسکے دامن میں آکر لگا اسے دیکھ کر

خفا نہ ہنس پڑا ۔ نبی صلعم نے سعد بن ابی وقاص کو ایک تیر دیا ۔ اور کہا خفانہ کے مارو سعد نے جب تیر مارا تو اسکے جا کر لگا اس سے رسول ہنس پڑے ۔ اور فرمایا کہ اے سعد تو نے ام ایمن کا بدلہ لیا ۔ خدا تیری دعا قبول کرے ۔ اور تیرا تیر نشانہ پر لگائے ۔

پھر ابوسفیان اور اسکے ہمراہی لوٹ گئے ۔ اور ابوسفیان کہہ گیا ۔ کہ آیندہ سال پھر ہم لڑائی کے لئے آئیں گے ۔ رسول اللہ کے حکم سے مسلمانوں نے کہدیا اچھا ہم بھی تیار ہیں ۔ پھر رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کو بھیجا کہ ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو اگر یہ لوگ گھوڑوں کو باندھ لیں اور اونٹوں پر سوار ہوں تو جان لو کہ وہ مکہ جاتے ہیں ۔ اگر گھوڑوں پر سوار ہوں تو جاننا کہ ان کا ارادہ مدینہ کا ہے ۔ اگر انہوں نے ایسا تو ہم بھی کچھ کمی نہیں کرنے کے ۔ ان سے خوب مقابلہ کریں گے ۔ علی کہتے ہیں میں گیا ۔ اور ان کے پیچھے جا کر دیکھا تو وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو ساتھ ساتھ باندھ لیا ۔ اور مکہ کیطرف چلدیئے ۔ میں راستہ سے بچ بچا کر آیا ۔ کہ جہاں تک ہو سکے کوئی مجھے دیکھے نہیں ۔ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے کہدیا تھا کہ کوئی دیکھے نہیں (پھر آکے رسول اللہ صلعم سے سارا حال کہدیا کہ وہ مکہ گئے ۔

سعد بن ربیع کی شہادت اور اپنی قوم کو وصیت

رسول اللہ صلعم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ مقتولوں کو جا کر دیکھے ۔ اس نے سعد بن ربیع الانصاری کو دیکھا کہ اس میں فقط ایک رمق جان باقی ہے ۔ سعد نے اس سے کہا کہ میرا اسلام کہنا رسول اللہ صلعم سے اور کہنا کہ خدا تعالےٰ آپ کو وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو اس نے اپنے کسی نبی کو اس کی امت کے سبب سے دی ہو ۔ اور میری قوم کو بھی سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ اگر تم میں ایک شخص بھی زندہ رہے اور رسول اللہ کو تمہارے ہوتے ہوئے کوئی ایذا پہنچے تو یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ کے سامنے تمہارے لئے

کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ کہا۔ اور کہنے کے بعد مر گیا۔

حمزہ کی شہادت اور ناک کان کاٹنا اسپر رسول اللہ کا اور بی بی صفیہ کا رنج

حمزہ اس وادی کے بطن میں ملے۔ ان کے پیٹ میں سے کلیجہ نکال لیا اور کان ناک کاٹ ڈالے گئے تھے۔ جب رسول اللہ صلعم نے دیکھا تو فرمایا کہ اگر اس سے آزاد نہ ہوتی اور میرے بعد بھی طریقہ سنت نہ ہوجاتا۔ تو میں حمزہ کو یہیں چھوڑ دیتا کہ انہیں زمین کے درندہ اور آسمان کے پرندے کھاجاتے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے قریش پر غلبہ دیا تو ان کے تیس آدمی کے ناک کان کاٹوں گا۔ اور مسلمانوں نے بھی کہا کہ ہم ان کے ایسے ناک کان کاٹیں گے کہ عربوں میں کسی نے کبھی ایسے نہ کاٹے ہونگے۔ مگر اس بات میں اللہ تعالےٰ نے ایک آیت نازل فرمائی۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہٖ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین ط واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیہم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ط ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ؀

(اور اے مسلمانوں۔ دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو اتنی ہی سختی کرو جتنی تمھارے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اگر مخلوق کی ایذا پر صبر کرو۔ تو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے۔ اور تم مخالفوں کی ایذاؤں پر صبر کرو۔ اور اے پیغمبر خدا کی توفیق بدوں تم صبر کر بھی نہیں سکتے ہو۔ اور ان مخالفوں کے حال پر افسوس نہ کرو۔ اور یہ لوگ جو تمھاری مخالفت میں تدبیریں کیا کرتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہو کیونکہ جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں اور جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اللہ ان کا ساتھی ہے)

اسواسطے رسول اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ اور صبر فرمایا۔ اور اپنے اصحاب کو ناک کان کاٹنے کی ممانعت کر دی۔

پھر بی بی صفیہ بنت عبدالمطلب آئیں۔ رسول اللہ نے ان کے آنے کی خبر سنکر ان کے بیٹے زبیر سے کہدیا کہ انہیں لوٹا دے تاکہ وہ اپنے بھائی حمزہ کی صورت اس طرح کی نہ دیکھیں زبیر نے راستہ میں جاکر ان سے کہا کہ نبی صلعم ایسا فرماتے ہیں۔ صفیہ نے کہا مجھے معلوم ہے حمزہ کے ناک کان کاٹے گئے ہیں۔ یہ بات اللہ کے رستہ میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اس سے اگرچہ دل کو صدمہ ہوتا ہے مگر خدا ہمیں اسکا ثواب دیگا۔ میں صبر کرتی ہوں زبیر نے جاکر نبی صلعم سے کہا تو آپ نے کہا کہ اچھا آنے دو۔ پھر وہ آئیں اور انپر نماز پڑہی اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ پھر رسول اللہ صلعم کے حکم سے انہیں دفن کر دیا گیا

قزمان کی موت کفر کی حالت میں اور مخیریق یہودی کا مسلمانوں کی طرف سے مارا جانا

مسلمانوں میں ایک شخص تھا جسکا نام قزمان تھا رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ اہل النار سے ہے۔ وہ احد کے روز خوب اچھی طرح سے مسلمانوں کی جانب سے لڑا اور سات آٹھ مشرکین کو قتل کیا۔ پھر زخمی ہو گیا۔ لوگ اُسے اٹھا کر اسکے گھر لے گئے وہاں اس سے مسلمانوں نے کہا تجھے جنت کی بشارت ہو قزمان۔ کہا کیوں میں تو اسلام کے لئے نہیں لڑا۔ بلکہ اپنی قوم کی حمایت کے واسطے لڑا ہوں پھر اس پر زخم کیطرف سے بڑی تکلیف بڑہی۔ اسواسطے اس نے تیر لیا اور اپنی آنتڑیاں اس سے کاٹ ڈالیں اس سے خون نکل نکل کر مر گیا جب رسول اللہ کو اسکی خبر پہونچی تو فرمایا اشہد انی رسول اللہ۔

اور جو لوگ مسلمانوں کی طرف سے مارے گئے ان ہی میں ایک شخص مخیریق یہودی بھی تھا۔ اس نے لڑائی کے دن یہودیوں سے کہا۔ اے یہود یہ دن تمہارے لئے ہے تم کو معلوم ہے کہ محمد کے نصرت و تائید تمپر ضروری ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ آج تو سبت کا دن ہے۔ اُس نے کہا سبت اس کام میں کوئی چیز نہیں ہے اور اپنی تلوار اور دوسرے

تمام ہتھیار زیب تن کئے۔ اور کہا اگر میں مرجاؤں تو میرا مال محمد مال ہے جو چاہے وہ کرے۔ پھر میدان جنگ میں آیا اور لڑ کر مارا گیا۔ رسول اللہ نے اسکی نسبت فرمایا کہ مخیریق نہایت عمدہ یہودی تھا۔

ایمان مسلمان کا قتل مسلمانوں کے ہاتھ سے

ایمان حذیفہ کا باپ بھی مارا گیا۔ اُسے اتفاقاً مسلمانوں نے ہی مار ڈالا۔ رسول اللہ صلعم نے اُسے اور ثابت بن قیس بن وقش کو عورتوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ یہ دونو بوڑھے تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہم کسکا انتظار کریں۔ ہم اپنی تلوار لے کر رسول اللہ کے پاس کیوں نہ جائیں وہاں شاید اللہ تعالےٰ ہمیں شہادت نصیب کردے چنانچہ وہ نکلے۔ اور لڑائی کے وقت لوگوں کی بھیڑ میں گھس گئے ان کو مسلمانوں کی علامت جو انہوں نے مقرر کر رکھی تھی معلوم نہ تھی۔ اسلئے ثابت تو مشرکوں کے ہاتھ سے مارا گیا اور ایمان پر مسلمانوں کی ہی تلواریں برسیں اور بے جانے اسے مار ڈالا حذیفہ نے کہا یہ میرا باپ ہے میرا باپ ہے مگر اسکا کام اتنے ہی میں ہو ہی چکا۔ مسلمان بولے ہمیں معلوم نہ تھا۔ حذیفہ نے کہا تو اللہ تعالےٰ تم قاتلوں کو مغفرت عطا فرمائے۔ رسول اللہ صلعم نے چاہا کہ اسکی دیت حذیفہ کو دیں۔ مگر حذیفہ نے دیت بھی مسلمانوں کو معاف کردی۔

شہدار کا قبروں میں دفن کیا جانا۔

بعض مسلمانوں نے اپنے مقتول اٹھائے اور مدینہ کو لے چلے۔ رسول اللہ نے فرمایا جہاں وہ مارے گئے ہیں انہیں اسی جگہ دفن کردیا جائے اور حکم دیا کہ دو دو تین تین ایک ہی قبر میں دفن کردیں۔ اور جو ان میں زیادہ قرآن جانتا ہو اسکو قبلہ کیطرف رکھیں۔ نبی صلعم نے اونپر نماز پڑہی۔ جب کوئی شہید آتا تو حمزہ کو اسکے ساتھ شریک کر لیا کرتے اور دونوں پر نماز پڑھتے تھے اور ایک قول ہے کہ نو نو آدمی آپ لیتے تھے اور ان میں

حمزہ کو دسواں کرتے اور انپر نماز پڑہتے تھے۔ حمزہ کو قبر میں علی ابوبکر عمر اور زبیر نے اتارا تھا۔ اور رسول اللہ صلعم ان کی قبر پہ بیٹھے تھے۔

اور رسول اللہ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن حزام دونوں ایک ہی قبر میں دفن کئے جائیں۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں دنیا میں سچے دلی دوست تھے۔

پہر جب شہدا دفن ہوگئے۔ تو رسول اللہ صلعم میدانِ جنگ سے واپس ہوئے۔ یہاں آپ سے حمنہ بنت جحش ملی۔ لوگوں نے اسے اسکے بھائی عبداللہ کے قتل کی خبر سنائی اس نے سنکر استرجاع پڑھی پہر کسی نے اس سے کہا تیرا بھائی حمزہ بھی مارا گیا اس کے واسطے اس نے استغفار کیا۔ پہر ایک نے کہا تیرا شوہر مصعب بن عمیر بھی مارا گیا۔ اسے سنکر وہ بلبلا گئی اور چلا پڑی۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ عورت کو اپنے مرد کا بڑا خیال ہوتا ہے۔

جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ کا گزر انصار کے ایک گھر پہ ہوا۔ وہاں آپ نے نوحہ وبکا کی آواز سنی اس سے آپ بھی رونے لگے۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ حمزہ پر کوئی بھی رونے والا نہیں ہے۔ یہ سنکر سعد بن معاذ بنی عبدالاشہل کے گھر گیا۔ اور ان کی عورتوں سے کہا کہ وہ جائیں اور حمزہ پر جا کر روئیں (رونے کی ممانعت چلا کر غالباً اسکے بعد ہوئی ہے یا یہ روایت محبان اہل بیت کی ہوگی)

رسول اللہ انصار کی ایک عورت کی طرف ہوکر گزرے۔ جب اس سے لوگوں نے کہا کہ اسکا باپ اور شوہر دونوں مارے گئے تو کہا رسول اللہ کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ بحمداللہ وہ تو تیرے دل کی خواہش کے موافق زندہ سلامت ہیں۔ کہا مجھے انہیں دکھاؤ جب اس نے آپ کو دیکھا تو کہا کیسی ہی مصیبت کیوں نہ پڑے اگر آپ بچ رہیں تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

اور رسول اللہ مدینہ کو اسی لڑائی کے دن سبت کے ہی روز لوٹ آئے تھے۔

اسکے بعد صحیح بخاری پارہ سولھواں کتاب المغازی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ سے ۲۰۸ تک غزوہ احد کا بیان اس طرح لکھا گیا ہے۔

(۱۰۳۱) براء بن عازب کہتے ہیں ہم نے احد کے دن مشرکوں سے مقابلہ کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر تیر اندازوں کا حفاظت کے واسطے بٹھا دیا ان پر عبداللہ بن جبیر کو امیر بنا کر فرمایا یہاں سے نہ ٹلنا اگر تم دیکھو کہ ہم کافروں پر غالب آ گئے تو بھی نہ ہلنا اور جو دیکھو کہ کافر ہم پر غالب آ گئے تو بھی ہماری مدد نہ کرنا۔ پھر جب ہم کافروں سے لڑے تو وہ بھاگ گئے یہانتک کہ میں نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ اپنے دامن پنڈلیوں سے اٹھائے ہوئے پہاڑ کی طرف بھاگ رہی تھیں اور ان کی پازیبیں دکھائی دیتی تھیں (عبداللہ ابن جبیر کے ہمراہی) کہنے لگے ارے میاں مال غنیمت کو لوٹو عبداللہ نے کہا مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار لیا ہے کہ یہاں سے ہرگز نہ ٹلنا۔ انھوں نے (عبداللہ کا کہنا نہ مانا جب وہ باز نہ آئے اللہ نے ان کے مونہ پھیر دئیے (انہیں معلوم نہ تھا ہم کدہر جا رہے ہیں) مسلمانوں کو یہ مصیبت پہنچی کہ ستر آدمی شہید ہوئے۔ ابوسفیان نے اونچے پر چڑھکر کہا کیا قوم میں محمد (زندہ) ہیں۔ آپ نے فرمایا اسے جواب نہ دو۔ پھر اس نے کہا کیا قوم میں ابی قحافہ کا بیٹا (یعنی ابوبکر) ہیں آپنے ارشاد کیا خاموش رہو پھر اس نے کہا کیا قوم میں (عمر) ابن الخطاب ہیں آپ نے کہا جواب نہ دو۔ ابوسفیان نے کہا یہ سب مارے گئے (ورنہ) اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے اسپر عمرؓ نہ رہ سکے اور بولے دشمن خدا تو جھوٹا ہے بخدا تیرے ذلیل کرنے والوں کو اللہ نے بچا لیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا اُعل ہبل یعنی اے ہبل (جو ایک بت کا نام ہے) تو بلند ہو (اور اپنے دین کی مدد کر) رسول اللہ نے فرمایا تم بھی اسے جواب دو لوگوں نے کہا ہم اسے کیا جواب دیں۔ آپ نے فرمایا کہو اللہ اعلیٰ وَاَجَلُّ یعنے خدا بلند و بزرگتر ہے۔

(ابوسفیان نے کہا لنا العزی ولا عزی لکم ہمارا (مددگار) عزی (بت) ہے اور تمہارا مددگار

عزی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تم بھی اُسے جواب دو لوگوں نے کہا ہم اسے کیا جواب دیں فرمایا کہو اللہ مولنا ولا مولا لکم۔ (یعنے ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار نہیں ہے ابوسفیان نے کہا کہ یہ دن بدر کے دن کے بدلے ہی۔ اور لڑائی مثل ڈول کے (کبھی ایک کی فتح اور کبھی دوسرے کی فتح) اور (کہا) تم میدان میں مقتولین کو ناک کان کٹے ہوئے پاؤگے نہیں نے اسکا حکم دیا اور نہ یہ مجھے برا معلوم ہوا۔

(۱۱۱۴) سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں میں نے احد کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے ہمراہ دو مرد سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جو آپ کی طرف سے بڑی ستعدی سے لڑ رہے تھے۔ میں نے انہیں اس سے پہلے اور اسکے بعد کبھی نہیں دیکھا۔

(۱۱۱۵) سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن مجھے اپنے ترکش سے تیر نکال نکال کر دیتے اور فرمایا اے سعد تیر چلائے جا تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

(۱۱۱۶) سعد (بطور فخر) کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن اپنے ماں باپ دونوں کو جمع کرکے (بلفظ فداک ابی وامی) میرے ہی واسطے کہا ہے۔

(۱۱۱۷) سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن میرے واسطے اپنے دونوں ماں باپوں کو جمع کیا۔ مراد سعد کی یہ تھی آپ نے میرے واسطے فداک ابی وامی کہا جب کہ میں لڑ رہا تھا۔

(۱۱۲۰) معتمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اس نے کہا ابو عثمان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بعض ایام (جنگ احد) میں جس میں آپ کافروں سے لڑتے تھے۔ (بڑے صحابیوں میں سے) طلحہ اور سعد بن ابی وقاص کے سوا کوئی نہ رہا تھا ابو عثمان نے

یہ قصہ سعد اور طلحہ کے حالات سے اخذ کیا۔

(۱۲۲۲) قیس کہتے ہیں میں نے طلحہ کا ہاتھ شل ہوا دیکھا کہ اُس سے جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے واسطے سپر بنایا تھا۔

(۱۲۲۳) انس کہتے ہیں جنگ احد کے دن لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کے بھاگ گئے۔ (صرف) ابوطلحہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی چمڑے کی ڈھال لگائے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ ابوطلحہ مرد تیر انداز سخت کمان کھینچنے والے تھے۔ اس دن دو تین کمانیں توڑ ڈالیں۔

اگر کوئی شخص آتا اور اسکے ترکش میں تیر ہوتے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے۔ انہیں ابوطلحہ کے لئے ڈال جا۔ انس کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن اُبھار کر قوم کفار کی طرف دیکھا ابوطلحہ بولے آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ اونچے ہو کر نہ دیکھیئے کہیں آپ کے کافروں کا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ (خدا کرے) میرے گلے پر لگے آپ کے نہ لگے۔ انس کہتے ہیں میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور بنت ام سلیم (اپنی والدہ) کو اس حال میں دیکھا کہ وہ دونوں اپنے دامن اُٹھائے ہوئے تھیں میں ان کی پنڈلیوں پر پازیب کو دیکھتا تھا اور وہ دونوں اپنی پیٹھ پر مشکیں اٹھا اٹھا کر لوگوں کے مونہ میں پانی ڈالتی تھیں پھر جا کر انہیں بھر کے لاتی تھیں اور قوم کے مونہ میں ٹپکاتی تھیں۔ ابوطلحہ کے ہاتھ سے دو یا تین بار تلوار گر پڑی۔

(۱۲۳۰) جعفر بن عمرو بن امیۃ الضمری کہتے ہیں میں عبداللہ بن عدی بن الخیار کے ساتھ نکلا۔ جب ہم (شہر) حمص میں پہنچے عبیداللہ نے مجھ سے کہا کیا تجھے وحشی سے ملنے کی آرزو ہے تاکہ ہم اُس سے قتل حمزہ کا حال دریافت کریں۔ میں نے کہا ہاں وحشی حمص میں ہی رہتا تھا۔ ہم نے وحشی کو دریافت کیا کسی نے ہمیں (اشارہ سے) بتایا وحشی وہ اپنے مکان کے

سایہ میں بیٹھا ہے گویا وہ دبہری ہوئی، مشک ہے جعفر کہتے ہیں کہ ہم اُسکے پاس آکے ٹھیرے
اورہمنے سلام کیا اُس نے سلام کا جواب دیا جعفر کہتے ہیں عبیداللہ اپنی پگڑی اس طرح لپیٹے
ہوئے تھا کہ وحشی اُسکی آنکھوں اور پیروں کے سوا کچھ نہ دیکھ رہا تھا عبیداللہ نے کہا اے وحشی
کیا تو مجھے پہچانتا ہے جعفر کہتے ہیں وحشی نے عبیدہ کی طرف دیکھکر کہا نہیں صرف اتنا جانتا
ہوں عدی بن الخیار نے ایک عورت سے جسے ام قتال دختر ابی العیص کہتے تھے نکاح کیا
تھا وہ عورت مکہ میں عدی کا ایک بچہ جنی تھی میں اسکے واسطے دودہ پلانے والی تلاش
کرتا تھا (اتفاقاً) میں اس بچہ کو اس کی ماں کے پاس لے گیا اور وہ بچہ اُسے دیدیا ویسے ہی
تیرے قدموں کو دیکھ رہا ہوں (شاید تو وہی ہے) جعفر کہتے ہیں عبیداللہ نے اپنے مونہ سے
پردہ ہٹا دیا پھر کہا کیا تو ہم کو قتل حمزہ کی خبر نہیں بتائے گا اُس نے کہا ہاں (کیوں نہ بتاؤنگا
قتل حمزہ کا قصہ یوں ہے کہ حمزہ نے بدر کے دن طعیمہ بن عدی بن الخیار کو مار ڈالا تھا مجھسے
میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا اگر تو میرے چچا کے عوض حمزہ کو مار ڈالے تو تو آزاد ہے۔
وحشی نے کہا جب لوگ (کوہ) عینین کی لڑائی کے برس نکلے اور عینین احد کے پہاڑوں میں
سے ایک پہاڑ ہے۔ احد کے اور اسکے درمیان ایک نالہ ہے۔ اُسوقت میں بھی لڑنے والوں
کے ساتھ نکلا جب لڑائی کی صفیں لوگ باندہ چکے سباع (بن عبدالعزی) نے (صف سے)
نکلکر کہا کیا کوئی لڑنے والا ہے وحشی کہتے ہیں حمزہ بن عبدالمطلب نے اُس کے مقابل نکلکر
کہا اے سباع اے ام انمار کے بیٹے جو عورتوں کی ختنہ کرتی تھی۔ کیا تو اللہ اور اس کے
رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ وحشی نے کہا پھر حمزہ نے سباع پر حملہ کیا اور سباع کل گزشتہ
کی طرح (معدوم) ہوگیا۔ وحشی نے کہا پھر میں قتل حمزہ کے واسطے ایک پتھر کی آڑ میں گھات
لگا کر بیٹھ گیا جب حمزہ میرے قریب آتے میں نے اپنا ہتیار پھینک مارا اور ان کی
زیر ناف بھالا ایسا رکھا ان کے دونوں سُرین کے پار ہو گیا۔ وحشی نے کہا یہی ان کا آخری

وقت تھا جب سب قریش مکہ میں واپس آئے میں بھی ان کے ساتھ واپس آکر مکہ میں مقیم ہوگیا
جب (بعد فتح مکہ) مکہ میں بھی اسلام شایع ہوگیا تو میں طائف چلا گیا (جب) طائف والوں نے
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصد بھیجے اور مجھ سے کہا آنحضرت قاصدوں کو نہیں
ستاتے تو میں بھی ان کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے
جب مجھے دیکھا فرمایا کیا وحشی تو ہی ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا حمزہ کو تو نے
ہی شہید کیا ہے میں نے عرض کیا جو کچھ آپ سے لوگوں نے بیان کیا وہی (ماجرا ہے) (یعنے میں
نے اپنے آقا کے حکم سے مارا تھا) آپ نے فرمایا کیا تو مجھ سے اپنا مونہ چھپا سکتا ہے۔ وحشی
کہتے تھے میں (آپ کے پاس سے اٹھکر) باہر آگیا) بعد وفات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
جب مسیلمہ کذاب نے خروج (یعنے دعوے نبوت) کیا میں نے سوچا میں بھی مسلمانوں کے
پاس چلوں شاید مسیلمہ کو مار کر حمزہ کا بدلہ اتار دوں وحشی نے کہا میں (ان) لوگوں کے ساتھ
(جو ابو بکر نے بھیجے تھے) نکلا اور مسیلمہ کا حال جو تھا سو تھا (یعنی اسکے ساتھ جمعیت کثیر تھی) وحشی
کہتے ہیں ایک دفعہ ہی میں نے دیکھا ایک مرد دیوار کی جھل میں کھڑا ہے گویا خاکستری رنگ
کا اونٹ ہے اور پریشان سر ہے۔ میں نے اُسکے اپنا بھالا مارا اور اسکی دونوں چھاتیوں
کے بیچ میں رکھکر اُسکے دونوں مونڈھوں کے وار پار کر دیا۔ پھر مسیلمہ کی طرف ایک انصار نے
دوڑ کر اسکی کھوپری پر تلوار ماری (بخاری کہتے ہیں) عبد اللہ بن فضیل نے کہا مجھے سلیمان
بن یسار نے خبر دی اُس نے عبد اللہ بن عمر سے سنا وہ کہتے تھے (جب مسیلمہ مارا گیا)
ایک لڑکی نے مکان کی چھت پر (چڑھکر لطور مرثیہ) کہا وا امیر المومنین قتلہ العبد الاسود یعنے ہائے
امیر المومنین کو ایک حبشی غلام نے مار دیا۔

(۱۳۱) حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چاروں طرف اشارہ
کرکے فرمایا اللہ کا بڑا غصہ اس قوم پر ہے جنھوں نے اپنے نبی کے ساتھ (یہ معاملہ) کیا ہو۔

اور نیز اُس قوم پر ہے جنہیں رسول اللہ نے (بغیر حد اور قصاص کے) راہ خدا میں مارا ہو۔

(۱۳۲) ابن عباس فرماتے ہیں اللہ کا سخت غصہ اُس قوم پر ہو گا جنہیں نبی نے مارا ہو گا راہِ خدا میں اور نیز اُس قوم پر جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خون آلودہ کیا ہو۔

(۱۳۳) ابی حازم روایت کرتے ہیں انھوں نے سہل بن سعد سے ایسے حال میں سنا کہ کوئی سعد سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا حال پوچھ رہا تھا سہل بن سعد نے کہا خبردار ہو۔ بخدا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا حال پوچھ رہا تھا سہل بن سعد نے کہا خبردار ہو۔ بخدا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم دھونے والے اور اسپر پانی ڈالنے والے کو اور جس چیز سے علاج کیا گیا جانتا ہوں۔ حضرت فاطمہ دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو زخم کو دھو رہی تھیں اور حضرت علی سپر سے پانی ڈال رہے تھے۔ جب فاطمہ نے دیکھا پانی سے خون کم نہیں ہوتا۔ ایک بوریہ کا ٹکڑا جلا کر آپ کے زخم پر چپکا دیا تب خون بند ہو گیا اور ایک دانت آگے کا آپ کا شہید ہو گیا اور چہرہ مبارک آپ کا زخمی ہوا اور اور خود سر مبارک پر ٹوٹ گیا۔

(۱۳۴) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے آیت الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم (جنگ احد والوں کی شان میں اتری ہے) حضرت عائشہ نے عروہ سے کہا اے میرے بھانجے تیرا باپ زبیر اور ابوبکر بھی ان ہی (حکم قبول کرنے والوں میں) سے تھے۔ جب جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ پہنچنا تھا اور مشرک واپس چلے گئے آپ نے ان کے دوبارہ آجانے کے ڈر سے فرمایا کون ہے جوان کفار کے پیچھے جاوے ان میں سے ستر آدمیوں نے قبول کیا عروہ کہتے ہیں ان ہی میں سے ابوبکر اور زبیر تھے۔

(۱۱۳۶) عبدالرحمن بن کعب بن مالک روایت کرتے ہیں جابر بن عبداللہ نے انہیں خبر دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کے دو دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں یکجا کرتے تھے پھر پوچھتے ان میں قرآن کون زیادہ جانتا ہے جسے لوگ بتاتے آپ اُسی کو لحد میں آگے کر دیتے۔ اور فرماتے میں ان لوگوں پر قیامت کے دن گواہ ہوں گا اور انہیں خون سمیت دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ نہ انپر نماز پڑہی گئی اور نہ وہ نہلائے گئے اور ابوعبداللہ بخاری کہتے ہیں ابوالولید نے شعبہ سے اس نے ابن المنکدر سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا وہ کہتے تھے جب میرا باپ شہید ہوا میں نے رونا شروع کیا اور اُن کے مونہ سے کپڑے کو (بار بار) اُٹھاتا تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مجھے منع کرنے لگے (مگر) آپ نے کچھ منع نہ فرمایا۔ پھر فرمایا اے (جابر) عبداللہ پر مت رو تو اُسے کیوں روتا ہے اُسپر فرشتے اُسکے اُٹھنے تک اپنے پروں کا سایہ کرتے رہے۔

(۱۱۳۷) ابی موسٰے سے روایت ہے (بخاری کہتے ہیں) میں گمان کرتا ہوں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میں نے تلوار ہلائی تو اسکا سینہ چر گیا تعبیر اسکی مصیبت ہے جو بروز احد مسلمانوں کو پہنچی پھر (خواب میں) میں نے اُسے دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے بہتر ہو گئی اُسکی تعبیر فتح مکہ اور اجتماع مومنین ہے جو پیچھے نصیب ہوا اور فرمایا اُسی خواب میں میں نے گائیں کو (ذبح ہوتے) دیکھا اور (یہ بھی دیکھا) کہ اللہ بہتر ہے اسکی تعبیر وہ مومن ہیں جو احد کے دن شہید ہوئے تھے۔

(۱۱۳۸) خباب کہتے ہیں ہم نے رسول اللہ کے ساتھ ایسے حال میں ہجرت کی کہ ہم اللہ کی محض مرضی کے خواستگار تھے اسواسطے اللہ پر (ازراہ فضل وکرم) ہمارا اجر لازم ہو گیا بعض ہم میں سے

گزر گئے یا چلے گئے (شک راوی ہے) اور اپنے اجر سے کچھ نہ کھایا ان ہی میں مصعب بن عمیر ہیں جو احد کے دن شہید ہوئے اور سوائے ایک چادر کے کچھ نہ چھوڑا جب ہم اُس سے ان کے سر کو ڈھانکتے تھے تو ان کے پیر کھل جاتے تھے اور اگر پیر ڈھانکتے تھے تو سر باہر نکلا جاتا تھا رسول اللہ نے فرمایا اس چادر سے سر مصعب کا ڈھانک دو اور اسکے پیروں پر اذخر گھانس کر دو یا ڈالدو اور بعض ہم میں سے وہ ہیں کہ ان کے پھل تیار ہو گئے اور وہ انہیں چنتے ہیں (یعنی فائدہ اٹھاتے ہیں)

اسکے بعد سب سے زیادہ دلکش اور عبرت انگیز بیان جنگ احد کا شیعوں کی زبانی سننا چاہیے کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔ ہم ملا محمد باقر صاحب مجتہد و امام شیعہ کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب حیات القلوب جیسی نامور اور بیش بہا تصنیف میں احد کے متعلق کل اکابر شیعہ نے جو جو روایتیں کی ہیں خلاصہ کر دیا ہے ہم بلفظہ نقل کر دیتے ہیں اور پھر ملا صاحب اور اکابر شیعہ کی خیال آفرینیوں اور فسانہ انگیز روایتوں پر کچھ لکھیں گے ہمیں کل تاریخوں کے بیان پر رائے زنی کرنی ہے۔ تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ناظر کتاب کے سامنے آجائے۔ اب آپ ملاحظہ فرمایئے حیات القلوب جلد ۲ باب سی و دوم صفحہ ۳۴۵ سے آغاز ہوتا ہے۔

علی بن ابراہیم بسند حسن از حضرت صادق روایت کردہ است کہ چوں کفار قریش از جنگ بدر بسوئے مکہ مراجعت نمودند باآنحال کہ از اکابر ایشاں ہفتاد نفر اسیر شدہ بودند ابوسفیان گفت اے گروہ قریش مگذارید زنان خود را گریہ کنند بر کشتگان خود زیراکہ آب دیدہ آتش داندوہ وحزن نائرۂ عداوت وحسد محمدؐ را فرو مے نشاند ومحمد واصحاب او بر ما شماتت خواہند کرد ایشاں چنیں کردند وگریہ نکردند وماتم خود را نداشتند تا جنگ احد واقع شد وبعد ازاں خود را رخصت ماتم ونوحہ وگریہ دادند پس چوں سال دیگر شد ارادۂ جنگ

احد کردند و با ہم سوگندان خود از قبیلہ کنانہ و غیر ایشاں جمعیت کردند و اسلحۂ بسیار تہیہ کردند
و از مکہ با سہ ہزار سوار و دو ہزار پیادہ بیروں آمدند و زناں را با خود آوردند کہ مصیبت بدر را
بیاد مردم بیاورند و ایشاں را بر قتال تحریص کنند و ابوسفیان زن خود ہند دختر عتبہ را با خود
برد و عمرہ دختر علقمہ حارثیہ نیز با ایشاں بیروں آمد و کلینی بسند صحیح از حضرت صادق روایت
کردہ است کہ از جملۂ نعمتہائے کہ حق تعالے بر رسولش منت گذاشتہ بود آن بود کہ نمیتوانست
خواند و چیزے نے نوشت و چوں ابوسفیان متوجہ احد شد عباس بحضرت نامہ نوشت و
بسوے مدینہ فرستاد و آن نامہ وقتے بحضرت رسید کہ در بعضے از باغہائے مدینہ بود
پس حضرت نامہ را خواند و مضمون آنرا باصحاب خود اظہار نفرمود و امر کرد ایشاں را کہ داخل
مدینہ شدند مضمون نامہ را خبر داد و برایشاں برگشتیم بروایت علی بن ابراہیم پس حضرت
اصحاب خود را جمع کرد و ایشاں را خبر داد کہ حق تعالے مرا خبر دادہ کہ قریش جمعیت کردہ اند
و ارادۂ مدینہ دارند و ترغیب نمود ایشاں را بر جہاد پس عبداللہ بن ابی و جماعتے از صحابہ
گفتند یا رسول اللہ از مدینہ بیروں مرو تا در کوچہائے مدینہ با ایشاں جنگ کنیم و مردان ضعیف
و زناں و غلاماں و کنیزاں ہمہ دہان کوچہا بگیرند و از بامہا سنگ بر ایشاں بیندازند و ہمہ اتفاق
کنیم بر دفع ایشاں بیندازند بدرستیکہ ہرگز گروہے بر سر مدینہ نیامدند کہ بر ما ظفر یابند و وقتے
کہ ما در قلعہا و خانہائے خود بودیم و از ہرگز از مدینہ برائے جنگ بیروں نرفتیم مگر دشمن بر ما
غالب شد و گویند کہ حضرت باین رائے مائل بود پس سعد بن معاذ و غیر او از قبیلہ اوس
برخاستند و گفتند یا رسول اللہ وقتے کہ ما مشرک بودیم و بت مے پرستیدیم کسے از عرب
در ما طمع نکرد چگونہ الحال در ما طمع میکنند و حال آنکہ مسلمانیم و تو درمیان مائی البتہ از مدینہ بیروں
رویم و با ایشاں جنگ مے کنیم پس ہر کہ از ما کشتہ شود شہید خواہد بود و ہر کہ نجات یابد ثواب
جہاد خواہد داشت پس حضرت رسول سخن ایشاں را قبول کرد و بیروں رفت با گروہے

از اصحاب خود که موضعے برائے جنگ تعیین نمایند چنانچہ حق تعالے فرمودہ است۔
واذ غدوت من اھلک تبوء المومنین مقاعد للقتال واللہ سمیع علیم یعنے یاد کن اے محمد وقتے را که بامداد بیروں رفتی از اہل خود میساختی ومہیا میکردی برائے مومناں جاہائے ایستادن برائے کارزار وخدا شنواست گفتار شمارا ودانا است بہ نیتہائے شما۔ اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ فلیتوکل المومنون چوں قصد کردند دو گروہ از شما که بددلی کنند وبرگردند وخدا یار ونگہدار ایشاں بود وبرخدا باید که توکل کنند مومناں۔ وبروایت علی بن ابراہیم حضرت فرمود که ایں آیات در جنگ احد نازل شد که قریش از مکہ بقصد محاربۂ آنحضرت بیروں آمدند وحضرت از مدینہ بیروں رفت که تعیین فرماید موضعے برائے قتال او مراد از گروہ دو عبد اللہ بن ابی ست وگروہے که متابعت او کردند در ترک نصرت آنحضرتؐ۔

وشیخ طبرسے از امام باقر وامام جعفر صادق روایت کردہ است که مراد ازیں دو گروہ بنوسلمہ وبنوحارثہ اند که دو گروہ اند از انصار وبعضے گفتہ اند طائفہ از مہاجران وطائفہ از انصار بودند که بسبب برگشتن عبد اللہ بن ابی بددل شدند وبرنگشتند۔ برگشتیم بروایت علی بن ابراہیم پس حضرت لشکر خود را از جانب راہ عراق تعیین فرمود وعبد اللہ بن ابی وقوم او وجماعتے از خزرج متابعت رائے او کردند پس حضرت اصحاب خود را شمرد وایشاں ہفت صد نفر بودند پس عبد اللہ بن جبیر را با پنجاہ نفر از تیر اندازان بر درّہ تعیین فرمود زیرا که میترسید که کمین ایشاں ازیں درہ درآیند پس حضرت عبد اللہ بن جبیر واصحابش را وصیت فرمود که اگر بہ بینید مارا که کافراں را گریزاندہ ایم تا داخل مکہ گردیم از جائے خود حرکت مکنید واگر بہ بینید آنہارا که مارا گریزاندند تا آنکه مارا داخل مدینہ کردند از جائے خود زائل مشوید پس ابوسفیان لعین خالد بن ولید را با دویست سوار مقرر کرد که در کمین باشند وبایشاں گفت که چون

ببینید که ما با مسلمانان آمیختیم ازین دره داخل شوید و از عقب مسلمانان درآیید پس چون مشرکان
در برابر مسلمانان صف کشیدند و حضرت تعبیهٔ اصحاب خود نمود و علم را بدست امیرالمومنین داد
و انصار ہمگی بیکدفعه حمله بر مشرکان آوردند و مشرکان باقبح وجوه گریختند و اصحاب حضرت متوجه
اموال ایشان شدند و مشغول غارت گردیدند و دست از جنگ برداشتند و چون خالد آمد
که از دره داخل شود عبدالله بن جبیر و اصحابش ایشان را تیرباران کردند و ایشان برگشتند
و چون اصحاب ابن جبیر دیدند که اصحاب حضرت بغارت مشغول شده اند با عبدالله گفتند با چرا
اینجا ایستاده ایم اصحاب ما غنیمتہا را بردند و ما بے غنیمت خواہیم ماند عبدالله گفت از خدا بترسید
حضرت ما را سفارش کرده است که از جائے خود حرکت نکنیم ہر چند ایشان را نصیحت کرد
سودے نبخشید و یک یک مے گریختند و میرفتند تا آنکه عبدالله با دوازده نفر ماند و علم قریش
با طلحه بن ابی طلحه عبدری بود از بنی عبدالدار پس طلحه ندا کرد که اے محمد شما گمان مے کنید که ما را بشمشیر
ہائے خود بسوئے جہنم میفرستید و ما را شما را بشمشیرہائے خود بسوئے بہشت میفرستیم
پس ہر که می خواہد به بہشت خود ملحق شود بیاید تا من او را به بہشت فرستم چون کسے جرأت
نکرد که بجنگ او برود حضرت امیرالمومنین متوجه او شد و رجزی خواند که مضمونش اینست. ای
طلحه اگر شما چنانید که مے گوئید شما اسپان دارید و ما شمشیرہا داریم پس بایست تا ببینیم که
کدام یک کشته خواہیم شد و کدام یک سزاوارتریم بگفتار خود بتحقیق که آمده است بسوے
تو شیر حمله کننده با شمشیر برنده که دمش کند میشود و خدا و رسول یاوری او نمایند طلحه گفت کیستی
تو اے پسر گفت منم علی بن ابیطالب طلحه گفت دانستم ای قصم یعنی در ہم شکننده دلیران
که بغیر تو کسے جرأت بر جنگ من نمیکند پس طلحه ضربتے حواله آنحضرت کرد و حضرت سپر را
پیش داشت و حمله او را رد کرد و ضربتے برا و زد که ہر دو پا ہائے او را قطع کرد و بر پشت
افتاد و علم از دستش افتاد چون حضرت پیش رفت که سرش را جدا کند حضرت را بر حم قسم داد

وحضرت برگشت مسلمانان پرسیدند که چرا کار او را تمام نکردی فرمود که ضربتی که من بر او زدم
بعد از آن زندگانی نمیتواند کرد پس علم را ابوسعید پسر ابوطلحه برداشت و باز علی او را کشت و علم بر
زمین افتاد پس عثمن پسر ابوطلحه علم را گرفت و باز امیرالمومنین او را کشت و علم بر زمین افتاد
پس مسافع پسر ابوطلحه علم را برداشت و به تیغ امیرالمومنین با علم بزمین افتاد پس حارث پسر
ابوطلحه علم را برداشت و بضربت شاه ولایت بر خاک مذلت افتاد پس عزیز بن عثمن علم را برداشت
و به تیغ اسدالله روح پلیدش تباه شد پس علم را عبدالله بن جمیله بلند کرد و به تیغ امیرالمومنین
متوجه اسفل السافلین شد پس علم را دیگری از بنی عبدالدار برداشت و بضربت آنحضرت کشته
شد بعد از او علم را ارطاة بن شرحبیل برداشت و باز بشمشیر حضرت امیر متوجه سقر شد پس غلام
عبدالدار که صواب نام داشت برداشت و امیرالمومنین ضربتی زد و دست راستش را انداخت
پس آن ملعون علم را بدست چپ گرفت حضرت دست چپش را انداخت پس علم را بدستهای
بریده خود نگاهداشت و گفت ای بنی عبدالدار آیا شرط یاری کردم پس امیرالمومنین ضربتی
بر سرش زد که بجهنم واصل شد پس علم را عمره دختر علقمه حارثیه بلند کرد و خالد بن ولید ملعون متوجه
دره شد و چون قلیلی از اصحاب ابن جبیر با او مانده بودند ایشان را کشت و از عقب مسلمانان
در آمد و شمشیر بر ایشان خوابانید و چون قریش در گریختن دیدند که علم ایشان هنوز بر پاست برگشتند
و بر سر علم جمع شدند و از دو طرف مسلمانان را در میان گرفتند و ایشان را گریزانیدند و لشکر اسلام
بهر سو گریختند و بکوهها بالا رفتند و حضرت را تنها گذاشتند چون حضرت هزیمت ایشان را مشاهده
نمود مغفر خود را برداشت و فریاد کرد که بسوی من آئید منم رسول خدا از خدا و رسول بکجا میگریزید
علی بن ابراهیم روایت کرده است که از حضرت صادق پرسیدند که چون امیرالمومنین با طلحه
بن ابی طلحه مبارزه کرد چرا باقسم بآنحضرت خطاب کرد حضرت صادق فرمود که چون رسول خدا
در مکه بود کسی از ترس ابوطالب متعرض آنحضرت نمیتوانست شد ولیکن کودکان را اغوا و تحریص

برا ذیت آنحضرت می نمودند وچوں آنحضرت از خانہ بیروں مے آمد کود کان سنگ بجانب
آنحضرت می انداختند وخاک وخاشاک براو میریختند چون امیر المومنین بہ این حال مطلع شد
گفت یا رسول اللہ ہر گاہ از خانہ بیروں میروی مرا با خود ببر کہ دفع اذیت کودکاں از تو بکنم
پس ہر گاہ کہ حضرت رسولؐ بیروں میرفت امیر المومنین با آنحضرت میرفت وچوں کودکاں متوجہ
آنحضرت میشدند رو وبینی وگوش ایشاں را مجروح میکرد وکودکاں گریاں بسوئے پدراں خود
برمے گشتند قضمنا علی یعنے علی مارا مجروح کرد پس باین سبب آنحضرت را قضم میگفتند و
از ابو وائلہ روایت کردہ است کہ گفت روزے با عمر بن الخطاب براہے میرفتم آگاہ اضطرابے
در او یافتم وصدائے از سینۂ او شنیدم مانند کسیکہ از ترس مدہوش شود گفتم چہ شد ترا ای عمر
گفت مگر نہ می بینی شیر بیشۂ شجاعت را ومعدن کرم وفتوت را وکشندۂ طاغیان وباغیاں را و
زنندہ بدو شمشیر وعلمدار صاحب تدبیر را چوں نظر کردم علی بن ابیطالب را دیدم گفتم اے عمر
ایں علی بن ابیطالب است گفت نزدیک من بیا تا شمۂ از شجاعت ودلیری وبسالت او برائے
تو بیان کنم۔

بدانکہ حضرت رسولؐ در روز احد از ما بیعت گرفت کہ نگریزیم وہر کہ از ما بگریزد گمراہ باشد
وہر کہ کشتہ شود شہید باشد وپیغمبر ضامن بہشت باشد برائے او چوں بجنگ ایستادیم ناگاہ دیدیم کہ
صد نفر از شجاعان وصنادید قریش رو بما آوردند کہ ہر یک صد نفر یا بیشتر از دلیراں خود داشتند
پس مارا از جائے خود کندند وہمہ گریختیم در آنجا علی را دیدیم کہ مانند شیر ژیاں کہ بر گلۂ موراں حملہ کند
وا از ایشاں پرو انمیکرد چوں مارا دید کہ میگریزیم گفت قبیح و پارہ پارہ وبریدہ وخاک آلودہ باد رو
ہائے شما بکجا میگریزید بسوئے جہنم میشتابید چوں دید کہ ما بر نمیگردیم برما حملہ کرد وشمشیر پہنے در
دست داشت کہ مرگ ازاں میچکید وگفت بیعت کردید وبیعت را شکستید واللہ کہ شما سزاوار تر ید
بکشتہ شدن از آنہا کہ من میکشیم چوں بدیدہ ہایش نظر کردیم مانند دو کاسہ روغن زیت کہ آتش دراں

افروختہ باشند مید رخشید و مانند دو قدح پرخون از شدت غضب سرخ شدہ بود من جزم کردم
کہ ہمہ ما را بیک حملہ ہلاک خواہد کرد پس من از سائر گریختگان نزدیک او رفتم و گفتم اے ابوالحسن
بخدا ترا سوگند میدہم کہ دست از ما برداری زیرا کہ عرب کارشان اینست کہ گاہ میگریزند و گاہ
حملہ میکنند ننگ گریختن را برطرف میکنند گویا از روے من شرم کرد و دست از ما برداشت و
بر کافران حملہ کرد و تا این ساعت ترس او از دل من بدر نرفتہ است و ہر گاہ کہ او را می بینم
چنین ہراسان میشوم برگشتیم بروایت اول حضرت فرمود کہ دراں معرکہ با حضرت رسول کسے
نماند مگر ابودجانہ کہ نام او سماک بن خرشہ بود و حضرت امیر المومنین و ہر گروہ از مشرکان کہ بر سید نمم
بہ پیغمبر حملہ میکردند و امیر مومنان استقبال ایشان میکرد و بسیاری از ایشان را میکشت و ایشان
را دفع میکرد تا آنکہ شمشیرش پارہ پارہ شد و از زنان نسیبہ دختر کعب مازنیہ در خدمت حضرت
ماندہ بود و نگریختہ بود و حضرت او را با خود بجنگ ہامے برد کہ مجروحان را مداوا کند و پسرش
دراں جنگ ہمراہ بود چون خواست بگریزد نسیبہ او را و برا و حملہ کرد و گفت اے فرزند از خدا و
رسول بکجا میگریزی و او را برگردانید تا آنکہ مردے از مشرکان برآں پسر حملہ کرد و او را شہید کرد
پس نسیبہ شمشیر پسر خود را گرفت و بر آن کشندہ پسر خود زد و او را کشت حضرت او را تحسین کرد
و گفت خدا بر تو برکت دہاد اے نسیبہ و خود او در پیش روے حضرت باز داشتہ بود و سینہ
و پستان خود را سپر کردہ بود آسیبے بآنحضرت نرسید تا آنکہ جراحت بسیار باو رسید و ابن قمیہ بر حضرت
حملہ کرد و میگفت محمد را بمن بنمائید نجات نیابم اگر او از من نجات یابد پس ضربتے بمید و ش حضرت
زد و فریاد کرد کہ بلات و عزی سوگند کہ محمد را کشتم دراں حال نظر حضرت بر نامردی از ہماجان
افتاد کہ میگریخت و سپر خود را بر پشت و سر آویختہ بود حضرت او را ندا کرد کہ اے صاحب سپر بینداز
برو بسوے جہنم او سپر را انداخت حضرت نسیبہ گفت کہ سپر را بمدار نسیبہ سپر را برداشت و
با مشرکان قتال میکرد حضرت فرمود کہ نسیبہ دو فعلے او امروز بہتر است از مقام ابوبکر و عمر

رعش. وچون شمشیر امیر المومنین پاره پاره شد بخدمت حضرت آمد وگفت یا رسول الله مرد بسلاح
خود جنگ میکند وشمشیر من شکست پس حضرت شمشیر خود ذوالفقار را باو داد وگفت باین شمشیر
جنگ کن حضرت شمشیر را گرفت و هر یک از اشرار که قصد نبی مختار میکرد حیدر کرار بشراره ذوالفقار
آتش بار روح پلید ایشان را بدرک اسفل نار میرسانید پس حضرت رسول بجانب کوه احد میل
فرموده و پشت بر کوه داد که جنگ از یک ناحیه باشد زیرا که بغیر از امیر المومنین کسے از صحابه با و نبود
و پیوسته امیر المومنین در پیش روے آنحضرت مقاتله میکرد تا آنکه بسر رو و سینه و شکم و دستها
و پاہاے مبارکش نود جراحت رسید چندان محاربه کرد که مشرکان با و فور ایشان منہزم شدند
و شنیدند مسلمانان که کسے از آسمان ندا میکرد.

لا سیف الا ذو الفقار و لا فتی الا علی

یعنے نیست شمشیرے بجز ذوالفقار و نیست جوانمردے بغیر از علی پس جبرئیل بر حضرت رسول
نازل شد و گفت یا محمد بخدا سوگند که بهادری و برابری و یاری آنست که علی میکند حضرت فرمود که
چوں نکند که من از اویم و او از من ست جبرئیل گفت من نیز از شمایم و در آن جنگ ہند دختر عتبه
در میان لشکر مشرکان ایستاده بود و بهر مرد از قریش که میگریخت میلے و سرمه دانی باو میداد
که تو زنے این آلت زنان بگیر و دیگر دعوے مردی مکن.

و شیر خدا حمزه بن عبد المطلب در جنگ بسیاری از مشرکان را بقتل رسانید و بهر طرف که حمله
میکرد از و میگریختند و کسے در برابر اونمی ایستاد و ہند ملعونه با وحشی که غلام حبشی بود از جبیر بن مطعم
عہد کرده بود که اگر محمد یا علی یا حمزه را بکشی آنقدر زر خواہم بخشید که راضی شوی وحشی گفت من بکشتن
محمد قادر نیستم و علی مردے ست بسیار حذر کننده و ہرگز غافل نمی شود و طمع در اونمی توانم کرد پس
در کمین حمزه نشست در ہنگامیکه حمزه مشغول کارزار بود ناگاه بر موضعے گذشت که سیلاب زیرش
تہی کرده بود اسپش فرو رفت و او بزمین افتاد پس وحشی نیزه در دست داشت و بجانب

سید الشہداء انداخت و بہتی گا و آنحضرت خورد و نشانہ اش بیرون آمد و بروایت دیگر از حضرت صادق بر بالائے پستان او خورد و پس نزدیک رفت و آنحضرت را شہید کرد۔ و شکم مبارکش را شگافت و جگرش را بیرون آورد و برائے ہند ملعونہ برد۔ آن ملعونہ جگر عم خیر البشر را در دہان پلید خود گزاشت کہ بخاید چوں حق تعالیٰ نمی خواست کہ آن عضو شریف جزو بدن آن ملعونہ گردد آن جگر را مانند استخواں سخت کرد کہ او نتوانست خایید و بر زمین انداخت و حق تعالیٰ ملکے را فرستاد کہ آنرا بجائے خود گردانید۔ فقط

(مجلسی صاحب کی کہانی ختم ہوگئی)

آپ نے ملا باقر مجلسی کی کہانی سن لی۔ اس ساری کہانی کی تین باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ جس انصار کے دستہ پر حضرت علی کمان کر رہے تھے سب سے پہلے وہی دستہ بھاگا گو مجلسی صاحب نے بات بنانے کے لئے حضرت علی کی تنہا ذات سے صدہا بلکہ ہزارہا کفار کو داخل جہنم کرا دیا۔ دوسری بات فاروق اعظم کا خوف وہراس حضرت علی سے بیان ہوا ہے جسے اول تو غزوہ احد سے کچھ تعلق نہیں دوسرے صورت دیکھتے ہی خوف کے مارے کانپنے لگنا اور پھر شب و روز کا ساتھ اٹھنا بیٹھنا واقعی دونوں پر بڑی بنی ہوگی۔ شاید ملا باقر صاحب کو رسن در گلو کا قصہ یاد نہیں رہا۔ کہ کس کے گلے میں رسی ڈالی گئی تھی اور کون گھسٹا ہوا لایا گیا تھا۔ ہم تو نہ اس کہانی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اور نہ اس کہانی کو مگر ملا باقر مجلسی اور ان کے ہمخیالوں نے رسن در گلو کی کہانی کو اپنا جزو ایمان بنا رکھا ہے اس لئے خود ان ہی کو فیصلہ کرنا چاہیے کہ آیا فی الواقع حضرت فاروق اعظم حضرت علی سے ایسے ہی خائف ہو جاتے تھے جیسا انھوں نے لکھا ہے۔

اس کے بعد ایک نسیبہ عورت اور اس کے لڑکے کا حال ہے جو اول سے آخر تک لغو اور مہمل ہے کوئی عورت نسیبہ نامی حضور انور کے ساتھ غزوہ احد میں نہیں تھی۔ تاریخ

رجال اور غزوات کا علم رکھنے والے اسے اچھی طرح جانتے ہیں کہ نسیبہ کی کہانی محض من گھڑت ہے۔ جسے واقعات سے مطلق تعلق نہیں ہے۔

پھر ذوالفقار کی کہانی اور جبریل کا راگ گانا ہے جسکا عقدہ ہم مقدمہ اول وسوم کتاب شہادت میں کھول چکے ہیں۔ یہ اصل میں ابوجہل کی تلوار کا نام ہے جو غزوہ بدر میں رسول اللہ کے ہاتھ آئی تھی وہ حضور انور ہی کے پاس رہی اور آپ نے کبھی حضرت علی کو نہیں دی۔ رہا جبریل اور دوسرے فرشتوں کی کہانیاں وہ کتاب شہادت کے آغاز میں لکھدی گئی ہیں اس سلئے مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ جب تک حضرت علی زندہ رہے جبریل بیچارے کو تو ایک دم بھی آسمان پر آرام نہیں ملا اور اس مظلوم فرشتہ کو دنیا بھر کے کام کرنے پڑے۔ آٹا جبریل نے گوندھا۔ روٹی جبریل کو پکانی پڑی۔ چکی جبریل کو پیسنی پڑی۔ کپڑے جبریل کو سینے پڑے۔ کھانے کے خوان جبریل کو سر پر اُٹھانے پڑے۔ سچی بات یہ ہے کہ جبریل کا اس مصیبت سے چھٹکارا تو حضرت علی کے قتل ہونے پر ہوا وہ بیچارے عبدالرحمٰن ابن ملجم کو ہاتھ پھیلا پھیلا کے دعائیں دیتا ہوگا کہ محض اسکی چھری نے جبریل کی اس مصیبت کو کاٹ دیا۔ ورنہ اور زیادہ عرصہ تک ان سے پاپڑ بیلنے پڑتے۔

اب دوسرا پہلو لیجئے اگر حیات القلوب کے مصنف کی ساری کہانیاں صحیح بھی تسلیم کرلی جائیں پھر بھی غزوہ احد میں حضرت علی کا ایسا کارنمایاں ثابت نہیں ہوتا جس سے یہ بات تسلیم کرلیجائے کہ اگر حضرت علی نہ ہوتے تو غزوہ احد میں فلاں خرابی پیدا ہو جاتی۔

اور بھی زیادہ مضحکہ خیز بات مرثیہ گو مجلسی صاحب نے یہ گھڑی کہ کفار نے حضرت علی کو پکارا کہ کیا محمد زندہ ہیں یا قتل ہو گئے اور حضور انور نے حضرت علی سے جواب دلوایا لاحول ولاقوۃ الا باللہ اس جھوٹ کا کچھ ٹھکانا ہے مسلمانوں یا کافروں کے دلوں میں

حضرت علی کی صرف اتنی وجاہت تھی کہ وہ مثل عثمان کے رسول اللہ کے داماد تھے اور بس۔ باقی مہمات کبیرہ اور اہم معاملات میں نہ کبھی حضرت علی سے مشورہ لیا گیا اور نہ انہیں اس قابل سمجھا گیا۔ یہانتک کہ ہجرت کرنے کا ذکر بھی تو رسول اللہ نے علی سے نہیں کیا۔ یہ بات تواتر سے ثابت ہوچکی ہے کہ سب سے بڑے مشیر اور کارکن ابوبکر و عمر تھے یہاں تک یہ بات مسلم تھی کہ قریش بھی اس سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور احد کی گھاٹی میں ان ہی کو پکارا گیا تھا اور ابوسفیان کی ان ہی سے رد وکد اور رسول اللہ کے فرمان کے مطابق جواب وسوال ہوئے تھے۔

کتاب شہادت کے تیسرے مقدمہ میں جو خاص حضرت علی کے مفروضہ اوصاف میں لکھا گیا ہے یہ کل باتیں بوضاحت آگئی ہیں جتنی لڑائیوں میں آپ شریک ہوئے اور جو کچھ کارنمایاں کئے سب کا ذکر ہو بہو موجود ہے۔ اسلئے ان کا حضرت علی کی اس سوانح عمری میں اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ مگر غزوہ خیبر کا وضاحت سے تذکرہ کرنا ہم بہت ضروری جانتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے دوست حضرات شیعہ نے اپنی حسب عادت خیبر کی بہت سی کہانیاں بنائی ہیں اور عام طور پر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ فاتح خیبر حضرت علی ہیں حالانکہ واقعات کو گہری نظر سے دیکھنے کے بعد یہ کہانی ہی کہانی ہے۔

خیبر چند گڑھیوں کا نام تھا مگر ہر گڑھی علیحدہ علیحدہ نام سے پکاری جاتی تھی۔ کئی دن تک مسلسل حملوں کے بعد گڑھی پر گڑھی فتح ہوتی چلی گئی۔ اخیر ایک گڑھی رہ گئی جس کا کچومر صدیق اکبر اور عمر فاروق کے حملوں نے نکالدیا تھا۔ جب وہ بالکل ادھموئے ہوگئے اور حضور انور کو بھی یہ علم ہوگیا کہ اب آسانی سے اہل قلعہ اطاعت قبول کرلیں گے تو آپ نے محض دلدہی کے لئے حضرت علی کو بھیجدیا۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر حضرت علی کو خواہ مخواہ ایک وجہ شکایت پیدا ہوجاتی تھی کہ مجھے کچھ بھی نہ سمجھا گیا اور کس مپرسی کی حالت میں ڈال

رکھا ہے۔ حضور انور کو یہ بہت بڑا اندیشہ تھا کہ کہیں علی کی دل آزاری فاطمہ الزہرا کی تکلیف دہی کا باعث نہ بنجائے اس لئے بعض اوقات ایسی باتیں کرکے حضرت علی کو خوش کر دیا کرتے تھے۔

اسی قصہ میں دروازہ اکھیڑنے کی حکایت ہے مگر وہ بھی گھڑی ہوئی کہانی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے بعض خوش اعتقاد تو کہتے ہیں کہ دروازہ اکھیڑا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں پہلے سے وہیں پڑا ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ سات آٹھ آدمی مشکل سے اٹھا سکتے تھے بعض کہتے ہیں پورے چالیس آدمیوں سے بھی دروازہ اپنی جگہ سے نہ ہل سکا تھا اسیطرح مرحب یہودی کا قصہ ہے اس میں بھی اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اسے حضرت علی نے قتل کیا کوئی کہتا ہے ابوسلمہ نے قتل کیا۔ بعض جلیل القدر مورخوں نے بھی ان کہانیوں کو نقل کرنے میں بہت ہی بے پروائی اور بے احتیاطی سے کام لیا ہے اس گڑھی پر جو قموص کے نام سے مشہور تھی اور جس کا فاتح حضرت علی کو بیان کیا جاتا ہے لڑائی ہی نہیں ہوئی۔ صاف ظاہر ہے کہ جب دو روز تک ابوبکر و عمر کے دستوں سے لڑ کے قموص والے چھوٹے ہو گئے تو انہوں نے ضرور یہ خواہش کی ہوگی کہ حضور کا کوئی قریبی رشتہ دار آجائے تو ہم شرطیں کرکے اپنے کو اسکے حوالہ کر دیں۔ جیسا کہ یہودی حضور انور سے مباہلہ کرنے کیلئے آئے اور طرفین نے اپنے بال بچوں کے سوا کسیکو شریک مباہلہ نہیں کیا اسی طرح قموص کے یہودیوں نے بھی اپنی حسب عادت یہی خیال کیا ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کے کسی رشتہ دار کے حوالہ ہوجانا زیادہ بہتر ہو گا۔ اور اسی نظر سے انھوں نے یہ خواہش کی ہو کہ علی کو بھیجا جائے اور رسول اللہ نے علی کو بھیجدیا۔

گو اسکا تذکرہ تاریخوں میں تو نہیں ملا مگر بدرست قرائن جس سے موجود ہیں کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت علی میں تنہا لڑنے کی قابلیت بیشک تھی مگر سپاہ کو ساتھ لیکے

بغیر مددگار کے حملہ نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ آجتک انھوں نے کوئی مہم سر نہیں کی اور فنون افسری کی ناقابلیت کی وجہ سے جب کبھی موقع ہوا زک پرزک اٹھایا کئے۔

بہرحال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند مشہور تاریخوں میں سے غزوہ خیبر کے متعلق واقعات کا انتخاب کردیں جن سے کچھ نہ کچھ اچھی بری رائے انسان قائم کرسکے۔ سب سے پہلے آپ تاریخ ابن اثیر جلد ہشتم صفحہ ۹۱ سے سو تک ملاحظہ کریں جن صفحات کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ کی چڑہائی خیبر پر اور غطفان کا سامنے آنا اور عامر کا حدا اور قتل اور رسول اللہ کی دعا۔

جب رسول اللہ صلعم حدیبیہ سے واپس آئے۔ تو مدینہ میں ذی الحجۃ میں محرم کے کچھ دنوں تک رہے۔ اور پھر چودہ سو آدمیوں سے جن میں دو سو سوار بھی تھے خیبر کو روانہ ہوئے۔ خیبر کو کوچ محرم ۷ہجری میں ہوا ہے۔ اور مدینہ پر آپ اس وقت سباع بن عرفطۃ الغفاری کو خلیفہ کر گئے تھے۔

غرض آپ مدینہ سے روانہ ہو کر اپنے لشکر سمیت رجیع میں جا کر قیام پذیر ہوئے۔ تاکہ خیبر والوں کے اور غطفان کے درمیان میں حائل ہو جائیں۔ اور ایک کو دوسرے فریق کی مدد نہ کرنے دیں کیونکہ غطفان رسول اللہ صلعم کے برخلاف اہل خیبر کی مدد پر تھے۔ چنانچہ غطفان نے قصد کیا کہ یہود کی جا کر مدد کریں۔ مگر انہیں یہ خوف ہوا کہ وہ اگر ادہر چلے گئے تو کہیں مسلمان ان کے گھروں پر نہ جا پڑیں۔ اور ان کی عورتوں اور مال واسباب کو نہ لوٹ لے جائیں اس واسطے وہ لوٹ گئے اور یہود کے پاس نہ گئے۔ لیکن یہود کے اور نبی صلعم کے درمیان حائل ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلعم آگے بڑھے۔ اور رستہ میں عامر بن الاکوع سے جو سلمہ بن عمرو بن الاکوع کا چچا تھا فرمایا کہ ہمارے اونٹوں کے سامنے ان کے تیز چلنے کے لئے کچھ اشعار پڑھ۔ اسلئے وہ اونٹ پر سے اتر پڑا اور یہ گانے لگا ؎

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

واللہ اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم کو ہدایت کا رستہ نہ ملتا۔ اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

اے اللہ جس وقت ہمارا دشمنوں سے مقابلہ ہو تو اسوقت ہم پر سکینہ اتار اور ہمیں اوسان دے۔ اور ان کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ۔

یہ سنکر رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ رحمک اللہ۔ حضرت عمر نے یہ کلمہ آپ کی زبان سے سنتے ہی ازراہ افسوس عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا ہم اس سے فائدہ نہ اٹھاویں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ جب رسول اللہ کسی شخص کے حق میں رحمک اللہ فرماتے تو وہ قتل ہوجایا کرتا تھا۔ حضرت عمر کو اس سے یقین ہوگیا۔ کہ وہ اب مارا جائے گا۔ اس سے انہیں افسوس ہوا۔ اور چاہا کہ وہ جیتا رہتا تو ہم اوس سے فائدہ اٹھاتے۔

غرض جب خیبر پر جاکر اترے تو عامر میدان جنگ میں نکلا۔ اور مبارز طلب کیا۔ وہاں لڑنے میں اسکی تلوار الٹ پڑی اور خود اپنی تلوار سے اسکے ایک زخم لگ گیا۔ جو ایسا سخت زخم تھا کہ وہ اس سے جانبر نہ ہوسکا۔ اس سے لوگ کہتے ہیں کہ اس نے خودکشی کرلی۔ اسپر اسکے بھائی کے بیٹے سلمہ نے نبی صلعم کی خدمت میں جاکر عرض کیا۔ کہ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا خیال غلط ہے (بلکہ وہ شہید ہوا) اسے دوچند ثواب ملیگا۔

پھر جب رسول اللہ صلعم اسکے سامنے پہونچے۔ تو آپ نے اصحاب سے فرمایا۔ ذرا ٹھیرو۔ پھر یہ دعا مانگی۔

اللھم رب السموات وما اظللن ورب الارضین وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین نسالک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا اقدموا باسم اللہ۔

(اے اللہ پروردگار آسمانوں کے اور ان چیزوں کے جن پر وہ سایہ ڈالے ہوئے ہیں اور پروردگار زمینوں کے اور ان چیزوں کے جنکو وہ اٹھائے ہوئے ہیں اور پروردگار شیاطین کے اور ان کے جنہیں وہ گمراہ کرتے ہیں اور پروردگار ہواؤں کے اور جنہیں وہ اڑائے لئے پھرتی ہیں ہم تجھ سے چاہتے ہیں کہ اس قریہ میں اور یہاں کے رہنے والوں میں جو بھلائی ہے وہ ہمیں دے اور اس قریہ کے اور اس قریہ کے رہنے والوں کے اور اور جو چیزیں اس میں ہیں ان کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ۔ اے مسلمانوں بسم اللہ آگے بڑھو) رسول اللہ صلعم کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی قریہ پر جاتے تو آپ اس طرح دعا مانگا کرتے تھے۔

حصن ناعم اور حصن قموص کی فتح اور صفیہ اور گدھوں کے گوشت کی حرمت

رسول اللہ صلعم خیبر پر جب پہونچے تھے تو رات تھی کسیکو آپ کا جانا وہاں پر معلوم نہ ہوا۔ لیکن جب وہ صبح کے وقت کاروبار کے لئے اپنے بیلچہ لیکر نکلے۔ اور نبی صلعم کو دیکھا تو فوراً لوٹ پڑے۔ اور بولے محمد محمد اور خمیس یعنی لشکر۔ اسپر نبی صلعم نے فرمایا۔ اللہ اکبر خیبر اجڑ جائے جب ہم کسی قوم کے گرد اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح جو ہم سے ڈرے (اور اطاعت نہ کریں) بہت ہی بری ہوتی ہے یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے۔ پھر انپر محاصرہ ڈالا۔ اور خوب تنگ پکڑا۔ اور ان کے مال و اسباب جسقدر پائے تھوڑے تھوڑے لینا شروع کر دئے اور قلعہ پر قلعے فتح کرنے لگے۔

چنانچہ پہلا حصن جو آپ نے فتح کیا اسکا نام حصن ناعم تھا۔ اسی مقام پر محمود بن مسلمہ مارا گیا اسپر ایک چکی گر گئی اس سے وہ مر گیا۔

پھر دوسرا قلعہ قموص نام بھی لے لیا۔ جو بنی ابی الحقیق کا حصن تھا۔ یہاں آپ کو سبایا بھی بہت ہاتھ آئے۔ انہیں میں ایک لڑکی بھی صفیہ حیی بن اخطب بھی تھی۔ اور کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق کے نکاح میں تھی۔ اسے رسول اللہ صلعم نے اپنے واسطے پسند فرمایا۔ اور

سلمانوں کے پاس اسباب یا بہت کثرت سے ہو گئے۔

زبیر بن باطا کو ثابت کا رسول اللہ سے چھڑانا مگر اسکی درخواست پر اسکا قتل کیا جانا
بعاث کی لڑائی زمانہ جاہلیت میں ہوئی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسوقت زبیر بن باطا
قرظی نے ثابت بن قیس بن شماس پر بڑا احسان کیا تھا۔ اور اسے قید سے چھوڑ دیا تھا۔
اسوقت زبیر پکڑا آیا تو ثابت اسکے پاس آیا۔ اور اس سے کہا تو مجھے جانتا ہے۔ زبیر
نے کہا تجھ سے آدمی کو مجھ سا آدمی نہیں بھول سکتا ہے۔ ثابت نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ تونے
مجھ پر احسان کیا ہے میں اسکا تجھ سے بدلہ کر دوں۔ زبیر نے کہا کریم کریم کے ساتھ ایسے ہی کیا
کرتے اور جتا دیا کرتے ہیں۔
اسلئے ثابت رسول اللہ صلعم کے پاس آیا۔ اور عرض کیا کہ زبیر نے مجھ پر ایک مرتبہ بڑا احسان
کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اسکا بدلہ اسکے ساتھ کر دوں۔ آپ اُسے مجھے دیدیجئے۔ رسول اللہ
نے اُسے ثابت کو دیدیا کہ چاہے تو اُسے چھوڑ دے پھر ثابت زبیر کے پاس آیا اور کہا رسول
اللہ صلعم نے تیرا خون معاف کر دیا۔ اور اب تو قتل نہیں کیا جائے گا۔ زبیر نے کہا میں ایک
بوڑھا شخص ہوں۔ میں جورو بچوں بغیر کیسے رہ سکتا ہوں۔ ثابت پھر رسول اللہ کے پاس گیا۔
اور آپ سے اس کے جورو بچوں کو بھی چھوڑ دینے کی اجازت حاصل کرلایا۔ پھر زبیر نے
کہا حجاز میں رہنا اور مال و اسباب وغیرہ نہ ہونا کس طرح گزر ہو گی۔ اس لئے ثابت نے
رسول اللہ سے اسکا مال بھی طلب کیا۔ آپ نے وہ بھی اسے دیدیا۔ اور کل مال عطا فرمایا۔
پھر زبیر نے کہا کعب بن اسد کہاں ہے۔ جسکا چہرہ انور ہمارے حی کے کنواری لڑکیوں
کے لئے آئینہ مصقل کی طرح تھا۔ ثابت نے کہا وہ تو مارا گیا۔ پھر پوچھا سید الحضر والبادی حیی
بن اخطب کیا ہوا۔ کہا وہ بھی مارا گیا پھر پوچھا غزال بن سموال کہاں ہے جو ہمارے حملوں کے
وقت آگے چلتا اور ہماری شکستوں کے وقت ہماری حمایت کرتا تھا۔ کہا مارا گیا۔ پھر پوچھا

بنی کعب بن قریظہ و بنی عمرو بن قریظہ کہاں گئے۔ کہا وہ بھی اسی رستہ چلے گئے۔ تو زبیر نے کہا کہ اے ثابت میں اس احسان کے بدلے جو میں نے تیرے ساتھ کیا تھا یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی انہیں کے پاس پہونچا دے۔ ان کے مرنے کے بعد کچھ لطف زندگی مجھے نظر نہیں آتا۔ اس لئے ثابت نے اسے قتل کر دیا۔

حصن صعب و حصن وطیح و سلالم کی فتح اور محمد بن سلمہ کا مرحب کو اور زبیر کا یاسر کو قتل کرنا

پھر رسول اللہ صلعم نے حصن صعب کو بھی لے لیا۔ اس قلعہ میں طعام اور گوشت چربی بہت تھی پھر آپ نے ان کے حصن وطیح اور سلالم پر توجہ کی۔ یہ سلالم حصن سب سے اخیر فتح ہوا ہے۔ اور اس حصن سے مرحب یہودی نکلا اور کہا۔

قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر والوں کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں اور ہتیاروں سے خوب آراستہ ولاور کہ میدان میں نکلتے ہی لڑائی میٹ دیتا ہوں، اور آزمودہ کار ہوں۔

اطعن احیانا وحینا اضرب اذا اللیوث اقبلت تلتھب

جسوقت غیر دل اور بہادر لوگ میدان میں آتے ہیں۔ اور آتش جنگ مشتعل ہوتی ہے۔ تو اسوقت کبھی تو میں بھالے مارتا ہوں اور کبھی تلواریں مارتا ہوں۔

ان حمائی لحمی لا یقرب

میری حمی ایسی حمے ہے کہ جسکے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا۔

اور میدان میں نکل کر مبارز کی درخواست کی۔ اسکے مقابلے کے لئے محمد بن مسلمہ نکلا اور کہا کہ میں موتور اور ثائر ہوں۔ (یعنی میرا آدمی مارا گیا ہے اور میں اسکا انتقام لینا چاہتا ہوں کل میرے بھائی کو انھوں نے مار ڈالا تھا) اسواسطے رسول اللہ صلعم نے اسکی مبارزت قبول فرمائی اور اسکے حق میں دعا کی۔ اے اللہ تو دشمن کے مقابلہ میں اس کی مدد کر (پھر محمد بن مسلمہ گیا

اور بہت دیر تک دونوں دلاور میدان میں لڑتے رہے۔ پھر مرحب نے محمد بن سلمہ پر حملہ کرکے ایک وار تلوار کا کیا جسے محمد بن سلمہ نے اپنی ڈھال پر لیا۔ اور تلوار ڈھال کاٹ کے اُس میں اٹک گئی۔ اسپر محمد بن مسلمہ کو موقع ملگیا۔ اور اس نے ایک تلوار میں اسکا کام تمام کر دیا۔ پھر اسکے بعد اسکا بھائی یاسر نکلا اور کہا۔

قد علمت خیبر انی یاسر　　شاکی السلاح بطل مغاور

خیبر والوں کو معلوم ہے کہ میں یاسر ہوں۔ اور پورے ہتیاروں سے آراستہ دلاور اور حملہ کرنے والا ہوں۔

اور مبارز کو میدان میں طلب کیا۔ اسکے مقابلہ کے واسطے زبیر بن العوام نکلا اور جاکر زبیر نے اُسے قتل کر دیا۔

حصن قموص کا ایک روایت کے بموجب حضرت علی کے ہاتھ سے فتح ہونا۔

مگر اور لوگ کہتے ہیں کہ جسنے مرحب کو مارا اور یہ حصن فتح کیا وہ علی بن ابیطالب تھے۔ اور یہی روایت زیادہ مشہور اور صحیح ہے (ابن اثیر نے اس حصن کا نام جسے حضرت علی نے فتح کیا نہیں بیان کیا ہے۔ مگر دوسری کتابوں میں اسکا نام قموص بیان کیا گیا ہے) بریدۃ الاسلمی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے کبھی کبھی درد شقیقہ ہوا کرتا تھا۔ اور ایک دو روز رہا کرتا تھا۔ کہ جس سے آپ مکان سے باہر تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ جب آپ خیبر آئے ہیں تو اسوقت آپکے یہی آدہا سیسی کا درد ہونے لگا۔ اور آپ مکان سے باہر تشریف نہیں لائے۔ اسلئے حضرت ابوبکر نے نبی صلعم کا رایت لیا اور اٹھے۔ اور میدان جنگ میں جاکر خوب شدت سے لڑائی کی۔ پھر لوٹ آئے۔ پھر حضرت عمر نے رایت لیا۔ اور آپ جاکر اس سے بھی شدت سے لڑے کہ جس قدر پہلے دن ایک مرتبہ پہلے آپ لڑ چکے تھے۔ پھر آپ لوٹ آئے۔ اور رسول اللہ صلعم کو اسکی خبر دی گئی۔

پھر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں کل یہ رایت ایسے شخص کو دونگا کہ جس سے اللہ اور اسکا رسول محبت کرتے ہیں۔ اور وہ بھی اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہے (یہ تعریف دلدہی اور یا دہانی کے لئے تھی اور جتنے صحابہ تھے ان سب میں یہ صفت موجود تھی) وہ اس قلعہ کو زبردستی فتح کرے گا۔ اسوقت حضرت علی وہاں نہ تھے بلکہ مدینہ میں آشوب چشم کی وجہ سے رہ گئے تھے۔ پھر جب رسول اللہ صلعم نے یہ ارشاد فرمایا تو قریش اسکا انتظار کرنے لگے۔ کہ کل دیکھئے رایت کسے ملتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت علی ایک اونٹ پر سوار آئے۔ اور رسول اللہ کی خبا کے پاس ہی آکر اونٹ کو بٹھایا۔ ابھی تک آشوب چشم دور نہیں ہوا تھا پٹی آنکھوں سے بندھی تھی۔ رسول اللہ نے پوچھا کیا حال ہے۔ عرض کیا کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد مجھے آشوب چشم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس آؤ اور آنکھوں پر لب لگا دیا۔ کہتے ہیں کہ پھر کبھی حضرت علی کی آنکھوں میں آشوب چشم کی بیماری نہ ہوئی۔

پھر رسول اللہ نے انہیں رایت دیا۔ اور وہ اسے لیکر اٹھے اور سرخ لباس پہنے ہوئے خیبر کی طرف گئے۔ وہاں سے انہیں ایک یہودی نے دیکھا۔ کہا تیرا کیا نام ہے کہا میرا نام علی بن ابیطالب ہے۔ یہودی نے بآواز بلند کہا اے قوم یہود آج تم مغلوب ہو جاؤ گے۔

پھر مرحب جو اس حصن کا حاکم تھا نکلا۔ اسکے سر پر ایک مغفر یمانی تھا جسے اس نے اپنے سر پر بیضہ کی طرح رکھا تھا۔ اور چہرہ کو اس سے ڈھکے ہوئے تھا۔ اور کہتا تھا۔

قد علمت خیبر انی مرحب　　　　شاکی السلاح بطل مجرب

حضرت علی نے اسکے جواب میں کہا ؎

انا الذی سمتنی امی حیدرہ　　　　کلیث غابات کریہ المنظرہ

میں وہ شخص ہوں کہ جسکا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے اور میں بیشوں کے شیروں کی

طرح مہیب صورت ہوں۔ لوگ دیکھکر ڈر جاتے ہیں۔

اکیلہم بالسیف کیل السندرۃ

اور دشمنوں کو میں تلوار سے سندرہ کی کیل دیا کرتا ہوں۔ سندرہ ایک درخت ہے جس سے تیر اور کمان بناتے ہیں یعنے اور لوگ دور سے تیر مارتے ہیں میں پاس جاکر تلوار سے وہی کام لیتا ہوں۔

ان دونوں دلاوروں میں دو دو وار ہوئے۔ مگر حضرت علی نے پھرتی کر کے جو ایک تلوار ماری تو ڈہال اور مغفر اور سر کاٹ کر زمین پر پھینکدیا اور اس شہر کو فتح کرلیا۔

ابو رافع جو رسول اللہ صلعم کا مولی تھا کہتا ہے۔ کہ جب رسول اللہ نے حضرت علی کو خیبر کی طرف بھیجا تو اسوقت ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب حصن کے قریب پہنچے تو وہاں کے لوگ باہر نکلے۔ اور دونوں فریق میں لڑائی ہوئی۔ ایک یہودی نے حضرت کے ایک تلوار ماری۔ کہ جس سے حضرت علی کے ہاتھ سے ڈہال گر گئی۔ اس واسطے حضرت علی نے ایک دروازہ (کا کواڑ) اپنے ہاتھ میں اُٹھالیا جو یہاں کہیں حصن کے قریب پڑا تھا۔ اور اسے اپنی ڈہال بنالیا۔ اور اسی کو ہاتھ میں لے اسوقت تک لڑتے رہے کہ یہ لڑائی تمام نہیں ہوئی۔ اور اللہ تعالے نے ان کے ہاتھ سے یہ قلعہ فتح کرادیا۔ جب قلعہ فتح ہوگیا تو انھوں نے اسے پھینکدیا۔ اسوقت میں نے دیکھا کہ سات آدمی تھے اور میں آٹھواں تھا۔ ہم نے ہرچند کوشش کی کہ اسے پلٹ دیں مگر یہ دروازہ ایسا بھاری تھا کہ ہم اسے پلٹ بھی نہ سکے جسے حضرت علی نے اٹھا کر اپنی ڈہال بنایا تھا۔ لیکن یہ کوئی کرامت کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اسی بیان میں یہ بھی موجود ہے کہ ایک یہودی کے وار سے حضرت علی کی ڈہال گر گئی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہودی آپ سے بھی قوی تھا۔ یہ خیبر کی فتح صفر کے مہینے میں ہوئی ہے۔

اہل خیبر کی اطاعت اور نصف پیداوار پر ان سے اور اہل فدک پر صلح

پھر رسول اللہ صلعم نے خیبر کے دو آخری قلعوں وطیح اور سلالم پر محاصرہ ڈالا جب ان قلعہ والوں کو یقین ہوگیا کہ اب ہلاک ہو جائیں گے تو انھوں نے رسول اللہ صلعم سے درخواست کی کہ آپ انہیں وہاں سے نکال دیں اور جان کی امن دیں۔ رسول اللہ نے اسے منظور کرلیا۔ اور جو کچھ مال واسباب شق اور نطاۃ اور کتیبہ حصنوں میں تھا اور جتنے حصن تھے وہ سب لے لئے۔

جب اہل فدک نے خیبر کا یہ حال سنا۔ تو انھوں نے بھی رسول اللہ صلعم کے پاس آدمی بھیجے کہ مسلمان انہیں بھی اس ملک سے نکالدیں اور جسقدر ان کا مال واسباب ہے وہ لے لیں۔ رسول اللہ نے اسے بھی منظور کرلیا۔

آپ نے غزوہ خیبر کے واقعات اچھی طرح پڑھ لئے۔ خوب غور سے ہر روایت اس معاملہ کا تصفیہ کیجئے کہ اس غزوہ میں حضرت علی سے کیا کارنمایاں ہوئے اور انھوں نے خیبر کی کس گڑھی پر جنگ کی اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غزوہ میں آپ کی ذات سے کیا مدد ملی۔

قریب قریب کل تاریخوں میں یکساں کم وبیش واقعات درج ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہم نے تاریخ طبری وغیرہ کی عبارتیں تاریخ ابن اثیر کے بعد نقل کرنی ضروری نہیں جانیں کیونکہ جو کچھ خیبر کے متعلق نقل ہوا ہے وہی اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

ہمیں تو سوائے یکہ وتنہا لڑنے کے حضرت علی کا کوئی کارنمایاں کسی صحیح نوشتہ سے نہیں ثابت ہوتا۔ نہ حضور انور نے کبھی کسی معاملہ میں آپ سے مشورہ لیا نہ کسی بڑی مہم میں آپ کو بھیجا۔ جس کی نظیر خیبر کا غزوہ موجود ہے کہ آپ اسوقت جبکہ خیبر کی گڑھیوں پر بلا جنگ وجدال گرم ہو رہا ہے اور دیگر صحابہ گڑھی پر گڑھی فتح کر رہے ہیں۔ حضرت علی آشوب

چشم سے اپنی قیام گاہ میں پڑے ہوئے کروٹیں بدل رہے ہیں جب حضور انور نے دیکھا کہ معاملہ خیبر سارا ختم ہو چکا ہے تو آپ نے حضرت علی کی بابت استفسار فرمایا۔ آپ کو آشوب چشم کی خبر دی گئی۔ اسپر بھی دربار رسول اللہ میں حضرت علی کو حاضر ہونے کا حکم ملا دریافت فرمایا علی تم کیسے ہو۔ عرض کیا آشوب چشم میں مبتلا ہوں۔ آپ نے اپنا لب علی کی آنکھوں سے ملا۔ آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ مختلف تاریخوں میں حضور انور رسول خدا کا یہ معجزہ بیان ہوا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس معجزہ کے اظہار کے لئے حضور انور کو ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر حضرت علی کی آنکھیں اچھی کرنی تھیں تو کئی روز تک انہیں تکلیف میں رکھ کے بیکار کیوں پڑا رہنے دیا پہلے ہی سے کیوں نہ اچھا کر دیا کہ وہ غزوہ خیبر میں کچھ مدد دیتے۔ ہمارا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ ہم معجزہ کی معاذاللہ تکذیب کریں۔ حضور انور رسول خدا کے لب مبارک میں تو اس سے بھی زیادہ تاثیر تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ہر امر کے اظہار کا ایک محل اور موقع ہوتا ہے۔ یہاں ایسے معجزہ کے اظہار کا ہمیں تو کوئی مناسب موقع نہیں معلوم ہوتا۔ اسکے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ معتقدین حضرت علی خاص حضرت علی کی ذات میں دنیا کے کل معجزوں کا خزانہ تسلیم کرتے ہیں جسکا ثبوت ان کہانیوں سے پورا ہوتا ہے جو آغاز کتاب شہادت میں منبر وار طبع ہوئی ہیں۔ بایں ہمہ آشوب چشم میں کسی قسم کے معجزہ سے کام نہیں لیا گیا۔ نہ جبریل نے کوئی دوائی تجویز کی جبکہ وہ ایک فرضی تلوار کی تعریف میں جسکی حضرت علی نے صورت بھی نہ دیکھی تھی آسمان سے کود آئے تھے۔ اور اب جبکہ حضرت علی آشوب چشم کی تکلیف سے تڑپ رہے ہیں۔ جبریل کی سرد مہری کی انتہا ہوگئی کہ وہ خالی مزاج پرسی کے لئے بھی آسمان سے اترنے کی تکلیف نہ برداشت کرسکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب گڑھی کے دروازہ کی کیفیت بھی گوشگزار کیجئے۔ ہمارے شیعوں کے سب سے بڑے

مجتہد اور سب سے بڑے قبلہ و کعبہ صاحب حیات القلوب تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ تین چالیس آدمی بھی اس دروازہ کو جنبش نہیں دے سکتے تھے۔ اگر مجلسی صاحب بہادر کی اس بلند پروازی کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس دروازہ کا وزن اتنا ہو وہ کم سے کم چار گز چوڑا اور چھ گز لمبا ضرور ہونا چاہئے۔ یہ بات مسلم ہے کہ حضرت علی پستہ قد تھے۔ آپ کے ہاتھ پیر بہت مختصر سے تھے۔ صرف پیٹ زیادہ بڑا تھا جو عموماً جسمانی ورزش نہ کرنے والوں کا ہو جاتا ہے تو جس وقت آپ نے اس دروازہ کو اٹھا کے ڈھال کا کام لینا شروع کیا ہوگا تو ادہر تو دروازہ کی لمبائی چوڑائی کی وجہ سے دشمنوں کی نظروں سے آپ چھپ گئے ہوں گے۔ اور ادہر وہ دروازہ آپ کے آگے حایل ہو گیا ہوگا اور آپ اپنے حملہ آور کو نہ دیکھ سکتے ہوں گے۔ تو پھر جنگ کیونکر ہوئی اور مرحب یہودی جسکو شیعی داستان گویوں نے طاقت میں رستم و اسفندیار بنا دیا ہے حضرت علی سے کیونکر لڑا۔

اصل یہ ہے کہ ان کہانیوں سے واقعات کو کچھ بحث نہیں۔ یہ خوش اعتقادیاں بعض اوقات اصل واقعات کو بھی چھپا دیتی ہیں۔ اگر ہم شیعی کتب سے حضرت علی کے صحیح حالات زندگی تلاش کرنا چاہیں تو یہ بات محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ خوش اعتقادیوں کے پردے در پردے اس کثرت سے حضرت علی پر پڑے ہوئے ہیں کہ آپ باوجود کوشش بسیار کے ان پردوں سے برآمد نہیں ہو سکتے۔ یہ ظلم تو شیعی دنیا نے حضرت علی پر اتنا کیا ہے جسکی نظیر ملنی محال ہے۔ اگر کوئی اور صحیح نوشتہ نہ ہوتا تو ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ علی کے نام کا جو شخص دنیا میں ہوا ہے وہ انسان تھا۔ فرشتہ تھا یا خدا تھا۔ جہانتک ہم نے کتابوں کو دیکھا ہے شاید ہی کہیں حضرت علی کی انسانی صفت کا ذکر آ گیا ہو تو آ گیا ہو ورنہ جس روایت میں دیکھو خدائی طاقتیں زبردستی خدا سے چھین کے حضرت علی کو ملا با قر مجلسی اور ان کے رفقاء نے عطا کر دی ہیں اور کہیں انسانی اوصاف سے مس تک نہیں کی بس

سمجھ لیا جائے کہ روایتوں کا طوفان بے تمیزی سب حضرت علی کو خدا بنانے میں ختم ہوا ہے اور باقی اللہ اللہ خیر سلا۔

ان کہانیوں سے عوام تو عوام پڑھے لکھوں نے بھی دھوکا کھایا ہے۔ ہم افسوس سے دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت شیعوں کے حلقہ میں آکے حضرت علی کو کیا کا کیا سمجھنے لگی ہے۔ ہم خدانخواستہ حضرت علی کے مخالف نہیں ہیں جیسا کہ حال شیعی احباب نے ہمیں سمجھ رکھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کرکے دکھا دیں۔ کیونکہ واقعات کے اظہار کرنے میں ہمیں اسلام نہیں روکتا۔ ابھی ہمیں حضرت علی کی نسبت بہت کچھ لکھنا ہے اور ان کی پوری زندگی سے بحث کرنی ہے۔ گو کتاب شہادت کے تینوں مقدمے حضرت علی کے بیان سے بھرے ہوئے ہیں تو بھی ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اور جو جو فاش غلطیاں جنگ جمل وغیرہ میں بڑے بڑے مورخوں سے ہوئی ہیں ان کا تار تار الگ کرکے دکھانا ہے۔ یہ کتاب اگر پوری ہو گئی اور خداوند قدوس کی توفیق شامل حال ہوئی تو اسلام میں ایسی ناسور تاریخ ہو گی جو آج تک نہیں لکھی گئی اور پھر کئی صدی تک کسی کو اس بحث پہ لکھنے کی ضرورت بھی نہیں پڑنے کی انشاء اللہ۔

قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری

واقف کار ہی ہماری تحقیق کی داد دیں گے۔ کتاب شہادت کے بغور مطالعہ کرنے والے اصحاب کو اچھی طرح سمجھیں گے کہ کتنی دردسری کی گئی ہے اور کس کثرت سے کتب قدیم وجدید پہ عبور کیا گیا ہے۔ اور مختلف کتب حدیث کی روایتوں کو کس قدر چھانا گیا ہے۔ اور کس طرح ہر شیعی حدیث کی ہنڈی کی جنڈی کی گئی ہے۔ تمام علماء قدیم کی تحریریں ایک طرف اور کتاب شہادت ایک طرف۔ کل کتابیں سب پانی بھرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک کسی مدعی علمیت شیعی مجتہد کو یارا نہ ہوا۔ جبکہ صدہا مسائل پر پوری بحث کی گئی ہے اور ہر واقعہ کو روشنی میں

لایا گیا ہے اسکے خلاف قلم اٹھانا تحفہ کے تو الٹے سید ہے جواب شیعوں نے کئی لکھ دیئے مگر یہ کتاب شہادت ہے جو کئی سال سے اخبار میں طبع ہو رہی ہے اور شیعی دنیا سکتہ میں اسے دیکھ رہی ہے اور کسیکو مجال نہیں ہوتی کہ وہ اسکے جواب میں قلم اٹھا سکے۔ انشاء اللہ شیعی دنیا کے سرتاج مجتہد ہمیشہ اس کتاب کو پڑھ پڑھ کے لرزا کریں گے اور یوں ہی دم بخود رہیں گے۔

خیبر کا بیان ختم ہو گیا۔ ناظر کتاب نے حضرت علی اور دیگر جلیل القدر صحابہ کے کارنمایاں اور فتوحات کو غور سے پڑھ لیا ہو گا جس سے اُسے موازنہ کرنے کا بہتر موقع ملیگا۔ باقی رہے دوسرے غزوے جو فتح مکہ تک ہوئے اور جن میں حضرت علی کی شرکت بیان کی جاتی ہی ان کا تذکرہ کتاب شہادت کے تیسرے مقدمہ میں بالتفصیل اور نمبروار ہو چکا ہے لہذا ان کا یہاں دوہرانا تحصیل حاصل ہے۔ اب ہم فتح مکہ کے واقعات نہیں بلکہ بت شکنی کا مشہور واقعہ درج کرتے ہیں جسے حضرت علی سے نسبت دی گئی ہے کہ آپ نے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر چڑھ کے بتوں کو گرایا کیونکہ رسول اللہ کا وہاں ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ نہ عصا کچھ بھی نہیں۔ یہ امر خلاف قیاس اور سخت بے ادبی کا ہے۔ اگر سے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت علی دوش رسول اللہ پر کھڑے ہوئے۔ اول تو اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ ایک لمبی لکڑی وہی کام کر سکتی تھی جو حضرت علی کے ہاتھوں نے کیا دوسرے اگر ضرورت بھی ہوتی تو حضرت علی کسی سیڑہی پر کھڑے ہو سکتے تھے۔ دوش نبی پر کھڑا ہونا بلا ضرورت اور بلا سبب کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر سب سے زیادہ تماشہ کی بات یہ ہے کہ شیعوں کے عظیم الشان اور کلاں تر مجتہد ملا محمد باقر مجلسی اصفہانی بھی اس مشہور ومعروف کہانی سے انکار کرتے ہیں اور صاف طور پر لکھتے ہیں کہ کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کو بلا مدد غیری خود رسول مقبول نے خاک کی مٹھی پھینک پھینک کے گرایا تھا۔ ملا صاحب کے الفاظ بہت صاف ہیں اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا۔ انہوں نے دو روایتیں اپنے

خیال اور عقیدہ میں بڑے بڑے زبردست راویوں کی بت شکنی کے متعلق درج کی ہیں۔ اور ایک روایت میں تو آپ لکھتے ہیں کہ حضور انور نے کنکریوں کی مٹھی بھر کے بتوں کیطرف پھینکی۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ نے اپنے عصا سے بتوں کو گرایا۔ ہمارا مطلب دونوں روایتوں سے حل ہو گیا۔ یعنی تین سو ساٹھ بتوں کے گرانے میں حضرت علی کا مطلق ہاتھ نہیں لگا۔ ملاحظہ ہو ملا صاحب اپنی کتاب حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۴۷ میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔

ودر قرب الاسناد از امام محمد باقر روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسول در روز فتح مکہ داخل کعبہ شد و صورت در میان کعبہ دید کہ نقش کردہ بودند پس جامہ را طلبید و در آب فرو برد و آں صورتہا محو کرد و امر کرد و بکشتن عبداللہ بن ابی سرح ہر چند کہ اور ادر میان کعبہ بیابند و بکشتن عبداللہ بن خطل و مقیس بن صبابہ و بکشتن قرسا و ام سارہ اشارہ کرد کہ دو زن زنا کار بودند و غنا بہجو آن حضرت میکردند و در روز احد مردم را تحریص بر جنگ آنحضرت میکردند و شیخ مفید و قطب راوندی و شیخ طبرسی از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ در مسجد الحرام سہ صد و شصت بت گذاشتہ بودند و بسرب آنہا را بیکدیگر دوختہ بودند پس حضرت رسول در روز فتح مکہ مشتے از سنگ ریزہ برداشت و برروئے آنہا ریخت و گفت جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ پس باعجاز آنحضرت ہمہ تبہا بر رو افتادند پس حکم فرمود کہ آنہا را از مسجد بیروں بروند و شکستند و چوں وقت نماز ظہر شد بلال را امر کرد کہ بربام کعبہ رفت و آذان گفت عکرمہ پسر ابوجہل گفت کہ مرا بدمی آید کہ این پسر مانند خر بربام کعبہ فریاد میکند و خالد بن اسید گفت کہ الحمدللہ کہ ابو عتاب پدر من زندہ نیست کہ ایں صدا را بشنود و سہیل بن عمرو گفت این کعبہ خدا است اگر خدا انخواہد بر طرف خواہد کرد پس ابوسفیان گفت من ہیچ نمی گویم بترسم کہ این دیوار ہا محمد را خبر دہند پس حضرت ایشاں را طلبید و باعجاز نبوت گفت ہر یک را

خبر داد پس عتاب بن اسید گفت یا رسول اللہ گفتہ ایم اینہا را واکنوں استغفار میکنیم و توبہ میکنم پس توبہ کرد و مسلمان شد و حضرت او را والی مکہ گردانید و گویند در فتح مکہ سہ نفر از مسلمانان کشتہ شدند کہ راہ را گم کردند واز راہ پائین مکہ داخل شدند و مشرکان ایشان را کشتند۔

و ابن طاؤس روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسول داخل مکہ شد در حجر اسمٰعیل سہ صد و شصت بت گذاشتہ بودند حضرت برابر سر ازآنہا کہ میرسید عصا ئیکہ در دست مبارک خود داشت بچشم یا شکم آن میزد و میگفت۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا وآں بت در ساعت بر افتادہ و اہل مکہ میگفتند پنہاں کہ ما ساحر تر از محمد ندیدہ ایم۔

حضور انور کی تجہیز و تکفین

شیعوں میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ حضور انور کی تجہیز و تکفین کئے بغیر صحابہ خلافت حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے اور ذرا بھی اسکی پروا نہ کی کہ پہلے رسول اللہ کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے فارغ ہو جائیں۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ خاص تجہیز و تکفین کے معاملہ میں ابوبکر وعمر اور دیگر صحابہ پر کیوں الزام لگایا جاتا ہے۔ جبکہ شیعی روایتیں صاف طور پر اسکا اظہار کر رہی ہیں کہ جبریل کے کہنے کے بموجب یا خود رسول خدا نے اپنی طبیعت سے اپنی ہی زندگی میں علی کو حکم دیا تھا کہ تم ہی میری تجہیز و تکفین کرنا۔ پھر بیچارے صحابہ کا کیا قصور تھا اور ان پر غداری کا کیوں الزام لگایا جاتا ہے۔ جبکہ انھوں نے حکم کی بجا آوری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔

اس تجہیز و تکفین میں حضرت علی کی شرکت عجیب وغریب فسانہ انگیز طریقہ سے شیعی مصنفوں نے تحریر کی ہے جو مزے میں ایک مشرقی قصہ سے بھی پر لطف ہو گئی ہے۔ حالانکہ دیگر شیعی روایتوں کے بموجب ایک علی ہی نے تنہا تجہیز و تکفین کے کام انجام نہیں دیئے تھے بلکہ انکے ساتھ اور بھی حضور انور کے کئی قریبی رشتہ دار تھے۔ تو بھی خوش اعتقاد شیعہ یہ سارا سہرا

علی ہی کے سرہانے رہتے ہیں۔

مختلف تاریخوں کے دیکھنے سے ٹھیک ٹھیک جو کچھ تحقیق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور انور کے وصال کا زمانہ قریب آیا تو آپ نے آخری دن اپنی بیوی عایشہ صدیقہ کے حجرے میں گزارے۔ وقتاً فوقتاً آپ کو جب افاقہ ہو جاتا تھا تو آپ حجرہ کے باہر تشریف لا کے مسجد میں نماز پڑھنے آجاتے تھے۔ مدینہ میں کوئی طبیب نہ تھا جسکا علاج ہوتا اور پھر تیمار داری کا سہرا کسی کے سرباندھا جاتا صحابہ کی آمد ورفت برابر لگی رہتی تھی جنمیں ابوبکر وعثمان علی وغیرہ سب ہی تھے۔ سب سے زیادہ خدمت اگر کسی نے کی تو عایشہ صدیقہ نے جو حالت کرب کبھی رسول اللہ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیتی تھیں اور کبھی تکیہ پر اور کئی شب تک مطلق نہیں سوئی تھیں۔ اسی اثناء میں یک لخت مرض میں تنزل آگیا اور آپ اتنے اچھے ہو گئے کہ دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں آگئے۔ صحابہ رسول مقبول کی یہ حالت دیکھ کے مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب رسول اللہ قطعی اچھے ہو جائیں گے۔ اس اطمینان کی بنا پر ابوبکر جو کئی شب وروز رسول اللہ کے سرہانہ سے نہ سرکے تھے۔ رسول مقبول سے اجازت لیکے اپنے مکان چلے گئے جو مکان مسجد نبوی سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ مگر اسی اثناء میں یکایک رسول اللہ کی طبیعت نڈھال ہو گئی۔ یہانتک کہ ابوبکر وعلی کی غیر موجودگی میں آپ کی وفات ہو گئی۔ عمر فاروق بوقت وفات موجود تھے۔

وفات ہوتے ہی سارے مدینہ میں آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی۔ ابوبکر وعلی وغیرہ دوڑے ہوئے آئے اور رسول اللہ کی تجہیز وتکفین وغیرہ کا مشورہ کرنے لگے اول تو اس بات کا فیصلہ ہوا کہ دفن کہاں کیا جائے اور یہ بات ابوبکر کی رائے پر چھوڑی گئی۔ آخر یہ طے پا گیا کہ جس جگہ رسول اللہ نے وفات پائی ہے وہیں انہیں دفن کر دیا جائے۔ پھر کفن کے متعلق فیصلہ ہوا کہ جن کپڑوں میں آپ ہیں ان ہی میں دفن کئے جائیں۔ اسکے بعد آپ کو نہلانا

شروع کیا۔ ابوبکر پانی ڈالتے جاتے تھے۔ علی۔ عباس۔ فضل۔ قثم۔ اسامہ بن زید اور شقران دوسرے کام کر رہے تھے۔ یعنی کروٹ بدلوانا۔ پانی تیار کرنا وغیرہ۔

اسی اثنا میں عمر فاروق آئے اور انھوں نے ابوبکر کو باہر بلایا اور کہا آپ سقیفہ بنی ساعدہ میں چلئے وہاں معاملہ دگرگوں نظر آتا ہے مبادا فتنہ عظیم برپا ہو جائے ابوبکر نے پہلے تو عذر کیا۔ مگر مزید اصرار پر آپ چلے آئے۔ رسول مقبول کا جنازہ تنہا نہ تھا کہ ابوبکر کا چھوڑ کے چلا آنا ناگوار گزرتا بلکہ آپ کے قریبی رشتہ دار موجود تھے۔ ایسی حالت میں خونریزی کا روکنا سب سے مقدم تھا۔ ورنہ اگر انصار میں سے کوئی خلیفہ بن جاتا تو خونریزی کا ہونا یقینی تھا۔

رسول اللہ کا جنازہ چھوڑ کے چلا جانے کا الزام ابوبکر و عمر پر مطلق نہیں آسکتا جبکہ پہل انصار کی طرف سے ہوئی۔ دانشمندی یہی تھی کہ جتنا جلدی ممکن ہوسکتا اس فتنہ کو روکا جاتا۔ چنانچہ ابوبکر عمر فاروق کے ساتھ وہاں آئے اور خلیفہ کا تقرر خوش تدبیری اور روشن ضمیری سے ہو گیا۔ وہاں کا تصفیہ ہوتے ہی ابوبکر پھر بھاگوں بھاگ واپس آکے تجہیز و تکفین اور تدفین میں شریک ہو گئے اور اسی روز رسول مقبول دفن کر دئے گئے۔

حضرت علی کی دل ہی کی دل میں رہی اور انہیں ابوبکر سے یہ شکایت پیدا ہوگئی کہ مجھے مشورۂ خلافت میں تو ضرور شریک کر لینا چاہیئے تھا یعنی مجھے بھی ساتھ لے چلنا چاہیئے تھا۔ لیجئے علی اس بات کے لئے تیار تھے کہ اگر اشارہ ہوتا تو وہ رسول اللہ کا جنازہ چھوڑ کے چل دیتے ان کا منشا یہ تھا کہ اگر میں مشورہ میں شریک کر لیا جاتا تو کچھ نہ کچھ مسلمانوں کی نظروں میں میری توقیر تو ضرور ہو جاتی۔ بعد میں حضرت علی نے یہ لمبی چوڑی شکایت صدیق اکبر سے کی تھی بس قصہ تو سارا یہ ہے مگر شیعی مجتہدوں نے اس دو لفظی تجہیز و تکفین کے واقعہ کو ایک ایسی فرضی دلکش داستان میں ڈھال لیا ہے کہ دیکھ کے حیرت ہوتی ہے اور کلیجہ پھٹ جاتا ہے کہ ایسے نمونے ہم بھی دنیا میں موجود ہیں جو ان مزخرفات پر ایمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس مزخرفات کا نمونہ حیات القلوب

سے جو شیعوں کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے نقل کیا جاتا ہے تاکہ ناظر اس بات کا فیصلہ کرے کہ جس مذہب کی ان کہانیوں پر زندگی ہو بس۔

مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

ہاں ایک سب سے بڑی بات لکھنی رہ گئی اور یہی بات شیعی مذہب اور حضرت علی کی فضیلت کی جان ہے یعنی کلینی وصفار و شیخ طوسی۔ ابن بابویہ و قطب راوندی اور دوسرے بڑے بڑے جگادری مجتہدوں اور اماموں نے متفق اللفظ یہ روایت کی ہے کہ وفات سے پہلے رسول اللہ نے علی سے فرمایا تھا کہ جب میری وفات ہو جائے اور تم مجھے غسل و کفن کر چکو تو میرے کفن کا گریبان پکڑ کے مجھے اٹھا کے بٹھا دینا اس وقت جو سوال تم کرو گے تمہیں جواب دوں گا۔ چنانچہ علی نے وفات کے بعد یہی حرکت کی۔ رسول مقبول کے جنازہ کا کفن پکڑ کے گھسیٹا اور آپ کو اٹھا کے بٹھا دیا اور آپ سے ہزار سوال کئے اور ہر سوال کے جواب میں علم کے ہزار دروازے حضرت علی پر کھل گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے مزخرفات کا نمونہ دیکھ لیا بھلا اس سے بھی زیادہ بیہودہ بات آپ نے کہیں اور لکھی دیکھی ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ملاحظہ ہو حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۵۷ سے آگے تک۔

وکلینی وصفار و شیخ طوسی و ابن بابویہ و قطب راوندی و دیگران بسند ہائے معتبر از حضرت امیر المومنین و امام محمد باقر و امام جعفر صادق صلوات اللہ علیہم اجمعین روایت کردہ اند کہ حضرت رسول حضرت امیر المومنین را طلبید و فرمود کہ یا علی چوں بمیرم شش مشک آب بکش از چاہ غرس پس مرا نیکو غسل دہ بآن آب و مرا کفن کن و حنوط کن و چوں از غسل و کفن و حنوط من فارغ شوی گریبان کفن مرا بگیر و مرا بنشاں و ہر چہ خواہی از من سوال کن کہ ہر چہ بپرسی ترا جواب میگویم پس حضرت چنیں کرد و فرمود کہ دریں موضع ہزار ہزار باب از علم مرا تعلیم نمود کہ از ہر بابے ہزار باب مفتوح میشود۔

و در روایت دیگر حضرت امیر المومنین فرمود که چوں از آنحضرت سوال کردم مرا خبر داد بانچہ واقع شود تا روز قیامت پس ہیچ گروہے از مردم نیستند مگر آنکہ میدانم کہ محق ایشاں و گمراہ ایشاں کیست۔ و بروایت دیگر انچہ حضرت املا فرمود دراں وقت حضرت امیر المومنین ہمہ را نوشت۔

ابن بابویہ از ابن عباس روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسول بر بستر بیماری خوابید او و اصحاب آن حضرت بر گرد او جمع شدہ بودند عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ برخاست و گفت پدر و مادم فدائے تو باد یا رسول اللہ چوں بجوار رحمت پروردگار خود واصل گردی کہ از میان ما ترا غسل خواہد داد حضرت فرمود کہ غسل دہندہ من علی بن ابیطالب ست زیرا کہ ہر عضوے از اعضائے مرا کہ قصد میکند کہ بشوید ملائکہ او در شستن آن عضو اعانت میکنند گفت پدر و مادرم فدائے تو باد یا رسول اللہ کہ از ما بر تو نماز خواہد کرد حضرت فرمود کہ ساکت شو خدا رحمت کناد پس رو بحضرت امیر المومنین آورد و گفت اے پسر ابوطالب چوں بینی کہ روح من از بدن من مفارقت کرد مرا غسل دہ و نیکو غسل بدہ و کفن کن مرا دریں دو جامہ کہ پوشیدہ ام یا در جامہ سفید مصری یا در برد یمانی و کفن مرا بسیار گراں مگردان و مرا بردارید تا بر کنار قبر بگذارید پس اول کسے کہ بر من نماز خواہد کرد خداوند جبار خواہد بود کہ بر عرش عظمت و جلال خود بر من صلوات خواہد فرستاد بعد ازاں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل با لشکرہا و فوجہائے ملائکہ کہ عدد ایشانرا بغیر از خداوند عالمیان کسے نمیداند بر من نماز خواہند کرد۔ پس آنہا کہ احاطہ بعرش الٰہی کردہ اند پس بعد از ایشاں ساکنان ہر آسمانی بعد از آسمان دیگر بر من نماز خواہند کرد پس جمیع اہل بیت من و زنان من در مرتبہ قرب و منزلت ایشاں ایجا کنند ایما کردنی و سلام کنند سلام کردنی و آزار نرسانند مرا بصدائے نوحہ کنندہ و فریاد کنندہ۔

چون حضرت امام حسین و امام حسن جد بزرگوار خود را بر آن حالت مشاہدہ نمودند بیتاب گردیدہ

وآب حسرت از دیدۂ غم دیدہ باریدند وخروش بر آوردند ومیگفتند کہ جانہائے ما فدائے جان
تو باد ورو ہائے ما فدائے روی تو باد حضرت پرسید کہ ایشاں کیستند حضرت امیر المومنین
گفت یا رسول اللہ فرزندان گرامی تو اند حسن وحسین پس حضرت ایشاں را بنزدیک خود طلبید
ودست در گردن ایشاں آورد وآن دو جگر گوشہ خود را بسینۂ خود چسپانید وچوں حضرت امام حسن
بیشتر میگریست حضرت فرمود کہ یا حسن گریہ کم کن کہ گریۂ تو بر من دشوار ست وموجب آزار دل
افگار ست پس دریں حال ملک الموت نازل شد وگفت السلام علیک یا رسول اللہ حضرت
فرمود کہ وعلیک السلام اے ملک الموت مرا بسوے تو حاجتی ست ملک الموت گفت حاجت
تو چیست اے پیغمبر خدا حضرت فرمود کہ حاجت من آنست کہ روح مرا قبض نہ کنی تا جبرئیل
بنزد من آید وبمن سلام کند ومن بر او سلام کنم واورا وداع نمایم پس ملک الموت بیروں آمد
ومیگفت یا محمداہ پس جبرئیل از ہوا بملک الموت رسید وپرسید کہ قبض روح محمد کردی اے
ملک الموت. گفت نہ اے جبرئیل آنحضرت از من سوال کرد کہ اورا قبض روح نمایم تا ترا ملاقات
نماید وبا تو وداع کند جبرئیل گفت کہ اے ملک الموت مگر نمی بینی کہ درہائے آسمانہا را کشودہ اند
برائے روح محمد مگر نمی بینی حوریان بہشت را کہ زینت کردہ اند برائے روح محمد پس جبرئیل
نازل شد وبنزد حضرت رسول آمد وگفت السلام علیک یا ابو القاسم حضرت فرمود وعلیک السلام
یا جبرئیل آیا در چنیں حالے ما را تنہا میگذاری جبرئیل گفت یا محمد ترا بباید مرد وہمہ کس را مرگ
در پیش است وہر نفسے چشندۂ مرگ ہست حضرت فرمود کہ نزدیک شو بمن اے حبیب من پس
جبرئیل بنزدیک آنحضرت رفت وملک الموت نازل شد وجبرئیل با وگفت کہ [illegible] ملک الموت
بخاطر دار وصیت حق تعالے را در قبض روح محمد پس جبرئیل در جانب راست آنحضرت
ایستاد ومیکائیل در جانب چپ وملک الموت در پیش رو مشغول بقبض روح آن حضرت صلعم
گردید

وابن بابویہ بسند معتبر روایت کردہ است کہ حضرت امیر المومنین فرمود کہ اول بلاہا وامتحانہا
کہ بعد از حضرت رسول بر من وارد شد آن بود کہ مرا بالخصوص درمیان ہمہ مسلمانان بغیر از حضرت
رسالت پناہ مونسی ویاری ویاوری نبود کہ اعتماد برا و نمایم وامید یاری ازاو داشتہ باشم او مرا
در خردسالی تربیت کردہ ودر بزرگی پناہ داد واز یتیمی بدر آوردہ وخرچ من وعیال مرا متکفل گردید
ومرا بے نیاز گردانید از طلب ومحتاج نشدم ببرکت آنحضرت بکسب اینہا وامثال اینہا نعمتے چند
بود از آنحضرت بر من ورا امور دینیا وانہا بالبسیاری کم بود در جنب آنچہ مرا بآن مخصوص گردانید
از ترقی فرمودن در درجات عالیہ کمالات نفسانی وممتاز گردانیدن بعلوم ربانی ورا ہنمائے
سلوک مراتب قرب ووصال ملک متعال ومتحلی گردانیدن بآداب حسنہ در اقوال وافعال پس نازل
شد بمن از وفات آن حضرت الم واندوہے چند کہ گمان ندارم کہ اگر آنہا را بر کوہہا بار میکردند
تاب تحمل آنہا میداشتند پس مردم را دراں مصیبت بر احوال مختلف یافتم بعضے جزع ایشان
بمرتبہ بود کہ ضبط خود نمیتوانستند کرد وقوت بر تحمل آن مصیبت عظیم نداشتند شدت جزع صبر ایشان
را بردہ بود وعقل ایشاں را پریشان کردہ بود وحائل گردیدہ بود میان او وفہمیدن وفہمانیدن و
گفتن وشنیدن این بود حال خویشان آنحضرت از اہلبیت او وفرزندان عبد المطلب وسائر مردم
بعضے تعزیت میگفتند وامر بصبر میفرمودند وبعضے مساعدت ویاری ایشان در گریہ می نمودند
وبا ایشان در جزع شریک میشدند پس با چنیں مصیبت عظمی کہ ناگاہ رو بمن آورد خود را شکیبائی
داشتم وخاموشی را اختیار کردم ومشغول گردیدم بآنچہ مرا امر فرمودہ بود از تجہیز نمودن وغسل دادن
وحنوط وکفن کردن ونماز بر او گذاردن واورا در قبر سپردن۔

وایضاً از ثعلبی روایت کردہ است کہ ابو بکر بخدمت رسول خدا آمد در وقتے کہ مرض آنحضرت
سنگین شدہ بود وگفت یا رسول اللہ اجل تو کے خواہد بود حضرت فرمود کہ حاضر شدہ است اجل من
ابو بکر گفت بازگشت تو کجا است فرمود کہ بسوئے سدرۃ المنتہی وجنت الماوی ورفیق اعلا وعیش

گوارا وجرعہاے شراب قرب حق تعالیٰ ابوبکر گفت کہ ترا غسل خواہد داد فرمود کہ ہر کہ از اہلبیت من بمن نزدیک تر است پرسید کہ درچہ چیز ترا کفن کنند فرمود کہ درہمیں جامہا کہ پوشیدہ ام یا در حلہاے یمنی یا در جامہاے سفید مصری پرسید کہ چگونہ بر تو نماز کنند دریں وقت خروش از مردم برخاست و در و دیوار بلرزہ در آمد حضرت فرمود کہ صبر کنید خدا عفو کناد از شما چوں مرا غسل دہند و کفن کنند مرا بر تختے بگذارید بر کنار قبر من و ساعتے بیروں روید و مرا تنہا بگذارید و اول کسیکہ بر من نماز میکند خداوند عالمیانست پس رخصت میفرمایید ملائکہ را کہ بر من نماز کنند و اول کسیکہ نازل میشود جبرئیل است پس اسرافیل پس میکائیل پس ملک الموت پس لشکرہاے ملائکہ ہمگی فرود می آیند و بر من نماز میکنند پس شما فوج فوج باین خانہ در آئید و بر من صلوات فرستید و سلام کنید و مرا آزار مکنید بگریہ و فریاد و نالہ و باید کہ اول کسے کہ از آدمیان بر من نماز کند از نزدیکان اہل بیت من باشد بعد از ان زنان و کودکان اہلبیت من و بعد از ایشان مردم دیگر ابوبکر گفت کہ کہ داخل قبر تو خواہد شد فرمود کہ ہر کہ از اہلبیت من بمن نزدیک تر است با ملکی چند کہ شما ایشاں را نخواہید دید پس فرمود کہ برخیزید و آنچہ گفتم بدیگراں برسانید۔

و شیخ طوسی بسند معتبر روایت کردہ است کہ چون حضرت رسول از دنیا مفارقت نمود پردہ در پیش آنحضرت آویختند و حضرت امیر المومنین در پیش پردہ نشستہ بود و از غایت اندوہ دستہاے خود را بر زیر روئے خود گذاشتہ بود چون بادی وزید آن پردہ بر روے مبارک آنحضرت میخورد و صحابہ بر در خانۂ آنحضرت و در مسجد پر شدہ بودند و صدا ہا بنالہ و زاری بلند کردہ بودند و آب حسرت از دیدہ میریختند و خاک مذلت بر سر خود می ریختند ناگاہ صداے از اندرون خانۂ حضرت بلند شد کہ گویندہ را ندیدند۔ و صداے او را شنیدند کہ گفت پیغمبر شما طاہر و مطہر بود او را دفن کنید و غسل بدہید چون حضرت امیر المومنین این صدا را شنید و دانست کہ صداے شیطان ست از افتتان مردم ترسید و سر از زانوے اندوہ برداشت و فرمود کہ دور شو اے دشمن خدا کہ آنحضرت مرا امر کردہ است کہ او را غسل دہم و کفن

کنم ودفن کنم واین سنت از برائے ہمہ کس جاریست تا روز قیامت پس منادی دیگر ندا کرد بغیر
آن صدائے اول کہ اے علی بن ابیطالب بپوشان عورت پیغمبر خود را ودر وقت غسل پیراہن
را از بدن او بیرون مکن وشیخ مفید وسید رضی الدین ودیگران بسندہائے معتبر از ابن عباس وغیر
او روایت کردہ اند کہ چون رسول خدا از فنا بدار بقا رحلت فرمود وحضرت امیر المومنین متوجہ غسل آنحضرت
گردید وعباس حاضر بود وفضل بن عباس آنحضرت را مدد می نمود چون از غسل آنحضرت فارغ گردید
وآنحضرت را کفن کرد جامہ را از روئے مبارک آنحضرت دور کرد وگفت پدر ومادرم فدائے تو باد
طیب ونیکو وپاکیزہ بودی در حیات وبعد از موت ومنقطع شد بوفات تو آنچہ منقطع نشدہ بود بوفات
احدے از خلق از پیغمبری ونازل شدن وحیہائے آسمانی مصیبت تو چندان عظیم شد کہ تسلی فرمایندہ
مصیبت ہائے دیگران گردید ومحنت وفات تو چندان عام گردید کہ ہمہ خلق صاحب مصیبت اند
در تعزیت تو واگر آن بود کہ امر کردی بصبر کردن ونہی نمودی از جزع نمودن ہر آئینہ آبہائے سر
خود را در مصیبت تو فرو میریختیم ودر ہر آئینہ در مصیبت ترا ہرگز دوا نمیکردیم وجراحت مفارقت
ترا از سینہ بیرون نمیکردیم واینہا در مصیبت تو اندکیست از بسیار واندوہ وحسرت را چارہ نمیتوان
کرد وحزن مفارقت تو برطرف شدنی نیست پدر ومادرم فدائے تو باد یاد کن ما را نزد پروردگار خود
وما را از خاطر خود بیرون مکن پس بر روئے آنحضرت در افتاد وروئے مبارکش را بوسید وآہ
حسرت از سینہ پر درد برکشید پس جامہ را بر روئے آنحضرت پوشانید۔

وایضاً بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ چون حضرت رسول بعالم بقا رحلت نمود
نازل شدند جبرئیل وملائکہ وروح کہ در شب قدر برآنحضرت نازل میشدند پس حق تعالیٰ دیدۂ امیر
المومنین را منور گردانید کہ ایشان را از منتہائے آسمانہا تا زمین میدید وایشان معاونت آنحضرت
می نمودند در غسل دادن آنحضرت ونماز کردن برا وقبر شریف آنحضرت را حفر میکردند وبخدا
سوگند کہ کسے بغیر از ملائکہ قبر آنحضرت را نکندند تا آنکہ حضرت امیر المومنین آنحضرت را بقبر برد وایشان

باآنجناب داخل قبر شدند و آن جناب را در قبر گذاشتند پس حضرت رسول با ملائکہ بہ سخن آمد و حق تعالےٰ گوش امیر المومنین را شنوائی آن سخنان دادو شنید کہ حضرت رسول خدا ملائکہ را سفارش امیر المومنین میکند پس حضرت گریان شد و شنید کہ ملائکہ در جواب گفتند کہ ما در خدمت و اعانت و یاری و خیر خواہی او تقصیر نخواہیم کرد و اوست صاحب و امام و پیشوائے ما بعد از تو و پیوستہ بنزد او خواہیم آمد ولیکن او بغیر ایں مرتبہ ما را نخواہد دید و صدائے ما را خواہد شنید و چوں حضرت امیر المومنین بعالم قدس رحلت نمود جبرئیل و ملائکہ و روح باز بر حسن و حسین نازل شدند و ایشاں ملائکہ را دیدند و واقع شد آنچہ در وفات حضرت رسول واقع شدہ بود و دیدند حضرت رسول را کہ مدد میکرد ملائکہ را در غسل و کفن و دفن حضرت امیر المومنین و چون حضرت امام حسن بسرائے باقی ارتحال نمود امام حسین جبرئیل و ملائکہ و روح و رسول خدا و امیر المومنین را دید کہ نازل شدند و در غسل و کفن و دفن او با او موافقت نمودند و چون جناب امام حسین شہید شد جناب علی بن الحسین جبرئیل و ملائکہ و روح و حضرت رسول خدا و حضرت امیر المومنین و حسن را دید کہ حاضر شدند و در ہمہ امور یاری آنحضرت نمودند و چون حضرت علی بن الحسین بریاض جنت رحلت نمود حضرت امام محمد باقر حضرت رسول و امیر المومنین و امام حسن و امام حسین را دید کہ مدد میکردند و جبرئیل و ملائکہ و روح را در معاونت آنجناب دید و چون حضرت امام محمد باقر بسرائے آخرت رحلت نمود من دیدم رسول خدا و امیر المومنین و حسن و حسین و امام زین العابدین را کہ مدد میکردند ملائکہ و روح را در غسل و کفن و دفن و نماز آنحضرت را و یاری من در ہمہ این امور می نمودند و این حکم جاری و باقیست تا آخر ائمہ۔

و در کتاب احتجاج و کتاب سلیم بن قیس ہلالی از سلمان روایت کردہ اند کہ چون امیر المومنین از غسل و کفن حضرت رسول فارغ شد داخل خانہ کرد مرا و ابوذر و مقداد و فاطمہ و حسن و حسین را و خود پیش ایستادہ و ما در عقب آنجناب صف بستیم و بر آنجناب نماز کردیم و عائشہ منافقہ دیہ شیعی مجتہد اعظم کی تہذیب اور محبت رسول ہے کہ رسول کی چاہیتی بیوی اور اپنی ماں کو منافقہ کہتا ہے

ہم دران حجرہ بودو مطلع نشد بر نماز کردن ما بسبب آنکہ جبرئیل جنہاے او را گرفتہ بود پس دہ نفر دہ نفر مہاجرین و انصار را داخل حجرہ میکردانید و ایشان بر آنجناب صلوات میفرستادند و بیرون میرفتند۔ تا آنکہ ہمہ مہاجران و انصار چنیں کردند و نماز بر آن جناب ہماں بود کہ در اول واقع شد۔

و در کتاب کفایۃ الاثر بسند معتبر از عمار روایت کردہ است کہ چوں ہنگام وفات حضرت رسول شد علی بن ابی طالب را طلبید و راز بسیار با او گفت پس فرمود کہ یا علی تو وصی منی و وارث منی و حق تعالےٰ بتو عطا کردہ است علم و فہم مرا و چوں من از دنیا بروم ظاہر خواہد شد برائے تو کینہاے دیرینہ کہ در سینہاے جماعتے پنہاں است و غصب حق تو خواہند نمود۔ پس حضرت فاطمہ و حسن و حسین گریستند حضرت با فاطمہ فرمود کہ اے بہترین زنان چرا میگریی گفت اے پدر میترسم کہ حق ما را بعد از تو ضایع کنند و حرمت ما را رعایت ننمایند حضرت فرمود کہ بشارت باد ترا اے فاطمہ کہ تو اول کسی خواہی بود کہ از اہلبیت من بمن ملحق میگردد و گریہ مکن و اندوہناک مباش بدرستیکہ تو بہترین زنان اہل بہشتی و پدر تو بہترین پیغمبرانست و پسر عم تو بہترین اوصیاے پیغمبرانست و دو پسر تو بہترین جوانان اہل بہشت اند و حق تعالےٰ از صلب حسین نُہ امام بیروں خواہد آورد کہ ہمہ مطہر و معصوم باشند و از ما خواہد بود مہدی این امت پس با علی بن ابیطالب خطاب کرد کہ یا علی متوجہ غسل و کفن نشود کسی بغیر از تو حضرت امیر گفت یا رسول کے معاونت من خواہد نمود بر غسل تو فرمود کہ جبرئیل معاونت تو خواہد کرد و فضل بن عباس آب بدست

تو بدہد

و کلینی بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر روایت کردہ است کہ در شبے کہ حضرت رسول بریاض جنت رحلت نمود بر اہلبیت آنحضرت دراز ترین شبہا گذشت و حالتے بر ایشاں گذشت کہ منپنداشتند کہ زیر آسمانند یا بر روئے زمین اند زیرا کہ حضرت رسول خدا از برائے خدا با نزدیکان و دوران دشمنی کردہ بود و از ایشاں بسیار کسی کشتہ بود و از انتقام کافراں و منافقاں ترساں بودند پس حق تعالےٰ دراین حال ملکی را فرستاد و بروایت دیگر جبرئیل را فرستاد کہ او را ندیدند و صدائے

اور امی شنیدند وگفت السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بدرستیکہ ثواب خدا تسلی دہندہ است از ہر مصیبتے ونجات دہندہ است از ہر مہلکہ وتدارک کنندہ است ہر فوت شدہ را پس ایں آیت را خواند کہ۔

کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم یوم القیمۃ فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔

پس فرمود کہ بدرستیکہ حق تعالےٰ شمارا برگزیدہ است وبر دیگران فضیلت دادہ است واز گناہان وعیبہا پاک گردانیدہ است وشمارا اہلبیت پیغمبر خود گردانیدہ است وعلم خود را بشما سپردہ است وبر دیگران فضیلت دادہ است واز گناہاں وعیبہا پاک گردانیدہ است وشمارا اہلبیت پیغمبر خود گردانیدہ است وعلم خود را بشما میراث دادہ ہست وشمارا صندوق علم خود گردانیدہ است وعصائے عزت خود ساختہ است وبرائے شما مثلی از نور خود زدہ است ومعصوم گردانیدہ است شمارا از لغزشہا وایمن گردانیدہ است شمارا از فتنہا پس بصبر فرمودن خدا صبر کنید بدرستیکہ حق تعالےٰ از شما دور نیکند رحمت خود را وزائل نیکرداند نعمت خود را انچہ اسوگند کہ شمائید اہل خدا کہ بشما تمام کردہ است نعمت خود را بر خلق ومجتمع ساختہ است پراگندگیہا را ومتفق گردانیدہ است کلمہا را وشمائید دوستان خدا ہر کہ شما ولایت اختیار نماید رستگار است وہر کہ برشما ستم کند وحق شمارا از شما بگیرد۔ او ہالک ست حق تعالےٰ مودت شمارا در کتاب خود برمومناں واجب گردانیدہ است وخدا قادر ہست بریاری کردن شما ہر وقت کہ خود مصلحت داند پس صبر کنید ومنتظر باشید عاقبت نیکو را بدرستیکہ بازگشت امور بسوئے خدا است وبہ تحقیق کہ پیغمبر خدا شمارا بحق تعالےٰ سپرد وحق تعالےٰ ازو قبول کرد وشمارا سپرد بدوستاں مومن خود در زمین پس ہر کہ ادائے امانت آلہی بکند وولایت شمارا بر خود لازم داند وحرمت شمارا رعایت نماید حق تعالےٰ جزائے راست گوئی او را در قیامت با ومید ہد پس شمائید۔ امانت سپردہ شدۂ خدا ورسول واز برائے شماست مودت واجبہ واطاعت مفروضہ وحضرت رسول

از دنیا نرفت تا آنکہ دین را از برائے شما کامل گردانید و راہ نجات را از برائے شما بیان کرد و از برائے جا ہلے حجتے نگذاشت پس کسیکہ نادان باشد یا اظہار نادانی نماید انکار حقی بکند یا فراموش کند یا اظہار فراموشی نماید پس با خدا است حساب او و خدا برآوردندہ حاجتہائے شما ست و شمارا بخدامی سپارم و السلام علیکم۔ راوی پرسید از آنحضرت کہ این تعزیت از جانب کے بود۔ حضرت فرمود کہ انجانب خداوند عالمیاں بود۔

اسکے بعد شیعوں کے سب سے بڑے جگادری مجتہد اعظم کی کہانیاں بیعت اور خلافت کے متعلق شروع ہوتی ہیں جس میں آنجہانی نے پیٹ بھر کے فسانہ نویسی کی داد دی ہے اور وہ ایسی فسانہ نویسی ہے کہ بوستانِ خیال کا مصنف بھی اپنی قبر میں سر پیٹتا ہوگا۔ لہذا مناسب ہے کہ بطور تفنن طبع دو ایک کہانیاں یہاں نقل کر دی جائیں چونکہ آنجہانی نے صدیق اکبر کی نسبت منافق کا لفظ استعمال کیا ہے ہم اسے جوں کا توں نقل کر دیتے ہیں اس سے ان خوارج کیطرح جو حضرت علی کو اول درجہ کا منافق اور کافر کہتے ہیں پورا تطابق ہوتا ہے جس سے الحمدللہ ہم بالکل بری ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو ملا باقر مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۷۹ میں فرماتے ہیں

بسندہائے معتبر از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ ہیچ پیغمبر در زمین زیادہ از سہ روز نمی ماند تا آنکہ روح و گوشت و استخوان او بالا میرود و مردم بسوئے جائے بدنہائے ایشان میروند و از دور دور سلام مردم بایشاں میرسد و ایضاً بسندہائے معتبر بسیار از آنحضرت روایت کردہ اند کہ چون ابوبکر منافق از حضرت امیر المومنین غصب خلافت کرد حضرت با او گفت کہ آیا رسول خدا ترا امر نہ کرد کہ مرا اطاعت کنی آن منافق گفت نہ اگر مرا امر میکرد میکردم حضرت فرمود کہ اگر الحال پیغمبر را ببینی و ترا امر کند با طاعت من آیا خواہی کرد گفت آری حضرت فرمود کہ با من بیا بسوئے مسجد قبا چوں مسجد قبا رسیدند ابوبکر دید کہ حضرت رسول ایستادہ است و نماز میکند چون حضرت از نماز فارغ شد حضرت امیر المومنین گفت یا رسول اللہ ابوبکر انکار میکند کہ تو او را امر با طاعت من کردہ۔ حضرت رسول با ابوبکر

گفت کہ من مکرر ترا امر کردہ ام باطاعت او برو و اورا اطاعت کن آن منافق بسیار ترسید و برگشت
و در راہ عمر را دید عمر گفت چہ میشود ترا ابو بکر گفت کہ حضرت رسول خدا با من چنیں گفت عمر گفت ہلاک
شوند امتی کہ چون تو احمقے را والی خود کردہ اند۔ مگر نمے دانی کہ اینہا ہمہ از سحر بنی ہاشم است۔

و در کتاب اختصاص و بصائر الدرجات وسائر کتب بسند ہائے معتبر از حضرت صادق روایت
کردہ اند کہ چون گریبان حضرت امیر المومنین را گرفتند برائے بیعت ابو بکر و بسوئے مسجد کشیدند
حضرت در برابر قبر رسول خدا ایستادہ و گفت آنچہ ہارون در جواب موسےٰ گفت کہ یابن ام ان
القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی یعنے اے برادر من وائے فرزند مادر من بدرستی کہ قوم
مرا ضعیف گردانیدہ اند و نزدیک شد کہ مرا بکشند پس دستی از قبر رسول خدا بیرون آمد بسوئے ابو بکر
کہ ہمہ شناختند کہ دست آنحضرت است و بصدائے کہ ہمہ شناختند کہ صدائے آنحضرت است گفت

اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سوّاک رجلا۔

یعنی آیا کافر شدی بآنخدا وے کہ ترا خلق کردہ است از خاک پس از نطفہ پس ترا مرد ے
گردانیدہ است۔

و بروایت دیگر دستے از قبر ظاہر شد و بر آن نوشتہ بود۔ اکفرت یا عمر بالذی خلقک من
تراب ثم من نطفۃ ثم سوّاک رجلا۔

وایضاً صفار و دیگران بسند ہائے معتبر از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ آنحضرت با
اصحاب خود فرمود کہ چرا آزردہ میکنید رسول خدا را گفتند ما چگونہ آزردہ میکنیم آنحضرت را حضرت
فرمود کہ مگر نمیدانید کہ اعمال شما بر آنحضرت عرض میشود و چوں معصیتے از شما مے بیند آزردہ میشود۔

وکلینی وصفار و دیگراں بسند ہائے معتبر از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ چون شب جمعہ
میشود رخصت میدہند روح رسول خدا را و ارواح پیغمبران گزشتہ را و ارواح اوصیائے گذشتہ
را و روح امام زماں را پس ایشاں را بعرش بالا میبرند و ہفت شوط بر دور عرش طواف میکنند نزد

ہر قائمہ از قائمہا ئے عرش دو رکعت نماز میگذارند و چوں صبح میشود علم ایشاں بسیار فنر ون گرویدہ است۔

آپ نے خواہ افسوس سے خواہ لطف سے بطور کہانیوں کے ان مزخرفات کو پڑھا۔ پھر بھی خلاف واقعہ بات سننے سے وہ بھی اس مبالغہ کے ساتھ روح میں بھاری پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جی متلانے لگتا ہے۔ ملا باقر مجلسی کی باتیں تو ایسی ہی ہیں کہ انسان ایک ایک کہانی کو پیٹے اور سر دھنا کرے اور لکھنے والے کی شان میں بس پورے ہی جذبہ سے کام لے۔ نازک طبع شخص کا تو یہ جی چاہتا ہوگا کہ اگر کسی کے قبلہ وکعبہ ملا باقر صاحب ہوتے تو ان کا مونہ نوچ لیا جاتا یا اس سے بھی زیادہ اگر کوئی خیال کرے تو یہ کرسکتا ہے کہ اگر ان کہانیوں کا جن سے رسول کریم اور آپ کے اہلبیت پر بہتان بندیاں کی گئی ہیں مصنف سامنے آجائے تو اُسے ادھیڑ ڈالا جائے مگر یہ ساری باتیں خاص نازک طبع اشخاص کے ساتھ مخصوص ہیں بتین اور ٹھنڈی طبائع دل ہی دل میں کڑھتی ہیں اور اس خیال سے کہ اسلام اور اسلامیوں پر کس قدر یورشیں ہوئیں اور ناواقف مسلمانوں کو دشمنان دین کبریا نے کسقدر برباد کیا جن کے آنسو روتے ہیں اور خاموش ہیں۔ مگر اب وہ وقت آگیا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر دیا جائے اور سچے واقعات کا علم دنیائے اسلام کے لئے بہم پہنچایا جائے۔ لہذا ہر شخص کو بہت غور اور توجہ سے کام لینا چاہیے تاکہ وہ ایک عرصہ تک گمراہی میں نہ پڑا رہے۔

اب ہم تاریخ ابن الاثیر سے یہ مشہور واقعہ نقل کرتے ہیں جو تاریخی حیثیت سے ایک حد تک قابل سند ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ کم وبیش جو کچھ لکھا گیا ہے۔ صحیح ہے۔ چنانچہ ابن الاثیر الجزری اپنی مشہور کتاب التاریخ الکامل کی جلد ۲ کو ان بیانات سے شروع کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

جسوقت رسول اللہ کا انتقال ہوا ہے تو حضرت ابوبکر اسوقت سخ میں تھے اور حضرت عمر رسول اللہ کے پاس موجود تھے۔ جب رسول اللہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمر اس غم وغصہ میں

بیتاب ہو کر اٹھے۔ اور تلکر یہ کہنے لگے۔ کہ منافق لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہو گیا۔ واللہ وہ ہرگز مرے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایسے ہی اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں۔ جیسے موسیٰ بن عمران چلے گئے ہیں۔ واللہ وہ لوٹ کر پھر آئیں گے۔ اور جو لوگ ان کو مرا بتاتے ہیں ان کے ہاتھ اور پیر قطع کریں گے۔

اسی میں رسول اللہ کی وفات کی خبر سنکر حضرت ابوبکر دوڑتے ہوئے آئے۔ اور عمر یہی کہہ رہے تھے۔ انھوں نے جا کر رسول اللہ صلعم کو دیکھا۔ وہ بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایک گوشہ میں کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ابوبکر نے آپ کا چہرہ کھول کر دیکھا۔ اور کہا آپ پر سے میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ زندگی میں اچھے تھے اور اب مرنے کے بعد بھی اچھے ہیں۔ جو موت کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تقدیر میں لکھی تھی۔ وہ تو آپ کو نصیب ہو گئی۔ پھر مونہ کو کپڑے سے ڈھک دیا۔ پھر باہر نکل آئے۔ دیکھا تو عمر وہی باتیں کر رہے تھے۔ ابوبکر نے ان سے کہا کہ چپ رہو۔ یہ کیا باتیں کرتے ہو۔ مگر وہ ایسے جوش اور غصہ میں بیتاب تھے۔ کہ انھوں نے کچھ نہ سنا۔ اور اپنی کہے گئے۔ حضرت ابوبکر لوگوں کے سامنے آئے اور بولنے لگے۔ جب مخلوق نے ابوبکر کو بولتے دیکھا تو حضرت عمر کو چھوڑ کر سب لوگ ان کے پاس چلے گئے۔ حضرت ابوبکر نے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی۔ پھر کہا بھائیو۔ جو شخص کہ محمد کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ تو مر گئے اسکا دین بھی مر گیا۔ لیکن جو لوگ کہ اللہ تعالےٰ کی پرستش کرتے ہیں سو وہ اللہ حی لایموت ہے۔ وہ کبھی نہیں مرے گا (اسکا دین بھی زندہ ہے) پھر یہ آیت پڑھی۔

"وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین"

یعنے محمد صلعم اس سے بڑھ کر اور کیا ہیں کہ خدا کے ایک رسول ہیں اور بس۔ ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں کیا محمد صلعم مر جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پیروں

کفر کیطرف پھر لوٹ جاؤ گے۔ اور جو الٹے پیر کفر کی طرف لوٹ جائے گا۔ وہ خدا کا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔ اور جو لوگ اسلام کی نعمت کا شکر کرتے ہیں ان کو خدا عنقریب جزائے خیر دے گا جس وقت ابو بکر نے یہ باتیں کہیں اور یہ آیت پڑھی تو لوگوں کی اسوقت یہ حالت ہو گئی کہ گویا یہ آیت ابو بکر ہی سے سنی تھی پہلے سنی ہی نہ تھی (یعنے سب کے خیال میں خوب جم گئی) اور حضرت عمر کہتے ہیں کہ جب یہ بات میں نے سنی تو حیرت سے مجھ پر سکتہ کا عالم ہو گیا۔ اور پیر کانپنے لگے یہانتک کہ مجھ میں کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی۔ اور زمین پر گر پڑا۔ اور مجھے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلعم بے شک مر گئے۔

جب رسول اللہ صلعم کی وفات ہو گئی۔ اور اسکی خبر مکہ میں پہونچی۔ جہاں پر رسول اللہ کی طرف سے عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ عامل تھے۔ تو انھوں نے اس خبر کو چھپایا۔ مگر یہ خبر کب چھپنے والی تھی۔ سب جگہ مشہور ہو گئی اور مکہ میں گڑبڑی مچ گئی اور یہ نوبت پہونچ گئی۔ کہ وہانکے باشندے مرتد ہونے کے قریب ہو گئے یہ حالت دیکھکر سہیل بن عمرو خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور انہیں چلا کر پکارا کہ جس سے سب لوگ جمع ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ارے مکہ والو۔ تم ایسے نہ ہو کہ سب سے پیچھے تو ایمان لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ۔ واللہ یہ امر (یعنی دین اسلام کا معاملہ) تمام اور کامل .... ہونے والا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا مجھے یاد ہے کہ ایک روز وہ تن تنہا اسی جگہ جہاں میں کھڑا ہوں کھڑے فرما رہے تھے کہ تم لوگ لا الہ الا اللہ کہو تمام عرب تمہارے روبرو سر جھکا دیں گے۔ اور تمام عجم تمہیں جزیہ دیں گے واللہ تم لوگ کسرے اور قیصر کے خزانے فی سبیل اللہ خرچ کرو گے اسوقت لوگ کوئی کوئی تو ان کی بات سچ سمجھتے تھے۔ اور کوئی کوئی ہنستے تھے اس میں سے ایک حصہ تو تم دیکھ چکے کہ سچ ہو گیا۔ واللہ جو حصہ اسکا باقی رہا ہے۔ وہ بھی تم ضرور دیکھو گے۔

اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ لوگ مرتد ہونے سے رہ گئے جس وقت کہ سہیل بن عمرو بدر کی لڑائی

میں گرفتار ہوئے تھے۔ تو یہی پیشین گوئی تھی جو رسول اللہ نے ان کی نسبت حضرت عمر سے بیان کی تھی۔ جسکا ذکر اوپر آچکا ہے۔

جب رسول اللہ صلعم کی وفات ہو گئی۔ تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے کہ سعد بن عبادہ سے بیعت کریں۔ اور انہیں خلیفہ رسول اللہ بنائیں (سقیفہ ایک چبوترہ کو کہتے ہیں جس پر کچھ سائبان ڈال لیں اور ساعدہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ سے مراد بنی ساعدہ کی چوپال ہے۔)

جب یہ بات حضرت ابوبکر کو معلوم ہوئی تو وہ انصار کے پاس گئے۔ اور حضرت عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح کو بھی ہمراہ لے گئے۔ اور ان سے جاکر کہا کہ تم لوگ یہ کیا کہتے ہو (خلافت قریش میں ہونا چاہیئے) انھوں نے کہا کہ ایک امیر ہم (انصار) میں سے ہو اور ایک امیر تم (قریش) میں سے ہو۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ دو شخص امیر ہوں۔ معاملات اس طرح درست نہیں رہ سکتے ایک ہی شخص امیر ہونا چاہیئے) ہم (مہاجرین) میں امیر ہوں اور تم (انصار) میں سے وزیر ہوا کریں)

پھر حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں تو عمر اور ابوعبیدہ امین الامت میں سے کسی ایک سے راضی ہوں چاہے ان میں سے کسیکو خلیفہ بنا دو۔ حضرت عمر نے کہا کہ تم میں کون ایسا ہے جو اس شخص کے قدموں کے پیچھے رہنے سے خوش ہو جنہیں رسول اللہ صلعم نے خود آگے کیا ہے اور یہ کہ کر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی۔ اور اور لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔

انصار نے کہا یا یوں کہو بعض انصار نے کہا کہ ہم تو بجز علی کے اور کسی سے بیعت نہ کریں گے راوی کہتا ہے کہ علی اور بنی ہاشم اور زبیر اور طلحہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کی۔ اور زبیر نے کہا کہ میں تلوار اسوقت تک میان میں نہ کرونگا جب تک کہ لوگ علی سے بیعت نہ کر لیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسکی تلوار چھین لو۔ اور اسکے پتھر مارو۔ حضرت عمر آئے۔ اور ان سب سے بیعت کرالی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت علی نے سنا کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے بیعت کی ہے تو نہایت جلدی سے باہر نکلے کہ قمیص کے سوا ان کے بدن پر ازار اور چادر بھی نہ تھی

اور آکر بیعت کرلی۔ بعد ازاں ازار اور چادر منگا کر پہنی ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ امیر المومنین نے حضرت ابوبکر سے چھ مہینے کے بعد بیعت کی ہے واللہ اعلم (امیر المومنین سے مراد حضرت علی ہیں یہ لقب حضرت عمر نے اپنے واسطے اختیار کیا تھا۔ مگر شیعہ لوگ حضرت علی کو اکثر اسی لقب سے پکارا کرتے ہیں)

کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت پر مجتمع ہو گئے اور ان سے بیعت کرنے لگے۔ تو ابوسفیان یہ کہتے ہوئے آئے۔ کہ یہ گڑبڑ جو میں دیکھتا ہوں اے آل عبد مناف بغیر خون کے فرو ہوتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی۔ تمہارے امور اور معاملات میں ابوبکر کو کیا دخل ہے وہ دونوں ضعیف اور ذلیل علی اور عباس کہاں گئے۔ قریش کے ایک ادنیٰ اور اقل حی میں اس امر خلافت کا کیا حال ہو رہا ہے۔ پھر حضرت علی سے کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تجھ سے بیعت کرتا ہوں۔ واللہ اگر تو چاہے تو تمام مدینہ کو سوار اور پیدلوں سے بھرے دیتا ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس بات کو نہ مانا (علی کے لئے بجائے رضی اللہ عنہ کے علیہ السلام کہنا جو انبیاء کے لئے مخصوص کیا گیا ہے شیعوں کے ہاں مروج ہے) اور انھوں نے پھر یہ شعر متلمس کا پڑھا۔

ولن یقیم علی خسف یراد بہٖ　　الا الاذلان عیر الحی والوتد

اگر کسی ظلم کا ارادہ کسی پر کیا جائے تو اسکا تحمل بجز دو ذلیلوں کے اور کوئی نہیں کرتا ہے ایک تو کسی حی کی باربرداری کے جانور ہیں اور دوسری میخ ہے۔

ھذا علی الخسف مربوط برمتہ　　وذا یشج فلا یبکی لہ احد

یہ جانور تو بیچارہ مجبوراً گلے سڑی رسی سے بندھے رہا کرتے ہیں اور وہ میخ بھی ایسی ہے کہ اسکا سر کچلتے ہیں مگر اسپر کوئی بھی نہیں روتا ہے۔

اسپر حضرت علیؓ نے انہیں جھڑک دیا۔ اور کہا کہ اس سے تمہارا یہ ارادہ ہے کہ فتنہ برپا کرو واللہ تم نے اسلام کے برخلاف مدتوں جھگڑے اٹھائے تھے۔ مجھے آپ کی نصیحت کی کوئی حاجت

نہیں ہے۔ حقیقت میں بات یہ ہے کہ ابو سفیان ایک ایسے شخص تھے کہ ان کی عرب میں خوب چلتی تھی۔ اور ان کے مقابلہ میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ٹھہر سکتا۔ مگر ان کی قدرت ایزدی اور نبوت کے روبرو کچھ نہ چل سکی۔ اور ان کو اسلام کے روبرو سر جھکانا پڑا۔ اور اب امر خلافت ایسے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ کہ جو ابو سفیان سے بھی زیادہ دانشمند اور سرچشمہ نبوت کے پختہ فیض یافتہ تھے۔ اگر ابو سفیان اسلام میں پیچھے نہ رہ جاتے تو نبوت کے بعد خلافت انہیں کا حصہ تھا۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں عبد الرحمٰن بن عوف سے قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اسی میں حضرت عمر حج کو تشریف لے گئے، اور ہم بھی ان کے ساتھ حج کو گئے۔ وہاں مجھ سے عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں امیر المومنین کے پاس منیٰ میں گیا تھا۔ وہاں ان سے ایک شخص نے کہا۔ کہ میں نے فلاں شخص کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر حضرت عمر کا انتقال ہو جائے تو میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا۔

اس پر حضرت عمر نے کہا۔ کہ آج شام کو میں لوگوں کے سامنے خطبہ کرونگا۔ اور انہیں ایسے شخصوں سے پرہیز کرنے کو کہوں گا۔ کہ جو لوگوں سے ان کے (امر خلافت) کو غصب کرنا چاہتے ہیں۔ عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ امیر المومنین یہ حج کا موسم ہے ہر طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور ایک بڑا غوغا ہوتا ہے اور ایسے ہی لوگ آپ کی مجلس میں کثرت سے آتے رہتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس مقام پر آپ جو الفاظ کہیں لوگ انہیں محفوظ اور یاد نہ رکھ سکیں اور انہیں کچھ کا کچھ کہہ کر اڑا دیں۔ آپ کو چاہئے کہ مدینہ میں جانے تک ٹھہر جائیں۔ اور جب وہاں خاص رسول اللہ کے اصحاب اکٹھے ہوں تو آپ ان سے وہ باتیں کہیں جو آپ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کی باتوں کو یاد رکھیں گے اور اسکا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھیں گے۔ حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا واللہ میں جس وقت مدینہ پہونچونگا تو سب سے پہلے یہی کام کرونگا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ آیا۔ تو جمعہ کے روز مجھے عبد الرحمٰن کی گفتگو یاد آئی

اور میں نے دیکھا کہ جب حضرت عمر ممبر پر تشریف لے گئے تو انھوں نے پہلے اللہ تعالے کی حمد وثنا کی۔ اور پھر رجم کا اور کچھ منسوخات قرآنی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں میں سے ایک شخص کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر امیر المومنین مرجائیں تو میں فلاں شخص سے بیعت کرونگا۔ سنو جو لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر کی بیعت ایک فتنہ کے طور پر ہوئی تھی وہ دہوکے میں نہ رہیں۔ یہ تو تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ابوبکر کے مثل ہم میں ایسا کوئی نہیں ہے کہ جس کی طرف سب کی گردنیں اٹھتی ہیں۔ اور ان کو چھوڑ کر بڑے بڑے لوگ اسکی طرف مائل ہوتے ہوں جس وقت رسول اللہ صلعم نے وفات پائی ہے تو وہ ہم سب میں بہتر اور بڑے تھے۔ تب بھی علی اور زبیر نے ہم سے تخلف کیا اور بی بی فاطمہ کے گھر میں ہم سے مخالفت کی۔ اور انصار بھی ہم سے الگ ہو گئے۔ مہاجرین نے ابوبکر کی طرف رجوع کیا۔ اسوقت میں نے ان سے کہا۔ کہ چلو ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس چلیں۔ چنانچہ ہم ان کی طرف گئے۔ رستہ میں ہمیں انصار کے دو صالح آدمی ملے۔ ایک کا نام عویم بن ساعدہ تھا۔ اور دوسرے کا معن بن عدی انہوں نے ہم سے کہا لوٹ جاؤ۔ اور اپنے معاملہ کا فیصلہ اپنے آپس میں جا کر کرلو۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ پھر ہم انصار کے پاس گئے۔ وہ اسوقت بنی ساعدہ کے سقیفہ میں مجتمع تھے۔ اور ان کے درمیان ایک شخص کپڑوں میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ کہا سعد بن عبادہ ہیں اور کچھ بیمار ہو رہے ہیں۔

اسپر ایک ان میں سے اٹھا اور اللہ تعالی کی حمد وثنا کی۔ اور پھر کہا ہم انصار ہیں اور اسلام کے لشکر ہیں۔ اور اے معشر قریش تم لوگ ہمارے درمیان رہتے ہو۔ تمھاری قوم کے لوگ کچھ ہمارے پاس چلے آتے تھے۔ مگر اب وہ ہم سے ہماری حکومت کو ہی غصب کرنے لگے۔

پھر جب وہ خاموش ہو گیا۔ تو میں نے جو چند باتیں اپنے دل میں سوچ رکھی تھیں کہ ابوبکر سے پہلے انہیں بیان کروں گا ان کے کہنے کا ارادہ کیا۔ جب ہی میں نے چاہا کہ کچھ کہوں کہ ابوبکر نے

مجھے کہا ذرا ٹھیرو۔ اور خود اٹھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد وہ سب باتیں بیان کر دیں جو میں نے اپنے دل میں سوچی تھیں بلکہ ان سے بھی بہتر طریق پر بیان کیا اور کہا اے معشر الانصار جو تم اپنی فضیلت کا ذکر کرتے ہو بے شک تم ایسے ہی ہو۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ لیکن عرب لوگ اس امر خلافت کا مستحق قریش کو سمجھتے تھے وہ عرب میں اپنے مقام اور نسب کے لحاظ سے بڑے شریف ہیں پھر انہوں نے میرا اور ابو عبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑا۔ اور کہا کہ میں تو بیعت کے لیے ان دونوں میں سے کسی سے راضی ہوں واللہ ابو بکر نے جتنی باتیں کہی تھیں ان میں سے میں نے کسی بات کو بجز اسکے مکروہ نہ جانا۔ میں اس بات کو اس قدر برا سمجھتا ہوں۔ کہ اگر میری کسی ایسی بات پر گردن بھی مار دی جائے جس سے میں گناہ میں ماخوذ نہ ہوؤں۔ تو میں اسکو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اس قوم پر میں امیر مقرر کیا جاؤں جن میں ابو بکر بھی موجود ہوں۔

پھر جب ابو بکر اپنی بات پوری کہہ چکے۔ تو انصار میں سے ایک شخص اٹھا کہنے لگا کہ۔ انا جذیلھا المحکک وعذیقھا المرجب۔ (میں اس معاملہ میں ایک جذیل محکک اور عذیق مرجب کی طرح ہوں۔ جذیل اور عذیق تصغیر تعظیم کے صیغہ ہیں۔ جذیل اس چھوٹے سے لکڑ کو کہتے ہیں جو شتر خانہ میں کھڑا کر دیا کرتے ہیں کہ خارش والے اونٹ اس سے اپنی خارش کھجا کر اور بدن کو رگڑ کر تشفی کر لیا کریں۔ اور عذیق کھجور کے اس چھوٹے سے درخت کو کہتے ہیں جو میوہ سے بھرا ہوا ہو اور محکک اور مرجب باب تفعیل سے مفعول کے صیغہ ہیں۔ محکک وہ لکڑی ہے جس سے کھجاویں اور مرجب وہ درخت جو کسی لکڑی کے سہارے کھڑا ہو مطلب یہ ہے کہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کی رائے معاملات میں کافی ہے اور اسی سے جو رائے میں دیتا ہوں اس کو ماننا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے مقرر کیا جائے۔

اس پر آوازیں بلند ہوئیں اور شور و غوغا ہونے لگا جب مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں خلاف نہ پڑ جائے تو میں نے ابو بکر سے کہا کہ ہاتھ پھیلاؤ۔ میں تم سے بیعت کرتا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ پھیلایا۔ اور میں نے

ان کی بیعت کی۔ پھر اور لوگوں نے بھی ان سے بیعت کی۔

پھر ہمنے سعد بن عبادہ کو پامال کر ڈالا۔ اسپر کسی نے ان میں سے کہا کہ تم نے سعد کو قتل کر دیا میں نے کہا اللہ تعالےٰ نے سعد کو قتل کیا۔ اللہ میرے نزدیک تو ابو بکر سے کوئی شخص بھی بیعت کے لئے بہتر اور قوی نہیں ہے۔ مجھے اس امر کا خوف ہے۔ اگر میں لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤں۔ اور اس وقت بیعت کا معاملہ طے نہ ہو۔ تو وہ ایسا نہیں کہ کہیں ہمارے پیچھے کسی سے بیعت کر بیٹھیں۔ اس وقت یا تو ہم کو اپنی مرضی کے خلاف ان کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ یا یہ ہوگا کہ ہم ان سے مخالفت کریں گے اگر ہم نے مخالفت کی تو ضرور فساد ہوگا۔

ابو عمرۃ الانصاری بیان کرتے ہیں۔ کہ جس وقت نبی صلعم نے وفات پائی تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور سعد بن عبادہ کو مکان سے نکالکر لائے کہ انہیں اپنا امیر بنائیں۔ اسوقت وہ مریض تھے۔ انہوں نے آکر اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کے بعد بیان کیا۔ کہ اے معشر انصار تم سابق الایمان اور ایسی فضیلت والے ہو۔ کہ عرب میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے۔ محمد صلعم اپنی قوم میں دس برس سے زیادہ رہے۔ اور انہیں ایمان کی دعوت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں اتنے تھوڑے آدمی ان پر ایمان لائے کہ وہ خود اپنے پیغمبر کی حمایت نہ کر سکتے تھے۔ اور نہ انہیں ان کے دین کے اعزاز کی اور دفع ظلم کی طاقت تھی۔ اسی میں اللہ تعالےٰ نے تم کو فضیلت دینا چاہا۔ تو اسوقت اس نے تم پر اپنا کرم کیا اور ایمان تمہیں عطا فرمایا۔ اور تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور اسکی اور اس کے اصحاب کی حمایت کی اور اسکا اور اسکے دین کا اعزاز کرنے لگے۔ اور اسکے دشمنوں پر جہاد کے واسطے کمر باندھی۔ چنانچہ تم نے اس کے دشمنوں پر سب سے زیادہ سختی کی۔ کہ جس سے عرب لوگ طوعاً و کرہاً اللہ کے کاموں کے لئے سیدھے ہوگئے۔ اور دور و نزدیک انھوں نے اطاعت اختیار کی۔ اب اللہ کے رسول نے وفات پائی۔ اور وہ مرتے دم تک تم سے راضی تھا۔ اس لئے چاہیئے کہ کسیکو یہ کام نہ دو۔ اس کام کا تمام اختیار تمہارے ہی واسطے ہے۔ اور کسیکا اسمیں کچھ حق نہیں ہے۔ اسپر سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ تمہیں خدا توفیق

ہے تمہاری رائے بالکل درست ہے ہم چاہتے ہیں کہ یہ امرِ خلافت تیرے ہی ہاتھ میں دیں اور تجھے ہی اپنا ولی بنائیں کیونکہ تو ایسا شخص ہے کہ تیرے حکم و قضا سے سب مسلمان راضی اور خوشنود ہیں۔

پھر انہوں نے آپس میں رد و بدل شروع کی۔ اور قریش کے مہاجرین نے اس سے مخالفت کی۔ اور کہا کہ ہم لوگ مہاجرین اور رسول اللہ کے اصحاب اول اور ان کے عشیرہ اور اولیا سے ہیں اسپر ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ اس کے بغیر ہم کبھی راضی نہ ہوں گے۔ یہ سنکر سعد بن عبادہ نے کہا۔ کہ یہ بات پہلے ہی پھوٹ ہے۔ کام درست ہونا دشوار ہے۔

اس میں یہ خبر حضرت عمر نے سنی۔ اور نبی صلعم کے مکان کو آئے۔ جہاں ابوبکر تجہیز و تکفین کے کام میں مصروف تھے۔ حضرت عمر نے گھر میں آدمی بھیجکر ابوبکر سے کہا۔ کہ وہ میرے پاس باہر آؤ۔ انھوں نے وہاں سے کہلا بھیجا۔ کہ میں تو کام میں مشغول ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایک نیا معاملہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ جس میں آپ کی سخت ضرورت ہے۔ حضرت ابوبکر یہ سنتے ہی نکل کر باہر آئے تو ان سے عمر نے یہ سارا حال بیان کیا۔ اور پھر دونوں جلدی جلدی سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے۔ اور ابوعبیدہ بھی انکے ہمراہ گئے۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس پہونچے۔ تو اس سے پہلے ہی میں نے اپنے دل میں کچھ باتیں سوچ لی تھیں۔ کہ جب میں وہاں پہونچونگا۔ تو یہ کہونگا۔ جب میں نے چاہا کہ کچھ کہوں تو حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ ذرا ٹھیرو اور جو باتیں کہ میں نے سوچ رکھی تھیں وہ سب اور بہت اچھی طرح سے بیان کر دیں۔ انھوں نے اول تو اللہ کی حمد و ثنا کی۔ اور پھر کہا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے درمیان سے اپنے رسول کو جو اپنی امت کے افعال کا شہید اور شاہد تھا مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگ جو کتنے ہی لکڑی اور پتھر کے معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔ انہیں چھوڑ کر اپنے خدائے واحد کی عبادت کرنے لگیں۔ یہ بات عربوں کو نہایت ناگوار گذری کہ وہ اپنے آبا و اجداد کا دین چھوڑیں۔ اور اس سے

مذہب کو قبول کریں۔ مگر خدا تعالے نے اپنے رسول کی قوم میں سے مہاجرین اولین کو یہ توفیق بخشی اور انھوں نے اس کے رسول کی تصدیق کی اور اسکی اقتدا کے لیئے موجود ہوگئے اور جو ایذائیں ان کی قوم نے انہیں دین اور اسکے تکذیب کی اسپر انھوں نے بخوبی صبر و تحمل کیا۔ حالانکہ اس وقت تمام لوگ اسکے مخالف تھے۔ اور شیر کی طرح انپر حملہ کرتے تھے۔ مگر باوجود اتنی قلت تعداد کے اور لوگوں کی دشمنی کے اس سے ہرگز جدا نہ ہوئے اس لئے وہ ہی لوگ ان میں سب سے اول ہیں۔ جنھوں نے دنیا میں اللہ تعالے کی عبادت کی ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اور وہ ہی اسکے اولیا اور عشیرہ ہیں اور اسکے بعد اس کا اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے احق ہیں۔ اس میں جو شخص ان سے منازعت کرے وہ ظالم ہے۔ اور اے معشر انصار آپ لوگوں کے دین میں جو فضیلت ہے اور اسلام میں جو آپ لوگوں نے سبقت کی ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔ اللہ تعالے نے اپنی مرضی سے اپنے دین کا اور اپنے رسول کا انصار تمہیں بنایا ہے۔ اور اپنے رسول کی ہجرت تمہاری طرف کرائی ہے اسلئے مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تمہاری منزلت کا اور کوئی شخص نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہم میں امیر ہونا چاہیئے۔ اور آپ لوگوں میں سے وزیر ہونا ضرور ہے۔ چاہیئے کہ تم تمام مشوروں میں شریک ہو جاؤ اور کوئی کام تمہاری مشاورت بغیر نہ کیا جائے۔

اسپر خباب بن المنذر بن الجموح کھڑے ہوئے اور انصار سے مخاطب ہوکر کہا کہ یہ کام تمہارا ہی تم اسے اپنے قبضہ میں لے لو کیونکہ اور سب لوگ تمہارے ظل حمایت میں ہیں کسی کی اتنی جرأت نہیں ہے کہ جو تمہارے خلاف میں کھڑا ہو۔ لوگ تمہارے رائے بغیر کوئی کام نہیں کرتے ہیں تم لوگ صاحب عزت ہو اور تمہاری تعداد بھی بہت ہے۔ اور دلیری اور دلاوری بھی تمہارا ہی حصہ ہے۔ لوگوں کی نظریں تمہارے افعال کی طرف اٹھتی ہیں۔ چاہیئے کہ تم آپس میں مخالفت نہ کرو۔ نہیں تو تمہارے کاموں میں فساد پڑ جائے گا وہ لوگ بجز اسکے اور کچھ نہیں مانتے جو انھوں نے تم کو سنا دیا ہے رائے مہاجرین اس لئے ہم میں سے ایک امیر ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔

حضرت عمر نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ دو امیر کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ واللہ عرب لوگ اس سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ کہ تم امیر بنائے جاؤ۔ اور نبی تم میں سے نہ ہو۔ اور اس بات سے انکار کریں گے کہ جن لوگوں میں نبوت تھی وہ ہی لوگ اسکے خلیفہ مقرر کئے جائیں۔ اب جو شخص کہ ہم سے محمد صلعم کی سلطنت کو چھینے۔ تو اسکے واسطے ہمارے پاس یہ ظاہری حجتیں موجود ہیں۔ کیونکہ ہم اس کے اولیار اور عشیرہ والے ہیں۔

خباب بن المنذر نے کہا اے معشر انصار تم مالک اور امیر بن جاؤ۔ اور اس شخص کی اور اس کے ساتھیوں کی باتیں مت سنو۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس معاملہ خلافت میں جو تمہارا حصہ ہے اسے چھین لیں۔ اگر تمہاری رائے کو نہ مانیں تو انہیں اس ملک سے نکالدو۔ اور ان کاموں کی ولایت پر اپنا قبضہ کرلو اس خلافت کے واسطے تمہیں لوگ احق ہو۔ اس دین کی جو لوگوں نے اطاعت کی ہے وہ تمہاری شمشیروں کے زور سے کی ہے۔ میں جذیل محکک اور عذیق مرجب ہوں۔ اور شیروں کی جھاڑی میں شبل (شیر کے بچہ) کا باپ ہوں۔ (یعنی میں ایسا ہوں کہ میری رائے قابل تعمیل و پذیرائی ہے اور جو میں کہتا ہوں۔ یہی کرنا چاہیئے) واللہ اگر تم چاہتے ہو تو میں ان لوگوں کی پھر وہ ہی حالت کر دونگا۔

حضرت عمر نے کہا خدا تجھے غارت کرے۔ خباب نے کہا مجھے نہیں بلکہ خدا تجھے غارت کرے۔

حضرت ابو عبیدہ نے کہا۔ اے معشر انصار تم لوگ وہ ہو کہ جنہوں نے اس دین کی سب سے اول نصرت کی ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ وہ لوگ مت بنو جنہوں نے اس دین کو سب سے اول بدلا۔ اور بگاڑا ہو۔

اسپر بشیر بن سعد جو نعمان بن بشیر کے باپ تھے اٹھے اور کہا اے معشر انصار میری تو یہ رائے ہے کہ اگرچہ ہم مشرکین پر جہاد کرنے سے اور سابق الاسلام ہونے سے صاحب فضیلت ہیں مگر اس سے ہمارا مقصود بجز اسکے اور کچھ نہیں تھا کہ اللہ تعالے کی رضا جوئی کریں۔ اور اپنے نبی کی اطاعت بجالائیں اور اپنی ذات کے لئے انمیں ثواب حاصل کریں۔ پس ہمیں نہ چاہیئے کہ اسے لوگوں پر ہم سربلندی کا زینہ بنائیں اور دنیا کی جستجو کریں۔ یاد رکھو کہ محمد صلعم قریش سے تھے اور ان کی خلافت کیلئے انہیں کی

قوم زیبا ہے۔ اور وہی اولےٰ اور احق ہے۔ مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں ان سے اس معاملہ میں کبھی جھگڑا نہ کروں گا۔ اللہ سے ڈرو اور تم لوگ ان سے مخالفت نہ کرو۔

پھر حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ عمر اور ابوعبیدہ موجود ہیں۔ ان میں سے تم لوگ جس سے چاہو بیعت کرو۔ ابو عبیدہ نے کہا۔ واللہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ تمہارے ہم والی بنیں۔ تم افضل المہاجرین اور نماز رسول کے خلیفہ ہو۔ اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے اول و افضل چیز ہے جب اس میں تم خلیفہ ہوئے تو اور سب جگہ تمہیں کو خلیفہ ہونا چاہیئے۔ اپنا ہاتھ پھیلاؤ ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں۔ جب ان دونوں نے چاہا کہ ابوبکر کی بیعت کریں اور آگے بڑھے تو بشیر بن سعد جھپٹے اور بڑھ کر ان کی سب سے اول بیعت کی۔

جب حباب بن المنذر نے دیکھا کہ بشیر نے ابوبکر سے بیعت کر لی۔ تو انھوں نے چلا کر کہا کہ تو نے رشتہ داروں کی مخالفت کی۔ اور اپنے ابن عم کی امارت کو پسند نہ کیا۔ اور اس سے نفسانیت کی۔

بشیر نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بات ہے کہ میں مہاجرین کا حق چھیننا نہیں چاہتا۔

پھر جب بنی اوس نے دیکھا کہ بشیر نے خزرج کی مخالفت کی۔ اور خزرج کو سعد کے امیر بنانے سے کیا مطلب ہے۔ تو ان میں سے ایک دوسرے نے آپس میں کہا۔ جن میں اسید بن حضیر ان کے نقیب اور سردار بھی تھے واللہ اگر خزرج ایک مرتبہ والی بن گئے۔ تو انہیں اس سے ہمیشہ کو فضیلت ہو جائے گی اور پھر وہ تم کو اس میں سے کچھ بھی کبھی حصہ نہ دیں گے۔ اٹھو اور چلو ابوبکر سے بیعت کر لو۔ اس سے وہ اٹھے اور انھوں نے ابوبکر سے بیعت کر لی۔ اور سعد کا اور نیز خزرج کا جو ارادہ تھا وہ سب درہم برہم ہو گیا اور چاروں طرف سے لوگوں نے دوڑ دوڑ کر ابوبکر سے بیعت کر لی۔

پھر سعد بن عبادہ اپنے گھر کو پلٹ گئے اور اسکو کتنے ہی روز گذر گ[illegible]
ان کے پاس آدمی بھیجا کہ جیسے اور لوگوں نے ان کی [illegible]

کرلیں۔ سعد نے کہا واللہ میں تو اسوقت تک بیعت نہ کرونگا کہ جبتک میرے ترکش میں تیر موجود ہیں۔ اگر تم زبردستی کروگے۔ تو میں تم پر اپنے تیر چلاؤنگا کہ ترکش خالی ہو جائے اور اپنے رمح کے سنان کو خون میں رنگوں گا۔ اور پھر تلوار لوں گا اور اپنے اہل بیت اور توابع کو لیکر تم سے لڑوں گا۔ گو تمھارے ساتھ تمام جن وانس جمع ہو جائیں پر تو تم سے خدا کے پاس جانے تک بیعت کرنے والا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ سعد سے بیعت لینا چاہیئے۔ بشیر بن سعد نے کہا کہ سعد اب ضد پر آگیا ہے اور انکار کر رہا ہے وہ مارا جائے گا مگر بیعت نہ کرے گا۔ اگر وہ مارا گیا۔ تو اس کے ساتھ اس کے اہل بیت اور عشیرہ والے بھی مارے جائیں گے۔ اگر تم ان کو اپنی حالت پر رہنے دو تو کوئی حرج نہیں ہے وہ ایک اکیلا شخص ہے۔ اس لئے قریش نے انہیں بے بیعت لئے چھوڑ دیا۔

بنی اسلم نے بھی آکر حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی۔ اس سے انہیں بڑی قوت حاصل ہوگئی اور پھر اور لوگوں نے بھی ان کی بیعت کرلی۔

کہتے ہیں کہ عمرو بن الحریث نے سعید بن زید سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر کی لوگوں نے بیعت کب کی۔ سعید نے کہا جب رسول اللہ کی وفات ہوئی لوگوں نے اس امر کو مکروہ جانا کہ ایک دن بھی بغیر امیر کے رہیں۔ اور اسی لئے اسی روز ان سے بیعت کرلی۔ تاکہ جماعت میں کچھ فرق نہ آئے۔

زہری نے بیان کیا ہے کہ علی اور ہاشم اور زبیر نے حضرت ابوبکر سے چھ مہینے تک بیعت نہ کی جب بی بی فاطمہ کا انتقال ہوگیا تو اسکے بعد انھوں نے بھی حضرت ابوبکر سے بیعت کرلی۔

جب حضرت ابوبکر سے لوگوں نے بیعت کی تو دوسرے روز منبر پر جا کر بیٹھے۔ اور عام لوگوں نے آکر ان سے بیعت کی پھر انھوں نے خطبہ کیا۔ اور پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کی پھر کہا ہا یہ میں تمھارے [illegible]وں۔ اگر میں اچھے کام کروں تو تم میری اعانت کرو اور اگر میں کچھ برائی کروں تو تم [illegible]و۔ کیونکہ صدق ایک امانت ہے اور اس کے برخلاف کذب خیانت ہے۔ [illegible] کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو میرے نزدیک قوی ہے۔

اور اگر کسی سے میں مظلوم کا حق نہ دلاؤں۔ تو وہ کیسا ہی قوی کیوں نہ ہو میرے نزدیک ضعیف ہے انشاء اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو نہ چاہیئے کہ جہاد سے منہ پھیرے۔ کیونکہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ وہ جہاد کو چھوڑ دے اور خدا اسکو ذلیل نہ کر ڈالے جب تک میں خدا ورسول کی اطاعت کروں اسوقت تک تم بھی میری اطاعت کرو۔ اور جب میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو اسوقت میری اطاعت تم پر فرض نہیں ہے۔ اٹھو آؤ نماز پڑھیں اللہ تم پر رحمت کرے۔

جب حضرت ابو بکر کی بیعت ہو چکی تو لوگ رسول اللہ صلعم کی تجہیز وتکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور شنبہ کے روز آپ کو دفن کر دیا۔ بعض نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ آپ کا جنازہ تین روز تک بغیر دفن کے رکھا رہا۔ مگر اول روایت زیادہ صحیح ہے۔ رسول اللہ کے غسل میں علی اور عباس اور عباس کے دو بیٹے فضل اور قثم اور نیز اسامہ بن زید اور شقران رسول اللہ کے مولے شریک تھے۔ اور ان کے ساتھ اوس بن خولی الانصاری بھی آ گئے تھے۔ جو صحابہ بدری تھے۔ عباس اور ان کے بیٹے تو رسول اللہ کو کروٹیں بدلاتے اور اسامہ اور شقران پانی ڈالتے تھے۔ اور حضرت علی انہیں نہلاتے جاتے تھے۔ اور رسول اللہ قمیص پہنے ہوئے تھے اور علی کہتے جاتے تھے۔ بابی انت وامی ما اطیبک حیا ومیتا رسول اللہ میں کسی نے کوئی ایسی نجاست وغیرہ کی چیزیں نہ دیکھیں جیسی مردوں میں ہوا کرتی ہیں۔ جب نہانے کی تجویز ہوئی تو اس امر میں اختلاف ہوا کہ آیا رسول اللہ کو آپ کے کپڑوں ہی میں غسل دیا جائے یا برہنہ کر لیا جائے اس میں سب پر ایک خواب کا سا عالم چھا گیا اور کسی کہنے والے نے کہا کہ رسول اللہ کو آپ کے کپڑوں میں ہی غسل دو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر اس کہنے والے کا حال نہ معلوم ہوا کہ کون تھا۔

اور رسول اللہ کو کفن تین کپڑوں کا دیا گیا۔ دو صحاری تھے اور ایک چادر حبرہ۔ (یعنی چھینٹ) کی تھی (صحار یمن میں ایک قریہ ہے وہاں کے کپڑے مشہور تھے) ان کپڑوں میں آپ کو لپیٹ دیا تھا۔ پھر جب دفن میں بھی لوگوں کی رائے کا اختلاف ہوا۔ تو حضرت ابو بکر نے

کہا۔ میں نے رسول اللہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی جہاں وفات پایا کرتے ہیں۔ وہیں ان کو دفن کیا جاتا ہے۔ اسلئے فرش اٹھا کر جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ اسی جگہ آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ کی قبر ابوطلحہ انصاری نے کھودی تھی۔ اور نماز کے لئے اول مردوں کے گروہ آئے اور نماز پڑھی۔ پھر اسیطرح عورتیں پھر لڑکے پھر غلام آئے۔ اور سب نے نماز ادا کی آپ کو چارشنبہ کی شب کو دفن کیا تھا۔ اور قبر میں علی بن ابیطالب اور فضل اور قثم عباس کے بیٹے اور شقران اترے تھے۔ اس پر اوس بن خولی الانصاری نے علی سے کہا۔ کہ رسول اللہ صلعم سے ہم بھی توفیض اٹھانے کے حقدار ہیں۔ ہم کو بھی قبر میں اترنے کی اجازت دیجئے۔ علی نے انہیں بھی اجازت دی۔ اور وہ بھی قبر میں اترے۔

مغیرہ بن شعبہ دعویٰ کیا کرتے تھے۔ کہ میں رسول اللہ کے زمانہ میں سب سے چھوٹا تھا میں نے عمداً اپنی انگوٹھی قبر میں ڈال دی۔ اور اسکے نکالنے کے واسطے اندر اترا کہ میں بھی ثواب میں داخل ہو جاؤں)

اسکی نسبت حضرت علی سے عراق والوں نے سوال کیا۔ انھوں نے کہا مغیرہ محض جھوٹ کہتا ہے۔ ہم سب میں چھوٹے اسوقت قثم بن عباس تھے۔

اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ جس روز رسول اللہ کا وصل ہوا ہی تو آپ کی عمر کیا تھی۔ ابن عباس اور بی بی عائشہ اور معاویہ اور ابن المسیب نے بیان کیا ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔

اور نیز ابن عباس نے اور دغفل بن حنظلہ نے کہا ہے کہ پینسٹھ برس کی عمر تھی۔ اور عروہ بن الزبیر کا قول ہے کہ آپ کی عمر ساٹھ برس کی ہوئی تھی۔

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین و تدفین کے مشرح اور کامل حالات آپ ملاحظہ کر چکے اسیطرح انتخاب خلیفہ کا سارا قصہ آپ نے اچھی طرح پڑھ لیا اور سمجھ لیا۔ ساری باتیں سیدہی سیدہی اور صاف صاف ہیں۔ مگر ہمارے شیعی علمارنے خواہ مخواہ ان المعاملات میں وہ رنگا میزی کی ہے کہ ایک معمولی عقل کا انسان بھی ان کے تحریر کردہ حالات کو دیکھ کے معلوم کر سکتا ہے کہ یہ چانڈوخانہ کی گپ یا ایک قصہ نویس کا ہذیان ہے۔ اسکی تصدیق آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ شیعوں کی معتبر کتب کی جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ سب ہمارے اس دعوے کے ثابت کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ کافی ہیں۔ اسکے بعد سب سے زیادہ دردناک۔ توہین آمیز۔ دل آزار۔ اور ہولناک بیان

حضرت علی کی بیعت

کا ہے جو شیعی احباب نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ واقعہ اصل یہ ہے کہ حضرت بی بی فاطمہ خاتون محشر کی زندگی تک یقیناً حضرت علی نے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ہو میں خلیفہ بن جاؤں مگر مہاجرین اور انصار کی نظروں میں ابوبکر وعمر کے مقابلہ میں چونکہ ان کی کوئی وقعت نہ تھی اس لئے خلافت کی خواہش ان کی دل ہی کے دل میں رہی۔ ایک معتبر روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حالت مرض میں ایک دن علی کے چچا عباس نے علی سے کہا بہتر ہے کہ رسول کریم کے پاس چلکے تم اپنی خلافت کا فیصلہ کر لو۔ اسپر حضرت علی بولے اس معاملہ کو گومگو ہی میں رہنے دو۔ اگر ہم نے آپ سے خلافت کا ذکر کیا اور آپ نے میری خلافت کے لئے صاف انکار کر دیا تو میں ہمیشہ کے واسطے اس سے محروم ہو جاؤں گا لہذا بہتر ہے کہ اس معاملہ کو یوں ہی رہنے دو۔ یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ حضرت علی کی کوئی وقعت دراصل حضور انور کی نظروں میں نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضور نے کبھی انھیں نہ کسی

بڑے کام پر متعین فرمایا نہ زیادہ اپنی حضوری کا شرف بخشا حضور انور نے چونکہ آپ کو بچہ سا پالا تھا دوسرے اپنی چاہتی بیٹی کی شادی آپ سے کر دی تھی اس لئے آپ کی دل آزاری اور نازیبا حرکات سے آپ چشم پوشی فرمایا کرتے تھے تو بھی بحیثیت انسان ہونے کے آپ کو صدمہ بہت ہوتا تھا اور بعض اوقات تو آپ اس صدمہ کو ضبط بھی نہ کر سکتے تھے ۔ جیسا کہ ابوجہل کی لڑکی کی نسبت کا معاملہ ہے ۔ حضرت علی نے خلاف معاہدہ ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنے کی ٹھان لی اور پوشیدہ پوشیدہ بات چیت شروع کر دی ۔ یہانتک کہ معاملہ طے ہو گیا ۔ صرف نکاح ہونا باقی تھا کہ حضرت خاتون محشر بی بی فاطمہ کو خبر ہوئی ۔ آپ روتی ہوئیں اپنے پریشان باپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ساری کیفیت اپنے غم اور مصیبت کی بیان کی ۔ حضور انور بیٹی کی یہ کہانی سن کے بہت متاثر ہوئے اور آپ کو بھی اس قدر رنج ہوا جسکا بیان نہیں ہو سکتا ۔ اخیر آپ اسی رنج و غصہ میں مسجد میں تشریف لائے ۔ صحابہ آپ کی یہ پریشان حالت دیکھ کے آپ کے گرد جمع ہو گئے ۔ آپ ممبر پر کھڑے ہوئے اور بیان کیا کہ علی ابوجہل کی لڑکی سے خلاف معاہدہ اور قول و قرار شادی کرنا چاہتا ہے ۔ حالانکہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک کافر کی بیٹی اور نبی کی بیٹی ایک گھر میں جمع ہوں ۔ بہتر ہے کہ علی فاطمہ کو طلاق دیدے ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ عبد مناف میں جو میرا داماد ہے اس نے جو وعدہ کیا ایفا کیا ۔ اور کبھی نکس عہد کی مبادرت نہیں کی میں اپنے اس داماد کی تعریف کرتا ہوں ۔ فقط ۔ (یہ حدیث تفصیل کے ساتھ بخاری میں موجود ہے) نبی اللہ کا اتنا غصہ اور غم محض حضرت علی کی عہد شکنی سے ہوا تھا ۔ اب بتاؤ ایسے شخص کا کیا ٹھکانا رہے گا جو معصوم نبی کو اپنی عہد شکنی سے اتنا رنج دے اور پھر کسی قسم کی تلافی نہ کرے ۔

جہاں تک ان قدیم حالات پر غور کیا جاتا ہے اور واقعات کو چھانا جاتا ہے حضرت علی کے تعلقات اپنی بیوی فاطمہ کے ساتھ کبھی بھی اچھے نہیں رہے ۔ جب حضور انور کا وصال باری تعالے ہوا ہے تو حضرت علی نے محض سیادت اور حکومت حاصل کرنے کے لئے حضرت خاتون محشر کو مجبور کیا

کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کے مہاجرین اور انصار کے ممتاز لوگوں کے گھروں پر جائیں اور انہیں آمادہ کریں کہ خلافت کی گدی مجھے دیدیں۔ ناچار خاتون محشر نے ایسا ہی کیا۔ ہر گھر میں آپ کی عزت بہت ہوئی مگر علی جیسے شخص کی خلافت کے لئے کسی نے حامی نہیں بھری۔ اور اس حرکت سے عام ناراضی علی کی طرف سے سرداران قریش اور انصار میں پیدا ہوگئی کہ انھوں نے بلا وجہ اور بلا سبب خاتون محشر کو کیوں اسقدر تکلیف دی اور ان کے اعزاز کا مطلق خیال نہ کیا۔

جب اس میں بھی آپ کو ناکامی ہوئی تو آپ گھر میں بیٹھے رہے اور ابوبکر کی بیعت سے مونہ موڑ لیا۔ چھ مہینے تک یہی کیفیت رہی کہ آپ نے ایک باغی کی سی زندگی گزاردی۔ جب خاتون محشر کا انتقال ہوگیا تو اب آپ نے اپنے لئے یہی بہتر سمجھا کہ ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کریں کیونکہ آپ نے دیکھ لیا کہ قوم کی قوم ابوبکر کو اپنا سردار مان چکی ہے۔ میرے تنہا انحراف سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے صدیق اکبر کو اپنے گھر پر بلا لیا اور جو کچھ اپنی شکایت تھی وہ صدیق اکبر کے گوشگزار کر دی۔ صدیق اکبر نے ہر بات کا مسکت جواب دیدیا۔ اخیر حضرت علی راضی ہو گئے۔ مسجد میں آئے کثرت سے مہاجرین انصار جمع تھے۔ صدیق اکبر ممبر پر کھڑے ہوئے اور جو کچھ حضرت علی نے بیان کیا تھا وہ حرف حرف حاضرین کو سنا دیا اور جو کچھ خود جواب دیا تھا وہ بھی بیان کر دیا سب نے خلیفہ رسول کی تصدیق کی اور سب کو پورا اطمینان ہوگیا۔ اور حضرت علی نے اپنی غلط فہمی پر پچھتا کے نہایت خلوص اور محبت بھرے دل سے بیعت کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بیعت سے مشرف ہو گئے۔ کل مہاجرین اور انصار نے اس شرف کے حاصل ہونے اور آپ کے دامن سے بغاوت کا دھبہ دُھلنے پر حضرت علی کو مبارکباد دی۔

اس سوال وجواب اور بیعت کی مفصل کیفیت کتاب شہادت کی گزشتہ کسی جلد میں چھپ چکی ہے۔ جسے یہاں دوبارہ دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ابوبکر کی خلافت میں حضرت علی

بیعت کرنے کے بعد آپ ابوبکر کے صادق دوست بن گئے۔ آپ بحیثیت مشیر سلطنت کام کرتے رہے۔ آپ کو بیت المال سے معقول معاوضہ ملتا رہا۔ آپ چونکہ منافق نہیں تھے لہذا اخیر تک صدق مقالی سے نبھادی۔ بمثل عام عربوں کے آپ کی طبیعت میں بھی آزادی تھی اور جو رائے آپ سے لیجاتی تھی آپ آزادی سے اور صفائی سے دیدیا کرتے تھے۔ مگر اکثر اوقات آپ کی رائے غلطی پر مبنی ہوتی تھی۔ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں جتنے فیصلے کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث وفقہ میں آپ کو بہت کم درک تھا۔

آپ کی نسبت توہین آمیز روایتیں

جہاں تک پتہ چلتا ہے اور تاریخ دیکھی جاتی ہے آپ بحیثیت وزیر سلطنت ابوبکر۔ عمر اور عثمان کے نصف زمانہ خلافت تک کام کرتے رہے۔ خلیفہ نام کا خلیفہ ہوتا تھا باقی اس کے لباس۔ اسکی معاشرت اسکی نشست وبرخاست سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ ان لوگوں میں خلیفہ کونسا ہے حضرت علی کا خلا ملا جیساکہ ہونا چاہیئے تھا اسیطرح رہا مگر افسوس ہے کہ آپ ہی کے زمانہ میں ایک ایسے گروہ کا ظہور ہوا جو فی الحقیقت آپ کا آپ کے خاندان کا آپ کے بچوں کا جانی دشمن تھا مگر بظاہر دوستی اور محبت کا دم بھرتا تھا جس سے حضرت علی ایسے تنگ ہوگئے تھے کہ اخیر آپ نے خلاف شرع ان میں سے بعض کو زندہ جلا دیا۔ اس گروہ کا نام خوارج قرار دیا گیا اس میں دو فریق ہوگئے ایک کو خوارج کہا گیا اور دوسرے کو روافض۔ خوارج تو علی الاعلان علی اور اور آپ کے بچوں کو برا کہنے لگے مگر روافض نے اپنے کو دوست اور محب علی قرار دے کے تاریخ کے بڑے حصہ زیادہ علی کی توہین پر کمر باندھ لی اور اس ناپاک امر کو نہ صرف اپنے مذہب بلکہ

اپنی زندگی کا بہت بڑا اصول قرار دے لیا۔ ہر سال بلکہ ہر مہینہ بلکہ ہر ہفتہ اور ہر روز بھری محفلوں میں دوستی اور محبت کے پردہ میں ہزار ہا گالیاں دینی شروع کردیں جسکا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

اسی جماعت کے سرغناؤں نے سب سے پہلے یہ اڑائی کہ جب کل صحابہ ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرچکے اور علی نہ آئے تو ابوبکر نے عمر کو بھیجا کہ علی کو پکڑلاؤ۔ علی نے یہ سن کے کہ عمر اور خالد گرفتاری کے لئے آتے ہیں۔ ڈر کے مارے اپنے گھر کا دروازہ بند کردیا۔ جب عمر و خالد علی کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔ آواز دی دروازہ کھولدو وہاں سے جواب نہ آیا۔ ادھر عمر وخالد اور ان کے دوسرے ساتھی دروازہ توڑ تو نہ سکتے تھے کیونکہ وہ ان کی قدرت سے باہر تھا۔ لہذا انھوں نے لکڑیاں اکٹھی کیں۔ دروازہ کے برابر چُن دیں اور انپر قریشیا تیل ڈال کے آگ لگادی۔ دروازہ جب جلنے لگا اور شعلے بلند ہوئے تو علی خود تو جب بھی نہ اُٹھے بلکہ اپنی بیوی حضرت خاتون محشر کو جلتے ہوئے دروازے کے پاس بھیجا کہ تم جاکے عمر سے بات چیت کرآو۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بی بی فاطمہ پورے دنوں پیٹ سے تھیں اور جو بچہ پیٹ میں تھا اسکا پہلے سے نام بھی تجویز کرلیا گیا تھا۔ غرض آپ جلتے دروازہ کے پاس کھڑی ہی ہوئی تھیں اور ابھی آپ کی زبان مبارک سے ایک بات بھی نہ نکلی تھی کہ جلتا ہوا دروازہ آپکے شکم مبارک پر آپڑا جس سے (معاذاللہ) آپ کا حمل ساقط ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسپر بھی بقول دشمنان علی اور اہلبیت علی فاروق اور ان کے ساتھیوں کو رحم نہ آیا۔ وہ دڑانا مکان کے اندر گھس گئے علی کو پکڑلیا۔ پہلے خوب بھچم بھچا ہوئی۔ اخیر علی مغلوب کرلئے گئے ان کی چھاتی پر خالد اور عمر فاروق کا ایک غلام چڑھ بیٹھا اور ان کے ہاتھ باندھ دئے اور گھسیٹے ہوئے ابوبکر کے سامنے لائے۔ ہزاروں صحابہ نے شیر خدا کو اس حالت میں دیکھا۔ پھر حکم ہوا کہ یہ بیعت نہ کرے تو اسکی گردن ماردو۔ اس لئے علی نے جان کے خوف سے ابوبکر کے

ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اس کہانی سے غیر مذہب کا شریف اور مہذب شخص بھی کانپنے لگے گا کہ واقعی رسول کریم کے بھائی۔ رسول کریم کے داماد اور رسول کریم کے صحابی کی اس سے زیادہ بے عزتی نہیں ہوسکتی، کہ صرف اسے اور اسکی بزرگ اور والا شان بیوی کو گالیاں دینے کے لئے یہ کہانی تراشی اور اسپر اتنا زور دیا کہ آج تک اس سے محفلیں گرم کی جاتی ہیں اور خوب خوب دل کے جلے پھپھولے پھوڑے جاتے ہیں۔ بھلا خیال تو فرمائیے کہ ابتدا ئے کتاب شہادت کی اسی جلد میں آپ کیا پڑھ گئے ہیں کہ حضرت علی نے لاکھوں جنات کو آناً فاناً میں قتل کر دیا۔ جبرئیل بھی علی کی شمشیر زنی سے کانپ اُٹھے یا آج وہی علی ہے کہ اسکی بیوی کی اس کی آنکھوں کے سامنے بے حرمتی ہو رہی ہے۔ وہ رسن در گلو گھسیٹا جا رہا ہے نہ اسکی غیرت میں جوش آتا ہے اور نہ اسے حرارت آتی ہے۔ دو تین آدمی اسکے گھر میں جاتے ہیں اسے ٹھنیاں دیتے دیتے ادھوا کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے گلے میں رسیاں ڈالکے اُسے گھسیٹ لاتے ہیں اور وہ گھسٹتا ہوا ساتھ ساتھ چلا آتا ہے۔ نہ اس کی ذوالفقار چلتی ہے نہ وہ قوت کام دیتی ہے جس قوت نے خیبر کا وہ دروازہ اکھیڑ لیا تھا جو بعد از اں چالیس آدمیوں سے بھی نہ اُٹھ سکا۔

آپ ہی کی رائے پر چھوڑا جاتا ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کر لیں آیا علی اور آپ کے اہلبیت کی نسبت ایسی باتیں کہنی انتہائے دشمنی پر مبنی ہیں یا نہیں۔؟

دوستو وہ وقت آگیا کہ ان بزرگان دین کو اس تاریکی اور غلاظت سے نکال لیا جائے اور دکھا دیا جائے کہ حضرت علی اور دوسرے صحابہ مثل سگے بھائیوں کے شیر و شکر تھے اور کبھی ان میں مطلق شکر رنجی بھی نہیں ہوئی۔ قومی مقاصد اور ملکی معاملات اُن کے مباحثے اختلاف یا دشمنی کا دھوکا نہ کھاؤ جس طرح یورپ میں ہر پارلیمنٹ میں دو جماعتیں ہوتی ہیں۔ جو ملکی معاملات میں اختلاف رائے رکھتی ہیں۔ مگر دونوں میں برابر کی حب الوطنی اور ایک دوسرے

کی محبت ہوتی ہے۔ یہی کیفیت صحابہ کی تھی۔ اور بس۔

ابوبکر کی خلافت کے خلاف حضرت علی کی سازش

یہ تو سارا قصہ آپ سن چکے اور کل اونچ نیچ ملاحظہ فرما چکے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں مورخ مجبور ہے کہ جو کچھ گزر چکا ہے بے کم و کاست بیان کر دے۔ یہاں باطل عقاید کا گزر نہیں ہے ہر شئے کے دونوں پہلو دکھائے جاتے ہیں۔ خواہ بعض عوام کے مخالف طبع ہی کیوں نہ واقع ہو۔ ملانوں نے بچپن سے عقاید باطلہ کے بھوتوں سے مسلمانوں کو ایسا خائف کر رکھا ہے کہ اگر کوئی صحیح مستند اور متفق علیہ تاریخی بات بیان کی جائے تو مونہہ بنانے لگتے ہیں اور خواہ مخواہ اول جلول بکنے لگتے ہیں۔ مگر محقق کو ان بیہودہ گوئیوں کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔ جو کچھ اسکی تحقیق میں ثابت ہوتا ہے وہ بے کم و کاست لکھ دیتا ہے۔

حضرت علی میں جہاں اور خوبیاں تھیں وہاں طلب جاہ کی محبت یا خواہش اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ہر شئے اس راہ میں قربان کرنے میں پس و پیش نہ کرتے تھے۔ اور ان کی اسی خواہش کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے ان ہی کے عہد میں تلوار چلی اور یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کا گلا کاٹا۔ انصار اور مہاجرین میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے ان کی کوئی وقعت نہ تھی اسیطرح اس حرص و آز اور ناپسندیدہ خواہشات پر رسول کریم ان سے ہمیشہ ناراض رہے۔ عادتیں اس قسم کی تھیں کہ حضرت خاتون محشر ایک دن بھی اپنے شوہر سے خوش نہیں رہیں۔

آپ خواہ مخواہ خلیفہ بننا چاہتے تھے جب سب نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور انصار میں سوائے سعد بن عبادہ یا ایک اور اس کے ساتھی کے کوئی بیعت کرنے سے باقی نہ رہا تو حضرت علی جیسا کہ ابھی لکھا جا چکا ہے خاموش اپنے گھر بیٹھ رہے مگر سعد بن عبادہ علی سے اس بات میں اچھا رہا کہ وہ مدینہ ہی سے نکل گیا اور اس نے خلافت ابوبکر کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے

نہ نکالا۔ برخلاف علی کے کہ انھوں نے بیعت خلیفہ وقت ہی سے نہیں انکار کیا بلکہ چند فتنہ پردازوں کو گھر میں جمع کر کے خلافت کے درہم برہم کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ یہ کتنی خوفناک بات تھی اگر علی کی سازش کامیاب ہوجاتی تو حرم محترم کس طرح رسول کریم کے وصال کے بعد ہی خون میں رنگا جاتا اور بغاوت کی آگ نفس اسلام کو ہمیشہ کے لئے مدینہ کی گلیوں میں بھسم کر دیتی۔

اس خطرناک سازش کی خبر سارے مدینہ میں پہنچ گئی۔ صحابہ کو علی کے اس فعل سے سخت پریشانی ہوئی۔ مزید تحقیق پر معلوم ہوا کہ سازش بڑے زور شور سے کی جا رہی ہے مگر اس سازش میں جناب سیدہ حضرت خاتون محشر شریک نہیں ہیں۔ وہ اپنے شوہر علی کو کئی بار کہہ چکی ہیں کہ ایسا مت کرو مگر وہ نہیں سنتے۔ غرض جب صحابہ نے دیکھا کہ پانی سر سے گزر چلا اس کا استیصال کرنا چاہیئے۔ تو ایک دن عمر فاروق ان سازش کرنے والوں کے پاس پہنچے جو پوشیدہ جلسہ میں سیدہ کے مکان میں آیا کرتے تھے اور اس سازش میں پورے شریک تھے۔ انہیں سمجھایا کہ تم ایسا نہ کرو اور علی کے ساتھ کسی سازش میں شریک نہ ہو۔ ورنہ یاد رکھنا کہ جہاں تم بیٹھ کے سازش کرتے ہو وہی گھر جلا دیا جائے گا۔ اور تم وہیں بھسم ہو کے رہ جاؤ گے۔

یہ دھمکی تو صرف ان فتنہ پردازوں کو دی تھی جو سازش میں شریک ہوتے تھے علی سے یا سیدہ سے تو پاس اعزاز سے کسی نے بات بھی نہیں کی۔ اس زمانہ میں جبکہ قانون اور آزادی کی حکومت ہے سلطنت کے خلاف سازش کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ہر شخص اس تسلیم کرنے میں پس وپیش نہیں کرنے کا کہ اگر یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ جاتی کہ علی کے گھر سے ایک ایسا فتنہ اٹھیگا جو اسلام کے جسم کو لہولہان اور دین کے پیراہن کو پارہ پارہ کر دے گا تو ایک بار نہیں بلکہ ایک علی کے نہیں بلکہ سو علی کے گھر خاکستر کر دینے چاہیئیں۔ مگر صحابہ کی بردباری وقار، تحمل، صبر۔ اور رواداری کی یہاں تک ہوگئی تھی کہ انھوں نے براہ راست علی کو چشم نمائی نہیں کی بلکہ جو لوگ شریک سازش تھے انہیں دھمکایا۔

اب رہی گھر جلانے کی دہمکی تو یہ عرب کا محاورہ ہے۔ اس سے گھر جلانا مقصود نہیں ہوتا۔ اسکی مثال یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ نماز جماعت سے نہیں پڑھتے اور ترک جماعت سے باز نہ آئے تو میں انکا گھر پھونک دونگا۔ اس سے ایک قسم کی تہدید اور سخت چشم نمائی مقصود ہوتی ہے نہ کہ سچ مچ گھر کا جلانا۔

دوسرا خیال یہ ہو سکتا ہے کہ سیدہ کے گھر کی نسبت عمر فاروق کو ایسا خیال تنبیہاً بھی نہ ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ مگر یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی جبکہ سیدہ کا مکان حرم کعبہ سے زیادہ محترم نہیں ہو سکتا جہاں کوئی شخص امان لیکے جائے تو قانوناً محفوظ ہو جاتا ہے مگر مفسدوں کو رسول کریم نے وہاں بھی امان نہیں دی ابن خطل کا قصہ موجود ہے جو عمر فاروق کے ہاتھ سے اس مقام پر قتل کیا گیا تھا۔ جو پردوں کے بیچ میں تھا اور جسے آشیانہ تجلی کہا جاتا ہے۔

جب مفسدوں کو ایسی جگہ بھی پناہ نہ ملی تو پھر حضرت زہرا کے مکان میں کس لیئے پناہ دی جاتی۔ جبکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ خانہ خدا سے زیادہ خانہ زہرا محترم نہیں ہو سکتا۔ حرم محترم میں تو مفسد قتل بھی ہوئے مگر یہاں تو خالی دہمکی ہی دہمکی تھی۔ اس سے ایک پر کے سو پر اور پھر سو پروں کے سو کوّے بنانے انصاف ایمان اور وقائع نویسی کے خلاف ہے۔

اب رہیں خود حضرت زہرا خاتون محشر اگر سچ پوچھو تو ان سازشی جلسوں سے گھبرا گئی تھیں اپنے شوہر علی کیوجہ سے وہ خون کے سے گھونٹ پی پی کے چپکی ہو رہتی تھیں مگر اپنے شوہر کی ان کارروائیوں سے انھیں رنج بہت ہوتا تھا۔ وہ بعض باتیں مجبور ہو کے کرتی تھیں مگر انکے دل پہ صدمہ بہت ہوتا تھا۔ مثلاً حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خچر پر سوار کر کے اور حسنین کو ساتھ دیکے سرداران انصار اور مہاجرین کے گھروں پر بھیجا اور کئی روز تک پھرانا کس قدر معیوب بات تھی مگر خاتون محشر نے مجبور ہو کے اسے بھی برداشت کیا۔ اسی طرح جب ابوبکر خلیفہ بن گئے ہیں تو حضرت علی کا مکان سازشوں کا مرکز بن گیا تھا۔ آپنے چند آدمی ایسے بہم پہنچا لیئے جو آپکے ساتھ

سازش میں شریک تھے اور جو مدینے میں خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی تدبیریں کر رہے تھے۔
اب یہاں سے شیخین کی بزرگی و فضیلت علی و زہرا کا اندازہ ہوتا ہے کہ ادب یا پاس محبت
سے نہ حضرت علی سے اِس کا معارضہ کیا کہ اُنھوں نے خلیفہ وقت کی بیعت سے منہ موڑا نہ اس کی
سزا دی کہ وہ حالتِ بغاوت میں کئی مہینے تک مدینہ میں رہے۔ یہاں تک کہ جب اِس سازش کا راز
افشا ہوا ہے اُس وقت بھی علی رضؓ یا زہرا سے ہُوں تک نہ کی بلکہ دوسرے آنے والوں اور سازش
کرنے والوں کو دھمکایا کہ ایسا مت کرو ورنہ جس مکان میں تم اِس قسم کی بغاوت کے مشورے
کرتے ہو وہ مکان تم ہی پر پھوک دیا جائیگا۔
اب اِس بحث اور جواب کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمایئے کہ جب عثمانِ غنی مدینہ میں شہید ہوئے
اور حضرت علی رضؓ خواہ کسی صُورت سے خلیفہ نامزد ہوئے تو چند آدمی جو خون عثمان کا انتقام لینا
چاہتے تھے یعنی قاتلوں کی تلاش میں تھے حضرت علی کے خوف سے مکہ معظمہ میں چلے آئے اور
اُنھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں پناہ لی جو نہ صرف اُم المومنین اور اس لحاظ سے حضرت
علی کی ماں بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہیتی بیوی تھیں حضرت علی نے اُن قصاص چاہنے
والوں کو قتل کر دیا اور ذرا بھی پاس نہ اُنکی بیگناہی کا کیا اور نہ اپنی ماں اور اُم المومنین کا ادب
کیا۔ اگر کوئی عذر یا جواب حضرت علی کی طرف سے دیا جائے گا تو وہی عذر اور جواب فاروق اعظم
کی طرف سے ہو سکتا ہے اسکے علاوہ دونوں معاملات میں بعد المشرقین ہے ایک جگہ فقط ڈرانا اور
دھمکانا ہی ہے اور دوسری جگہ خون اور قتل و غارت ہے۔ (معاذ اللہ)
اِسی واقعہ میں زبیر بن عوام حضور انور کے پھوپھی زاد بھائی کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ منجملہ سازش
کرنے والوں کے ایک وہ بھی تھے اور اُنھیں بھی عمر فاروق نے دھمکایا اور ڈرایا تھا۔ جب زہرا
نے یہ سنا تو انھیں یعنی زبیر بن عوام کو صاف طور پر کہہ دیا کہ آئندہ ہمارے گھر میں آ کے ایسا مشورہ
نہ کیا کرو۔ مگر شیعی احباب اسے بھی عمر فاروق کی بہت ہی گستاخی اور سوء ادبی جانتے ہیں کہ انھوں

نے حضور انور کے پھوپھی زاد بھائی کو اس طرح کیوں کہا مگر تماشا دیکھئے کہ جب یہی زبیر بن عوام عثمان کے قاتلوں سے قصاص چاہتے ہیں تو شیعی احباب انہیں واجب القتل جانتے ہیں اور تمام دنیا کی زبان درازیاں ان پر ختم کر دیتے ہیں ''ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا''

افسوس ہے شیعی مصنفین کی اس ناانصافی اور دیدہ دلیری پر کہ جب یہی زبیر بن عوام خلافت کے اٹھنے اور مدینے میں غدر برپا کرنے کے مشورے کریں تو واجب التعظیم ہوں اِنا للہ وانا الیہ راجعون یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ جن پر لمحہ بھر بھی توجہ کی ضرورت ہوتی مگر چونکہ شیعی احباب نے بات کا بتنگڑ بنا لیا ہے اور اسی واقعہ پر کتابیں کی کتابیں لکھ ڈالی ہیں اس لیئے اتنا عرض کیا گیا۔ ورنہ یہ ایسی معمولی باتیں ہیں جو تاریخوں میں کسی طرح بھی انکے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ایسے قصوں میں رنگ آمیزی ہوتی چلی گئی اور اخیر اصل واقعہ اڑا اڑا کے شعراکی خیال آفرینیاں رہ گئیں۔ یہ صحیح ہے کہ گذشتہ شیعی مصنفین نے زہرا کا گھر جلنے اور معاذاللہ آپ کا حمل ساقط ہونے کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے مگر جب تعصب اندھا کر دیتا ہے تو مخالفوں پر الزام دینے کے لیئے نئی نئی اور خلاف واقعہ باتیں تراش لیجاتی ہیں پھر کسیکا ذرا بھی پاس و ادب نہیں کیا جاتا۔ انصاف سے غور فرمایئے کہ اس سے زیادہ حضرت خاتون محشر کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے کہ انکا گھر فرضی طور پر جلایا جائے اسی پر قناعت نہ کی جائے بلکہ انکے شوہر حضرت علی رضؓ کے گلے میں رسی ڈلوا کے گھسٹوایا جائے اور اس پر بھی بس نہ ہو بلکہ انکا حمل بھی ساقط کرایا جائے اور پیٹ کے بچے کا خود ہی نام رکھ کے اس کا ماتم کیا جائے اور بہت شد و مد سے عام مجلسوں میں بیٹھ کے یہ تبرے بازی حضرت خاتون محشر پر اڑائی جائے اور حضور انور کی صاحبزادی کا ذرا پاس و لحاظ نہ کیا جائے۔ آپ کسی شیعہ صاحب سے دریافت کریں کہ یہ کیا انھیں گوارا ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص انکی بیوی بہن اور بیٹی کا ایسا ہی قصہ بنا کے جا بجا عام آدمیوں کے سامنے کہتا پھرے اور وہ اسے اعلیٰ درجے کی محبت پر مبنی سمجھ کے خوش ہوں۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہونے کا وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور اپنے مقدور بھر کوشش کرینگے کہ کسی طرح اس شخص کی زبان بند ہو تو پھر کتنے شرم کا مقام ہے کہ زہرا کے معاملہ میں وہ یہ فیصلہ نہیں

کرتے اور اُنکے دلوں میں زہرا، اُنکے شوہر اور اُنکے بچّوں کی دشمنی کچھ ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوائے ان دل آزار اور توہین آمیز باتوں کے اُنکے منہ سے کچھ نہیں نکلتا۔

لاکھوں کروڑوں عورتوں کی سرتاج اور عصمت و عفت پناہ خواتین کی ملکہ کے ساتھ اس سے زیادہ دشمنی کیا ہوسکتی ہے کہ اُسے برسرِ بازار ذلیل کیا جاتا ہے اور محض فرضی قصّوں کی بنا پر اسے وہ وہ گالیاں دی جاتی ہیں کہ العظمۃ للہ، اور پھر نہایت خیرہ چشمی سے اِس کا نام محبتِ اہلبیت رکھا جاتا ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم سے زیادہ کوئی محب اہلبیتِ رسول نہیں ہے۔

کچھ مُسلمانوں ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ شیعوں کے اس ناقابلِ معافی طرزِ عمل کی بابت اگر آپ کسی ہندو، عیسائی، اور آریا سے بھی دریافت کرینگے تو وہ بھی بول اُٹھے گا کہ واقعی ایک دیوی کی اِس سے زیادہ توہین نہیں ہوسکتی۔ یہ سب باتیں بدیہی اور مبرہن ہیں جن کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے ادنیٰ سے ادنیٰ قوم کا شخص بھی اسے گوارا نہیں کرسکتا۔ بلکہ لوگ تو مستورات کا ذکر مردوں میں بیٹھ کے کرنے سے عموماً احتراز کیا کرتے ہیں۔ حضرت علی کی بیعت کا قصّہ آپ ملاحظہ فرما چکے کہ آپنے بالکل مایوس اور نا اُمید ہونے کے بعد بیعت کی تھی۔ جب تک خاتونِ محشر زندہ رہیں آپ کو اُمید بندھی رہی مگر جب آپکا انتقال ہوگیا تو آپ کی اُمید منقطع ہوگئی اور آپنے ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

صدیق اکبر کی خلافت کا ایسا کوئی مشہور واقعہ نہیں ملتا جس میں حضرت علی کی شرکت ہو اور اُس کا بیان کیا جائے۔ صرف آپکی زندگی کچھ تو فدک کا انتظام کرنے اور اسکی کھجوریں بیچنے میں صرف ہوتی تھی اور کچھ خاندان کے جھگڑوں اور بنٹوں میں۔ کیونکہ آپ اپنے چچا عباس سے اکثر برسرِ پرخاش رہا کرتے تھے اور برسرِ دربار ایک دفعہ تو اسقدر سخت کلامی کی نوبت پہنچ ہوگئی تھی کہ بخاری نے لفظ سب سے اِس کا ذکر کیا ہے۔ ایسی جھڑپ چچا بھتیجوں میں کبھی تو کھجوروں کی تقسیم پر اور کبھی جو وغیرہ کے حصّہ ہوجایا کرتی تھی اور یہ کچھ ایسی بڑی بات نہ تھی۔

ابو بکر صدیق اور حضرت علی میں ایک بیعت کا واقعہ ہے جو اُوپر مذکور ہوا۔ اور دوسرا فدک کا بیان

کیا جاتا ہے کہ حضرت علی نے خاتون محشر کو ابوبکر صدیق کے پاس بھیجا کہ فدک ہمارے قبضہ میں دیدو چنانچہ خاتون محشر گئیں اور ابوبکر سے یہ سوال کیا۔ یہ سنتے ہی ابوبکر حیران رہ گئے کہ رسولِ کریم کی صاحبزادی خلاف قاعدہ یہ کیا فرماتی ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اس میں رسولخدا کے اور رشتہ دار بھی حقدار ہیں جنھیں سرورِ عالم اپنی زندگی میں برابر دیتے رہے لہٰذا میں علی اور عباس رض کے سپرد کردیتا ہوں۔ اسکی آمدنی کی تقسیم اسی طرح ہونی چاہیئے جیسا رسول کریم فرماتے تھے اور بس۔ چنانچہ خاتون محشر خاموش ہوگئیں اور سیدھی اُٹھ کے چلی آئیں۔ حضرت علی کو ابوبکر کا یہ فیصلہ اچھا نہ معلوم ہوا۔ اور اُنھوں نے دوبارہ فاطمہ زہرا کو بھیجا بلکہ بطور گواہ خود بھی ساتھ گئے۔ مگر یہ ساری چھچھوری باتیں تھیں کچھ بھی نہوا دربار خلافت سے جو حکم ہوا وہ بحال رہا اور اخیر عباس علی کے چچا اور خود حضرت علی اسکے منتظم بنے اور عمر بھر روٹیاں کھاتے رہے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ اگر خیبر کی آبادی میں کوئی باغ فدک کے نام کا تھا اور اس پر یہ رد و بدل ہوا تو بس اسقدر صحیح ہے جو ہم نے لکھا ہے۔ باقی ہمارے شیعی احباب نے اپنی حسب عادت جو اس واقعہ میں شاعرانہ رنگآمیزی کی ہے یہ ان ہی کا حصہ ہے۔ اِس پر ہمیں تو زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جس شخص نے کتابِ شہادت کو غور سے پڑھا ہے وہ اس بات کو جانتا ہے کہ شیعوں نے ہر فرضی معاملہ میں کتنی کہانیاں تصنیف کرلی ہیں اور یہ خلاف بیانی انکا روزمرہ ہے لہٰذا کسی مسلمان کو اس پر توجہ کرنی نہ چاہیئے۔ جو قوم فرضی واقعات کی بنا پر ہزاروں قصے کہانیاں بنالے اسکے آگے فدک کے معاملہ کی ہستی کیا ہے۔ اِس موہوم اور بے بنیاد مسئلہ پر کتابیں کی کتابیں تالیف کر ڈالیں گئیں جن کا مقصود معاملۂ فدک کو صاف کرنا نہیں ہے۔ بلکہ صدیق اکبر اور عمر فاروق کو بدنام کرنا ہے اور بس۔

ابوبکر صدیق کی خلافت میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کوئی ایسا واقعہ جس سے حضرت علی کو تعلق ہو نہیں ہوا۔ ہاں عمر فاروق کے زمانہ میں دو نامور واقعے ضرور ہوئے جنکا تعلق حضرت علی کی ذات سے ہے۔ پہلا تو اُم کلثوم حضرت علی کی صاحبزادی کا نکاح حضرت عمر فاروق سے۔ دوسرے امام حسین کی شادی شہربانو یزدجرد کی لڑکی سے۔ یہ دونوں واقعے ایسے ہیں جو زیادہ نامور اور مشہور

ہیں۔ ام کلثوم کے نکاح کے متعلق تو مولانا محمد حسین موسوی جو شیعوں کی نظروں میں فاروق اعظم سے بھی افضل ہیں حسب ذیل عبارت تحریر فرماتے ہیں عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال خطب عمر الی علی ابنتہ من فاطمۃ واکثر تردده الیہ فقال علی یا امیر المؤمنین ما عندی الا صغیرۃ فقال عمر ما یحملنی علی کثرۃ ترددی الیک الا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل حسب ونسب وصھر منقطع یوم القیامۃ الا حسبی ونسبی وسببی وصھری فقام علی رضی اللہ عنہ فامر بابنتہ من فاطمۃ فزینت وبعث بھا الی عمر رضی اللہ عنہ فلما راھا قال الیھا فاجلسھا فی حجرہ وقبلھا ودعا لھا فلما قامت اخذ بساقھا وقال لھا قولی لابیک قد رضیت قد رضیت فلما جاءت الجاریۃ الی ابیھا قال لھا ما قال لک امیر المؤمنین قالت لما دانی قام الی فاجلسنی فی حجرہ وقبلنی ودعا لی فلما قمت اخذ بساقی وقال لی قولی لابیک قد رضیت فانکحھا ایاہ فولدت زید بن عمر فعاش حتی کان رجلا **وروایت دیگر آنکہ** خطب عمر الی علی رضی اللہ عنھا ابنتہ ام کلثوم وامھا فاطمۃ ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ علی ان علی ایھم ای فی ھذا الکتاب امر حتی استاذنھم فاتی ولد فاطمۃ فذکر ذلک لھم فقالوا زوجہ فدعا ام کلثوم وھی یومئذ صبیۃ فقال انطلقی الی امیر المؤمنین فقولی لہ ان ابی یقرئک السلام و یقول لک انا قضینا حاجتک التی طلبت فاخذھا وضمھا الیہ وقال انی خطبتھا الی ابیھا فزوجنیھا فقیل یا امیر المؤمنین ترید الیھا صبیۃ صغیرۃ فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الحدیث بمثل ما تقدم روایت ابن سمان آنکہ ان عمر قال لعلی انی احب ان یکون عندی عضو من اعضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ علی ما عندی الا ام کلثوم وھی صغیرۃ فقال ان تعش فقال

اِنَّ لَهَا أَمِيْرَيْنِ مَعِيَ قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَعَدَ عُمَرُ يَنْتَظِرُ مَا رَدَّ عَلَيْهِ فَقَالَ عَلِيٌّ اُدْعُوا الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَجَاءَا فَدَخَلَا وَقَعَدَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهُمَا إِنَّ عُمَرَ خَطَبَ إِلَيَّ أُخْتَكُمَا فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ لَهَا مَعِيَ أَمِيْرَيْنِ وَإِنِّيْ كَرِهْتُ أَنْ أُزَوِّجَهَا حَتّٰى أُوَامِرَكُمَا فَسَكَتَ الْحُسَيْنُ وَتَكَلَّمَ الْحَسَنُ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَبَتَاهُ مَنْ بَعْدَ عُمَرَ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُوُفِّيَ عَنْهُ وَهُوَ رَاضٍ ثُمَّ وَلِيَ الْخِلَافَةَ فَعَدَلَ قَالَ صَدَقْتَ وَلٰكِنِّيْ كَرِهْتُ أَنْ أَقْطَعَ أَمْرًا دُوْنَكُمَا بِلَفْظِهٖ اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی نے اپنی اُس صاحبزادی کا جس کا نام کلثوم تھا اور جو خاتون محشر حضرت فاطمہ زہرا کے بطن سے تھیں عمر فاروق کے ساتھ بخوشی وخرمی نکاح کر دیا۔ اگرچہ موجودہ زمانے کے شیعہ اس نکاح سے انکار کرتے ہیں مگر انکے بزرگ اس سے منکر نہ تھے اور انھوں نے ہمیشہ اور ہر زمانے میں اسکی تصدیق کی ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت امام حسین کی شادی کا ہے۔ جب ایران فتح ہوا ہے اور شاہی خاندان کی مستورات اور جنگی قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں آئی ہیں تو شہربانو اور دوسری شاہی خاندان کی لڑکیوں کو آزادی دیدی گئی تھی اور انھیں یہ بھی اختیار دیدیا گیا تھا کہ اگر انکی مرضی شادی کرنے کی ہے تو وہ اپنے شوہروں کا انتخاب خود کرلیں۔ مختلف عورتوں نے مختلف اشخاص سے نکاح کرلیا۔ مگر شہربانو نے امام حسین کا انتخاب کیا اور پھر انکے ساتھ شادی کردی گئی۔ شیعی روایتوں کے بموجب شادی کی رسم مدینہ میں بڑی تزک واحتشام سے ادا کی گئی۔ سارا مدینہ چراغاں کیا گیا۔ امام حسین گھوڑے پرسوار کیے گئے خلیفہ وقت یعنی فاروق اعظم باگھ پکڑے پاپیادہ گھوڑے کے ساتھ ساتھ تمام شہر میں پھرے اور اس طرح نہایت خوش اسلوبی سے اس شادی کا خاتمہ ہوا۔

اگرچہ حال کے بعض مصنفین اس سے بھی انکار کرتے ہیں کہ شہربانو سے امام حسین کی شادی ہرگز نہیں ہوئی۔ کیونکہ ایران کے فتح ہونے کے زمانے میں امام حسین بالکل نابالغ تھے

وغیرہ وغیرہ مگر ہمارا منشار فی الحال اس بحث میں پڑنے کا نہیں ہے۔ ہمیں تو فقط دکھانا یہ ہے کہ شیعی روایتوں کے بموجب عمر فاروق کی محبت علی اور اولادِ علی کی کیسی بیّن شہادت ملتی ہے۔ اور آپ کو علاوہ محبت کے کس بلا کا احترام تھا کہ گھوڑے کی باگ پکڑے سارے شہر مدینہ میں پیادہ پھرے ہیں جل جلالہ عم نوالہٗ باہمی بغض و عداوت کی ساری کہانیاں مُنہ کے بل گر پڑتی ہیں۔ اِن روایتوں کو دیکھنے کے بعد کوئی وہم بھی نہیں کر سکتا کہ انکے باہم کچھ شکر رنجی تھی۔

اب رہا بعض معاملات میں اختلاف، حضرت علی کی طبیعت اور اس کے خاصہ سے بعض امور کا پیدا ہو جانا بنار دشمنی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حضرت علیؓ کے دل میں یہ خواہش موجزن ہوئی کہ تمام سلطنت کا میں ہی مالک بن بیٹھوں اور یہ خواہش خلافِ اُصول ہونے سے پوری نہ ہوئی تو اس میں مخالفت کی کوئی بات نہ تھی۔ حضرت علی اپنی غلطی کو بعد ازاں تسلیم کر لیتے تھے اور ان میں یہی بڑی خوبی تھی کہ وہ اپنی غلطی کی پچ نہیں کیا کرتے تھے۔

سچی بات یہ ہے کہ وہ مثل سگے بھائیوں کے تھے اور اسلام نے اُنہیں متحد بنا دیا تھا۔ اِنکے اختلافِ خیال سے اسلام یا مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اِتحاد یہاں تک زبردست تھا۔ کہ حضرت عثمان غنی یا حضرت علی کے شہید ہونے پر بھی نظامِ سلطنت بالکل نہیں بگڑا۔ اور انتظام کی ایک لڑی بھی ڈھیلی نہیں ہوئی۔ اگرچہ حضرت علی اچھے منتظم۔ اچھے سپاہ سالار۔ اچھے مقنن نہیں تھے۔ پھر بھی نیک نیت ضرور تھے۔ اور جو کچھ کرتے تھے اپنے خیال میں حق سمجھ کر کرتے تھے خواہ دراصل وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ جو غلطیاں اِن سے سرزد ہوئیں وہ محض انسانیت کا تقاضا تھا وہ معصوم نہیں تھے نہ انھوں نے کبھی اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا۔

حضرت علی کی خلافت

ایرانیوں کی طباعی اور مذاق

کہانیاں عقائد بن گئیں

عربوں کا لٹریچر اور ایرانی خیال آفرینیاں

اسلامی تاریخ میں حضرت علی کی خلافت کا زمانہ کیا بلحاظ خونریزی و کمزوری، اور کیا بلحاظ عداوت و دشمنی، و آپادھاپی، بہت ہی افسوسناک گذرا ہے، ہمیں واقعات خلافت ابن ابی طالب کے لکھتے وقت اُن رازہائے سربستہ میں سے ہو کے گزرنا پڑا ہے جو سچ مچ ایک عالم کو ششدر کرنیکا مادہ رکھتے ہیں۔ اور ایسی باتیں بھی اس زمانے کی دوہرانی پڑینگی جو ننگ ناموس اکبر اور منشاء رسول مقبول کے بالکل خلاف تھیں، ایک وقائع نگار اخیر کیا کرے، کیا تو وہ کسی واقعہ پر قلم اُٹھانے کا نام نہ لے اور اگر واقعات قلم بند کرنے کے لیئے تیار ہو تو حق کو کبھی نہ چھپائے، اور جس شے کا اظہار کرے اُسکے تاریک اور روشن دونوں پہلو دکھادے۔ قدیم مُسلمانوں کی وقائع نگاری میں یہی بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ مطالب کے اظہار میں نہ مبالغہ سے کام لیتے ہیں، نہ طرفداری سے گو تواریخی انضباط سے وہ زیادہ تعلق نہیں رکھتے اور نہ انکی کتابوں میں تاریخی ترتیب پائی جاتی ہے، مگر انکا وقائع نگاری کا طریقہ بہت سادہ۔ ٹھیک ٹھیک اور بلا مُبالغہ ضرور ہے۔ جب تک ایران کا مبالغہ اور کھینچ تان کی چاشنی وقائع نگاری میں نہ ملی۔ تاریخی علم ادب گو بے ترتیب ہی سہی مگر سچائی سے بھرا ہوا ہے۔ خدا ایرانیوں کا بھلا کرے کہ جب انکا ہاتھ اسلامی تاریخ پر پڑا ہے اس میں لفاظی کی دھوم دھام۔ مطالب کی کمی، مبالغہ کی چاشنی۔ سادگی کی جگہ علم ادب میں صنائع و

خالی نہیں ہے جیسا کہ ایرانیوں کا اور بالخصوص اُن ایرانیوں کا جن میں عربی خون کا میل یا تو کم ہوا یا بالکل ہوا ہی نہیں۔ ایرانیوں سے غرض خاص وہ حصّہ ہے جو شاہانِ کیانی کے پائے تخت کے اردگرد تھا اور جہاں دُنیا بھر کے تکلفات اور تعیش کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

"کربلا اور نیم چڑھا" یہ ضرب المثل ایرانی لٹریچر پر صادق آتی ہے کہ ایک تو پہلے ہی سے انہیں غلو کا مبالغہ تھا۔ مگر جب شیعی رنگ اِن پر چڑھ گیا اور یہ کوشش ہونے لگی کہ کسی طرح ابن ابی طالب کی اُلوہیت کو چمکا کے خلفاء راشدین پر قدح کی جائے، پھر کیا ٹھکانا تھا۔ وہ وہ کذب محض کے توفے طوفان برپا کئے گئے کہ العظمۃ للہ! آدمی ان قصّے کہانیوں کو دیکھ کے اپنا تو سر پیٹ لے اور کہنے والے کا مُنہ نوچ لے۔

ان تخیلات کا اثر بڑھتے بڑھتے مسلمانوں پر بھی پڑا، اور ایک فرضی واقعۂ شہادت نے اِس اثر میں اور بھی تقویت دیدی۔ سنّی مولوی علی الاعلان وہ روایتیں اپنے معتقدوں میں بیان کرنے لگے جو بحار الانوار کی ہیں۔ بعض جلد باز مصنفوں نے بغیر انتقاد کے انھیں اپنی تصنیفات میں درج کر دیا۔ نیم تعلیم یافتہ یا بالکل ناتعلیم یافتہ مسلمانوں نے بڑے جوش سے ان کتابوں کا خیر مقدم کیا اور انھیں اپنے ہاں اسقدر رواج دیا کہ آج سچ پوچھو تو ساری اسلامی دنیا سوائے چند پاک نفوس کے اوپری چھٹی شیعہ ہے۔ یہ بدنصیب اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر تعزیہ داری کی خوش اعتقادی انکے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ عشرہ محرم میں ان بدنصیبوں کے شوربخت علماء بڑے اعتقاد اور جوش کے ساتھ فرضی شہادت کے قصّوں کا وعظ کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمنے بہت بڑا فرض اسلام کا ادا کیا۔ مگر سچ پوچھو تو یہ نام نہاد علماء اپنے سے زیادہ اپنے معتقدوں کو یہ غلط اور دور از کار باتیں سُنا کے جہنم کا سچا وارث بنا دیتے ہیں۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عربی علم ادب کی بابت جو کچھ ڈاکٹر موسیو لیبان ایک فرانسیسی محقق نے لکھا ہے یہاں نقل کردیں تاکہ یہ بات ثابت ہوجائے کہ عربوں کی جس سادگی اور سچائی نے ایک

عالم تسخیر کر لیا تھا آج وہ صحرا کے کسی گوشہ میں مدفون ہے اور جو کچھ ہماری حالت ہے وہ ایرانی پرتو ہے جس میں صداقت عنقا ہو رہی ہے، خداوند قدوس نے لاکھوں میں سے اپنے ایک بندے کو چن لیا تاکہ وہ ایرانی خیالات کو سچائی سے شکست دے اور حقیقتِ حال کھولدے، اور ابن ابیطالب کی الوہیت ولایت اور مافوق ہونے کا جو پردہ لوگوں کی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے اُس کا تار تار الگ کر دے۔ ایسا ہوگا اور ہو کے رہے گا، انشاء اللہ

ڈاکٹر موسیو لیبان لکھتے ہیں۔ ...... مین اور عربستان کے مختلف حصوں کا پُرانا ادب مطلق ہم تک نہیں پہنچا۔ جو کلام ہمیں ملا ہے وہ سنہ عیسوی کے مابعد اور آنحضرت کے زمانے سے تھوڑے ہی دنوں قبل کا ہے۔ یہ کلام حماسہ کے شعر ہیں جو جنگ اور عشق کی تعریف میں ہیں، زمانہ جاہلیہ کے یونانیوں کی طرح عربوں کو بھی اپنی بہادریوں کی نظم سننے کا شوق تھا۔

یہ پُرانی نظمیں استعاروں اور کنایوں سے بھری ہوئی ہیں کیونکہ ان قدیم لوگوں میں بمقابل خیالات کے محسوسات کا زیادہ ادراک تھا۔ ان کی شاعری توریت کی شاعری سے بالکل علحدہ ہے اور ان میں وعیدی پیشین گوئیاں اور خونی لہریں نہیں ہیں۔ ان کی لڑائیوں کی تصویروں میں وہ وحشیانہ خون ریزیاں گلے کاٹنا سر کچلنا اور یہووا کی بددعائیں جس سے توریت بھری ہوئی ہے نہیں پائی جاتیں

عربوں میں شاعری اس درجہ مرغوب خاص و عام تھی کہ اُس زمانہ میں شاعروں کا بڑا زور تھا۔ وہ اپنی نظم کے ذریعے سے جب چاہتے جوشِ مخالفت پیدا کر دیتے اور جس قبیلہ کی چاہتے مدح کرتے اور جس کی چاہتے ہجو کرتے۔ انکی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ قریش نے اعشیٰ شاعر کو سو اونٹ محض اس لیے دیئے کہ آنحضرت کی مدح میں جو اشعار اُس نے لکھے تھے اُنکی اشاعت نکرے۔

فن شاعری نے عربوں میں ایسی ترقی کی تھی کہ آنحضرت کیوقت سے کئی صدی پہلے اُنھوں

سلہ یہووا خدا کے یہود کا نام ہے۔ لیکن اس لفظ کا تلفظ گویا مفقود ہوگیا تھا اور جہاں کہیں یہ لفظ توریت میں آیا ہے یہودی اسکو ادونائے پڑھتے ہیں ۱۲۔

آموجود ہوئے، وہ حضرت علی کی صورت دیکھتے ہی تھر تھر کانپنے لگا حضور انور نے کل حالات دریافت کیے حضرت علی نے سارا قصہ الف سے لیکے ی تک سنایا۔ کہ جب پانی کا طوفان زیادہ ہوا اور نوح کی کشتی پانی میں ڈانواڈول ہونے لگی تو یہ جن جو سامنے کھڑا ہوا ہے آیا اور چاہا کہ کشتی ڈبو دے میں نے فوراً ذوالفقار تلوار کا ایک ہاتھ ایسے مارا کہ اس کا بازو کٹ گیا اور نوح کی کشتی ڈوبنے سے بچ گئی۔ ساری کیفیت سن کے رسول اللہ نے فرمایا کہ اپنے اس فعل کی اُسے پوری سزا مل گئی اب یہ تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے اس کا قصور معاف کردو۔ چنانچہ حضور انور کی سفارش سے آپ نے اُس کا قصور معاف کر دیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

یہ کہانیاں کم وبیش گزشتہ صفحات میں وضاحت سے درج ہو چکی ہیں۔ جو ناظرین کتاب شہادۃ نے پڑھی ہونگی۔ زیادہ لکھنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ اُن کہانیوں نے اسلامی دنیا پر بڑا غضب ڈھایا۔ چونکہ مشرقی طبائع میں مافوق العادت باتیں سننے اور ان پر یقین کرنے کا مادہ مشرقی آب ہوا کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے لہٰذا یہ کہانیاں بغیر نکتہ چینی کے تسلیم کر لی گئیں۔ انھیں نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اپنے عقائد میں بھی ان کہانیوں کو جگہ دیدی اور شدہ شدہ ان کہانیوں کے کذب کا زہر نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں میں سرایت کرتا گیا اور ہوتے ہوتے وہ شیعی عالم سے گزر کے سُنی دنیا میں بھی آگیا اور اب عقائد اور روایتوں کی کچھ ایسی گڈ مڈ ہوئی کہ یہ شناخت مشکل ہو گئی کہ یہ کہانیاں جزو اسلام ہو سکتی ہیں یا نہیں یا ان کہانیوں کے مصنف ایران کے قصہ نویس تھے اور یہ کہانیاں محض حضرت علی کی اُلوہیت اور اپنی مبالغہ آمیز فطرت کی بنا پر تصنیف کی گئی تھیں یا سچ مچ اظہار عقائد باطلہ ان کہانیوں سے مقصود تھا۔

کہانیوں کے سننے کا مذاق نہ صرف ایرانیوں میں بلکہ عربوں میں بھی پایا جاتا ہے مگر دونوں قوموں کی کہانیوں میں بعد المشرقین ہے۔ عربوں کی کہانیوں میں شجاعت، جذبات فطری، گھوڑوں کی تعریف، میدان کارزار کے صحیح نقشے، مہمان نوازی، اور رواداری قومی کا پورا رنگ معلوم ہوتا

ہے۔ برخلاف ایرانیوں کے اِن کہانیوں میں کُل خلافِ فطرت باتیں تخیل کی تیز روی۔ خیالات آفرینی اور کذب محض کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہاں لفاظی اس بلا کی ہوتی ہے کہ العظمۃ للہ۔

عرب بالطبع شاعر پیدا ہوئے ہیں، اِس لحاظ سے اِن کا علم ادب تمام دنیا سے زیادہ لطیف ہے، بادشاہ سے لیکے سپاہی اور فقیر تک اور فلسفی سے لگا کے ایک جاہل تک سب کے سب شاعر ہوتے ہیں لہذا کہہ سکتے ہیں اگر عربوں اور کل قوموں کے مسلمانوں کے اشعار جمع کئے جائیں۔ تو تمام دنیا کی نظموں سے بڑھ جائیں۔

عجیب تماشہ ہے کہ ترک و مغل جب تک مُسلمان نہ ہوئے اِن میں خال ہی خال کوئی شاعر دکھائی دیتا ہے، مگر جب مسلمان ہوئے تو قوم کی قوم شاعر بن گئی۔ مثلاً قسطنطنیہ کے کل سلاطین شاعر ہوئے ہیں، یہاں تک کہ معزول سلطان عبدالحمید خان، اور موجودہ سلطان بھی خاصے اچھے شاعر ہیں۔ اِنکی شاعری ایرانی گل و بلبل اور استعارات وغیرہ سے بری ہے۔ فطری مضامین جن میں انسانی جذبات کا اظہار ہوتا ہے اِنکی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سلیمان اعظم سلطان ترکی کے چند اشعار کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ جس سے ترکی سلاطین کی حق پسندی کا پورا اظہار ہو جائیگا سلیمان کہتا ہے۔

جانتا ہوں میں کہ بیشک زندۂ جاوید ہوں	میری شہرت ثبتِ انجم ہے نہیں جسکو فنا
فتح کر لیتا میں آسانی سے ہفت اقلیم کو	گر زمانے میں نہ ہوتا کوئی مجھسا دوسرا
کیا کہوں پڑتی میری تقدیر میں سختی بہت	اور صدمے ملو تھی اُن لوگوں سے جنمیں زور تھا
یوں تو حاصل کرنے کو حاصل کیا میں نے سبھی	پر نہ سمجھوں گا کہ قسمت کا تھا میں کچھ لاڈلا
میری ہمت میں تھی وہ جرأت کہ جسکے زور سے	میں نے قسمت کو بھی استقلال سے پسپا کیا
اِس سے لی وہ چیز جس سے صاف انکار اسکو تھا	گو خوشامد میں دقیقہ کوئی بھی چھوڑا نہ تھا۔

مطلب یہ ہے کہ عرب ہوں یا ترک یا شامی کسی کا لٹریچر ایسا مبالغہ آمیز اور منظاہر فطرت سے

اور ستعارے پیدا ہونے لگے اور اخیر یہ رنگ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ واقعات کی کتابیں قصّے اور کہانیوں کی کتابیں بن کے رہگئیں اور آج جو شخص اِن کتابوں کو پڑھتا ہے اُسے بالکل مشرقی فسانہ معلوم ہوتا ہے اور ایسا مشرقی فسانہ کہ جو کتابیں قصّے کہانیوں کی بھی لکھی گئی ہیں وہ اسکے مبالغہ، کذب محض، اور تخیل کے آگے پانی بھرتی ہیں۔

مثلاً کتاب بحار الانوار جس شخص نے ترتیب دی ہے اُس میں فسانہ نویسی کی پوری قوت اور پورے قواعد کا اِس بے باکی اور زور کے ساتھ اظہار کیا ہے کہ وقائع نگاری کا خفیف سا رنگ بھی اتنی لمبی چوڑی کتاب میں کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ یہ نہ صرف واقعات ائمہ کی ایک کتاب ہی بلکہ شیعی دنیا میں اِس فسانہ کی وقعت میں ایسا مبالغہ کیا گیا ہے کہ اُسے معاذاللہ قرآن مجید سے بھی زیادہ عظمت دیدی گئی ہے۔ حالانکہ ایک صاف اور نتھرا ہوا فسانہ ہی، اور ایسا فسانہ ہے جس میں نہ صرف مبالغہ سے ہر واقعہ کو بیان کیا ہے بلکہ کذب محض کی انتہا سے گذر کے ایک وہ شاہراہ کھولی گئی ہی جہاں اتہامات کا ساز و سامان۔ طوفانوں کے جھکڑ، تخیل کی آندھیاں، انسانی خیال آفرینیوں کی باد تند کے سوا اور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اِس کے مقابلہ میں مشرق یعنی ایرانی قصوں کی ماں "بوستان خیال" کو رکھا جائے تو اسکی کوئی وقعت نہیں رہتی۔

بوستانِ خیال میں تو بعض باتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کے صحیح ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے یعنی یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ایسے واقعات دنیا میں اِس نیلی چھت ستاروں اور سیاروں کی روشنی اور چاند سورج کے دور میں ہونے ممکن ہیں۔ مگر بحار الانوار میں افسوس ہے کہ ایسی ایک بات بھی نظر نہیں آتی کہ جس کا امکان میں ہونا مانا جائے۔ ہاں چند باتیں بیشک مستثنی بھی ہیں مثلاً قصہ کے ہیرو کا نام۔ پیدائش اور موت، صرف اِن تین باتوں میں "بحار الانوار" صحیح ہونے کے لحاظ سے بوستانِ خیال سے ممتاز ضرور ہے۔ اب رہا شاعرانہ مبالغہ اور فسانہ نویسی کا زور شور اس میں تو جیسا ابھی لکھا جا چکا ہے "بحار الانوار" ایک ایسا امتیازیہ درجہ رکھتی ہے کہ بوستانِ خیال اسکی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی، مثلاً "بحار الانوار" میں حضرت علی کے حل اور

پیدائش کا ذکر ہے۔ اگر آپ ایسا کوئی فسانہ جو کذب محض اور خلاف فطرت باتوں سے پُر ہے بوستانِ خیال میں نکال دیں تو ہم قائل ہو جائیں۔ حمل کا زمانہ تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت علی اپنی ماں فاطمہ کے پیٹ میں تھے تو ایک دن رسول اللہ گھر میں چلے آئے کہ یکایک آپ کو آواز آئی کہ "السلام علیکم یا رسول اللہ" (حالانکہ ابھی تک آپ رسول نہیں بنے تھے) بی بی فاطمہ یعنے حضرت علی کی والدہ ماجدہ سخت پریشان اور متحیر ہوئیں کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ رسول اللہ نے فرمایا تم ڈرو نہیں اور حیران نہ ہو میرا بھائی پیٹ میں سے مجھے سلام کر رہا ہے۔ پھر جب حضرت علی پیدا ہوئے تو آپنے پیٹ میں سے نکلتے ہی اسی طرح رسول اللہ کو عربی کی صاف زبان میں سلام کیا اور کہا کہ گزشتہ انبیاء کے کل صحف مجھے زبانی یاد ہیں۔ چنانچہ نمبروار ہر صحیفہ سُنانا شروع کیا جب زبور، توریت، انجیل، وغیرہ سُنا چکے تو پھر قرآن مجید سنانا شروع کیا۔ اور ابھی آنول نال کٹنے نہ پائی تھی کہ سارا قرآن مجید ازبر سنا دیا۔ رسول اللہ کل صحفِ انبیاءؑ اور قرآنِ مجید سُن کے بہت خوش ہوئے اور کہا دیکھو یہی میرا وصی اور یہ ہے میرا بھائی، آپنے ملاحظہ فرمایا۔ ایسا قصہ اگر آپ ایکبار نہیں بلکہ کئی بار بوستانِ خیال کی ورق گردانی کرینگے جب بھی اُس میں نہیں ملنے کا آب اس سے بھی زیادہ اور کہانی سُنئے یہ کمال تو حضرت علی نے اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی دکھایا مگر جب کہ سارا عالم پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو حضرت علی موجود تھے اِسکے بعد آپنے کل انبیا کو اُنکی مصیبت میں مدد دی۔ نوح کی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا، اور ایک جن جو نوح کی کشتی کو ڈبوتا تھا آپنے ذوالفقار کے ایک ہاتھ سے اُسکا بازو قلم کر دیا۔

روایت یوں بیان کی گئی ہو کہ ایک دن حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ایک جن حاضر ہوا اور اُس نے بلجاجت عرض کیا کہ میں آپکے وصی، آپکے بھائی اور آپکے جانشین سے قصور معاف کرانے آیا ہوں۔ رسول اللہ نے ارشاد کیا تو نے اُس کا کیا قصور کیا ہے اُس نے نوح کی کشتی ڈبونے کا سارا واقعہ بیان کر دیا اور اپنا کٹا ہوا بازو دکھایا۔ کہ اتنے میں حضرت علی بھی

نے ایک سالانہ مشاعرہ قرار دیا تھا، جہاں عربستان کے کل اطراف وجوانب سے شاعر جمع ہوتے تھے۔ یہ جلسہ عکاظ میں جو طائف کے قریب اور مکہ سے تین دن کی راہ پر ایک قصبہ ہے منعقد ہوا کرتا تھا۔ اِس مشاعرہ میں جو کلام سب میں عمدہ ہوتا وہ بیش بہا چیزوں پر سونے کے حرفوں سے لکھکر خانہ کعبہ میں آیندہ پشتوں کے لیئے لٹکا دیا جاتا تھا۔

آنحضرت کی بعثت سے ماقبل کی صدی میں عربستان کی شاعری کا اعلیٰ عروج ہوا۔ اِس عروج کا نتیجہ یہ تھا کہ شاعروں کی صاف اور خالص زبان تمام ملک میں پھیل گئی اور عربستان کے مختلف محاورات آپس میں ملکر ایک مستقل زبان بن گئی۔

خانہ کعبہ میں عمدہ کلام عرب لٹکانے کی رسم کے بدولت ہم تک وہ سات مشہور قصائد پہنچے ہیں جن کو "سبعۂ معلقہ" کہتے ہیں۔ ان میں شعرائے عربستان کے بہادروں اور ریگستان کی سختیوں اور بدویوں کی معاشرت وغیرہ کا بیان کیا ہے۔

طرفہ کے کلام میں جو یہاں نقل کیا جاتا ہے انسانی زندگی کی وہ تصویر ہے جسکو فلاسفہ اور دہریئے بھی قبول کریں گے۔

وہ انسان جو اپنی شجاعت اور سخاوت سے خاندان کی نام آوری کرے اُسے حق ہے کہ جب تک زندہ رہے دنیاوی نعمتوں سے پورا تمتع حاصل کرے۔ اگر موت کل آ دبوچے تو تجھے معلوم ہوگا کہ ہم دونوں میں سے کون ہوا و ہوس کی پیاس نہ بجھانے پر افسوس کرے گا۔ میری نظروں میں کسی بخیل کی قبر میں جس نے اپنا مال و دولت جمع کیا ہو اور ایک خراج کی قبر میں جس نے اپنی دولت اُڑا دی ہو کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ دونوں ایک تو وہ خاک سے ڈھکے ہوئے ہیں اور دونوں کے اندر بڑی بڑی پتھروں کی سلیں رکھی ہوئی ہیں۔

"میری نظروں میں زندگی ایک ذخیرہ ہے جس میں سے ہر شب کچھ کچھ کم ہوتا جاتا ہے پس وہ ذخیرہ جو ہر روز گھٹتا جاتا ہے۔ ایک دن بالکل تلف ہو جانے والا ہے۔

موت انسان کو اسی طرح چھوڑ دیتی ہے جیسے اُونٹ کے پیر میں رسی باندھکر اُسے چرنے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لیئے اُس نے آزادی بھی دے دی تو یاد رکھنا چاہیئے کہ رسی کا

سرا اُسی کے ہاتھ میں ہے"

میں اِن عجیب خیالات کے بعد حماسہ کی نظم نقل کرتا ہوں جسکو پیل گریو نجد سے لایا۔ اس کی تصنیف کا زمانہ معلوم نہیں لیکن مثل اُس نظم کے جو اوپر لکھی گئی اس سے بھی ایک عرب جوان مرد کے خیالات معلوم ہوتے ہیں۔

"میں اپنے نفس سے اُس وقت کہتا ہوں جب اُس پر جنگ کی کیفیت چھا گئی ہو تُف تجھ پر بہادروں سے نہ ڈر، اگر تو اپنے وقتِ معین سے ایک دن بھی زیادہ چاہے تو ہرگز نہ ملیگا۔ پس صبر کر صبر کر، اِس موت کے بازار میں دُنیا میں ہمیشہ رہنا محال ہے، مدت تک جینا بہادروں کے لیئے کوئی فخر کی بات نہیں ہے، یہ وہ جامہ ہو جو بزدلوں اور کمزوروں ہی کو زیبا ہے۔ ہر ایک ذی رُوح کا انجام موت ہے، اور ایک دن موت کل مخلوقات کے لیئے ہے جو لڑائی میں نہ مرا وہ بڈھا اور کمزور ہو جاتا ہے اور موت اُس کا یوں ہی کام تمام کر دیتی ہے، زندگی انسان کے لیئے بے فائدہ ہے جب کہ وہ سب کی نظروں سے گر جائے اور کسی مصرف کا نہ رہے"

کل تمدنِ عرب کے زمانہ میں شاعری کا چرچا رہا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی اُس عروج پر نہ پہنچی جو اُس نے جاہلیت میں حاصل کیا تھا۔ تمام تعلیم یافتہ لوگ خواہ مدبرین ملک ہوں یا ریاضی داں یا طبیب سب میں شاعری کا جز شامل تھا، اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اکیلے عربوں کا منظوم کلام تمام دُنیا کے منظوم کلام کے برابر ہے، اُنھیں نظم کا اسقدر شوق تھا کہ وہ بعض اوقات فقہ اور فلسفہ، اور جبر و مقابلہ کو بھی نظم ہی میں لکھتے تھے اور اُنکے اکثر قصص و حکایات میں نظم و نثر ملی ہوئی ہے۔

اِس وقت کی تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ردیف و قافیہ یورپ میں عربوں ہی سے

ؔ قطری بن الفجاۃ کے اشعار باب الحماسہ میں۔ ان کا پہلا شعر یہ ہے۔

اقول لھا وقد طارت شعاعا ٭ من الابطال ویحک لا تراعی ٭

ہی سے آیا۔ اس خیال کی جسے پہلے رئیس الاساقفہ ہولسے نے بیان کیا موسیو ویاردا اور دوسرے مصنفین کی تحقیقات سے تصدیق ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ اندلس اور پرووانس کی شاعری کا ماخذ عربوں کی شاعری ہے، یہ رائے مجھے اسقدر درست معلوم ہوتی ہے جیسی مسبوق الذکر رائے لیکن اسکے کافی ثبوت میں ایسی طویل بحث کرنی پڑیگی جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔

قصص و حکایات علاوہ نظم کے ہر قسم کے ادب یعنی سرگذشتوں کے فسانے عشق کی حکایات بہادری کی داستانوں وغیرہ کا عربوں کو بہت شوق تھا، ان کہانیوں میں اشخاص کی ذاتی خصوصیات بہت کم دکھائی گئی ہیں، لیکن ان عجیب و غریب واقعات کی وجہ سے جو ان میں بیان ہوئے ہیں پڑھنے میں نہایت دلچسپ ہیں۔ عربوں کا تخیلہ اسقدر قوی تھا کہ انہوں نے جس چیز کو ہاتھ لگایا اُسے جلا دے دی۔ بہادری کی داستانوں کے توفی الواقع عرب ہی موجد ہیں، موسیو سدیو لکھتے ہیں وہ اندلس میں شاعرانہ شاعری کو قصص و حکایات میں ختم کرتے تھے، مسلمان ہمیشہ بڑے داستان گو ہوا کرتے تھے شام کو یہ اپنے خیموں میں عجیب حکایات سننے کے لیئے جمع ہو جاتے تھے اور بعض وقت جیسا غرناطہ میں دیکھا گیا داستان کے ساتھ ہی گانا بجانا بھی ہوتا ہے، اس زمانے کی کہانیاں جو عربی سے ترجمہ ہوئی ہیں یا عربی کی طرز پر لکھی گئی ہیں اس زمانہ کی تجربات کی سچی تصویر کھینچتی ہیں، نیزہ سے چھلے کا اٹھانا۔ سانڈوں کا لڑانا۔ مسلمان اور عیسائیوں کی مصنوعی جنگ۔ سرداروں کے ناچ اور تماشے اور عورتوں کیساتھ وہ سپاہیانہ اخلاق جس نے اندلس کے مسلمانوں کو تمام یورپ میں مشہور کر دیا تھا ان سب کا بیان ان نظموں میں ہوتا ہے۔"

منجملہ عربی قصص و حکایات کے مقامات حریری، اور مقامات بدیع ہمدانی، اور الف لیلہ کا ذکر کرنا ضرور ہے۔ حریری کے مقامات تمام مشرق میں مشہور ہیں۔ حریری ۱۰۵۴ء عیسوی میں بصرہ میں

پیدا ہوا، اور ۱۲۱۳ء میں وہیں اُسنے وفات پائی، یہ اپنی صدی کے علما میں بڑی شہرت رکھتا تھا پیارس کے دولتی کتب خانہ میں اور موسیو شیفر کے پاس مقامات حریری کے باتصویر عمدہ نسخے موجود ہیں۔

ہمدانی بھی جسکی وفات کا زمانہ ۱۰۰۷ء عیسوی ہے مقامات کے لکھنے میں بڑی شہرت حاصل کی ہے اُس کا حافظہ ایسا قوی تھا کہ وہ ایک پورے قصیدے کو ایک بار سُننے کے بعد حفظ سنا سکتا تھا ہمدانی کی زبان بھی نہایت پاکیزہ اور محاوروں کے لحاظ سے اُس کا کلام عمدہ ہے۔

قصص و حکایات کی کتابوں میں سب سے زیادہ عجیب و مشہور الف لیلہ و لیلہ ہے۔ اس کتاب کی اصلیت کی بابت بہت کچھ گفتگو ہوئی ہے اور اس وقت یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مختلف زبانوں کے لکھے ہوئے قصوں کا مجموعہ ہے۔ اِس کے بعض حصہ دسویں صدی کے ماقبل کے ہیں جیسا کہ مسعودی کی مروج الذہب سے جو اُسی زمانہ کی تصنیف ہے معلوم ہوتا ہے، اس میں ہندی اور ایرانی الاصل کہانیاں بھی ہیں لیکن اس کا بڑا حصہ تیرھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں مصر کے عربوں نے لکھا۔ وسیو وائل جو ہائڈل برگ میں مشرقی السنہ کے اُستاد ہیں اپنے جرمن ترجمہ الف لیلہ کے مقدمہ میں جو اُنھوں نے اصل عربی سے کیا ہے لکھتے ہیں کہ بلا شک و شبہ الف لیلہ کی زیادہ تر حکایات عربی ہیں۔ اور یہ حکایات بالکل اُن سے علیحدہ ہیں جو اوائلِ سنین اسلام میں ایران و ہندوستان کی کہانیوں سے جمع کی گئی تھیں۔

یہ مجموعہ باوجود تین عیوب کے دنیا کی بہت ہی دلچسپ کہانیوں میں ہے اور میں اسقدر کہوں گا کہ یہ جتنا دلچسپ ہے اُسی قدر معلومات کا ذخیرہ بھی ہے اور اس سے عربوں کے عادات اور اوضاع اور خاص زبانوں میں اُنکے محسوسات و خیالات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

وہ کہانی جو بطور مقدمہ کے لکھی گئی ہے اوضاع و اطوار کے لحاظ سے بہت ہی عجیب ہے۔ اُس سے مشرقیوں کی طرز خیال اور اُن کا جلد متاثر ہو جانا اور اُن کی رائے عورتوں وغیرہ کی نسبت

صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کسی قوم کی حکایات و روایات اُس قوم کی اسنادیں ہیں جن سے تاریخ نے آجتک پورا کام نہیں لیا اور تھوڑے ہی دنوں سے ہم انکی عظمت و وقعت سمجھنے لگے ہیں۔ ہماری اُس کتاب میں جس میں تترا کے پہاڑوں کے عجیب باشندوں کے حالات جمع کئے گئے ہیں ہم کو اُنکے قومی گیتوں اور کہانیوں سے اِس قوم کے آباوا جداد کے طرز خیال کا بہت پتا لگا۔ کیونکہ اُنکی واقعی تاریخ اب تک نہیں لکھی گئی۔

حکایات و امثال۔ حکایات اور پند و امثال مشرقیوں کو نہایت مرغوب ہیں۔ یہ اُس قسم کا کلام ہے جو انسان کی فہم سے خطاب کرتا ہے اور آسانی سے یاد رہتا ہے برخلاف اسکے منطقی استدلال سے طبیعت اُکتا جاتی ہے اور وہ جلد بھول بھی جاتے ہیں۔

سب سے مشہور حکایت لکھنے والا وہ خیالی شخص لقمان ہے۔ قرآن میں اُسکی عقلمندی کی مثال دی گئی ہے، بعض مصنف اِس کو حضرت داؤد کا اور بعض حضرت ابراہیم کا ہمعصر ٹھیراتے ہیں، اور بعض کا یہ بیان ہے کہ جس لقمان نے حکایات لکھی ہیں اُس کا زمانہ آنحضرت کے بعد تھا۔ لقمان کی حکایتیں ایساپ[1] سے اسقدر مشابہ ہیں کہ ممکن ہے کہ اُسی سے لی گئی ہوں، یا یہ کہ ان دونوں کا ماخذ ایک ہی ہو۔

عربوں میں امثال بکثرت ہیں اور اندلس اور یورپ نے اِن میں سے بہت سی امثال کو اخذ کیا ہے، ایک بہت بڑا حصّہ اُن حکیمانہ اقوال کا جو سینکوپینزا[2] کی زبان سے بیان کیا گیا ہے مسلمانوں

---

[1] ایساپ یہ شخص اُن مشہور حکایات کا لکھنے والا ہے جو اسکے نام سے آجتک معروف ہیں کہتے ہیں کہ یہ غلام تھا اور آزاد ہونے کے بعد کریسش لائی ڈیا کے بادشاہ نے اسکی بڑی قدر کی سال پیدایش ۶۱۹ قبل مسیح سال وفات ۵۶۴ قبل مسیح

[2] اسپینی زبان میں ایک نہایت مشہور قصہ ڈان کوئک زوٹ کا ہے جو زمانہ متوسط کا ایک سردار ہے بہادر جسکی بہادریوں کے بیان میں کتاب لکھی گئی ہے۔ سینکوپینزا اسی سردار کا نوکر ہے اور گدھے پر سوار رہتا ہے اور ہر وقت اسکی زبان پر ٹلیں اور حکیمانہ اقوال رہتے ہیں۔

سے ماخوذ ہے۔

تو ہیپولی اس کی کتاب سے چند امثال کو نقل کرتے ہیں جن سے اِن اقوال کا اندازہ ہوسکیگا

"مکھی کے پر کے نیچے زندہ رہنا قبر کے سونے سے بہتر ہے"

"جو کچھ کرنا ہے جوانی میں کر لے۔ زندگی بس ایک پل کی ہے"

"اپنے رنج کو آج دور کر لے نہیں معلوم کل کیا ہوگا"

"اگر تو لوہار کے پاس کھڑا ہوگا تو تیرے کپڑوں کو کالک لگے گی"

"اور اگر عطار کی دکان پر کھڑا ہوگا تو کپڑے معطر ہو جائیں گے"

"عشق وہ چیز ہے جو ایک سوکھی ہوئی لکڑی کے ٹکڑے پر بھی سُلگ اُٹھتا ہے"

"جو کسی عورت کے حُسن پر شادی کرے وہ بیوقوف ہے اور جو زر کے لیئے شادی کرے وہ لالچی ہے مگر جو کوئی اِس کی عقل و فہم پر شادی کرے وہی اصل شوہر ہے"

"اگر عورت تجھے چاہے تو بند دروازے کو تیرے لیئے کھول دے اور اگر نہ چاہے تو مکڑی کے جالے سے لوہے کی دیوار کھڑی کر دے"

"ایک متوسط حالت خاطر جمعی کے ساتھ اُس دولت سے بہتر ہے جو رنج کے ساتھ ہو"

"جس مُنہ سے بات ظاہر نہ ہو اُس میں مُھنگا بھی نہیں جا سکتا"

"خوش تدبیری نصف زندگی ہے بلکہ کہتے ہیں پوری زندگی بھی ہے"

"تبسم ہی سے تبسم پیدا ہوتا ہے۔

"جس درخت میں گلاب ہوتا ہے اُسی میں کانٹے بھی ہوتے ہیں"

"مشورہ اُس سے کر جو تجھے رُلائے اور اُس سے نہ کر جو تجھے ہنسائے"

"موقع پر کام کرنا ہی کامیابی ہے"

"تین نعمتیں ہیں جو تین صفتوں کے برابر ہیں۔ حُسن۔ تقویٰ۔ اور عفت۔

" دو شخص ہیں جو کبھی زیر نہیں ہوتے، وہ شخص جسکو علم ہو۔ اور وہ شخص جسکے پاس مال ہو"
ڈاکٹر "موسیو لیبان" کا بیان ختم ہو گیا۔ اسے پڑھکے آپنے یہ نتیجہ ضرور نکالا ہوگا کہ عربی علم ادب اور خصوصاً ایرانی علم ادب میں بعد المشرقین ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اگر ایرانی خیال آفرینی کی تگ و دو محض قصوں اور فسانوں تک ہی محدود رہتی تو چنداں شکایت نہ تھی۔ مگر اس فسانہ نویسی کے مذاق اور آسمان و زمین کے قلابے ملانے کے اندھے شوق نے عقائد اور پاک مذہب پر بھی دست درازی کی اور قریب قریب بتدریج سارے مذہب کو فسانہ اور دیو و پری کے قصوں کا مذہب بنا دیا۔ ائمہ کی کسی انسانی صفت کا تذکرہ کرنا گناہ کبیرہ خیال کیا گیا، ہر ایک فرضی یا اصلی امام کو مافوق الفطرت کا ایسا لباس پہنایا جس سے اُسکے انسانی خال و خط پنہاں ہو گئے۔

ایک بیچارے ملا باقر مجلسی پر کیا موقوف ہے وہ مجتہد اور ائمہ جن کا ایک ایک لفظ قرآن کریم کے الفاظ سے زیادہ وقیع سمجھا جاتا ہے۔ اور جن کی کتابوں پر مذہب شیعہ کا بالکل دار و مدار ہے اُنھوں نے بے پر کی اُڑانے میں ملا باقر مجلسی کے بھی کان کترے ہیں۔ مثلاً ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الرازی الکلینی جو شیعی دنیا کے اماموں مجتہدوں اور فضلا میں سب سے زیادہ نامور ہے اور جس کے نام پر کل شیعہ عالم گردنیں جھکاتے ہیں۔ اپنی کتاب کافی میں جو اُصول الکافی کے نام سے پکاری جاتی ہے حسب ذیل کہانیاں تحریر کرتا ہے۔ فی الواقع جن کہانیوں نے ملا باقر مجلسی کو بھی شرما دیا ہوگا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

یعقوب کلینی کی پہلی کہانی

حضور انور ایک مردے کی قبر میں

یعقوب کلینی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی روتے ہوئے رسول اللہ کے پاس آئے آپنے رونے کا سبب دریافت کیا وہ کہنے لگے کہ میری ماں فاطمہ کا انتقال ہوگیا ہے، یہ سُنتے ہی رسول اللہ حضرت علی رضؓ کے ساتھ اُنکے مکان میں آئے اور غسل دینے والی عورتوں کو حکم دیا کہ جس وقت تم نہلا چکو مجھ سے کہدینا۔ چنانچہ اُنھوں نے فارغ ہوکے اطلاع دی کہ ہم اپنا کام کر چکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن کے لیئے اپنا پیراہن عنایت کیا اور کہا کہ اس سے کفناؤ۔ یہ حکم دیکے رسول اللہ نے موجودین سے ارشاد کیا کہ آج میں وہ کام کروں گا جو پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ جب میں وہ کام کر چکوں پھر تم مجھ سے دریافت کرنا کہ یہ کام کیوں کیا اُس وقت میں تمھیں اس کا جواب دیدونگا۔

قصہ مختصر یہ کہ جب فاطمہ کفنا بھی چکیں تو حضور انور کو خبر کی گئی۔ آپنے کل عورت و مردوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور تن تنہا فاطمہ والدہ حضرت علی کا تابوت اپنے کندھوں پر اُٹھا کے گورستان کی طرف چلے اور قبر پر پہنچ کے اس تابوت کو قبر کے کنارے پر رکھدیا۔ اور پھر قبر میں پہلے آپ اُتر کے لیٹ رہے۔ تھوڑی دیر تک آپ قبر ہی میں سویا کیئے۔ پھر بیدار ہوئے قبر سے نکلے اور تابوت قبر میں اُتارا۔ اور پھر دوبارہ خود بھی قبر میں اُتر گئے اور اب مُردے سے چُپکے چُپکے آپ کی باتیں ہونے لگیں۔ پاس کھڑے ہونے والے کو صرف اتنا سُنائی دیا "تمھارا بیٹا تمھارا بیٹا" بس سوا اس کے اور کوئی آواز نہیں آئی۔ باتیں کرکرا کے باہر نکل آئے اور قبر پاٹی گئی، جب اس سے فارغ ہوئے تو آپنے قبر کی طرف رُخ کرکے کہا یا اللہ میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں اتنا کہنے اور کرنے کے بعد آپ واپس چلے آئے۔

حسب الحکم لوگوں نے دریافت کیا رسول اللہ شتاب ہے کہ یہ کام جو بھی آپنے نہ کئے تھے انکے کرنے کا کیا سبب تھا۔ آپنے اول تو فاطمہ بنت اسد یعنی حضرت علی کی والدہ کے احسان بیان کیئے کہ اسنے اپنی زندگی میں میرے ساتھ یہ یہ کیا اور پھر کہا فاطمہ قبر رہی تھی

کہ قیامت میں عام مخلوق کے ساتھ کہیں میں بھی برہنہ نہ اٹھوں کیونکہ قیامت میں سب ننگے مادر زاد اٹھیں گے جیسا اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، تو یہ خوف فاطمہ نے ظاہر کیا میں نے اسے تسکین دیدی کہ اللہ اس سے تیری حفاظت کریگا تو رنجیدہ خاطر نہ ہو فقط (از الصافی شرح اصول الکافی کتاب الحجۃ جزء سوم حصہ ۲ صفحات ۱۷۸ و ۱۷۹ مطبوعہ نولکشور)

یعقوب کلینی کی دوسری کہانی

حضور انور کی پیدائش

امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلعم پیدا ہوئے تو آمنہ کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے گئے اور انھوں نے اسیوقت فارس و شام کے محلات دیکھ لئے کہ اتنے میں فاطمہ بنت اسد آئیں۔ آمنہ نے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ یہ سن کے خوشی خوشی اپنے شوہر ابوطالب کے پاس آئیں اور ساری کیفیت بیان کی۔ ابوطالب نے کہا تعجب کی کیا بات ہے تم خوش ہو کہ تم بھی ایک بچہ جنوگی جو اس بچہ کا وصی بھی ہوگا اور مددگار بھی ہوگا (از کتاب مذکور صفحات ۱۸۵ و ۱۸۶)

یعقوب کلینی کی تیسری کہانی

(علی کا مردے سے سوال و جواب) جعفر صادق فرماتے ہیں بنو مخزوم کا ایک جوان حضرت علی کے پاس آیا اور کہا میرے جوان بھائی کا انتقال ہوگیا ہے جس سے میں بہت رنجیدہ ہوں علاوہ اسکے وہ کافر کی موت مرا ہے حضرت علی نے فرمایا کیا تو اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتا ہے اسنے کہا ہاں۔ آپنے فرمایا میرے ساتھ چل اور اسکی قبر کا پتا بتلا چنانچہ وہ ساتھ ہولیا اور حضرت علی کو اپنے بھائی کی قبر پر جاکر کھڑا کردیا حضرت علی رسول اللہ کی چادر اوڑھے ہوئے تھے قبر کے پاس کھڑے ہو کے کچھ پڑھنے لگے پھر قبر پر لات ماری کہ قبر شق ہوگئی اور مردہ زندہ ہو کے باہر نکل آیا اور زبان مجوسی میں باتیں کرنے لگا۔

امیر المومنین نے کہا تو تو عربی النسل تھا۔ اُسنے کہا ہاں۔ مگر میرا ساتھ ایک ایسی جماعت کا ہو گیا تھا جو ابوبکر و عمر پر ایمان رکھتی تھی فقط (کتاب مذکور صفحہ ۱۸۶)

یعقوب کلینی کی چوتھی کہانی

حضرت علی نے اپنی بیوی کو غسل دیا

ایک شخص نے امام جعفر صادق سے پوچھا، کہ فاطمہ زہرا کو کس نے غسل دیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ خود حضرت علی اُنکے شوہر نے، کیونکہ علی بھی معصوم تھے اور فاطمہؓ بھی معصوم تھیں، کوئی غیر معصوم معصوم کو کیونکر غسل دے سکتا ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱۹۱)

یعقوب کلینی کی پانچویں کہانی

چوبیس منہ والا فرشتہ

امام موسیٰ کاظم کہتے ہیں کہ ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ایک فرشتہ آیا جس کے چوبیس منہ تھے، رسول اللہؐ نے فرمایا اے میرے دوست جبریلؑ میں نے تجھے کبھی اس صورت میں نہیں دیکھا، اُس نے کہا میں جبریل نہیں ہوں، بلکہ ایک دوسرا فرشتہ ہوں میں نور کو نور کے ساتھ جفتی لڑانے آیا ہوں، رسول اللہ نے پوچھا کس کے نور کی کس کے نور کے ساتھ جفتی لڑائے گا۔ فرشتہ بولا، فاطمہؓ کے نور کی علی کے ساتھ، چنانچہ فرشتہ نے اپنا کام کر لیا، پھر وہ فرشتہ رسول اللہ کے دونوں شانوں کے بیچ میں کچھ لکھنے لگا۔ دریافت کیا گیا کہ کیا لکھتا ہے۔ اُسنے کہا کہ یہ عبارت "علی آپکے وصی ہیں"، رسول اللہ نے فرمایا کتنی مرتبہ پہلے یہ عبارت لکھی جا چکی ہے، فرشتہ بولا آدم کی پیدائش سے ۲۲ ہزار سال پہلے بھی آپکے دونوں شانوں کے بیچ میں یہ عبارت لکھی جا چکی ہے۔ (از کتاب مذکور صفحہ ۱۹۳)

یعقوب کلینی کی چھٹی کہانی

حارث نامی شیر ببر

جب امام حسین میدانِ کربلا میں قتل ہوئے تو فضہ نامی لونڈی نے امام حسین کی بہن زینب سے کہا، بیگم صاحبہ میں ایک کشتی میں بیٹھی ہوئی آ رہی تھی کہ وہ کشتی ٹوٹ گئی۔ اور میں کشتی کے ایک تختہ پر بہکے کسی جزیرہ پر نکل گئی، وہاں مجھے ایک شیر ببر ملا۔ وہ مجھے دیکھ کے ڈکارنے لگا، اور میرے آگے آگے ہو گیا۔ میں سمجھی کہ وہ کہتا ہے میرے پیچھے پیچھے آ، چنانچہ میں پیچھے ہولی۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک اور شیر سوتا ہے، میں نے کہا کہ اے ابوالحارث تجھے معلوم ہے کہ میں حسین کی لونڈی ہوں، حسین کی لاش میدانِ جنگ میں بے گور و کفن پڑی ہے۔ شامیوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ کل اس لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندیں۔ شیر اٹھا اور میرے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ اس وقت اس کی گرج اور دہاڑ تا بھی کم ہو گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ میدانِ جنگ میں آیا، اور امام حسین کی لاش پر اپنے دونوں پنجے جما کے بیٹھ گیا کہ دوسرے روز حسب قرار داد شامی سوار آئے کہ لاش کو روند ڈالیں۔ مگر جوں ہی انھوں نے شیر کی صورت دیکھی حواس باختہ ہو کے بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح امام حسین کی لاش روندنے اور پامال ہونے سے بچ گئی، فقط

یہ عجیب و غریب کہانی ہے اور اس کہانی کا ہیرو فضہ نامی چھوکری کو بنایا گیا ہے جو شیر کو جنگل سے بلا لائی۔ کہانی اپنی کذب بیانی کی چونکہ خود شہادت دیتی ہے اس لیئے اس پر رائے زنی کرنی فضول ہے، صرف میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ امام حسین یا بی بی زینب یا خود حضرت علی کی کوئی لونڈی فضہ نامی نہ تھی، نہ اول نہ بعد بہانتک میں دعوے سے کہتا ہوں کہ خاندان ابن ابی طالب کا تو ذکر نہیں مدینہ بھر میں اس نام کی کوئی لونڈی کسی کے گھر میں نہ تھی، ایک

دل جلا اور مزخرافات سے بولایا ہوا او بدا کے یہ سوال کرسکتا ہے وہ کمبخت ابوالحارث اس وقت کہاں مرگیا تھا کہ جب شامیوں نے بقول شیعی ائمہ حضرت امام حسین کو قتل کیا ہے، بدنصیب شیر آیا تو لاش ہی بچانے آیا، (از کتاب مذکور صفحہ ۲۰۲)

یعقوب کلینی کی ساتویں کہانی

جبریلی بشارت

خداوند تعالیٰ نے جبریلؑ کے ذریعے سے یہ بشارت دی کہ فاطمہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا مگر تمہاری امت اسے قتل کردیگی، بی بی فاطمہ نے سخت دلگیری کے ساتھ اس پیغام کو سنا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کے اپنی دلگیر بیٹی کو کہلا بھیجا کہ قتل ہونے کا مضائقہ نہیں ہے جبکہ اسکی اولاد میں امامت، ولایت، اور وصیت رہے گی، لہٰذا اس بنا پر میں اس لڑکے (یعنی حسین) کے قتل پر راضی ہوں، چنانچہ آپ حاملہ ہوئیں اور نو مہینے کے بعد حسین پیدا ہوئے، ایک سال اور آٹھ مہینے تک آپ دودھ پلاتی رہیں۔ مگر اس دوران میں آپ دلگیر رہیں اور غم سے ایک لمحہ آپ کو چھٹکارا نہ ہوا۔ از کتاب مذکور یعنی الصافی شرح اصول الکافی، کتاب الحجۃ جز سوم حصہ ۲ صفحہ ۲۰۰)

اس بشارت کی خبر غالباً امام حسین اور انکے بال بچوں اور ساتھیوں کو نہ تھی کہ وہ کربلا نہ جاتے یا شامی سپاہ سے یہ نہ کہتے کہ ہمیں مدینہ، روم، یا ہندوستان واپس چلا جانے دو اور جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ نہ گزرتے، کیونکہ امام حسین جب مدینہ سے مکہ آئے ہیں اور اپنے بھائی کو ہنگامہ برپا کرنے کے لئے کوفہ بھیجا ہے، اور جب آپ میدانِ کربلا میں آئے بقول شیعی علماء قتل ہوگئے۔ استنے کثیر واقعات سے مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ امام حسین کو اس جبریلی بشارت کی خبر تھی، ممکن ہے کہ حضرت علی کو بھی اس کی خبر نہ ہو، نہیں تو وہی اپنے ناواقف بچے کو آگاہ

کردیتے کہ یقینی تو کربلا میں مارا جائیگا۔ لہذا اپنے بال بچوں کو ایسے موقع پر نہ لیجا۔ ہائے کچھ بھی نہ ہوا، نہ نبی ؐ نے اپنے نواسہ کو اسکی خبر کی اور نہ بی بی فاطمہ نے اپنے چاہیتے بیٹے کو اس کی خبر دی۔ ورنہ کم سے کم یہ ضرور ہوتا کہ شیعی کتب میں جو نبی زادیوں کی ذلت اور توہین بیان کی ہے یہ نہوتی۔ یہ خاص ایک راز ہے جسے شیعی علما رہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

یعقوب کلینی کی آٹھویں کہانی

حسن بن علی کا مبلغ علم

امام حسن رضؓ نے کہا اللہ تعالیٰ کے دو شہر ہیں، اور ہر شہر کے دو حصار ہیں، ہر حصار بجائے اینٹوں کے لوہے کے ٹکروں کا بنا ہوا ہے، اور ہر حصار کے ہزار ہزار دروازے ہیں، اور ہر شہر میں ستر ستر ہزار آدمی آباد ہیں، اور سب کی زبانیں الگ الگ ہیں۔ میں اُن کل مختلف زبانوں کو جانتا اور سمجھتا ہوں، اور ان دو شہروں کا جو مشرق سے مغرب تک ہیں اُن کی کیفیت اور انکا مفصل حال قرآن مجید میں موجود ہے، میں ہی اک ایسا شخص ہوں جو پورے قرآن کو جانتا ہوں یا میرا بھائی حسین جانتا ہے۔ (از کتاب مذکور صفحہ ۱۹۸)

یعقوب کلینی کی نویں کہانی

فاطمہ زہرا کی امام حسین سے کراہیت

امام جعفر صادق سے روایت ہی کہ جب فاطمہ رضؓ کو حسین کا حمل ہوا تو جبریل رسول اللہ کے پاس آئے اور خبر دی کہ آپکی بیٹی حاملہ ہو گئی ہیں، وہ ایک لڑکا جنیں گی اور آپ کی اُمت اُس لڑکے کو قتل کر ڈالے گی۔ رسول اللہ نے اِس کا ذکر اپنی بیٹی سے کیا تو اُنھیں حسین کے حمل سے کراہیت آنے لگی یہاں تک جب وہ پیدا ہوئے اور بی بی فاطمہ رضؓ نے انہیں دودھ پلایا انکی

کراہیت بیٹے کی طرف سے نہ گئی (از کتاب مذکور صفحہ ۱۹۹)

یعقوب کلینی کی دسویں کہانی

امام حسین اور جہاں شاہ کی شادی

امام محمد باقر کہتے ہیں کہ جب یزد جرد کی بیٹی مدینہ میں آئی تو اُسکے حسن و جمال کا اسقدر شہرہ ہوا کہ مدینہ کی عورتیں بکثرت اُسکے دیکھنے کے لیئے آئیں۔ اُس کے حسن کا شعلہ اسقدر بلند ہوا کہ رسول اللہ کی مسجد جگ جگ کرنے لگی کہ اتنے میں عمر (فاروق) سامنے آئے اِنکی صورت دیکھتے ہی اُس نے مُنہ چھپالیا اور کہا خدا غارت کرے ہرمز کو کہ اُسکی کارروائی سے میری یہ نوبت پہنچی کہ مجھے اِس قیافہ کے مرد کی صورت دیکھنی پڑی۔ اِس پر عمر کو غصہ آیا اور کہا کہ یہ عورت مجھے گالیاں دیرہی ہے۔ میں اسے اسکی سزا دونگا۔ حضرت علی نے کہا عمر یہ گالیاں نہیں دیتی۔ تم اتنے ناراض نہ ہو۔ پھر امیرالمومنین علی نے اُس عورت سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے اُس نے کہا جان شاہ، علی بولے نہیں تیرا نام شہر بانو یہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جہان شاہ نام کچھ اللہ ہی کے لیئے زیبا ہے۔ اُس روز سے اس کا نام شہر بانو یہ ہو گیا (از کتاب مذکور صفحہ ۲۰۵)

یعقوب کلینی کی گیارہویں کہانی

امام محمد باقر اور قمری کا جوڑا

محمد بن مسلم امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں آپکی خدمت میں حاضر تھا، کہ ناگاہ قمری کا ایک جوڑا اُڑتا ہوا امام موصوف کے پاس آ بیٹھا۔ اور امام و قمری میں باتیں ہونے لگیں، پھر دونوں قمریاں اُڑ کے چلی گئیں۔ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں قمریوں سے یہ کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ محمد باقر بولے بات اصل یہ ہے کہ نر نے

مادہ پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے دوسرے نر کے ساتھ جفتی کھائی، مادہ اس سے انکاری تھی کہ تو جھوٹا ہے۔ جب دونوں میں خوب ردوبدل ہوئی تو آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ محمد باقر کے پاس چلو جو کچھ وہ فیصلہ کر دے وہی منظور رہے، لہذا دونوں نر و مادہ میرے پاس آئے میں نے معلوم کر لیا کہ الزام غلط ہے اور نر کو دھتکار دیا۔ اخیر دونوں یہ فیصلہ سن کے راضی ہو گئے اور اُڑ کے چلے گئے۔ (از کتاب مذکور صفحہ ۱۱۷) فقط

کہانیاں تو سینکڑوں ہیں مگر محض اس خیال سے کہ اس خرافات سے دیکھنے والوں کے جی اکتا جائیں گے میں اور کہانیاں نقل نہیں کرتا اور اپنے اصل مطلب کی طرف رجوع ہوتا ہوں، مجھے دکھانا یہ ہے کہ اول روز سے ان فسانہ نویسوں پر شیعی مذہب کا دارومدار رہا ہے پھر فرمایئے کسی خلیفہ یا امام کے صحیح حالات کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کہانیوں نے چونکہ مشرقی طبائع کے موافق تھیں، جاہل مسلمانوں پر ایسا اثر کیا کہ انہوں نے ان قصوں کو اپنا مذہبی اُصول بنا لیا اور آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی۔

یہ کہانیاں فی الواقع اراداتاً لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیئے بنائی گئی تھیں اور منشا یہ تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت کو اس سے صدمہ پہنچے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، قرآن مجید مطلقاً پسِ پشت ڈالدیا گیا اور یار لوگوں نے اپنی مجالس سے اسے نکالدیا، اور نہایت دیدہ دلیری اور بے باکی سے قرآن مجید سے زیادہ نفرت پیدا کرنے کے لیئے اس کا نام بیاض عثمانی رکھا۔ اور اخیر ان کہانیوں کی کتاب کو بیاض عثمانی سے بہتر قرار دیا۔ جس قوم و فرقہ کے جذبات، خیالات محسوسات اور عقائد کی یہ کیفیت ہو اسکے مذہب کا آپ اندازہ کر لیجئے۔ فقط

دوسرا باب

حضرت عثمان کی شہادت اور حضرت علی کا رویہ

خیر القرون میں سب سے دردناک واقعہ بوڑھے اور بیگناہ خلیفہ کا بیرحمانہ قتل ہے۔ اس میں شک نہیں بے بس خلیفہ کی ضعیف العمری اور بے محابا گردن زدنی ایک ایسا دل ہلا دینے والا نظارہ تھا جس نے سنگ دِل سے سنگ دل کے آنسو نکلوا دیئے اور خدا ناترس دلوں میں بھی رقت سی پیدا ہو گئی، مگر جو لوگ خلیفہ کی اِس ضعیف العمری سے نہیں بلکہ جانشین رسول۔ اور مقدس بزرگ کی حیثیت سے عزت کرتے تھے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے خونِ عثمان بغیر کسی ذاتی غرض کے طلب کیا۔ اِس میں شک نہیں کہ بوڑھے خلیفہ پر ظلم بیشک بہت ہوا۔ یہ غمگین منظر شاید کسی سلامی صدی میں مشکل سے نظر پڑا ہوگا جس نے مسلمان ہونے کے بعد لاکھوں روپیہ مقاصد اسلام میں صرف کر دیا، جو مرتے دم تک رسولِ مقبول کا فدائی اور عاشق زار رہا جسے فخرِ دو جہاں رسولِ عربی کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے بیاہی گئیں۔ جسے خلیفہ بننے کی کبھی خواہش نہیں ہوئی، جو جمہور کے اتفاق سے خلیفہ بنا، وہ خاص مدینہ ہی میں اُس وقت کہ جب اسکی عمر اسی برس سے تجاوز کر چکی ہو قرآن مجید کی تلاوت کیوقت قتل کر ڈالا گیا، اور اسوقت جبکہ اُسکے غلام حملہ آوروں سے شمشیر بازی پر تلے ہوئے تھے یہ کہکے اُنہیں روک دیا کہ اگر یہ لوگ مجھے قتل کرتے ہیں کرنے دو، تم اپنی تلواریں میان میں رکھ لو۔ میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ کی نظر میں قیامت کے دن میری سُبکی ہو۔ کہ میری وجہ سے مسلمانوں میں تلوار چلے میں وہ پہلا شخص اسلام میں نہیں بننا چاہتا جسکی نسبت یہ کہا جائے کہ اسکی وجہ سے مسلمانوں میں خونریزی ہوئی۔

عام تاریخوں میں مورخوں نے واقعات کچھ ایسے چبا چبا کے بیان کئے ہیں کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نہیں معلوم ہوتا۔ یہ صحیح ہے کہ ایک تو ہمارے ہاں کی کتابوں میں تاریخی ترتیب کا نقص ہے دوسرے بعض حالات میں عقائد کا بھوت بھی ضرور سدِ راہ ہوا ہے۔ اِسی لیئے آجتک نہ حضرت عمر فاروق اعظم کے اصلی قاتل کا پتا لگا اور نہ عثمانِ غنی کے قاتل کا

عام طور پر مورخوں نے "ابو لولو مجوسی کو فاروق اعظم کا قاتل قرار دیا ہے اور ہمارے شیعی حضرات نے تو اس مجوسی کی اسقدر تعریف کی ہے اور اسے اسقدر بانس پر چڑھایا ہے کہ اسے "بابا شجاع" کے نام سے پکارتے ہیں، اور اُسکی یادگار بنا رکھی ہے جو شیعی گھروں میں بڑے دھوم دھام سے ہوتی ہے"۔

یہ تو صحیح ہے کہ عمر فاروق کو مارا ابو لولو مجوسی نے مگر اصلی قاتل جس نے ابو لولو سے یہ فعل کرایا ابتک پردے میں ہے۔ اسیطرح عثمان کے قاتل چند مصری باغی قرار دیئے گئے ہیں مگر یہاں بھی ابھی قاتل پر پردہ پڑا ہوا ہے، عقل باور نہیں کرتی کہ چند سو باغی پایہ تخت اسلام میں اسطرح بغیر کسی بڑی سازش کے درانہ چلے آئیں اور خلیفہ وقت کو خاص اُسی کے محل میں تین دن محاصرہ کے بعد قتل کر دیں۔ یہ مانا کہ اسلامی فوجیں پائے تخت کے باہر گئی ہوئی تھیں تو بھی چند غیر ملکی اشخاص کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ اتنا بڑا فعل کریں، اور صحیح و سلامت مدینہ سے بچ کے نکل جائیں۔

جو الزام اس بچارے بوڑھے خلیفہ پر لگائے گئے ہیں اگر انھیں صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی وہ ایسے سنگین نہیں ہیں کہ خلیفہ اُنکی پاداش میں قتل کر دیا جاتا، ان کل الزاموں کا جواب خلیفہ کے پاس موجود تھا، اُس سے پوچھا جاتا اور اُسے اپنے ڈیفنس کا پورا موقع دیا جاتا۔ تو آسانی سے کل مطالب حل ہو جاتے، اور سارے الزام رفع ہو جاتے، مگر ایسا نہیں کیا گیا اور زبردستی بلا جواب لیئے محل میں گھس کے باغیوں سے قتل کرا ڈالا گیا۔

اِسی طرح حضرت علی بھی بعد ازاں کوفہ کی مسجد میں قتل ہوئے تو کیا انکا قاتل عبدالرحمن بن ملجم بھی اسی سرزنش کا مستحق ہے جیسا عمر فاروق اور عثمانِ غنی کا اصلی قاتل۔ اس کا جواب تاریخ بالکل نفی میں دیتی ہے۔ حضرت علی پر مسلمانوں نے جو الزام قائم کئے تھے وہ آفتاب سے زیادہ روشن اور مبرہن تھے اور وہ ایسے الزام تھے جن کے صحیح ہونے کو کوئی نہ جھٹلا سکا اور نہ جھٹلا سکتا ہے

اور انکی ناقابلیت حصول جہانداری سے خیر القرون کے زمانے ہیں وہ خونریزی ہوئی کہ الحفظ للہ، وہ تلوار جو اب تک نا مسلموں پر اٹھ رہی تھی بے دریغ مسلمانوں پر اٹھنے لگی اور رسول امین کے صحابہ کو قتل کرنے لگی، حضرت علی نے نا اکسی بدنیتی سے نہ سہی، کسی دشمنی اسلام سے نہ سہی بلکہ اپنی ناقابل معافی بے لیاقتی سے مسلمانوں میں خون کے دریا بہا دیئے اور اسلامی دنیا میں ایسی خونریزی کا بیج بویا کہ آجتک اس کا سلسلہ برابر چلا جا رہا ہے حضرت علی نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا قتل کرنا سکھایا اور تعلیم دی کہ محض خودسری سے سلطنت حاصل کرنیکے لیئے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خون مباح ہے کسی قسم کے زبردست سے زبردست منطقی دلائل اس خونریزی کے الزام کو حضرت علی پر سے ہٹا نہیں کر سکتے نہ انکے دامن سے مسلمانوں کے خون کے دھبے دھو سکتے ہیں جنھوں نے اس دامن کو ایسا سرخ بنا دیا کہ اسکی سرخی سو پردوں میں سے آج بھی ہمیں نظر آ رہی ہے، اس بنا پر اگر چند مسلمانوں نے سازش کی ہو اور اس قہرناک آفت کو مٹانے کے لئے عبدالرحمن کو تجویز کیا ہو تو تاریخ اسکی معذرت قبول کرنیکے لئے تیار رہے شیعی دنیا نے تو الٹی گنگا بہائی کہ فاروق اعظم کے قاتل کا لقب بابا شجاع رکھا مگر تاریخ یہ لقب عبدالرحمن کے لیئے تجویز کرتی ہے جس نے ایسے شخص کو قتل کیا جسکی وجہ سے تمام اسلامی دنیا خون میں نہا گئی تھی اور پیراہن اسلام نہ صرف چاک چاک ہوا تھا، بلکہ اسلامی خون میں اسقدر تربتر ہو گیا تھا جسکے داغ باوجود تیرہ سو برس گزرنے کے بھی ابھی تک نمایاں ہیں ۔

مولویان زمانہ نے صدیوں سے یہ بڑا غضب ڈھایا کہ تاریخی واقعات کو بالکل چھپا ڈالا، اور اگر کہیں کسی کی زبان پر کوئی واقعہ آجاتا تو اسے دھمکا دیا جاتا کہ مشاجرات صحابہ میں دخل دینا کسی مسلمان کا کام نہیں ہے، ملایان زمانہ کی یہ شرارت اور انکا یہ افسوں پورا کارگر ہو گیا۔ وہ لوگ اصل میں شیعی عقائد پر تلے ہوئے تھے، مگر ظاہرداری کے مسلمان بنے ہوئے تھے۔ انکی اس شرارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل اسلامی دنیا تمام قریب صحابہ کے حالات سے جاہل رہ گئی۔ چونکہ یہ رنگ پڑھے لکھوں پر بھی گہرا چڑھ گیا تھا، اس لیئے متاخرین کی جسقدر تصانیف ہیں وہ سب

اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں اور انھوں نے ہر مقام میں عمداً حق پر پردہ ڈالا ہے۔ ان کی کتابوں میں اِن کہانیوں کے نمونے جو آپ نے اوپر ملاحظہ کی ہیں صدہا کہانیاں جن کا سر نہ پیر ملتی ہیں۔
غرض یہ کہ احوالِ صحابہ سے لاعلمی بڑھتی رہی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ صحابہ کی غلط تعریف اور فرضی کرامتوں کا بیان اُصولِ دین میں داخل ہوگیا، ایسی کرامتوں کا منکر کافر مانا گیا، اور ملایانِ زمانہ نے اسے خارجی، ناصبی اور ملحد کے خطاب دینے میں کوتاہی نہیں کی۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کئی صدی پہلے بھی بڑے بڑے جید علماء کی یہ درگت ملایانِ زمانہ اور جاہل مسلمانوں کے ہاتھ سے ہو چکی ہے، مثلاً ابن تیمیہ جس سے زیادہ محقق اسلامی دنیا نے پیدا نہیں کیا۔ اِس پر تمام علمی اسلامی عالم قیامت تک فخر کرے گا، اِس نے پردہ کا تار تار الگ کر دیا، جو ملایانِ زمانہ نے احوالِ صحابہ پر ڈالا تھا، اور اسلامی واقعات کی اس قدر چھان بین کی کہ زمین و آسمان سے مرحبا و صد مرحبا کی صدائیں نکلنے لگیں۔ انہیں نے اِن ناپاک عقائد کو کامل شکست دی جو زبردستی داخل اُصولِ دین الٰہی کر دیئے گئے تھے۔ اِس نے احوالِ صحابہ کو اس طرح صاف کر کے مسلمانوں کے آگے پیش کر دیا، گویا ہر مسلمان اپنی آنکھ سے اُن واقعات کو دیکھ رہا ہے۔ جس طرح دُنیا کی تمام قوموں کو اپنے اپنے علماء اور فضلاء پر فخر ہے، اسی طرح ہم ابن تیمیہ کی ذات پر فخر کرتے ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی قوم یورپ سے ہزار علماء پیش کرے تو ہم انکے مقابلہ میں صرف ایک ابن تیمیہ کو پیش کر سکتے ہیں۔

اخیر جب زمانہ گزر گیا اور کئی صدی کا بیچ میں وقفہ ہو گیا تو ملایانِ زمانہ کی بن آئی۔ اور اُنھوں نے پھر ایک حد تک احوالِ صحابہ پر پردہ ڈالنے میں کامیابی حاصل کرلی، اور جو فرضی کرامتیں یا اُلٹے سیدھے حالات انھوں نے مسلمانوں کے آگے پیش کئے اُنہیں اُصولِ دین قرار دیا اور بیچارے جاہل پھر اُسی طرح جہالت کے تاریک گڑھے میں ٹپّے ٹوئیاں مارتے رہ گئے

غیرتِ حق کہاں تک اِن ملّایانِ زمانہ کی سفاکی اور بے رحمانہ افعال کو دیکھتی اور برداشت کرتی۔ اخیر اُسے حرکت ہوئی اور اُس نے ابن تیمیہ کی وہ قلم جو ابھی تک قضاو قدر کے پاس محفوظ تھا میرزا حیرت کو دیدیا، غیرتِ حق کا یہ انتخاب ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ چند سال کی لگاتار روانی قلم نے تمام پرشے جو احوالِ صحابہ پر پڑے ہوئے تھے الگ الگ کر دیئے اور اُنہیں پارہ پارہ کرکے پھینک دیا۔ آپ بلاشک وشبہ کیسے خوش قسمت ہیں جو اِس زمانہ محمود ومسعود میں پیدا ہوئے وہ زمانہ جس میں ہر صحابی اپنے اصلی لباس میں دکھائی دیتا ہے، گویا خیر القرون کے کل معاملات حالات اور واقعات کا ایسا نقش آپکی آنکھوں کے آگے کھینچ گیا ہے گویا آپ اپنی آنکھوں سے یہ کل باتیں نظر کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ کتاب شہادت میں لکھا گیا ہے آجتک کسی فاضل سے فاضل شیعی عالم کو یا انکے برادران خورد ملّایانِ زمانہ کو جرأت نہ ہوئی کہ ایک واقعہ کا غلط ثابت کرنا تو کجا مشتبہ ہی بتاتا۔ لاحول ولاقوۃ، یہ محض ناممکن ہے نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ سچی سچی بات ہے، جس میں نہ مبالغہ ہے نہ تصنّع ہے، نہ شیخی ہے نہ اظہارِ فخر ہے، کچھ بھی نہیں، اگر ہے تو صداقت بداہت، راستبازی اور اظہار واقعات ہی ہے۔

چونکہ ایسے سچے حالات سننے کے آپ عادی نہیں ہیں، اِس لیے ممکن ہے کہ آپ چونکیں اور ان کے قبول کرنے میں آپ چون وچرا کرنے لگیں، مگر بات اصل یہ ہے کہ صداقت صداقت ہی ہے کب تک غلط اور افسانہ انگیز عقائد کا بھوت تمہیں ڈراتا رہیگا، اور کبتک صحیح واقعات پردے میں رہیں گے۔ اِن غلط حالات نے جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، خداوند قدوس کے کلام اور اُسکی تلقین کو اسقدر نقصان پہنچایا کہ اُس کا اندازہ آج کوئی نہیں کرسکتا۔ بہرحال جو کچھ ہوچکا اُس کا خیال نہ کیجیے اور اب کھری کھری اور صحیح صحیح باتیں سُنیئے جن کا سلسلہ کئی سال سے کتاب شہادت میں جاری ہے اور الحمدللہ وہ اسقدر مقبول ہوا ہے اور ان صحیح واقعات نے مسلمانوں کے دلوں میں ایسا گھر کرلیا ہے کہ افسانہ انگیز عقائد انکے پاس ہوکے بھی نہیں پھٹک سکتے۔ اِس تمام جملہ معترضہ کے بعد آپ عثمانِ غنی کے

بے رحمانہ قتل کا حال صاف صاف سنیئے اور دیکھئے کہ اس قتل کی تہ میں کون چھپا ہوا ہے اور کس نے ابتدا سے اس میں سازش کر رکھی تھی، اگر بے رو و رعایت غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس سازش کا سلسلہ ابوبکر صدیق کی خلافت ہی میں شروع ہو چکا تھا جس کا ذکر آپ گزشتہ صفحات کتاب میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ عمر فاروق نے سازش کرنے والوں کو دھمکی دی تھی کہ اگر یہی کیفیت رہی تو میں اس گھر کو جہاں خلافت کے خلاف سازش کی جاتی ہے تم پر جلا دونگا۔ یہ گھر رسول اللہ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا کا تھا یا بالفاظ دیگر علی بن ابی طالب کا تھا۔ جن سازشی جلسوں سے حضرت خاتون محشر سخت ناراض تھیں، مگر اپنے شوہر کے آگے جیسا کہ قاعدہ ہے انکی ایک نہ چلتی تھی، شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ میں اسکا بصراحت تذکرہ کیا ہے، غرض جب سازش کرنے والے پراگندہ کر دیے گئے، اور حضرت علی تنہا رہ گئے اور ادھر چند مہینے میں خاتون محشر کا انتقال ہو گیا، جس انتقال کی خبر حضرت علی نے نہ صرف ابوبکر و عمر فاروق کو بلکہ اپنے احباب کو بھی نہ کی اور اسی مکان میں جہاں وہ رہتے تھے خاتون محشر کو دفن کر دیا، پھر اپنے ابوبکر صدیق کو پیغام بھیجا کہ تم میرے پاس تنہا آؤ اور ساری شکایتیں میری سنو، اور میرا اطمینان کرو تو میں تمہاری بیعت کر لوں، مگر فاروق کو یا اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لانا۔ جب اس پیغام کی خبر عمر فاروق کو پہنچی تو انہیں خوف ہوا کہ ابوبکر صدیق کا اخیر تنہا بلانے کا کیا منشا ہے، کہیں کوئی دوسری صورت پیدا نہ ہو، چنانچہ اسی بنا پر فاروق نے تنہا علی کے پاس جانے سے ابوبکر کو منع کیا۔ مگر صدیق نے نہ مانا اور کہا کچھ خوف کی بات نہیں ہے اللہ میرا نگہبان اور محافظ ہے، بہرحال صدیق تشریف لے گئے۔ اور علی بن ابی طالب نے جتنی انکی شکایتیں تھیں سب صدیق کے آگے بیان کیں، صدیق نے ہر شکایت کا جواب ایسا اطمینان بخش دیا کہ حضرت علی خاموش ہو گئے اور بیعت کرنے کے لیے انکے ساتھ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سیدھے چلے آئے، یہاں مہاجرین و انصار کا معقول مجمع تھا، صدیق نے اپنی فطری دیانت اور راستبازی سے سب صحابہ کے آگے حضرت علی کی شکایتیں پہلے بیان فرمائیں۔ اور پھر جو کچھ

ان اشکالیوں کا جواب دیا تھا وہ بھی بیان کر دیا جس طرح ان مسکت جوابات سے حضرت علی کی تسکین ہوگئی تھی اسی طرح کل صحابہ کی تسکین ہوگئی، اور پھر حضرت علی نے بھرے مجمع میں صدیق کے ہاتھ پر بیعت کرلی ۔

اس بیعت پر دو فریق ہوگئے۔ ایک فریق مسلمانوں کا اور ایک خارجیوں اور شیعوں کا۔ مسلمانوں یعنی سنیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ بیعت حضرت علی نے نہایت ایمانداری اور خلوص سے کی تھی مگر خارجی اور شیعہ اس بیعت کو فریب اور بے ایمانی کی بیعت بتلاتے ہیں، مثلاً شیعی علماء فرماتے ہیں کہ یہ بیعت محض تقیہ پر مبنی تھی، دفع الوقتی کے طور پر کی گئی تھی۔ کیونکہ اگر شیعہ اس بیعت کو ایمانداری کی بیعت تسلیم کرلیں تو ان کا تقیہ پر جو تبرے بازی کی جاتی ہے وہ قائم نہیں رہتی، عقل باور نہیں کرتی کہ حضرت علی نے جس شخص کے ہاتھ پر صدق دلی سے بیعت کی ہو، آپ کی نسبت علی کی پیروی کے مدعی ایک فرقہ بھی خلاف تبرا بازی کیا کرے، استغفر اللہ۔

ہم فی الحال اس بیعت کی رد و بدل میں نہیں پڑتے، مطلب تو یہ ہے کہ بیعت ہوگئی، خواہ سچائی سے ہوئی ہو یا فریب و مجبوری سے، صدیق کی خلافت میں کوئی نامور واقعہ ایسا نہیں ہوا جس میں حضرت علی نے کوئی حصہ لیا ہو، جب صدیق کی وفات ہوگئی تو عمر فاروق جمہور کے انتخاب سے خلیفہ بنائے گئے اور آپکی خلافت میں اسلام بہت دور دور ممالک تک پھیل گیا، اخیر تک حضرت علی بظاہر خاموش رہے اور سوائے معمولی مشوروں اور مسائل میں رائے دینے کے اور کوئی بات قابل ذکر دوران خلافت فاروقی میں پیدا نہیں ہوئی۔ اب اخیر خلافت میں فاروق اعظم کا ابو لولو مجوسی کے ہاتھ سے قتل کا واقعہ ہوتا ہے جس نے نہ صرف فاروق کی زندگی کا خاتمہ کر دیا بلکہ اسلام کی ترقی کے پیراہن کو ایسا چاک چاک کیا کہ اسکی دھجیاں دھجیاں ہوگئیں، اگر عثمان غنی جیسا ان کا جانشین نہ ہوتا تو مسلمانوں کو وہ روز بد دیکھنا پڑتا جو بجائے خود انکے لیے مہلک ثابت ہوتا۔

تاریخ صاف الفاظ میں شہادت دیتی ہے کہ فاروق اعظم کا قتل کسی بہت بڑی سازش سے ہوا تھا، کعب الاحبار نے تین دن یا اس سے کچھ پہلے آپکے قتل کی سازش کی آپ ہی کو اطلاع دیدی

مگر کسی مصلحت سے یا کسی دلی کمزوری کی وجہ سے وہ اصل سازش کے راز کو افشا کرنے سے احتراز کرتا رہا، اور جب فاروق نے کھود کھود کے اُس سے پوچھا کہ یہ خبر تجھے کہاں سے ملی۔ کعب نے ٹالنے کے طور پر کہہ دیا کہ توراۃ میں اسکی پیشین گوئی دیکھی ہے۔ فاروق سمجھ تو گئے کہ یہ مطلب چھپانے کے لیے توراۃ کا نام لیتا ہے مگر آپ نے اِس راز کے ٹٹولنے میں مزید اصرار نہیں کیا، اور مولا کی مرضی پر چھوڑ دیا دوسرے دن مغیرہ بن شعبہ کا فیروز نامی غلام آپ کو رستہ میں ملا اور اپنے آقا کی شکایت کی کہ وہ روزانہ مجھ سے اتنے ٹکے لے لیتا ہے اور مجھے مزدوری میں زیادہ نہیں بچتا۔ فاروق نے پوچھا تجھے کیا کیا ہنر آتے ہیں وہ بولا میں یہ یہ ہنر جانتا ہوں، اور پون چکی بھی بنا سکتا ہوں۔ فاروق نے کہا تُنے ہنروں پر اگر تیرا آقا اتنے ٹکے روز لیتا ہے تو کوئی زیادتی نہیں کرتا پھر فرمایا ہمیں بھی چکی کی ضرورت ہے، اگر تو بنا دے تو تجھے منہ مانگی مزدوری دیجائیگی۔ سازشی غلام نے کہا آپکے لیے ایسی چکی بنادونگا کہ اُس کا شہرہ مشرق سے مغرب تک ہو جائیگا، یہ کہکے وہ چلا گیا، فاروق اُسکے لہجہ اور تیور سے سمجھ گئے کہ یہ مجھے دھمکا گیا ہے۔ مگر آپنے اس کا کچھ تدارک نکیا

عقل باور نہیں کرتی کہ ایک نامرد مجوسی غلام صرف اتنی سی بات پر کہ وہ مثلاً ایک روپیہ کماتا ہے جس میں سے آٹھ آنہ روز اس کا آقا حسب دستور لے لیتا ہے، غلام خلیفہ سے شکایت کرتا ہے کہ آٹھ آنے بہت ہیں، خلیفہ کہتا ہے کہ کچھ ایسے بہت نہیں ہیں، بس اتنی سی بات پر وہ افروختہ ہو جاتا ہے اور اپنی جان کھونے پر تیار ہو جاتا ہے، یہاں تک دلیری کرتا ہے کہ خلیفہ ہی کو نہیں بلکہ کئی اور صحابہ کو قتل و زخمی کر دیتا ہے، فیروز یا ابولو مجوسی مجنوں نہیں تھا وہ اپنے فعل کے نتیجے کو خوب سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ ایسا بے رحمانہ فعل مجھے جہنم واصل کر دیگا، مگر پھر بھی اُسنے کچھ پروا نکی ورانہ مسجد میں چلا آیا اور خلیفہ کے ساتھ کئی جلیل القدر صحابہ کو نماز پڑھتے میں مہلک زخمی کر دیا۔

تاریخ سے اِس سازش کا اچھی طرح پتہ لگتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہرمزان والئے ہواز و خورستان، جنگ کے بعد قید کر کے مدینہ بھیج دیا گیا تھا، یہاں وہ جہینہ نام نصرانی کے ساتھ

ایک ہی مکان میں رہتا تھا، چونکہ وہ دونوں نامسلمان تھے اور فیروز بھی مسلمان نہیں ہوا تھا ان تینوں کی خوب ہی گٹھ جوڑ تھی۔ جب ابو لولو یا فیروز فاروق کو زخمی کر کے مسجد سے بھاگا تو اُس کا تعاقب بنی تیم کے ایک شخص نے کیا اور راستے میں اُسے جالیا اور فوراً اُسے قتل کر دیا۔ اور جو خنجر اُسکے پاس تھا وہ لیکے عبد الرحمن بن ابی بکر کو دیدیا، عبد الرحمن نے اِس خنجر کو فاروق کے بیٹے عبد اللہ کو دیدیا اور کہا یہ وہی خنجر ہے جو میں نے بچشم خود ہرمزان کے پاس دیکھا ہے، عبد اللہ بن عمر نے جب یہ سنا تو فوراً ہرمزان کے مکان پر پہنچ کر اُسے بھی قتل کر دیا اور اُس کے نصرانی جفینہ کو بھی مار ڈالا۔ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب ہرمزان گرفتار ہو کے مدینہ میں آیا ہے تو اسکی نگرانی، اُسکے کھانے پینے کا انتظام فاروق نے بنی ہاشم کے سپرد کر دیا تھا جنکی ہاشم کے سرگروہ حضرت علی تھے اور ان سے ہرمزان کی خوب گٹھ جوڑ تھی۔ آنا جانا اور ملنا ملانا اس درجہ پہنچا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسکے ہاں خلیفہ کے قتل کرنے کی سازش کیجائے اور ابو طالب کے بیٹے کو اسکی خبر نہ ہو۔ اور جب عثمان غنی جمہور کی رائے سے خلیفہ بن جائیں تو حضرت علی بیعت میں پس و پیش کریں کیونکہ وہ ابھی آس لگائے بیٹھے تھے، اور جب صہیب عبد اللہ کو دربارِ خلافت میں پیش کرے تو خلیفہ اور کل صحابہ کے خلاف علی ہی یہ مشورہ دیں کہ "عبد اللہ فاروق کے بیٹے کو قطعی قتل کر دینا چاہیئے"۔ خلیفہ وقت عثمان غنی باوجود مطابق قانونِ اسلام کے دیت دینے پر تیار ہو جائیں، بلکہ اپنے پاس سے دیت دے بھی دیں اور حضرت علی ہی راضی نہ ہوں، کل صحابہ عثمان کے اِس فعل کو قبول کرلیں اور تحسین کریں مگر حضرت علی ناک بھوں چڑھا کے رہجائیں اور بلا قانونِ شریعت دیت کو منظور نہ کریں بلکہ دل میں یہ ٹھان لیں کہ جب کبھی موقعہ ہو عبد اللہ بن عمر کو قتل کر ڈالنا چاہئے۔ غرض کل معاملات کا نقشہ آپکی آنکھوں کے سامنے کھینچدیا ہے، اب آپ خود ہی نتیجہ نکال لیں کہ عمر فاروق کا اصلی قاتل کون ہے، ہاں جب حضرت علی خلیفہ بنائے جائیں تو سب سے پہلے عبد اللہ بن عمر کے لیئے گرفتاری کا فرمان جاری کریں۔ توبہ۔ الٰہی توبہ، آپ عثمان غنی کے بے رحمانہ قتل کا حال سُنیئے، پہلے تو کوفہ سے چند

مدینہ میں آئے اور جب ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کیوں آئے ہو تو انھوں نے اپنے گورنر کی شکایت کی
کہ وہ ہم پر ظلم بہت کرتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ وہ تبدیل کر دیا جائے، مگر اہل مدینہ نے جب انکے تیور
بدلے ہوئے دیکھے تو ان سے دریافت کیا کہ تم صاف طور پر کہو آخر تمھارا اصلی منشا کیا ہے، وہ بولے
عثمان نے فلاں مقام پر نماز قصر نہیں پڑھی، قرآن مجید کو جلا دیا اور یہ کیا اور وہ کیا، جب عثمان
نے یہ سنا وہ فوراً مسجد نبوی میں آئے اور جتنے الزام کوفیوں نے ان پر لگائے تھے ان سب کے جواب دیئے
وہ جواب جن سے مہاجرین و انصار کو پوری تسکین ہو گئی، آخر اپنا سا منھ لیکے سب کوفی مدینے سے
چلے گئے، اسکے کچھ عرصہ بعد مصری لوگ آئے مگر انھوں نے مدینہ میں بڑا اودھم مچایا، عثمان غنی نے علی
بن ابی طالب کو بلا کے کہا کہ مصریوں کی باگ تمھارے ہاتھ میں ہے اگر تم چاہو تو فتنہ دب سکتا ہے،
حضرت علی سخت گرم ہونے لگے کہ تم نے یہ کیا اور وہ کیا، اس پر عثمان غنی نے کہا آپ اتنی سخت کلامی
نہ کریں، مجھے آپ سے یہ امید نہیں ہے آپ سے تو میرا بہت ہی قریب کا تعلق ہے، سب سے بڑی شکایت
آپکی یہ ہے کہ میں نے بنی امیہ کے غربا کو کچھ روپیہ بیت المال سے لیکے تقسیم کر دیا ہے۔ بہت اچھا
وہ کل روپیہ میں بیت المال میں داخل کر دیتا ہوں، پھر تو آپ کو وہ شکایت نہیں رہنے کی، حضرت
علی نے کہا ہاں نہیں، چنانچہ عثمان نے اپنی جیب سے وہ روپیہ داخل خزانہ سرکاری کر دیا، اس پر
حضرت علی خاموش اٹھ کے اپنے گھر چلے آئے، علی کے سوا جتنے صحابہ تھے وہ مصری باغیوں کے
خلاف ہو گئے اور آمادہ ہوئے کہ ان فتنہ پردازوں کی گردن ماردی جائے، اس ارادہ سے
سب ملکے عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اجازت دیں کہ ہم سبکو گرفتار کر کے ان کی گردنیں ماردیں
کیونکہ رسول مقبول نے ایسے مفسدوں کا خون مباح کیا ہے، عثمان غنی نے کہا اگر معاملہ بہ آسانی
طے ہو جائے تو پھر مدینہ میں خونریزی کی کیا ضرورت ہے، جب باغیوں نے یہ سنا وہ فوراً [illegible]
[illegible] کھڑے ہوئے، مگر دانت پیستے ہوئے گئے اور کہا کہ [illegible] خوب [illegible]
[illegible] جواب اور [illegible]

چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایکے دوبارہ وہ خوب تیار ہو کے مدینے میں آئے ان پر سب سے زیادہ مہربانی حضرت علی کی تھی۔ جب عثمان غنی نے سنا کہ مصری ایکے بڑا ہنگامہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو وہ سیدھے علی بن ابی طالب کے پاس آئے اور منت کہا کہ آپ میری اس میں مدد کریں حضرت علی نے آنکھیں بدلکے کہا تمہاری کیا خاک مدد کروں، جو کچھ میں مشورہ دیتا ہوں اس وقت تو تم ہاں ہاں کر لیتے ہو لیکن جب اسکے خلاف لوگ آکے کہدیتے ہیں تو تم انکی مان لیتے ہو عثمان غنی نے کہا جو کچھ ہو چکا، ہو چکا، اب ایسا نہیں ہونے کا۔ اخیر بڑی ضد بحث کے بعد حضرت علی راضی ہوئے اور کہا مصری سرداروں کے پاس جا کے ان سے گفتگو کرتا ہوں۔ عثمان یہ سن کے اپنے گھر چلے آئے۔ علی جب عدہ صنادید مصر کے پاس گئے، کل معاملات پر ان سے گفتگو ہوئی۔ وہ راضی ہو گئے اور کہا کہ ہم خود عثمان سے اسکے مکان پر ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی نے اسے منظور کر لیا، یہ بات بالکل خلاف قاعدہ تھی۔ رسول مقبول، ابوبکر صدیق، اور عمر فاروق کے زمانے سے یہی دستور چلا آتا تھا کہ جب اس قسم کی کوئی اہم بات ہوتی تھی تو رسول اللہ کی مسجد میں سب جمع ہوتے تھے اور خلیفہ کو جو کچھ کہنا ہوتا تھا کہدیا جاتا تھا۔ آج تک امر خلافت یا اسکے کسی جزو کے لئے خلیفہ کے مکان پر کوئی مجمع نہیں ہوا تھا، حضرت علی اس بات سے خوب واقف تھے مگر انہوں نے بھی جبکہ باغی بالکل انکے ہاتھ میں تھے خانہ خلافت گھیرنے کو منع نہیں کیا اور اپنے دروازے بند کر کے گھر میں ہو بیٹھے۔ اصل بات اور ہی تھی اور ان واقعات میں غور اور خوض کرنے والا اسے اچھی طرح سمجھتا ہے، خود عثمان غنی کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب باغیوں کی طغیانی حد سے تجاوز کر گئی تو عثمان غنی نے علی، طلحہ اور زبیر کو خلوت میں اپنے پاس بلا کے کہا کہ خلافت کی بنیادیں ہل چکی ہیں جسے تم بخوبی دیکھ رہے ہو، اگر میری طرف سے تم لوگوں کو کچھ صدمہ پہنچا ہے تو میں اسکی تلافی کرنے کو تیار ہوں اور اگر مجھ سے کچھ شکایتیں ہیں تو میں انکے رفع کرنے کی کوشش کروں، برائے خدا ایسا مت کیجئے

کہ باغی شہر میں بغاوت پھیلا دیں اور محض اس غرض سے تہلکہ عظیم برپا کر دیں کہ تم میں سے ایک شخص میری بجائے خلیفہ بن جائے، اس خیال سے تم میری مدد سے باز رہو اور خلافت کی تمنا کو جس کا سر دست حاصل ہونا محال ہے دل سے نکال ڈالو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی خلیفہ ہو بھی گیا تو خوب سمجھ لینا کہ اسکی پائداری محال ہے، یعنی وہ زیادہ مدت تک خلیفہ نہیں رہنے کا۔ یہ سن کے حضرت علی کو غصہ آگیا اور انکے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں اور انھوں نے نا ملائم الفاظ عثمان غنی کی نسبت مونہہ سے نکالے "مالک ولذلک لا ام لک" عثمان نے کہا مجھے ماں کی گالی کیوں دیتے ہو، میرا تمہارا تو قریب کا رشتہ ہے (از روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۶۲ سطر ۱۲ و ۲۲ و ۲۳) اسکے جواب میں حضرت علی آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ اس واقعہ سے اصلی راز کا پتہ لگا لینا آسان ہے کہ خون عثمان میں علی کا ہاتھ کہاں تک کام کر رہا تھا اور وہ خلافت لینے کے کہاں تک آرزومند تھے، ان کے غصہ کی یہ کیفیت تھی کہ خلیفہ وقت اور داماد رسول مقبول کو ماں کی گالی دے بیٹھے، سمجھ گئے تھے کہ یہ بوڑھا خلیفہ خود مصائب میں پھنسا ہوا ہے گالی دینے کی سزا مجھے نہیں دے سکتا۔ مگر اس سے حضرت علی کی اعلیٰ درجے کی تہذیب انسانیت اور ادب جانشین رسول مقبول کا پتہ لگتا ہے، اس کا فیصلہ ہم ناظرین کتاب پر چھوڑتے ہیں اور خود اس کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھتے۔

اب سنئیے مدینے پر نہ صرف مصر کے .... باغیوں نے یورش کی تھی بلکہ بصرہ اور کوفہ کے باغی بھی آگئے تھے۔ شہر میں انکے مختلف جلسے ہوتے رہے آخر سب کی یہ رائے ہوئی کہ عثمان کو قطعی معزول کرکے دوسرے کو تخت نشین کیا جائے۔ جب اس قطعی مگر خوفناک فیصلہ کی خبر مدینہ میں آگ کی طرح پھیلی تو اہل مدینہ باستثنار چند باغیوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے کیونکہ وہ اپنے خلیفہ عثمان کو محض بے گناہ جانتے تھے، اہل عدوان نے جب اہل مدینہ کی تیاری کا حال سنا تو سخت خائف ہوئے اور انھوں نے اپنا ایک وفد (ڈپوٹیشن) سردارانِ

مدینہ کے پاس بھیجا جنہے یقین دلایا کہ ہم مدینہ میں خونریزی کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ ہمارا مدعا تو امر معروف و نہی منکر ہے، مگر یہ محض فریب اور دغابازی تھی، مدینے کے باایمان مسلمان اِس کہنے میں اِس لیئے آ گئے کہ وہ مثل اپنے دوسرے مسلمانوں کو بھی سچا جانتے تھے۔ غرض ان پر ان باغیوں کا افسوں کارگر ہو گیا اور ان سب نے جنگ کا ارادہ فسخ کر دیا۔

اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کے باغی جماعت نے پچاس آدمیوں کا ایک ڈپوٹیشن بنایا اور اُسے طلحہ کے پاس بھیجا جنہے طلحہ کو بہت کچھ خلافت کا لالچ دیا کہ عثمان کی جگہ ہم تمکو خلیفہ بنا دیتے ہیں۔ طلحہ نے یہ سن کے انہیں دھتکار دیا اور فوراً اپنے مکان سے چلے جانے کو کہا، پھر وہ زبیر اور علی کے پاس گئے دونوں نے اُنکا یہ سودا لینا بے سود سمجھا۔ غرض تینوں جگہ سے یہ لوگ ناکام واپس چلے آئے۔

اسی اثنا میں عمرو بن ابو العاص غصہ میں بھرے ہوئے عثمان کے پاس آئے اُنکا غصہ بجا و درست تھا کیونکہ عثمان انہیں مصر کی گورنری سے معزول کر چکے تھے، اسی غصہ میں عمرو عاص نے کہا کہ مسلمان بہت سے عیب تجھپر لگا رہے ہیں تجھے چاہیئے کہ تو اپنے ان عیبوں سے توبہ کرے اور علی الاعلان توبہ کرے تاکہ یہ فتنہ فرو ہو۔ عثمان نے کہا بندۂ خدا کون سا عیب مجھ میں ہے جس سے تو توبہ کراتا ہے، عمرو عاص نے کہا ایک بہت بڑا عیب تو یہی کہ تو نے مجھے گورنری سے معزول کر دیا اور میری جگہ عبداللہ بن ابی سرح مرتد کو گورنر بنا دیا۔ یہ سُن کے عثمان غنی کبیدہ خاطر ہوئے اور اُنھوں نے عمرو بن عاص کو ٹوکا کہ اب خلافت بھی کوئی چیز ہے۔ خلاف واقعہ الفاظ ایک مسلمان کی نسبت زبان سے نکالنے یہ کہاں تک تجھے زیب دیتے ہیں، اِس پر عمرو بن عاص جھک جھک کرنے لگا اور کسی قدر تو تو میں میں پر نوبت پہنچی اور پھر جوش میں بھرا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور سارے مدینے میں یہ ڈونڈھی پیٹتا پھرا عثمان کا خون مباح ہے اسنے یہ کیا اور وہ کیا۔

جب نائرۂ فتنہ بلند ہوئی تو عثمانِ غنی حجت پوری کرنے کے لیئے شب کو حضرت علی کے پاس آئے
اور کہا کہ آپ آخر کیا انتظار کر رہے ہیں فتنہ کی آگ کو بجھایئے ورنہ خلافت کی ہری بھری کھیتی
جل کے خاکستر ہو جائیگی حضرت علی نے اقرار کر لیا کہ صبح کو میں اسکی کوشش کرونگا عثمان
وہاں سے اُٹھکر چلے آئے، علی الصباح علی اکابر صحابہ کو ساتھ لیکے باغیوں کے پاس آئے
اور بجائے اسکے کہ انھیں دھمکاتے ان سے للّو چپو کر کے اور انہیں سر پر چڑھا دیا۔ یہ خبر جب
مروان نے سُنی تو اُس نے عثمان سے کہا کہ تمنے ناحق علی کو بھیج کے معاملہ کو بگڑوا دیا۔ علی
نے جو الحاح وزاری کی اِس سے باغیوں کی ہمت بندھ گئی اور وہ سمجھ گئے کہ خلیفہ میں اب ذرا
کا کچھ دم درود باقی نہیں، علی نے باغیوں کی نظروں میں تمہیں بہت ہی ذلیل کیا ہے۔ ترکیب
تو یہ تھی کہ باغیوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ آپ فتنہ کی آگ دبانے کی قوت رکھتے ہیں
اور کل اہلِ مدینہ آپکے ایک اشارہ سے شمشیر بکف ہونے کے لیئے تیار ہیں، جب وہ سمجھتے کہ
سخت خونریزی ہو گی اور انکا زندہ بچ کے وطن پہنچ جانا محال ہے تو وہ ہرگز فتنہ نہ پھیلاتے
مگر کیا کیا جائے علی نے جا کے معاملہ ہی بگاڑ دیا۔ خیر جو کچھ ہو سکے کرنا چاہیئے باقی نتیجہ کا اللہ
مالک ہے *

یہ بات چونکہ بہت معقول تھی عثمانِ غنی کی سمجھ میں آ گئی۔ آپنے مسجدِ نبوی میں ایک مجلس
منعقد کی جس میں عمرو بن العاص آپکے مخالف بھی موجود تھے، علی کی گفتگو سے آپنے اظہارِ
افسوس کیا، اسپر عمرو بن العاص آپکے مخالف گرم ہو کے بولے کہ بغیر خوشامد کے چارہ نہیں ہٹ
دھرمی/ہیکڑی سے کام نہیں نکل سکتا، اِس پر عثمان نے عمرو کو دھمکایا کہ تم اُلٹی سیدھی باتیں نہ
بناؤ، یہاں مجلس میں اہلِ مدینہ تو خال خال تھے، باقی سب اہلِ فتنہ جمع تھے آواز بلند
ہوئی کہ عثمان اپنی غلطیوں سے توبہ کرو اور جو کچھ تم کر چکے ہو اِس سے افسوس ظاہر کرو
اس غل و شور کے ساتھ ہی پتھر باری ہونے لگی۔ باغی اُٹھ کھڑے ہوئے عثمانِ غنی کو

ممبر پر سے گھسیٹ لیا اور نہایت سخت زدوکوب کر ڈالا۔ آپ چونکہ بہت بوڑھے تھے ممبر پر سے گرتے
ہی بیہوش ہو گئے اور دیر تک بیہوش رہے تب کہیں جاگ کھڑے ہوئے۔ آپکے چند ہوا خواہوں
نے حضرت عثمان کو گود میں لے کر اٹھا کے گھر پہنچا دیا۔ اس کے بعد حضرت علی عثمان کے پاس گئے
اور آپ چونکہ ضعیف تھے علی نے کہا کہ آپ کو مسجد میں جانے اور خطبہ پڑھنے کی کیا ضرورت
در اصل تھی ابھی مروان نے آمادہ کر کے انہیں راضی کیا تھا آپ نے ہمارا کہنا نہ مانا
پھر اکیلا چھوڑ دیا ہوں اور کس لیئے آپ مسجد نبوی میں گئے اور اس وقت خطبہ خوانی کی آپکو
ضرورت ہی کیا تھی۔ حضرت عثمان نے جواب دیا "ما مضی لا یذکر" یعنی گذری ہوئی بات
کا ذکر نہیں۔ اب تم کیا کہتے ہو جو تم کہو وہی کیا جائے۔ حضرت علی نے کہا ایک مجمع کیا جائے
اور اس مجمع کے آگے آپ اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں۔ بس پھر سب کچھ ہو جائے گا۔ عثمان یہ
آخری حجت پوری کرنے کے لیئے کہ ان پر کوئی الزام نہ رہے راضی ہو گئے۔ آخر مسجد نبوی میں
پھر ایک مجمع ہوا اور اس میں حضرت عثمان نے حضرت علی کے مشورے کے بموجب نہایت ہی
درد ناک لہجہ میں یہ بیان کیا" لوگوں یہ بات تم پر مخفی نہیں ہے کہ نسیان و خطا روز ازل
سے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت ہوئی ہے، میں نہ معصوم ہوں نہ عصمت کا دعویٰ کرتا ہوں
اگر مجھ سے امر خلافت میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو محل تعجب نہیں ہے۔ رسول مقبول نے
فرمایا ہے کہ "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ" اب جو کچھ پسندیدۂ خدا نہوا اور جو کچھ تمہاری
مرضی کے خلاف ہوئیں اس سے توبہ کرتا ہوں اور اس سے روگردانی کرتا ہوں، میری عمر
پوری ہو چکی ہے، میرے اپنے لئے اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ جو پسندیدۂ خدا نہو
اس سے توبہ کروں، تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ جو کچھ تمہاری شکایتیں ہوں بیان کرو، میں
دل سے سنونگا اور ان شکایتوں کے مٹانے کی تدبیر کرونگا۔ انشاء اللہ فقط۔
یہ بیان کرکے آپ ممبر پر سے اتر آئے اور اپنے گھر چلے آئے۔ مجمع نے نہایت خاموشی سے

آپکی یہ عذر خواہی سُنی، مجمع ابھی منتشر نہیں ہوا۔ جب عثمان غنی چلے گئے تو حضرت علی نے آپکے
بعد کھڑے ہو کے صرف اتنا کہا کہ جو کچھ مناسب کہنا تھا وہ یہ شخص (یعنی عثمان غنی) کہکے چلا گیا
اور یہی کافی بھی تھا"، بس اسکے بعد مجمع منتشر ہوگیا اور وہ مجمع سیدھا عثمانِ غنی کے مکان پر آیا
ہجوم بہت ہی ہوگیا اور اس ہجوم میں دشمن و دوست کی پہچان محال تھی۔ کاش حضرت علی اپنے
بیان میں اتنا کہہ دیتے کہ ہم عثمان کی عذر خواہی کو قبول کرتے ہیں، اب کسی نے اگر عثمان کی طرف
آنکھ بھر کے دیکھا تو ہم اسکی آنکھیں نکال لیں گے، بس اسی وقت شور و شر مٹ جاتا اور یگانہ خلیفہ
کے قتل کی نوبت نہ آتی، مگر یہ نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں کی کمر ہمت مضبوط رہی۔ اور
انہوں نے بلا وجہ اور بلا سبب پھر بیت خلافت کو آکے گھیر لیا۔ دروازہ بند تھا۔ مروان نے
عثمان کو خبر دی کہ لوگ فوج فوج آپکے پاس آنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان نے کہا جو کچھ کہنا
تھا میں مسجد رسول اللہ میں کہہ آیا، اسکے علاوہ آنکھ چار کرکے اِن سے باتیں کرنے میں مجھے شرم
آتی ہے۔ تم اِن سے کہدو کہ اس وقت وہ مجھے معاف رکھیں پھر کسی وقت دیکھا جائے گا۔
چنانچہ مروان دروازہ پر آیا اور عثمان غنی کا پیغام اِس مجمع کو پہنچا دیا۔
یہ لوگ سیدھے حضرت علی کے پاس آئے اور کہا ہم تو ازراہِ محبت عثمان کے پاس گئے
تھے کہ مروان نے ہم سے یہ یہ کہکے ہمیں اندر نہ جانے دیا۔ حضرت علی کو یہ سن کے بہت رنج ہوا،
اور آپ سیدھے اُٹھ کے عثمان غنی کے پاس آئے، دونوں کی گفتگو ہونے لگی۔ حضرت علی نے
کہا کہ ہم تو اصلاح امور میں کوشش کرتے ہیں مگر مروان کی مفسدہ پردازی سے ہماری کل کوششیں درہم
و برہم ہو جاتی ہیں۔ آپ کو کیا خبر کہ مروان اپنی ذاتی اغراض میں مبتلا ہے آپکے کاموں سے
اِسے خاک دلچسپی نہیں ہے۔ وہ عنقریب تمہیں کوئیں میں دھکیل کے آپ الگ ہو جائے گا اور پھر
تم اُس کوئیں سے باہر نہ نکل سکو گے۔ اخیر مجبور ہو کے میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ پھر تمہارے
پاس نہ آؤں، کیا کہوں تم میری ایک نہیں سُنتے اور جو کچھ مروان کہتا ہے اُسی پر آنکھ بند کرکے

عملدرآمد کرتے ہو، اتنا کہکے حضرت علی نے جواب کا انتظار بھی نہ کیا اور اُٹھ کے اپنے گھر چلے آئے، علیؓ کے جاتے ہی نائلہ بنت القراصنہ زوجہ عثمان غنی حضرت خلافت پناہی کے پاس حاضر ہوئیں اور کہا اے عثمان میری تو یہی رائے ہے کہ تو علی کے کہنے پر چل اور مروان کی باتوں میں نہ آ، کیونکہ اس موقعہ پر مروان کی موافقت کام نہ دیگی۔ نائلہ کی یہ بات زیادہ وزن رکھتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ باغیوں کی باگ حضرت علی کے ہاتھ میں ہے، مروان سے باغی بہت ناراض ہیں اگر عثمان علی کی موافقت میں کام کرینگے تو انکی زندگی بچ جائیگی۔ اِس کا جواب حضرت عثمان نے اپنی بیوی کو کچھ نہ دیا اور بالکل خاموش ہو گئے۔

اسی اثنا میں حضرت عثمان نے عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ ابن عمرؓ نے کہا یہ تو بتایئے کہ آپکے دشمنوں کا کیا مقصد ہے اور وہ آپسے آخر چاہتے کیا ہیں عثمانؓ نے کہا انکا مدعا تو فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں خلافت سے ایسی دست برداری کرلوں کہ پھر ادہر کا خیال بھی مجھے نہ آئے، یعنی خلافت سے علٰحدہ ہوکے پھر میں اس سے کچھ سروکار نہ رکھوں۔ اسپر عبداللہ نے کہا کہ خلافت ترک کرنے کے بعد کیا آپ کو قیامت تک زندہ رہنے کی اُمید ہے، عثمان نے مسکراکے کہا نہیں یہ کیونکر کوئی باہوش شخص خیال کرسکتا ہے کہ وہ قیامت تک زندہ رہیگا۔

ابن عمر نے جوابدیا جب یہ بات ہے تو میری رائے یہ ہے کہ آپ خلعتِ خلافت کو مت اُتاریئے اور اپنے قتل کا خوف نہ کیجیے آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ آپ خلیفہ ہونے کی حالت میں قتل کیئے جائیں، کیونکہ اگر آپنے اپنے قتل کے خوف سے تخت خلافت سے کنارہ کشی کی تو یہ مثال آپ قائم کردینگے کہ جب کسی خلیفہ سے چند آدمی ناراض ہوجائیں تو وہ آسانی سے اُسے تختِ خلافت سے اُتار دیں اسلام میں اس سے سخت رخنہ پڑیگا اور پھر خلیفہ کی کوئی وقعت نہیں رہنے کی۔ آپ کو کیا یاد نہیں کہ رسولِ مقبول نے میری اور دیگر صحابہ کی موجودگی میں آپ سے یہ کہا تھا، خلا تنزع قمیص الی اللہ تعالیٰ، وہ قمیص کس چیز کی ہے، یہ خلافت کی قمیص ہے، جس کی نسبت حضور انور نے

ارشاد فرمایا تھا۔ اب آپ اپنی حجت پوری کرنے کے لیے مخالفوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کی دعوت دیں اگر وہ مان لیں تو فبہا نہ مانیں تو آپ معذور ہیں۔ فقط

یہ رائے حقیقت میں بڑی وزنی رائے تھی اور ایسی رائے تھی کہ عبداللہ بن عمرؓ کی روشن ضمیری عالی دماغی اور عقل و فراست کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ حضرت عثمان نے بھی اس رائے کو بہت پسند کیا۔ پھر آپ نے مغیرہ بن شعبہ کو اپنا ایلچی بنا کے مفسدوں کے سرگروہ کے پاس روانہ کیا۔ مغیرہ گئے اور مفسدوں سے صلح و آشتی اور خدا و رسول کی باتیں کرنے لگے۔ مفسدوں نے ایک نہ سنی اور نہایت درشت لہجہ میں کہا کہ تو فاسق، فاجر، اور زانی[1] ہو کے خدا و رسول کی باتیں ہمارے آگے کرنے آیا ہے، جا چلا جا!! ہم تیری کوئی بات نہیں سننا چاہتے!!! یہ سن کے مغیرہ وہاں سے بے نیل مرام چلے آئے اور سارا قصہ حضرت عثمان سے بیان کر دیا۔ حضرت عثمان یہ سن کے خاموش ہو گئے۔ پھر آپ نے عثمان بن عبداللہ بن سلام کو مفسدوں کے پاس بھیجا وہ گئے اور انہوں نے ان سے گفتگو کرنی شروع کی، دوران تقریر میں [illegible] میں یہ کہا کہ "کیا تم خلیفہ کو قتل کرنا چاہتے ہو، کیا تمہیں بیت رسول اللہ کا ادب اور پاس نہیں ہے کہ اس کے ایسے جلیل القدر صحابی اور جانشین کا اس کی چوکھٹ پر خون بہانے آئے ہو، کیا تمہاری نظروں میں عثمان رضی اللہ عنہ کا مفروضہ جرم قابل معافی نہیں ہے، تم ایک ایسے حادثہ کے مرتکب ہونا چاہتے ہو جس سے ایک خونی فساد کی بنیاد مملکت اسلام میں قائم ہو جائیگی، اور نا مسلمانوں کی نظروں میں اسلام اور اسلامیوں کی کوئی وقعت نہیں رہنے کی، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس وقت چند آدمیوں کو ملا کے تم نے مدینہ پر قابو حاصل کر لیا ہے، اور تم سے اس [illegible] نہ لیا جائیگا۔ یہ نہیں ایسا خیال نہ کرنا۔ تم مسلمانوں میں شمشیر زنی کی ایک مثال [illegible]

---

[1] مغیرہ بن شعبہ پر فاروق اعظم کی خلافت میں زنا کا الزام لگایا گیا تھا۔ مگر تحقیق سے جو ثابت ہوا [illegible] اور آپ بری کر دیئے گئے۔

یاد رکھنا تم آپنے کام کے ذمہ دار ہو یہ بڑا اہم معاملہ ہے اسے سوچ سمجھ کے کرنا چاہیئے اسکے علاوہ عثمان کے بہتر بڑے حقوق ہیں اور ان حقوق کی بنا پر تمھارا فرض ہے کہ اگر تم عثمان کے پاس آؤ اور وہ سوتے ہوئے ہوں تو تم انہیں جگانے کی مبادرت نہ کرو، ساتھ ہی یہ بھی تمھیں سمجھنا چاہیئے کہ عثمان کا پیالۂ عمر لبریز ہو چکا ہے اور رسولِ کریم کی پیشین گوئی کے بموجب یقیناً آپ کی عمر ذی الحجہ کے گزرتے ہی پوری ہو جائیگی جسے بہت زمانہ درکار نہیں ہے پھر اتنی سی قلیل مدت کے لیئے ایسا خطرناک فعل کرنا کسقدر عقل سے بعید اور خلاف انصاف ہے فقط اتنا کہنے کے بعد عبداللہ بن سلام خاموش ہو گئے، انکے خاموش ہوتے ہی مالک ابن اشتر نخعی۔ حرقوص بن زبیر اور کل مفسد یکایک بھڑک اُٹھے اور عبداللہ سے سخت زبانی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اے یہود تو کون ہے کہ عظمائے اسلام اور کبرائے انام کے رُوبرو ایسی سخت زبان درازیاں کرتا ہے اور انکے معاملات میں دخل دینے آیا ہے، جا چلا جا ہم تیری ایک نہیں سُننے کے، اخیر بیچارے عبداللہ بن سلام وہاں سے اُٹھ کے چلے گئے اور ساری کیفیت عثمان غنی سے آکے عرض کر دی ؎

بوڑھے اور بیگناہ خلیفہ نے محض اس خوف سے کہ حجت تمام کرنے میں کوئی دقیقہ نہ بچ جائے عمرو بن العاص کو بطور قاصد ان مفسدوں کے پاس روانہ کیا، مگر یہ بھی اسی طرح بغیر کامیابی کے واپس چلے آئے، اب بیتِ خلافت میں یہ مشورہ ہونے لگا کہ کیا کرنا چاہیئے اس پر عبداللہ بن عمر یعنی حضرت فاروقِ اعظم کے صاحبزادے نے کہا۔ عثمان! اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ان مفسدوں کا بست و کشود سب علی بن ابیطالب کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہیں تو آناً فاناً میں آپکے منشا کے مطابق ان باغیوں کو رضی کر سکتے ہیں۔ انکی باگ یقیناً علی ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرف چاہیں انھیں موڑ دیں، آپ ان ہی سے کہیے۔ اگر وہ چاہیں گے تو سب کچھ ہو جائیگا۔ ناچار حضرت عثمان نے علی سے بُلا کے کہا کہ آپ ہی سے یہ ممکن

ہے کہ اس فتنہ کی آگ کو فرو کر دیں باغی سوائے آپکے اور کسی کی بات نہیں سننے کے، اس پر حضرت علی نے کہا اچھا عثمان تم میرے ساتھ یہ عہد و پیمان کرو کہ جو کچھ میں کہوں اسکی تعمیل میں سر مو تفاوت نہ ہو حضرت عثمان نے یہ بات قبول کر لی۔ یہاں ناظر اس بات کو اچھی طرح خیال کرے کہ علی نے یہ مطلق نہیں کہا کہ باغیوں کی باگ میرے ہاتھ میں نہیں ہے نہ میں کچھ کر سکتا ہوں بلکہ اُنہوں نے اپنے رسوخ کو جو اُنہیں باغیوں میں حاصل تھا قبول کر لیا۔ بہر حال دونوں کا معاہدہ ہو گیا، عثمان رضی ہو گئے کہ جو کچھ آپ کہیں گے میں کرونگا۔

اسکے بعد حضرت علی باغیوں کی جماعت میں گئے اور اُنہیں کچھ سمجھایا بجھایا۔ انھوں نے کہا ہم تو آپ کے ساتھ ہیں جو کچھ آپ کہیں گے ہمیں عذر نہ ہوگا، یہ سُن کے حضرت علی عثمان کے پاس گئے اور کہا باغی اس بات پر رضامند ہیں کہ آپ مصر کی گورنری سے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو معزول کرکے محمد[1] بن ابابکر کو اسکی جگہ مصر کا گورنر بنادیں، عثمان چونکہ وعدہ کر چکے

[1] محمد بن ابابکر چوبیس پچیس برس کا ایک نا تجربہ کار نا تعلیم یافتہ نوجوان تھا، حضرت ابو بکر صدیق کی وفات پر اسکی عمر صرف تین برس کی تھی، اسکی ماں سے حضرت علی نے نکاح کر لیا تھا، تو گویا یہ علی کا گیلڑ ہوا۔ حضرت علی نے اسے اپنے بچوں کی طرح پرورش کیا اور ان ہی کی گودیوں میں یہ بڑا ہوا، چونکہ حضرت علی اسے بہت چاہتے تھے اور اس نے آنکھ کھول کے صرف حضرت علی ہی کو دیکھا تھا، اس لیئے یہ جا و بیجا انکی طرف سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ مصر کی گورنری تو بہت بڑی چیز تھی اِس نے تو کبھی نوعمری میں ایک گاؤں کی پٹیلی بھی نہیں کی تھی۔ اب رہا باغیان مصر کے خیالات تو وہ حضرت علی کی ہاں میں ہاں ملانے پر تُلے ہوئے تھے، وہ محمد بن ابی بکر سے مطلق واقف نہ تھے، حضرت علیؓ نے مصر پر اپنا ذاتی اقتدار قائم کرنے کے لیئے محمد بن ابی بکر کا انتخاب کیا، یہ شور و شر اور قتل عثمان محض اسی بنا پر کیا گیا کہ خلیفہ وقت کی سیادت مصر پر سے اُٹھ جائے۔ محمد بن ابی بکر کو چھوٹا علی سمجھنا چاہیئے، اِس گستاخ اور ناتجربہ کار نوجوان نے سب سے پہلے بیت الخلافت میں داخل ہو کے خلیفہ وقت کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی اور محض حضرت علی کیوجہ سے اسکی مخالفت اپنی بہن عائشہ صدیقہ سے یہاں تک تھی کہ آخیر صدیقہ نے اسے نامحرم قرار دیکے اِس سے

تھے کہ جو کچھ تم کہو گے وہی کرونگا فوراً دو فرمان لکھ دیئے ایک عبداللہ بن ابی سرح کی معزولی کا اور دوسرا محمد بن ابی بکر کی تقرری کا، ادھر فرمانوں پر مہر ہوئی اور اُدھر باغی منتشر ہو کے اپنے اپنے وطن چلے گئے، چلو فی الحال قصہ تمام ہوا۔

محمد بن ابی بکر مصر کے باغیوں کے ساتھ فرمان خلافت لیکے مصر کیطرف روانہ ہوئے۔ کئی منزلیں طے کرنیکے بعد رستہ میں اُنہیں ایک شتر سوار ملا جو دو منزلہ کا ایک منزلہ کرتا ہوا مصر کی طرف جا رہا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس اُونٹ پر وہ سوار تھا لوگوں نے پہچان لیا کہ وہ اُونٹ خاص حضرت عثمان کا تھا۔ صاحب غلیہ کے قول کے مطابق اِس شخص کا نام اعور بن سفیان سلمی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں وہ شتر سوار حضرت عثمان کا غلام تھا۔ بہرحال باغیوں نے اِس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جاتا ہے۔ اِس نے کہا کہ میں عثمان کا قاصد ہوں اور والئی مصر کے پاس انکا پیغام لیجاتا ہوں باغیوں نے کہا والئی مصر تو ہمارے ساتھ ہے اسنے جواب دیا کہ یہ پیغام عبداللہ بن ابی السرح کے نام کا ہے اور وہی اسکا مرسل الیہ ہے، مصریوں نے پوچھا کہ عثمان کا کوئی خط تیرے پاس ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ اِس پر باغیوں نے اسکی تلاشی لی تو اُس کے پاس سے خط برآمد ہوا۔ اِس خط کو پڑھا گیا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ فلاں فلاں مصری باغیوں کو قتل کر دینا اور فلاں کو مشکیں بندھوا کے درختوں میں لٹکوا

. . . . پردہ کیا تھا۔ جو واقعات تھے اِنکی ہندی کی چندی کر کے آپکے آگے دوہرا دیئے ہیں اب آپ خود ہی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ خلیفۂ وقت کے قتل میں علی کا ہاتھ کہاں تک کام کر رہا تھا، اور اسلام میں سب سے پہلے خونریزی کا بیج کس نے بویا۔ یاد رکھیئے کہ اگر ذرا بھی خلوص سے کام لیا جاتا تو مصر کی گورنری کا ایسا ذمہ داری کا عہدہ ایسے ناتجربہ کار نوجوان کو کبھی نہ دیا جاتا، اب انصاف سے خیال تو کیجئے کہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ مصر کا گورنر بعض مصریوں پر ظلم کرتا تھا اور باوجود شکایت کے خلیفہ وقت نے اسے گورنری سے علحدہ نہیں کیا تو کیا وہ اِس جرم میں ایسی سخت سزا کا مستوجب ہو سکتا ہے کہ مدینۃ الرسول میں اسکا خون بہا کے اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو روک دیا جائے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں ٭

دینا، اور فلاں فلاں کو صرف قید کر دینا۔

یہ خط پڑھتے ہی محمد بن ابی بکر اور اسکے رفیق باغیوں کے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں، انہوں نے بصرہ اور کوفیوں کے باغیوں کے پاس قاصد دوڑا دیئے کہ معاملہ سارا دگرگوں ہو گیا ہے تم فوراً مسلح ہو کے مدینہ پہنچو اور آپ نہایت تیزی سے واپس مدینہ چلے آئے اور سیدھے حضرت علی کے پاس گئے اور ساری کیفیت بیان کر دی اور وہ خط بھی حضرت علی کو دکھایا، حضرت علی کو خط دیکھ کے بہت غصہ آیا۔ آپ نے طلحہ، زبیر، سعد ابی وقاص اور دیگر صحابہ کو اپنے پاس بلا کے انہیں یہ ساری رام کہانی سمجھائی، اور پھر سب مل کے بیت خلافت میں حضرت عثمان کے پاس آئے، کل صحابہ خاموش بیٹھ گئے کیونکہ حضرت علی کو لگی ہوئی تھی انہوں نے یہ کہنا شروع کیا، عثمان پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ جو غلام مصر بھیجا گیا تھا وہ کس کا غلام ہے۔ جواب دیا کہ میرا غلام ہے۔ پھر دریافت کیا کہ جس اونٹ پر وہ سوار تھا کس کا ہے جواب ملا کہ میرا اونٹ ہے۔ پھر حضرت علی نے خط دکھا کے کہا کہ یہ خط آپ نے لکھوایا یا آپکے علم میں لکھا گیا۔ اور یہ مہر اس پر آپ ہی نے اپنے ہاتھ سے کی ہے۔ جواب دیا نہیں۔ نہ میں نے لکھوایا، نہ میرے علم میں لکھا گیا۔ نہ میں نے اس پر مہر کی۔ ہاں بیشک مہر میری ہے۔ مگر نہ میں نے کی نہ مجھے اس کا علم ہے۔

یہ ایسا قطعی جواب تھا کہ حضرت علی کو فوراً قبول کر لینا تھا۔ کیونکہ عثمان تو خلیفہ اسلام تھے واللہ ایک معمولی عرب بھی اپنی گردن کٹوا دینا جھوٹ بولنے سے بہتر خیال کرتا تھا، کیونکہ ہر عرب کے کان میں حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سنہری اور حکیمانہ جملہ گونج رہا تھا کہ اَلْمُؤْمِنُ لَا یَکْذِبُ محض ناممکن تھا کہ حضرت عثمان جھوٹ بولتے تو کجا کوئی ذومعنی بات بھی منہ سے نکالتے۔ بہرحال حضرت علی کو یقین نہ آیا اور انہوں نے ایک ایسی بات کہی جو انکی شان کے لائق نہ تھی۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر

ہو سکتا ہے کہ اونٹ تمہارا غلام تمہارا۔ مہر تمہاری اور پھر تمھیں اس خط کا علم نہ ہو؟
لاحول ولا قوۃ، خلیفہ نہ اونٹوں کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے نہ غلاموں کے پیروں سے
رسی باندھ سکے اس رسّی کا سرا اپنے ہاتھ میں پکڑے رہتا ہے، نہ صدہا فرامین پر خود مہر لگا
سکتا ہے، نہ مہر کی صندوقچہ اسکے پاس رہ سکتا ہے۔ یہ کام تو ارکین سلطنت اور وزراء کا
ہوتا ہے۔ ایسی صریح بات کو حضرت علی جیسا قابل شخص نہ سمجھے تعجب پر تعجب ہے۔

غرض جب حضرت عثمان نے دیکھا کہ علی میرے اس عذر کو باور کرنے میں پس و پیش کرتے
ہیں تو آپ جذبہ میں بھر آئے اور کہا علی میں وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے نہ
اس خط کی تحریر کا کچھ علم ہے نہ اسکے بھیجنے کا پھر نہ یقین کرنے کی کیا وجہ، یہ سنتے ہی رسول
کریم کے کل صحابہ جو اس مجلس میں موجود تھے یکزبان ہو کے بول اٹھے "عثمان تو نے سچی قسم
کھائی اور تو یقیناً اپنے قول میں سچا ہے" اس پر چار و ناچار حضرت علی کو بھی خاموش ہونا پڑا
پھر حضرت علی دیر تک اس خط کو دیکھتے رہے اخیر انکی مہر سکوت ٹوٹی۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ
خط مروان آپکے داماد کے ہاتھ کا معلوم ہوتا ہے، آپ اسے بلا کے ہمارے حوالے کر دیں
یہ سوال بڑا خطرناک تھا۔ کیوں اور کس لیئے مروان کو حوالہ کیا جاتا؟ جبکہ خلیفۂ وقت موجود
ہے، وہ ہر مقدمہ کے فیصلہ کرنے اور مجرم کو سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے، پھر اسکی موجودگی
میں رعایا میں سے کسے حق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ خود حاکم بن جائے اور خلیفہ کو کالعدم
کر کے اسکے کل اختیارات خود لیلے اور ملزم کے مقدمہ کی تحقیقات خود کرنے بیٹھ جائے۔
اسی بنا پر عثمان نے مروان کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

مناسب یہ تھا کہ اگر مروان کو ملزم خیال کیا گیا تھا تو اس پر باقاعدہ کھلی عدالت میں
مقدمہ چلایا جاتا۔ اور اسکی پوری تحقیق ہوتی۔ برخلاف اسکے حضرت علی اپنے بعض اصحاب کو
ساتھ لیکے واپس چلے آئے اور باغیوں کو آزادی دیدی کہ بوڑھے خلیفہ سے خواہ جس

طرح چاہیں سمجھ لیں۔ چنانچہ باغیوں نے حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور سب سے پہلے پانی بیت خلافت میں جانے سے روک دیا۔ اِس سے حضرت عثمان کو سخت تکلیف ہوئی جب بچوں اور عورتوں کی حالت پانی کیوجہ سے ناگفتہ ہوئی تو ناچار عثمان نے علی کے پاس قاصد بھیجا کہ کیا پانی بند کرنا بھی داخل اسلام ہے، اِس پر حضرت علی نے پانی کی چند مشکیں بھجوا دیں۔ اِس کارروائی سے پتہ چلتا ہے کہ باغی محاصرین کسقدر علی کے مطیع تھے۔ کہ خفیف سی بھی مزاحمت اندر پانی جانے کی نہیں کی۔ اب اس میں ذرا کلام نہیں رہا کہ اگر علی چاہتے تو قتل عثمان رک سکتا تھا، مگر دنیا میں اِس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کی مثل بہت مشہور ہے خود بھی اُس سے زیادہ تباہی سے شہید ہوئے یہانتک کہ رفقا کو مجبوراً لاش گم کر دینی پڑی +

اِس وقت ساری خرابی یہ تھی کہ مدینہ سپاہ سے بالکل خالی ہو گیا تھا، ورنہ کسی کی مجال نہ تھی کہ ادھر کا رخ بھی کرتا۔ بایں ہمہ جب خلیفہ کی اِس مصیبت کی خبر ملکِ شام میں پہنچی۔ تو یہاں سپاہ میں ایک جوش پیدا ہو گیا، چنانچہ فوراً قعقاع بن عمرو، اور حبیب بن فہر ایک ہزار لشکر کے ساتھ جو کسریٰ اور قیصر کو شکست دیچکا تھا جانبِ مدینہ خلیفہ کی مدد کو روانہ ہو گئے انکی روانگی کی خبر باغیوں کو ہو گئی۔ باغیوں نے ارادہ کر لیا کہ شامی فوجوں کے پہنچنے سے پہلے عثمان کا کام تمام کر دو۔ اب ان لوگوں نے زیادہ سختی کرنی شروع کی، دار الخلافہ میں کھانا اور پانی بالکل بند کر دیا اور جب معاملہ حد پر پہنچ گیا تو بدگمانی سے بچنے کے لئے حضرت علی نے اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو اسی طرح زبیر اور طلحہ نے اپنے بیٹوں کو دار الخلافہ کے دروازہ پر بطور پہراتی مقرر کر دیا۔ مگر یہ پہراتی خالی نمایشی تھے جن سے کچھ بھی مدد خلیفہ کو نہیں مل سکتی تھی۔ اسی اثنا میں حج کے دن بھی آ گئے۔ چونکہ عثمان محاصرہ میں تھے اور خود حج کو نہیں جا سکتے تھے۔ آپنے عبداللہ ابن عباس کو طلب کیا اور مکان کے برآمدہ

پر آکے انہیں حکم دیا کہ وہ مکہ جائیں اور مناسک حج ادا کریں۔ عبداللہ ابن عباس نے کہا امیر المومنین میں اِس سال حج کرنے سے اِن باغیوں پر جہاد کرنا بہتر سمجھتا ہوں، آپ مجھے نہ بھیجیے۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں مدینۃ النبی میں خونریزی نہیں چاہتا تم فوراً مکہ روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس حسب الحکم خلیفہ روانہ مکہ ہو گئے۔

باغی برابر اپنی تیز دستی دکھاتے جاتے تھے، انہیں خوف تھا کہ اگر شامی فوجیں آگئیں تو آناً فاناً میں انکا قلع قمع ہو جائیگا۔ چنانچہ انہوں نے آخر بیت الخلافت میں آگ لگادی اور جب دروازہ جل گیا تو اندر گھس آئے۔ مگر بیت الخلافت ایسا نہ تھا کہ بغیر تکسیر پھوڑے قبضہ میں آسکتا تھا۔ کیونکہ مروان بن الحکم اور سعد بن ابی وقاص پانسو نبرد آزما نوجوانوں کو لیئے ہوئے بیت خلافت کے صحن میں دشمنوں کا تیر و تفنگ اور شمشیر ہائے آبدار سے استقبال کرنے کے لیئے تیار تھے۔ جوں ہی حضرت عثمان کو یہ معلوم ہوا آپنے اُن جنگ آوروں سے کہا تم سب اپنی تلواریں میانوں میں دے لو میں ہرگز خوں ریزی پسند نہیں کرتا۔ میں اگر مارا جاؤں تو مجھے کچھ پروا نہیں ہے مگر یہ نہیں چاہتا میری وجہ سے مسلمانوں کا خون بہے۔ مروان نے اِس پر یہ کہا کہ ہم قتال مسلمین کے لیئے جمع نہیں ہوئے ہیں بلکہ جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے تجھ پر کسی ظالم کا ہاتھ دراز نہیں ہونے دینگے۔ ایسا ہی ہوا کہ باغی مروان کی صورت دیکھتے ہی اُس پر جھپٹ پڑے۔ مروان اور سعد بن ابی وقاص سخت زخمی ہوئے۔ مروان کا غلام اُسے کندھے پر اُٹھا کے باہر لے گیا باغیوں نے یہ سمجھ کے کہ یہ قتل ہو چکا ہے اس سے تعرض نہ کیا۔ اسی اثناء میں حضرت عثمان کے غلام آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمیں قتال کی اجازت دیجئے۔ آپنے فرمایا نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر تم قتال نہ کروگے تو اسکے معاوضہ میں میں تمھیں آزاد کرتا ہوں غلام اپنے آقا کے حکم سے مجبور ہو گئے۔

اب آپ حضرت عثمان کی استقامت اور شان اولوالعزمی کو دیکھئے کہ گھر میں تو یہ رستخیز ہو رہی ہے، مکان جل چکا ہے اور باغی قتل و غارت کے لیئے خلیفہ کی طرف متوجہ ہیں اور آپ اپنے خاص حجرہ میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ یہ مثالیں ہیں اسلام کے فدائیوں کی جو دنیا میں دوسری قوموں میں نہیں ملتیں۔ غرض آپ قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ باغیوں کا موجودہ سرگروہ محمد بن ابابکر اس حجرہ میں ننگی تلوار لیئے ہوئے آیا اور آتے ہی آپ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا "اے عفان کے بیٹے کہاں ہیں تیرے مددگار مروان عبداللہ بن سعد او معاویہ کیوں نہیں تیری مدد کو آتے؟ انکی رفاقت اس وقت تیرے لیئے بے سود ثابت ہوئی"۔ یہ سن کے حضرت عثمان نے آبدیدہ ہو کے کہا کہ "اگر تیرا باپ ابوبکر زندہ ہوتا تو اس وقت تو اسکی مباورت نکرتا بس اور میں تجھ سے کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس کا اثر محمد بن ابابکر پر اسقدر ہوا کہ اُسنے خلیفہ کی ڈاڑھی چھوڑ دی اور سخت منفعل ہو کے باہر چلا آیا۔ جب کنانہ بن بشر نے محمد کی یہ کیفیت دیکھی کہ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیئے ہوئے عثمان کو قتل کرنے کے لیئے آگے بڑھا کہ اتنے میں عبدالرحمن بن عدیس۔ سودان بن حران اور غافقی نے غل مچا کے کہا ذرا ٹھیر جا عثمان سے دو باتیں کرنے دے وہ ٹھہر گیا۔ یہ تینوں آگے بڑھے اور کہا "عثمان! اب بھی تو اگر مسند خلافت چھوڑ دے تو ہم تیری جان بخشی کرتے ہیں" حضرت عثمان نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ "خداوند تعالیٰ نے مجھے مسند خلافت عطا کی ہے پھر دوسرے کی کیا مجال ہے جو مجھ سے میری زندگی میں یہ چھیننا چاہتا ہے۔ یہ کتاب اللہ جو میرے پاس موجود ہے میں تمھیں اسکی دعوت کرتا ہوں تم اس کتاب خدا سے ہرگز روگردانی نہ کرو"۔ اسپر باغیوں کو غصہ آیا۔ غافقی نے سب سے پہلا وار تلوار کا کیا کہ عثمان خون میں نہا گئے۔ خون کی دہار سب سے پہلے قرآن مجید کی اس آیت پر گری جو آپ تلاوت کر رہے تھے

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

جسوقت غافقی نامی باغی نے عثمان غنی پر تلوار چلائی معاً اُن کی بیوی نائلہ ان پر گر پڑی اور حملہ آور کی تلوار اس خاتون نے اپنے برہنہ ہاتھ سے پکڑلی جس سے اس دلیر خاتون کے ہاتھ کٹ گئے اور بعد ازاں وہ جیراً ہٹادی گئیں پھر قتیرہ اور سودان نے عثمان غنی کو قتل کیا۔ مگر قاتل بھی نہ بچے انھیں حضرت عثمان کے غلاموں نے فوراً ہی تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

عثمان کے قتل ہوتے ہی غافقی کمرہ سے باہر آیا اور دہلیز پر کھڑے ہو کے اُسنے یہ غل مچا کے کہا قد قتلنا ابن عفان یعنی ہم نے ابن عفان (مراد از حضرت عثمان) کو مار ڈالا۔ جوں ہی حضرت علی کو واقعہ قتل عثمان کی خبر ہوئی وہ اُسیوقت گھر سے باہر نکل آئے اور دوڑے ہوئے عثمان شہید کے مکان پر پہنچے۔ یہاں دروازہ پر برائے نام ان کے بچے امام حسن اور حسین پہرے پر کھڑے ہوئے تھے آپ نے حسن کے تو ایک تھپڑ رسید کیا۔ اور حسین کی چھاتی میں ایک مکا مارا اور کہا جب تم یہاں پہرے پر کھڑے ہوئے تھے تو تم نے عثمان کو کیوں قتل ہونے دیا اس تھپڑ اور مکے کی نوبت ہی نہ آتی اگر حضرت علی مصری باغیوں کو جو بالکل ان کی مٹھی میں تھے۔ ذرا آنکھیں دکھا دیتے جب یہ حضرت علی سے نہ ہو سکا تو افسوس ہے ہم اُن کے اس غصہ تھپڑ اور مکہ کی داد نہیں دے سکتے۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں ہی پر بس نہیں کیا بلکہ عبداللہ بن زبیر اور محمد بن طلحہ کو بھی گالیاں دیں کہ تم آنکھیں پھاڑے ہوئے دیکھتے رہے اور عثمان کو قتل ہونے دیا ان لڑکوں نے عذر معذرت کر کے اپنا پیچھا چھوڑا لیا۔ حضرت عثمان کی شہادت جمعہ کے ایام تشریق میں ہوئی آپ کی عمر ۸۳ سال کی تھی۔ اور آپ کی خلافت کا زمانہ ۱۲ دن کم بارہ برس شمار ہوا ہے۔

حضرت عثمان کی تجہیز و تدفین

جب حضرت عثمان کے قتل کی خبر سعد بن ابی وقاص کو پہنچی تو آپ زار زار رونے لگے اور کہا کہ اوائل ظہور اسلام میں میں اپنی محافظت کے لیے مکہ سے مدینہ چلا آیا تھا اور اب ین کے

تحفظ کے لیے مجھے مدینہ کو بھی الوداع کہنی چاہیئے۔

بعض مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان کا جنازہ تین روز تک بے گور و کفن پڑا رہا اور کسی نے آپ کی تجہیز و تدفین نہیں کی۔ مگر کوئی معتبر شہادت ہمیں ایسی نہیں ملی جس سے اس واقعہ کی تصدیق ہوتی۔ ہاں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ جس وقت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو مخالفوں نے آپ کے جنازہ پر پتھر برسائے تھے اور ہمراہیوں کو سنگ باری سے ایسا پریشان کر دیا تھا کہ وہ جنازہ کو جنت البقیع کے گورستان تک بھی نہ لیجا سکے بلکہ مجبوراً حضرت عثمان کو اسی جگہ دفن کرنا پڑا جو مسلمانوں اور یہودیوں کے گورستان کے بیچ میں ایک حد فاصل قرار دیدی گئی تھی تاکہ طرفین میں زمین کے متعلق کوئی جھگڑا نہ ہو پھر امیر معاویہ نے یہودیوں کے گورستان کی طرف ایک دیوار بنا دی۔ اور اس طرح حضرت عثمان کی قبر مسلمانوں کے گورستان میں آ گئی۔

حضرت عثمان کے غلاموں کی لاشیں

مصریوں نے حضرت عثمان کو تو بمشکل دفن ہونے دیا مگر ان کے غلاموں کی لاشوں کو دفن نہ ہونے دیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ اخیر بیچاروں کی لاشیں سر راہ یونہی پڑی رہیں جبیر بن مطعم اور حکیم بن حزام یہ دونوں حضرت علی کے پاس گئے اور کہا یہ کیا غضب ہو رہا ہے مسلمانوں کے جنازہ کے ساتھ خود مدینۃ النبی میں یہ خلاف اسلام برتاؤ ہرگز زیبا نہیں ہے۔ آپ کے اشارہ میں سب کچھ ہے آپ عبدالرحمن بن عدیس سے کہہ کے اس وحشیانہ فعل کو بس ختم کرا دیجیے۔ یہ سخت نازیبا حرکت ہو آپ نے وعدہ تو کر لیا کہ میں ابھی عبدالرحمن سے کہہ دیتا ہوں مگر کچھ کام نہ بنا اور لاشیں یونہی سوکھتی رہیں۔

شہادت عثمان کے زمانہ میں
مختلف صوبوں کے گورنر

مکہ میں عبداللہ بن حضرمی، طائف میں قاسم بن ربیعہ ثقفی یمن میں یعلی بن امیہ بصرہ میں عبداللہ

بن عامر۔ کوفہ میں ابوموسیٰ اشعری۔ شام میں معویہ بن سفیان۔ حمص میں عبدالرحمٰن بن خالد ولید۔ فلسطین میں علقمہ بن حکیم۔ آذر بائیجان میں اشعث بن قیس کندی۔ اصفہان میں صنائب بن اقرح۔ ہمدان میں لبشر بن امیہ۔ رے میں سعید بن قیس۔ خراسان میں احنف بن قیس وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علی بن ابیطالب کی خلافت

شہادت عثمان سے تین روز کے بعد صرف مصری باغی حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مسند خلافت کو زینت دیں۔ حجازیوں میں سے ان کی ہمراہی میں کوئی نہیں تھا نہ انصار نہ مہاجر۔ حضرت نے ان سے کہا خالی تمہارے کہنے سے خلیفہ بنجانا کوئی وقعت نہیں رکھنے کا جب تک اہل بدر یعنی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ نہوں اگر تم انھیں بھی اپنے ساتھ شریک کرلو تو پھر خلافت خلافت ہو۔ اسوقت مدینہ کی حالت سخت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی مصری باغیوں کا خوف سب پر چھایا ہوا تھا۔ گورنمنٹ کی فوجیں مدینہ میں نہ تھیں مصری ایبو حسے پورے جیرہ دست ہوگئے تھے رسول کریم کے صحابہ کی آنکھوں کے سامنے خون عثمان گرایا گیا مگر کسیکو یارا نہ ہوا کہ کم سے کم باغیوں کا سدّراہ ہوتا۔ پھر بھلا مقابلہ تو کیا کرسکتا تھا عثمان غنی کے ساتھیوں رشتہ داروں اور غلاموں کی لاشیں سرراہ پڑی سڑا کیں مگر کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ مصری باغیوں کے خلاف انھیں ہاتھ بھی لگا سکتا۔ ہاں حضرت علی کے یہ کل باغی تابع فرمان تھے۔ اور آپ کے حکم کی تعمیل میں انھیں ذرا بھی پس وپیش نہ ہوتا تھا چنانچہ وہ اپنا کام کرنے کے بعد اسی غرض سے حضرت علی کے پاس آئے تھے کہ خلافت کی مسند پہ آپ کو بٹھا دیں۔ مگر یہ بڑی موٹی سی بات تھی معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا تھا کہ چند ہزار باغیوں کی دی ہوئی خلافت کچھ خلافت نہیں ہونے کی جب تک انصار و مہاجرین بھی اس تحریک میں شریک نہوں۔ چنانچہ باغی اشارہ پاتے ہی انصار اور مہاجرین پر جھپٹ پڑے اور کہا علی کے پاس چلو اور انھیں خلیفہ نامزد کرو۔ بھلا ان بیچاروں کی کیا مجال تھی جو یہ ان کے حکم سے سرتابی کرتے وہ باغیوں کی صورت دیکھتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ان کی تلواروں کی چھاؤں میں جبریہ حضرت علی کے پاس دعوت خلافت دینے چلے آئے۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کسی صحابی کی خواہ وہ انصار میں سے ہو یا مہاجرین میں سے ہرگز دلی خواہش اور مرضی حضرت علی کو خلیفہ بنانے کی نہ تھی۔ کیونکہ اگر ان کی مرضی ہوتی تو تین دن

تک وہ کیوں خاموش بیٹھے رہتے اسوقت مصری باغیوں کی جبر سے آنا اور حضرت علی کو خلافت کی دعوت دینا پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس قسم کی خلافت کو کچھ حضرت علی ہی نے پسند فرمایا ہوگا۔

بہرحال چند مہاجر اور انصار حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا حضرت تین دن سے تخت خلافت خالی ہے۔ آپ اسپر جلوہ افروز کیوں نہیں ہوتے۔ حضرت علی نے حکمت عملی کے طور پر جیساکہ چاہیئے تھا پہلے انکار کیا اور کہا اصل یہ ہے کہ پہلے تو میری مرضی تھی کہ میں خلیفہ بنجاؤں مگر اب میں نہیں چاہتا۔ تم اپنے ہی میں سے ایک خلیفہ نامزد کرلو۔ میں اسکے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا جب عمر فاروق کی شہادت ہوئی ہے تو میری مرضی خلیفہ بننے کی تھی۔ مگر قرعہ دوسرے کے نام کا نکل آیا۔ اور میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اور اب اسوقت میں چاہتا نہیں۔ آپ اور کسیکو اپنا خلیفہ بنالیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جتنا میں وزارت کے قابل ہوں خلافت کے قابل نہیں ہوں۔ ان اوپری عذروں کو صحابہ نے نہیں تسلیم کیا۔ نہ ان میں تسلیم کرنے کی مجال تھی کیونکہ مصری باغی ننگی تلواریں لیئے ہوئے ہرایک کی گلوتراشی کے واسطے تیار تھے۔ جب حضرت علی کا عذر غرض کسیطرح ہی سے بھی مقبول نہیں ہوا تو حضرت علی نے کہا اچھا طلحہ اور زبیر کو لاؤ تو ہم خلافت قبول کرتے ہیں۔ وہ بھی ہمارے ہاتھ پر بیعت کریں۔ طلحہ اور زبیر جلیل القدر صحابہ تھے حضرت علی جانتے تھے کہ اگر انھوں نے میری خلافت پر صاد نہیں کی تو دوسرے صحابہ کی بیعت سے خلیفہ بنجانا کچھ وزنی نہیں ہوئیگا۔ چنانچہ اشارہ پاتے ہی مصری باغی طلحہ اور زبیر کے پاس دوڑ پڑے۔ اور کہا چلو خلافت کا مشورہ طے کرنا ہے۔ انھوں نے کہا ہمیں وہاں لیجانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تم جسے خلیفہ بنا دوگے ہم اس کے ہاتھ پہ بیعت کرلیں گے چلو چھٹی ہوئی۔ اور تم چاہتے ہی کیا ہو۔ یہ سُن کے وہ چلے آئے اور ساری کتھا کہہ سنائی حضرت علی نے فرمایا کہ جسطرح ہو ان دونوں کو لائے بغیر یہ کام نہیں چلنے کا۔ چنانچہ مالک اشتر کی سرکردگی میں مصری باغیوں کی جماعت طلحہ اور زبیر کے پاس پہنچی اور ان دونوکو

گرفتار کرکے حضرت علی کے دربار میں لے آئی جب یہ دونوں دروازہ پر پہنچے تو حکیم بن جبلہ ثنا ام ابی نے ہاتھ پکڑکے زبیر کو مجلس علی میں پیش کیا پیچھے پیچھے طلحہ بھی تھے حضرت علی ان سے بعزت پیش آئے اور دونوں سے خطاب کرکے کہا کہ تم میں سے جو صاحب خلافت کے آرزومند ہوں میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور ان کی متابعت کرنے کو موجود ہوں طلحہ اور زبیر نے متفق اللفظ یہ کہا کہ آپ کی موجودگی میں بھلا کس شخص کو خلافت کی تمنا ہو سکتی ہے۔حضرت علی خاموش ہو رہے۔ اور آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کے کہا لو تو لو بیعت کرو۔ سب سے پہلے طلحہ نے آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا مصری باغی تلواریں سونتے ہوئے پیچھے کھڑے تھے کہ اگر طلحہ کے ہاتھ کو آگے بڑھنے میں ذرا بھی لغزش ہوئی تو تلوار اس فروگزاشت کے انتقام لینے کے لیے اپنی تیزی دکھاوے گی اسوقت سوائے مصری باغیوں یا چند صحابہ کے جو زبردستی کشاں کشاں یہاں لائے گئے تھے۔ اور کوئی موجود نہ تھا حبیب بن ذویب اس طرز بیعت کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بُڑبُڑا کے کہا کہ یہ بیعت کبھی بیعت نہیں کہلائی جا سکتی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ شگون اچھا نہیں ہوا کہ دست بریدہ نے پہلے بیعت کی۔ اس سے یہ نتیجہ تو صاف طور پر نکل آیا کہ حضرت علی نے باغیوں کی تلوار کے زور سے جس طرح لوگوں سے بیعت لی وہ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھی گئی۔ خود حضرت علی کو اس قسم کی بیعتوں پر مطلق اطمینان نہ تھا۔ کیونکہ آپ نے طلحہ کی بیعت پر جب وہ چلے گئے تو یہ فرمایا مجھے طلحہ کی بیعت پر بھروسہ نہیں ہے وہ ضرور عہد شکنی کریگا۔ حضرت سے کوئی پوچھتا کہ بھروسہ ہو کیسے سکتا تھا آپ نے مدینہ النبی سے مصری باغیوں کو نکلنے دیا ہوتا۔ جب وہ چلے جاتے اور رسول اللہ کے صحابہ ان کی دستبرد سے آزاد ہو جاتے اسوقت آپ دیکھتے کہ مہاجرین و انصار کسے خلافت کیلئے پیش کرتے ہیں پھر اسوقت جمہور کے اتفاق یا کثرت رائے سے جو خلیفہ بنتا اُس سے کوئی بھی عہد شکنی نہ کرتا۔ اور اس سے بیعت بیعت ہوتی۔ علاوہ طلحہ کے مصری باغیوں کی زبردستی سے اور بھی چند اہل مدینہ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ مگر صحابہ کا جم غفیر اس بیعت سے بالکل کنارہ کش رہا۔

اِن بیعت نہ کرنے والوں کا بڑا حصہ بھاگ کے عائشہ صدیقہ کے پاس مکہ چلا گیا۔ تاکہ مصری باغیوں کی دستبرد سے انھیں نجات ملجائے۔ ایک حصہ عثمان شہید کی بیوی نائلہ کو ساتھ لیکے دمشق امیر معاویہ کے پاس چلا گیا

حضرت علی کی خلافت کا

سب سے پہلا کام

آپ ابھی پورے خلیفہ بھی نہیں ہوئے تھے اور قلمرو ئے اسلامی میں آپ کی اس اچانک خلافت کی کسیکو خبر نہوئی تھی کہ سب سے پہلا کام آپنے یہ کیا کہ مختلف صوبوں کے گورنروں کو معزول کرنے کے احکام صادر کردیئے۔ جب مغیرہ بن شعبہ کو حضرت علی کی یہ نیت اور ارادہ معلوم ہوا تو وہ حضرت علی کے پاس آیا اور کہا میں نے ایسا ایسا سنا ہے اگر یہ صحیح ہے تو آپ سخت غلطی کر رہے ہیں جن گورنروں کو بلا وجہ اور بلا قصور آپ معزول کر رہے ہیں انھیں آپ کی خلافت کی تو خبر ہی نہیں پہنچی۔ پہلے آپ ایسا کیجئے کہ قتل عثمان اور اپنی خلافت کا سارا واقعہ لکھ کے بھیجدیجئے اسکے بعد بتدریج آپ گورنروں کو جب وہ آپ کی اطاعت قبول کرلیں معزول کردیجیئے گا۔ اور اگر آپ نے نمانا تو اس سے اسلام میں سخت فتنہ اور خونریزی ہوگی۔ اور اس سب کے ذمہ دار آپ ہونگے آپ بجائے سکون کے مسلمانوں میں تشویش پیدا کرنا چاہتے ہیں یہ آپ کو کسیطرح بھی زیبا نہیں ہے یہ سن کے حضرت علی نے ناک بھوں چڑھائی۔ اور مغیرہ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا مغیرہ کو سخت غصہ اور رنج ہوا ہوگا۔ وہ اٹھ کے واپس چلا آیا۔ مگر دوسرے روز حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آج اسکا رنگ بالکل بدلا ہوا تھا۔ اس نے حضرت علی کی جناب میں عرض کیا کہ کل میں نے سخت غلطی کی جو آپ کی رائے کے خلاف مشورہ دیا حقیقت میں آپ ہی صواب پر ہیں یقیناً کل گورنروں کو بیکلخت معزول کردیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب کسی عاقل کے سمجھانے سے کوئی نہیں سمجھتا اور عاقل تنگ ہوتا ہی تو وہ اسے اندھے کوئیں میں دھکیل دیتا ہے کہ یہی علاج ہے تو یہیں پڑا رہ۔ چنانچہ اپنی ہم سنگی

پر رونق قائم رہنے اور اسے چمکانے کے لیئے مغیرہ نے حضرت علی کی جناب میں یہ عرض کیا۔ حضرت آپ کی یہ کارروائی بڑی عمدہ ہے۔ کم سے کم اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہو گا کہ منافق اور غیر منافق میں بھی شناخت ہو جائے گی۔ اور دودھ کا دودھ۔ پانی کا پانی الگ ہو جائیگا۔ اور عاصی و مطیع میں پورا امتیاز قائم ہو جائے گا۔ بس اسقدر کہہ کے مغیرہ بارگاہِ خلافت سے اٹھ کے چلا آیا۔

اس کے باہر آتے ہی عبداللہ بن عباس جو مکہ سے آرہے تھے مدینہ میں پہنچتے ہی سیدھے حضرت علی کے پاس حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ مغیرہ بیت خلافت سے نکل رہا ہے۔ چنانچہ آپ حضرت علی سے آکے ملے اور دریافت کیا کہ مغیرہ کیوں آیا تھا۔ اس پر حضرت علی نے مغیرہ کی ساری باتیں دوہرادیں کہ ایک دن تو وہ یہ کہہ گیا۔ دوسرے دن آج اس نے یہ کہا۔ اسپر عبداللہ بن عباس بولے کہ پہلے دن جو کچھ اس نے کہا تھا عین نصیحت تھا اور آج جو کچھ وہ کہہ گیا ہے محض خیانت ہے

جب مغیرہ کو یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ ابن عباسؓ اس کی نسبت یہ کہا تو اس نے کہنے والیکو صاف جواب یہ دیا کہ جب ایک شخص کو نیک نیتی سے محض اسکے فائدہ کے لئے نصیحت کیجائے اور وہ نہ مانے تو ضرور اسکے ساتھ خیانت کرنی چاہیئے۔ اسکی یہی سزا ہے۔ تماشہ یہ ہے کہ نیک نیتی کی نصیحت کو تو علی نے رد کر دیا مگر خیانت کو اپنے دل میں جگہ دے لی اور اسے قبول کر لیا۔

عبداللہ ابن عباس
اور حضرت علی

گورنروں کو معزول کرنے کے متعلق حضرت علی نے عبداللہ ابن عباس سے بھی مشورہ لیا اور سب سے پہلے عزل معٰویہ کا ذکر آیا حضرت علی نے فرمایا کہ معٰویہ کو گورنر قائم نہیں رکھنا چاہتا۔ عبداللہ ابن عباس نے حضرت علی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ اسپر حضرت علی نے یہ فرمایا کیا وجہ ہے جو اس معاملہ میں تم میرے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ عبداللہ نے کہا بات یہ ہے کہ معاویہ اور اس کے اصحاب ان معاملات کو دنیا یا امور جہانداری کی باتیں سمجھتے ہیں اور سیاسیات کو

مذہب سے انھوں نے بالکل علیحدہ کر رکھا ہے۔ یاد رکھیئے جوں ہی آپ کا موقوفی کا فرمان
اُن کے نام پہنچیگا وہ فوراً یہ سوال اٹھادیں گے کہ عثمان کے قاتلوں کو نہ تلاش کیا
اور نہ گرفتار کر کے انھیں اُن کی کیفر کردار تک پہنچایا۔ ایسی حالت میں علی کو ہمیں معزول
کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا تخت خلافت پر جلوہ افروز ہونا ان
کی نظروں میں محض تغلب ہے وہ کہیں گے محض اپنے ناتجربہ کار اور نالائق رشتہ داروں
کو بھرتی کرنے اور جلیلہ عہدے دینے کے لیے تجربہ کار منتظم اور ہر دل عزیز گورنروں کو علی
موقوف کرتے ہیں۔ یاد رکھیئے کہ اہل شام اور اہل عراق آپ سے بگڑ جائیں گے۔ کیونکہ
یہ وجوہات جب ان کے کانوں میں پڑیں گی ان کا عقیدہ آپ سے فاسد ہو جائیگا
اور پھر آپ کو نبائے بن نہ پڑے گی۔ بہرحال میری تو یہ رائے ہے کہ آپ ولایت
شام تو معاویہ ہی کے پاس رہنے دیں۔ اگر ایسا کریں گے تو آپ کو آیندہ بہت فائدہ
پہنچے گا۔ فقط

اس معقول اور دور اندیشانہ مشورہ کا یہ اکھڑ جواب حضرت علی نے دیا
لا اعطیتہ الا السیف اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی تمام فیصلے تلوار سے
کرنا چاہتے تھے اور بس حالانکہ انھیں یہ معلوم نہ تھا۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

پھر آپ فرمانے لگے دیکھو عبداللہ عثمان پر جو ہمارا اعتراض تھا وہ کچھ اُن کی
ذات پر نہ تھا۔ وہ تو محض اس سبب سے تھا کہ انھوں نے گورنر اور گورنر جنرل ایسے لوگوں کو
کر دیا تھا جو ظلم بھی کرتے تھے اور خیانت بھی۔ پھر بھلا مجھے کیونکر زیبا ہو سکتا ہے۔ کہ
میں بھی وہی کروں جس سے عثمان مورد الزام بنے میں ایسی مداہنت کی زندگی بھی نہیں
چاہتا کہ صریحاً ایک شخص کو ناقابل دیکھوں اور اسے عامل رہنے دوں۔ میں تو یہ بھی گوارا

نہ کروں گا اگر کوئی یہ کہے کہ نیم ساعت ہی ان کا تسلط مسلمانوں پر رہنے دو میں تو چٹ روٹی پٹ والی چاہتا ہوں ۔ اور میری مرضی ہے کہ ان کا آنا فانا ً میں قلع قمع کر ڈالوں یہ سُن کے عبداللہ ابن عباس بولے آپ کو اپنی تلوار اور قوۃ پر بہت بڑا اعتماد ہے ۔ مگر مشیت ایزدی کو ذرا تامل او ر تدبیر سے نظر کرنا چاہیئے ۔ خدا معلوم اونٹ کس کل بیٹھے آپ جو کچھہ کریں سوچ سمجھہ کے کریں ۔ جلدی ہرگز نہ کریں سچی بات یہ ہے کہ تدبیر اور رائے سے تو آپ ایک لشکر کے لشکر کو شکست دیسکتے ہیں اور تلوار سے ایک سے لگا کے دس جوان قتل کر سکتے ہیں اور بس ۔

برائے لشکرے را بشکنی پشت

بشمسیرے یکے تا دہ تواں کشت

حضرت علی نے جواب دیا عبداللہ کچھہ بُرا ماننے کی بات نہیں ہے میں امور سیاسیہ میں تم سے ضرور مشورہ لیا کروں گا ۔ مجھے اُمید ہے تم مجھے اسی سرگرمی اور نیک نیتی سے مشورہ دیتے رہو گے ۔ میں دیکھہ لوں گا کہ تمہارا یہ مشورہ ماننے کے قابل ہے اور یہ نہیں ہے ۔ تم اسکا مطلق خیال نکرنا ۔ اور میری اطاعت کئے جانا ۔ یہ سُن کے عبداللہ خاموش ہو رہے کہ اسی اثنا طلحہ اور زبیر بھی آپہنچے اور انھوں نے بصرہ اور کوفہ کی گورنریاں حضرت علی سے طلب کیں یعنی طلحہ نے بصرہ کی گورنری مانگی اور زبیر نے کوفہ کی ۔ مگر حضرت علی نے صاف انکار کر دیا ۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ اصل مشیر وزیر اور مصاحب جو کچھہ ہو تم ہو اگر میں تمہیں گورنریاں دیدوں تو پھر میرا مشیر کون رہے گا ۔ اس سے طلحہ اور زبیر کو بہت رنج ہوا ۔ انھوں نے کہا علی ہم تمہیں اور تمہاری حقیقت کو جانتے ہیں مصری باغیوں کی تلوار نے ہمیں تمہاری بیعت پر مجبور کر دیا ۔ ورنہ یقیناً تم اس قابل نہیں ہو کہ تم ہم پر والی اور فرمانروا ہوتے خیر دیدہ خواہد شد ۔

قدیم گورنروں کی موقوفی اور
جدید گورنروں کی بھرتی

حضرت علی یوں تو ہر صحابی سے ضابطہ پوری کرنے کے لیے امور ریاسیہ میں مشورہ لیتے تھے مگر اپنی ضد کے اتنے پورے تھے کہ زمین آسمان ٹل جائے وہ اپنی قائم کردہ رائے سے نہ پھرتے تھے انھوں نے تمام صائب الرائے جلیل القدر صحابہ کے مشورہ کے خلاف خلیفہ بنتے ہی یکلخت معزولی کے فرامین تمام اسلامی صوبوں میں دوڑا دیئے اور ساری اسلامی دنیا یعنی ممالک محروسہ میں ہلچل پیدا کر دی۔ بلا وجہ اور بلا سبب قابل قابل گورنروں کو برطرف کر دیا اور ان کی جگہ اپنے نالایق رشتہ داروں اور دوستوں کو بھر دیا۔ چنانچہ عثمان بن حنیفہ کو بصرہ کا گورنر نامزد کیا اور عبداللہ بن عامر سابق گورنر کو بغیر کوئی وجہ بیان کئے معزول کر دیا۔ پھر عمارہ بن حسان مہاجر کو کوفہ کا گورنر بنا کے بھیج دیا اور یمن کی حکومت کا فرمان عبداللہ بن عباس بن ربیعہ کو لکھ دیا۔ قیس بن عبادہ مصر کا گورنر جنرل بنایا گیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عباس سے کہا گیا کہ تمہیں شام کی گورنر جنرلی سونپتا ہوں تم رعایا کو خوش رکھنا اور ملک کا ٹھیک انتظام کرنا۔ یہ سن کے عبداللہ کو سناٹا آ گیا۔ کہا اے امیر المومنین یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ کیا نہیں جانتے کہ معویہ عثمان کا ابن عم ہے اور ان ہی کا مقرر کیا ہوا ہے اور سالہا سال سے حکومت کر رہا ہے۔ وہاں اسکی حکومت کا سکہ ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ مجال نہیں کوئی آنکھ بھر کے دیکھ سکے۔ جب میں اُن کی موقوفی کا فرمان لے کے پہنچوں گا تعجب نہیں کہ کیا تو وہ مجھے قتل کر ڈالے یا قید کر لے تو اب میری یہ بے عزتی تمہاری بے عزتی تصور ہو گی۔ اس لیے ایک تو میں آپ سے قرابت قریبہ رکھتا ہوں دوسرے آپ کا بھیجا ہوا وہاں جاؤں گا۔ اس صورت میں جو کچھ میرے ساتھ بے عنوانی ہو گی اس کا اثر آپ پر پڑے گا۔ اور آپ کی عزت ریزی متصور ہو گی۔ لہذا بہتر ہے کہ آپ مجھے ایسی مہم سے جس میں فلاح کی

کوئی اُمید نہیں ہے اور سوائے ذلت و پشیمانی کے اور کوئی نتیجہ نہیں معلوم ہوتا معاف و معذور رکھیں گے حضرت علی نے فرمایا اچھا تم نہ جاؤ تمہارا عذر معقول ہے میں کسی اور شخص کو بھیجتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے سہیل بن حنیف کو شام کی گورنری سے نامزد فرمایا۔ اور دمشق روانہ ہونے کا حکم دیا۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت علی کے فرستادہ جدید گورنروں سے کیا سلوک کیا گیا پہلے عثمان بن حنیف بصرہ پہنچے۔ عبداللہ عامر سابق گورنر فوراً گورنری کا چارج دے کے آپ مکہ چلا آیا کچھ لوگوں نے مخالفت ضرور کی مگر اس مخالفت کا وزن اتنا نہ تھا۔ جس کا جدید گورنر پر کچھ اثر پڑتا۔ مگر جب عمارہ حضرت علی کا فرمان لیکے کوفہ کی سرحد میں پہنچے تو طلحہ بن خویلد اسدی اور قعقاع بن عمرو وہاں آکے عمارہ سے ملے اور کہا کہ اگر تم اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو پچھلے قدموں واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ اہل کوفہ سوائے ابوموسیٰ اشعری کے اپنا حاکم اور کسی کو نہیں بنانا چاہتے۔ یہ سنتے ہی عمارہ کان دبا کے واپس چلا آیا۔

اسی طرح جب عبداللہ بن عباس بن ربیعہ یمن پہنچے اور یعلیٰ بن مینہ موجودہ گورنر نے انکے آنے کی خبر سنی تو اس نے فوراً جنگ کی تیاری شروع کردی اور بیت المال میں جسقدر روپیہ تھا وہ تیاری حرب میں صرف کردیا۔ غرض یہاں بھی حضرت علی کے فرستادہ کو کامیابی نہیں ہوئی۔

پھر قیس بن سعد جب نواح مصر میں پہنچے تو ایک گروہ مصریوں کا ان کے استقبال کے لیے آیا اور انھیں بعزت شہر میں لے آیا۔ یہاں دو گروہ ہوگئے ایک تو حضرت علی کے اس اس گورنر سے موافق تھا اور دوسرا مخالف۔ مخالف گروہ یہ کہتا تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب تک خون عثمان کا انتقام نہ لیا جائے۔ یہ عزل و نصب کیسا۔ قیس چونکہ ہوشیار اور سمجھدار تھا اس لئے ان سے ایسی ملائمت کی باتیں کیں کہ اس گروہ کا جوش مخالفت زیادہ نہ بڑھا اور قیس نے آرام سے گورنری کے عہدہ کا چارج لیلیا۔ مگر جب سہیل بن حنیف موضع تبوک

میں پہنچے اور وہاں قدرے آرام لینے کے لیے اپنا ڈیرا ڈالا تو سپاہیوں کی ایک کمپنی ایک افسر کی سرکردگی میں فوراً ان کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانیکا قصد ہے۔ سہیل نے جواب دیا کہ مجھے امیر المومنین علی نے شام کا گورنر جنرل بنا کے بھیجا ہے شامی سپاہیوں کے افسر نے کہا کہ ہم تجھے نہ اپنا گورنر جنرل بنانا پسند کرتے ہیں اور نہ علی کو خلیفہ۔ علی پر قصاص عثمان واجب ہے۔ جب تک وہ قصاص نہ لیلے کبھی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ سہیل نے کہا یہ خاص تمہارا ہی خیال ہے یا اور لوگ بھی اس معاملہ میں تمہارے ساتھ متفق ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سارا شام کا شام اس معاملہ میں ہمارا ہمزبان ہے۔ علی سے اس بارے میں سب مخالف ہیں۔ اور اگر اس نے عثمان کا قصاص نہ لیا تو اس سے اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ جب سہیل نے یہ رنگ دیکھا تو وہ بیچارا سیدھا وہاں سے مدینہ چلا آیا اور من وعن ساری کیفیت حضرت علی کی خدمت میں عرض کردی۔ یہ حال سن کے حضرت علی بہت دل تنگ ہوئے اور انھیں سخت رنج پہنچا۔ اور پھر آپ نے اپنی دردناک کہانی طلحہ اور زبیر سے دوہرائی۔ دونوں نے متفق اللفظ یہ جواب دیا کہ ہم نے جب آپ سے کہا کہ بصرہ اور کوفہ کی گورنریاں آپ اپنے مخلصوں کو دیدیں تو آپ نے منظور نہ کیا۔ اب ہم کیا کریں ہماری بڑی مشکل ہوئی۔ آپ کے ساتھ رہتے ہیں تو معاویہ سے ہماری جنگ ہوگی۔ چونکہ ہم اسکا مقابلہ نہیں کرسکیں گے لہذا آپ کی اطاعت اور موافقت سے ہمیں روگردانی کرنی پڑے گی بہرحال اسوقت تو ہم اپنے لیئے یہ بہتر جانتے ہیں کہ آپ ہمیں اجازت دیدیں کہ ہم مکہ چلے جائیں اور معاملات دنیادی سے کچھ سروکار نہ رکھیں۔ جب معاویہ کو یہ معلوم ہوجائیگا تو ممکن ہے آپ کا اسکے ساتھ کچھ سمجھوتہ ہوجائے۔ اسکے علاوہ ہماری یہ رائے ہے کہ جہاںتک ہوسکے جنگ وجدل کی نوبت نہ آنے دینا۔ اور اگر مجبوری ہوئی تو پھر تیغ آبدار نیام سے باہر نکالنے میں پس وپیش نہ کرنا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اگر فی الواقع تم دنیا کے معاملات سے پہلوتہی کرکے عبادت الٰہی میں مشغول ہونا چاہتے ہو تو میں تمہیں جانے کی اجازت دیتا ہوں

باقی تمہاری یہ رائے بہت ٹھیک ہے میں پہلے اہل شام کے ساتھ بمدارا پیش آؤنگا۔ اور اگر انھوں نے نہ مانا تو میں ان کے معارضہ نان جاں نشان اور شمشیر آبدار صاعقہ کردار سے اچھی طرح روک دونگا۔ قصہ مختصر یہ کہ طلحہ اور زبیر اس گفت وشنید کے بعد مکہ روانہ ہوگئے۔

عایشہ صدیقہ اور حضرت علی

مدینہ میں جو کچھ ہوا عایشہ صدیقہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا انھیں حضرت علی کی اس کارروائی پر کہ انھوں نے عایشہ صدیقہ کے سوتیلے بھائی محمد کو قتل عثمان کے لیئے بیت خلافت میں بھیجا سخت ناگوار گزرا یہ مانا کہ محمد بن ابی بکر حضرت علی کا پروردہ تھا۔ اور جب علی نے اس کی ماں سے نکاح کیا ہے تو محمد کی عمر تین سال کی تھی مگر اس قسم کی سبک حرکت کو نہ حضرت صدیقہ بلکہ کل اہل مدینہ نے حقارت اور افسوس سے دیکھا۔ صدیقہ کا چونکہ وہ سوتیلا بھائی تھا اس لیئے انھیں جتنا صدمہ ہوتا کم تھا۔

اب ایک بات دیکھنے کی یہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیقہ کا پوزیشن خلافت صدیق اکبر۔ فاروق اعظم اور عثمان غنی کے زمانہ میں کیا رہا ہمعصر شہادتوں سے صرف اسقدر پایا جاتا ہے کہ ملکی یا سیاسی معاملات میں آپ نے کبھی دخل نہیں دیا ہاں عورتوں کے متعلق جسقدر مسائل تھے ان میں بعض اوقات آپ ضرور دخل دیتیں اور خلفا کی بعض لغزشوں کی اصلاح فرمادیتی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ بہت سی احادیث کی راوی بھی ہیں۔ اسی طرح ازواج سے بھی حدیثیں منقول ہیں مگر حضرت صدیقہ سے جتنی حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد اور ازواج کی روایت کردہ احادیث سے کہیں زیادہ ہے حدیثوں کے اس طرح روایت کرنے اور طبقہ علماء میں ان کی مقبولیت نے یہ ضرور ثابت کر دیا کہ صدیقہ دین خدا کی اشاعت اور اسلام کے درد کی چوٹ اپنے پاک دل پر رکھتی تھیں۔ اور انھیں خاص دینی مسائل اور رسول مقبول سے ایک سچا عشق تھا۔ احادیث نبی کے بڑے حصہ کی ترویج صرف صدیقہ کے ذریعہ سے ہوئی اس سے

ان کی خداداد ذہانت اور روشن ضمیری پہ پوری روشنی پڑتی ہے۔

وہ ابتدائے خلافت سے حضرت علی کے ہتھکنڈے بغور دیکھ رہی تھیں محض خلافت حاصل کرنے کے لیئے جس طرح انہوں نے فاطمۃ الزہرا کو تکلیف دی اور انھیں خفیف کیا آج تک کسی غیور شوہر نے ایسا نہ کیا ہوگا۔ انھیں ووٹ حاصل کرنے کے لیئے مدینہ میں مہاجر اور انصار سرداروں کے پاس بھیجا۔ وہ آدھی رات تک ووٹ حاصل کرنے کے لیئے پھرتی رہیں مگر انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ تو وہ بی بی فاطمہ کی تو سب عزت کرتے تھے مگر حضرت علی سے کوئی خوش نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ علی ایک ناتجربہ کار اور امور جہانداری سے محض ناواقف شخص ہیں۔ اگر انھیں خلیفہ بنا دیا تو بس اسلام کا اللہ والی ہے۔ اس کے بعد عباس اپنے چچا سے انکا جھگڑا اور دربار فاروقی میں چچا کے ساتھ بد زبانی سے ہمکلام ہونا۔ اور پھر خلافت حاصل کرنے کے لیئے جائز و ناجائز وسائل سے کام لینا اور فاروق اعظم کے آتش پرست قاتل کے ساتھ خلا ملا۔ یہ باتیں ایسی نہ تھیں جن پر پردہ پڑ سکتا۔ وہ ایسی اظہر من الشمس تھیں جنہوں نے کل مسلمانوں کی نظروں میں حضرت علی کو بہت سبک کر دیا تھا۔ پھر تمام مہاجر و انصار کے خلاف عبداللہ بن عمر کے قتل پر زور دینا اور جب اس پر خلیفہ کاربند نہ ہوئے تو ناراض ہو کے دربار خلافت سے واپس چلا جانا۔ اس کے بعد خلیفہ بنتے ہی عبداللہ بن عمر کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دینا غرض آتش پرست کے قصاص کے لیئے تو اتنا زور دینا۔ مگر عثمان غنی کے قاتلوں سے قصاص چاہنا تو کیسا اپنے دربار میں انھیں عزت کی جگہ بٹھاتا اور شرفائے قریش پر ان ہی سے بیعت پر زور ڈلوانا۔

اس سے پہلے صدیق اکبر کی خلافت میں ایک پوشیدہ اور سازشی انجمن بنانا اور شب کو اپنے گھر میں ان کل سازشیوں کو جمع کر کے خلافت حقہ کے قلع قمع کی تدابیر کرنا۔

القصہ یہ باتیں ایسی نہ تھیں جو کسی سے چھپی رہتیں۔ ہر شخص انھیں اچھی طرح جانتا تھا۔ اور صدیقہ تو ان واقعات سے خوب واقف بھی تھیں اور متاثر بھی ہوتی تھیں۔

اخیر جب پانی سر سے گزر گیا اور صدیقہ یہ ناگوار واقعات نہ دیکھ سکیں تو وہ مکہ چلی گئیں کہ زیارت بھی ہو جائے گی۔ اور چندے ان ناگوار واقعات کے سننے سے نجات بھی ملے گی۔

وہ جس زمانہ میں زیارت بیت اللہ کے لیے مکہ گئی تھیں اس وقت عثمان غنی خلیفہ تھے اگرچہ حضرت علی کی وجہ سے ان کی خلافت میں خلفشار ہونا شروع ہو گیا۔ مگر جب وہ زیارت بیت اللہ سے فارغ ہو کے مدینہ واپس آ رہی تھیں تو راستہ میں انہیں ایک شخص ملا۔ اس سے عثمان کے حادثہ اور علی کے خلیفہ بننے کی خبر جب سنی تو صدیقہ نے مدینہ جانا مناسب نہ سمجھا وہ واپس مکہ ہی چلی گئیں۔ کہتے ہیں جس وقت صدیقہ نے قتل عثمان اور خلافت علی کی خبر سنی تو بیساختہ یہ کہا انا للہ وانا الیہ راجعون یہ کچھ اچنبھے کی بات نہیں ہے جیسا کہ بعض شیعوں نے اس فقرہ پر زنگا میزی کی ہے۔ یہ قرآن مجید کا جملہ ہے اور قریب قریب کل مسلمانوں کے محاورہ میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ ہر حادثہ یا ہر چیز کے ساقط ہونے پر معاً انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دیتے ہیں۔ اسی طرح جب صدیقہ نے اتنے بڑے حادثہ اور تغیر عظیم کا حال سنا تو فوراً ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دیا۔ آپ نے مکہ واپس ہوتے وقت یہ بھی کہا کہ اب میرا مدینہ میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اور اسی پر جذبہ دل سے یہ بھی کہا واللہ عثمان مظلوم مارا گیا۔ یا بالفاظ دیگر اسے ظلم سے قتل کیا گیا۔ مخالفوں نے ایک شخص عبید بن سلمان کی گفتگو نقل کی ہے جسے اخوان صدیقہ بیان کیا ہے اور وہ گفتگو یہ ہے کہ جب صدیقہ نے کہا کہ عثمان ظلم سے قتل کیا گیا۔ اور اس کے خون کا قصاص ضرور لینا چاہیئے تو عبید بن سلمان بولا صدیقہ آپ بھی عجیب ہیں عثمان کی زندگی میں تو آپ اُسے کافر اور ریشائیل کہتی تھیں۔ اور ہمیشہ اس ریشائیل سے جو عثمان کا ہمشکل تھا بطور تضحیک نسبت دیتی تھیں اور اب اسکو مظلوم قرار دیتی ہو اور اُس کے خون کا قصاص چاہتی ہو اسکا جواب صدیقہ سے یہ دلوایا گیا ہے کہ عثمان نے اپنے اُن افعال سے جنہیں

قوم پسند نہ کرتی تھی تو بہ کرلی تھی۔ تو بہ کرنے کے بعد باغیوں نے عثمان کو قتل کر ڈالا۔
بس یہ سوال و جواب ہے۔ جو عبید بن سلمان اور صدیقہ کا نقل کیا گیا ہے۔ اگر ہم اس خبر
احاد کو صحیح بھی مان لیں تب بھی صدیقہ پر طعن نہیں ہو سکتا اور نہ طلب خون عثمان میں اُن کی
کچھ کمزوری پائی جاتی ہے۔ جواب بہت معقول ہے کہ عثمان توبہ کرنے کے بعد شہید کئے
گئے اس لحاظ سے بھی ان کے جانشین کا فرض ہے کہ باغیوں سے لڑے اور جب تک
باغیوں کو نیست و نابود نہ کردے دوسرا کام کرنا اسے جائز نہیں ہے۔
وہاں تو یہ کیفیت ہوئی اور حجاز عرب۔ شام اور ممالک محروسہ میں آگ سی لگ گئی اور لوگ
غصہ اور غضب سے حضرت علی کی ان حرکات کو دیکھنے لگے اور انھیں ایسی حالت میں حضرت علی
کی اطاعت کرنی کسی طرح گوارا نہ ہوئی۔ انھیں فی الحال اور کوئی شخص نہ معلوم ہوا کہ جس کے
جھنڈے کے نیچے جمع ہو کے وہ حضرت علی پر زور دیں کہ آپ باغیوں کو اپنے دربار سے نکال
دیں اور ان کے ساتھ خداوند قدوس کے فرمان کے بموجب قتال کریں۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر
بصرہ سے اور یعلی بن اُمیّہ یمن سے بکثرت مال اور سامان کے ساتھ مکہ میں صدیقہ کی خدمت میں
حاضر ہو گئے۔ پھر مدینہ سے طلحہ اور زبیر بھی صدیقہ سے مکہ آکے مل گئے۔
باہم مشورہ کے بعد طے پایا کہ یہاں سے بصرہ چلنا چاہئے اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اور
روانہ ہونے سے پہلے مکہ میں منادی کرائی گئی کہ خون عثمان طلب کرنے اور حضرت علی کو باغیوں سے
لڑنے پر مجبور کرنے کے لئے یہ سامان کیا گیا ہے جس کی خوشی ہو ہمارے ساتھ اس کام میں شریک
ہو جائے۔ چنانچہ اس منادی سے تین ہزار جنگ آزما جن میں دو ہزار مدینہ کے رہنے والے
تھے اور ایک ہزار مکہ کے صدیقہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔
یہ سارا مجمع بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ صدیقہ اور طلحہ و زبیر کے مخالفوں نے عجیب و غریب
روایتیں بنائی ہیں جن کا سر نہ پیر۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ جب صدیقہ بصرہ روانہ ہونے لگیں تو
ام المومنین اُم سلمہ کے پاس جا کے ساری کیفیت بیان کی کہ خون عثمان کس بیرحمی سے مدینہ
کی شاہراہوں میں بہایا گیا ہے۔ جس سے نفس اسلام کی سخت توہین ہے کہ دار الخلافہ میں
خلیفہ قتل کر ڈالا جائے۔ اسی بنا پر طلحہ اور زبیر خون عثمان لینے اور اسلام کی عزت برقرار

رکھنے کے لیئے تیار رہوئے ہیں اگر تم بھی ہمارے ساتھ موافقت کرو تو ہمیں اور بھی قوت حاصل ہو جائے گی۔

ام سلمہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ عائشہ تم کیا غضب کرتی ہو علی بن ابی طالب داماد رسول سے مقابلہ کرنا چاہتی ہو۔ بھلا کس طرح سرسبز ہو سکتی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایک دن ہم سب بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا میری بیویوں میں سے ایک بیوی اونٹ پر سوار ہو کے سفر کو نکلیگی اور راستہ میں ایک چشمہ آب جواب کے نام سے آئے گا وہاں اس کے اونٹ پر کتے بھونکیں گے۔

یہ سن کے صدیقہ چپکی ہو رہیں اور ہوں ہاں کچھ نہ کی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب صدیقہ کا اونٹ آب جواب پر پہنچا ہے تو کتے بھونکنے لگے۔ اس پر صدیقہ چونکیں اور طلحہ زبیر سے اس چشمہ کا نام دریافت کیا انھوں نے جھوٹ بولدیا کہ یہ نام ہی اس چشمہ کا نہیں ہے اور شہادت میں پچاس ساٹھ آدمیوں کو پیش کر دیا۔ صدیقہ خاموش ہو رہیں۔ پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ عائشہ اور طلحہ وزبیر کی خوب تو تو میں میں ہوئی۔ صدیقہ کہتی تھیں کہ میں علی بن ابی طالب کا مقابلہ نہیں کر سکتی تم لوگ مجھے مدینہ پہنچا دو۔ وہ دونوں دنیا بھر کے حیلے کرتے تھے اور صدیقہ کو اپنے دام میں پھنساتے تھے۔ اخیر اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے۔ اور صدیقہ کو مدینہ نہ جانے دیا۔

یہ کہانیاں مثل اُن کہانیوں کے ہیں جو آپ اغارکتاب میں پڑھ آئے ہیں۔ ان پر ردّ و قدح کرنے کی اس لیئے ضرورت نہیں ہے کہ یہ خود اپنی آپ تردید کر رہی ہیں۔

صدیقہ بصرہ میں

اخیر صدیقہ معہ طلحہ وزبیر اور چند ہزار دو لشکر کے بصرہ کی حدود میں پہنچ گئیں۔ عثمان بن حنیف گورنر بصرہ کو جب صدیقہ کے سرحد پر پہنچنے کی خبر ہوئی تو اس نے عمران الحصین ...... وابو الاسود دیلی کو صدیقہ کے پاس دریافت حال کے لیئے روانہ کیا کہ جناب کا ادھر تشریف لانا کیسے ہوا

صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہو کے گورنر کا پیغام عرض کر دیا۔ صدیقہ نے یہ فرمایا کہ باغیوں نے دار ہجرت رسول میں امام المسلمین کو ناحق قتل کر ڈالا ہے۔ اور شر و فساد اس مقدس شہر میں بہت پھیلا دیا ہے۔ اس واقعہ سے میں سخت پریشان ہو کے یہاں آئی ہوں تاکہ اہل بصرہ کی مدد سے مدینہ پر فوج کشی کر کے باغیوں سے اس مقدس سرزمین کو پاک کر دوں اور بیگناہ مظلوم خلیفہ کا قصاص بھی پورا لیلوں۔ یہ سن کے دونوں قاصد پھر طلحہ و زبیر کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انھوں نے بھی من و عن یہی جواب دیا جو صدیقہ نے دیا تھا۔

پھر قاصدوں نے مذکور بالا صحابہ سے دریافت کیا کہ تم دونوں نے تو علی بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی تم ان کے مقابلہ میں کیوں کر شمشیر بدست ہو سکتے ہو۔ دونوں نے جواب دیا کہ مالک اشتر کی تلوار کے خوف سے ہم نے باکراہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی ایسی زبردستی کی بیعت بیعت نہیں کہلائی جا سکتی۔ بایں ہمہ ہماری بیعت مشروط تھی۔ ہم نے کہدیا تھا کہ اگر آپ قاتلان عثمان کا کورٹ مارشیل کریں گے تو ہم آپ کی اطاعت سے انحراف نہیں کرنے کے اور اگر آپ نے اس سے پہلو تہی کی تو ہماری بیعت کو فسخ سمجھے گا۔ علی نے ایفائے وعدہ نہیں کیا اس بنا پر اس کا حق بیعت ہمارے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔

یہ جواب سن کے قاصد واپس چلے آئے اور عثمان بن حنیف گورنر کوفہ سے سارے جواب و سوال مفصل بیان کر دیئے۔ عثمان بن حنیف نے انھیں الٹیمیٹم دینے کی ٹھان لی لیکن اس سے پہلے اس نے قیس بن مغیرہ کو بلا کے کہا کہ تو جامع مسجد میں جا کے عامۃ مسلمین کو جمع کر اور ان سے یہ یہ باتیں کہہ۔

چنانچہ ابن مغیرہ بصرہ کی جامع مسجد میں پہنچا اور اس نے مسلمانوں کو جمع کر کے یہ خطبہ پڑھا ایہا الناس یہ جماعت جو تمہاری سرحد پر پڑی ہوی ہے مکہ سے آئی ہے اور کہتی ہے کہ قصاص خون عثمان بن عفان مطلوب ہے۔ ان سے یہ کہنا چاہیئے کہ جہاں وحوش و بہایم اور طیور سے بھی تعرض نہیں کیا جاتا ایسی پرامن جگہ کو چھوڑ کے آپ لوگ یہاں کیسے آ گئے۔ آپ کو تو وہاں پورا امن مل سکتا تھا۔ اور اگر آپ لوگ یہ جواب دیں کہ یہاں آنے کی غرض محض خون عثمان ہے۔ تو حضرات یہاں قاتلان عثمان میں سے کوئی شخص بھی نہیں ہے

کہ آپ اُسے گرفتار کریں اور قتل کریں - لہٰذا ہم لوگوں کو چاہیئے کہ سب متفق ہو کے ایسی کار روائی کریں کہ یہ لوگ اپنے وطن واپس چلے جائیں جب مغیرہ گورنر بصرہ کا یہ پیغام مسلمانوں کو پہنچا چکا تو اس کا جواب دینے کے لیئے اسود بن سریج السعدی کھڑا ہوا اور بولا - کہ ان لوگوں کے آنے کی غرض صرف یہ ہے کہ طالب خون عثمان ہیں ہم ان کی مدد کریں یا درکھو جس شخص کا یہ خیال ہو کہ خون عثمان مباح ہے یقیناً اس کا خون حلال ہے - اس انقطاعی جواب کو سب نے پذیرا کر لیا - مغیرہ کے خلاف ان میں جوش پھیل گیا - وہ اپنے جوش کو قابو میں نہ رکھ سکے اور مظلوم عثمان کی ہمدردی سے بے قابو ہو کے مغیرہ پر پتھر برسانے شروع کیئے مغیرہ لہولہان ہو گیا - جب عثمان بن حنیف کو اسکی خبر ہوئی تو اس نے فوجی افسروں کو طلب کر کے لشکر کی آراستگی کا حکم دیا - ادھر صدیقہ مع اپنی فوج کے شہر کے اندر چلی آئیں - اور ایک وسیع میدان میں فوج کو لا جمایا - دونوں لشکر صف بستہ کھڑے ہو گئے -

ہزاروں مسلمان بھی یہاں موجود تھے - پہلے طلحہ اور پھر زبیر نے حضرت عثمان بن عفان کے فضائل اور ان کے دردناک قتل کے واقعات بیان کئے اور اپنا مافی الضمیر سارا کہدیا اس بیان کے سننے کے بعد اکثر نے تو ان کی تائید کی اور بعض نے یہ کہا کہ ان دونوں نے بیعت کرنے کے بعد انحراف کیا ہے ان کی غرض محض سلطنت حاصل کرنے کی ہے اور کچھ نہیں - اس ردّوکد کا یہ نتیجہ ہوا کہ کسیقدر فساد ہو گیا - مگر صدیقہ نے یہ حکم دیا کہ باواز بلند کہدو کہ میری غرض ہرگز خونریزی نہیں ہے - میں چاہتی ہوں کہ ہم باہم سمجھوتہ کریں اور مشورہ کر کے اسباب کا فیصلہ کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے -

چنانچہ عثمان بن حنیف گورنر بصرہ نے اس درخواست کو منظور کر لیا - فوراً طرفین کے باثر لوگ گھوڑوں اور اونٹوں سے اُتر کے ایک جگہ جمع ہو گئے - بہت سی قیل وقال کے بعد یہ فیصلہ پایا کہ قرعہ اندازی ہو اور جس شخص کے نام قرعہ نکلے وہی مدینہ روانہ کیا جائے تاکہ اسکی پوری تحقیق کر کے لائے کہ آیا حضرت علی نے طلحہ اور زبیر سے تلوار کے زور سے بیعت کی ہے - یا انھوں نے اپنی خوشی سے

بیعت کی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بیعت اکراہ سے ہوئی ہے تو بصرہ صدیقہ کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اگر یہ ثابت نہ ہوا تو صدیقہ مع طلحہ و زبیر یہاں سے چلی جائیں گی۔
طرفین کے اس معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اس کے بعد قرعہ اندازی کی گئی۔ تو قرعہ کعب بن اسود بصرہ کے قاضی کے نام کا نکلا۔ قاضی صاحب مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کے مسجد نبوی میں آئے اور اعیان مدینہ سے اس امر کا استفسار کیا۔ سب تن کے خاموش ہو گئے اور کسی نے ہاں نا کا جواب نہ دیا۔ کیونکہ ابھی تک باغیوں کا تسلط وہاں موجود تھا اور سب اُن سے خوف کھاتے تھے۔ کعب بہت بڑے عالم اور تجربہ کار تھے سمجھ گئے کہ معاملہ کی اصل یہ ہے۔
کعب نے حجت پوری کرنے کے لئے پھر غل مچایا آخر اسامہ بن زید سے کہا اُس نے کہا ہاں ہم کہتے ہیں کہ بیعت اکراہ سے ہوئی ہے۔ اس پر سہیل بن حنیف گورنر مدینہ جو حضرت علی کے خاص دوستوں میں تھا۔ بہت جھنجلایا اور سخت کلامی کرنے لگا۔ جب صہیب بن سنان اور محمد بن مسلمہ نے یہ دیکھا کہ اس تو تو میں میں سے فساد ہو جائے گا تو دونوں اسامہ کا ہاتھ پکڑ کے مسجد کے باہر لے آئے اور کہا اس بدیہیات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ طلحہ اور زبیر نے باکراہ بیعت کی تھی۔ اسامہ تم بالکل سچے ہو کعب نے ساری کیفیت اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کل باتیں اپنے کانوں سے سنیں۔ اور پورا اطمینان کر کے وہ بصرہ واپس آ گئے۔
اور گورنر بصرہ سے صاف صاف کہدیا کہ فی الواقع بیعت اکراہ سے ہوئی ہے جب صدیقہ کو یہ خبر لگی تو انھوں نے عثمان بن حنیف سے ایفائے وعدہ کی درخواست کی اس نے۔ یہ کہلا بھیجا کہ میرے پاس علی بن ابی طالب کا فرمان آیا ہے۔ کہ میں بصرہ کو آپ کے سپرد ہرگز نہ کروں۔ اور تلوار سے اسکی حفاظت کروں۔
بصرہ میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ قریب قریب کل بصرہ صدیقہ اور طلحہ و زبیر کی طرف ہو گیا۔ صدیقہ نے حکم دیا کہ اس عہد شکن کا محل گھیر لیا جائے۔ اور اُسے

گرفتار کر کے شہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ محل کا محاصرہ ہو گیا۔ فوج نے صدیقہ کے خلاف ہتیار اٹھانے سے انکار کر دیا صرف چند درجن عثمان کے غلام محل میں موجود تھے جنھوں نے اندر آنے والوں کو روکا مگر جب دو چار مارے گئے تو پھر کسی نے تعارض نہیں کیا اور اخیر عثمان بن حنیف گرفتار ہو کے۔ صدیقہ کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ اس عہد شکن کے قتل کی اجازت چاہی گئی۔ صدیقہ نے منع کیا۔ کہ ایسا ہرگز نہ کرنا یہ بوڑھا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت کا شرف اٹھا چکا ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ وہ فوراً چھوڑ دیا گیا۔ جب وہ باہر نکل آیا تو بعض نوجوانوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کی لمبی اور گھندار ڈاڑھی کا ایک ایک بال جدا جدا کر دیا۔

عثمان جان بچا کے مدینہ آیا اور اسیطرح حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ واللہ باللہ میں نے تجھے نہیں پہچانا۔ تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے۔ عرض کیا میں عثمان بن حنیف ہوں۔ آپ نے متعجب ہو کے فرمایا میرے پاس سے تو بوڑھا ہو کے گیا تھا مگر آیا ہے امرد بن کے۔

عثمان بن حنیف کے مغلوب و اسیر ہونے پر سارے بصرہ پر صدیقہ اور طلحہ و زبیر کا قبضہ ہو گیا۔ اور کسی قسم کی بدامنی نہیں ہوئی۔ مگر پریشانی یہ باقی رہی کہ خلیفہ کون نامزد ہو اس مسئلہ نے ایک بےچینی سی پیدا کر دی اخیر صدیقہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک کسی سردار کا انتخاب ہو عبداللہ بن زبیر نماز پڑھایا کرے چنانچہ اس پر سب راضی ہو گئے۔ اور کام بسہولت چلنے لگا۔

وقتاً فوقتاً طلحہ اور زبیر باری باری تسبیح وعظ کہا کرتے تھے۔ انھوں نے صاف طور پر یہ بیان کیا کہ عثمان بن عفان محض حضرت علیؑ کی رضامندی اور حکم سے قتل کیے گئے ہیں۔

جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو ہزاروں آدمی صدیقہ کے جھنڈے کے نیچے آ گئے اور اب ان کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ کہتے ہیں کہ امیر معٰویہ کو شام میں خط بھیجے گئے کہ علی بن ابی طالب کے مقابلہ میں ہماری مدد کرنا۔ اسیطرح اہل کوفہ کو بھی لکھا گیا کہ یا تو تم ہماری مدد پر کمربستہ ہو جاؤ ورنہ نیوٹرل رہو یعنی نہ اُدھر لو نہ اُدھر۔
وہ لوگ جو باغیوں سے تعلق رکھتے تھے بصرہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور سیدھے مدینہ پہنچے۔ ہاں جنھیں باغیوں سے تعلق نہ تھا وہ کچھ تو۔ نیوٹرل رہے اور کچھ صدیقہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ قبیلہ عبدالقیس و بنی بکر بن وائل کے بہت سے آدمیوں نے طلحہ و زبیر کا ساتھ دیا۔ صدیقہ نے بیت المال پر قبضہ کر کے بہت سا روپیہ لشکریوں کو تقسیم کر دیا۔ مگر انتظام میں مطلق فرق نہیں آنے دیا۔ کسی نے جانا بھی نہیں کہ بصرہ کی گورنمنٹ بدلی گئی ہے۔

حضرت علی کی مشکلات

اُدھر تو شام میں امیر معٰویہ نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور ان کے حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا اور ادھر صدیقہ اور طلحہ و زبیر کے اس غلبہ نے ایک نئی پریشانی کا دروازہ آپ کے آگے کھول دیا۔ آپ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی امیر معٰویہ کو معزولی کا حکم بھیج دیا تھا مگر اسکی تعمیل نہ ہوئی تھی۔ حضرت علی اسیوقت سے سپاہ کے فراہم کرنے کی دھن میں لگے ہوئے تھے کہ یکایک عثمان بن حنیف نے مدینہ پہنچ کے بصرہ کے نکل جانے کی خبر دی۔ آپ نے معاویہ سے پہلے طلحہ و زبیر سے فیصلہ کر لینا اولی خیال کیا۔ لہذا عنان توجہ اس طرف منعطف کر دی۔ آپ نے بہتیری کوشش کی کہ مدینہ سے جنگ آوروں کی ایک کافی تعداد حاصل ہو جائے۔ مگر یہاں سب حضرت سے ناراض تھے اور سب اس بات کو جانتے تھے کہ حضرت علی نے مظلوم عثمان کو قتل کرایا ہے۔

فوج فراہم ہوتی تو ایک طرف رہی ادھر باغیوں کی قوت کم ہو رہی تھی اور اُدھر مدینہ میں انصار و مہاجرین میں حضرت علی کی مخالفت بڑھ رہی تھی کہ وہ قاتلان عثمان سے کیسے خلا ملا ہو رہے ہیں۔ جب حضرت علی نے یہ دیکھا کہ مدینۃ النبی میں ملکنا مشکل ہے۔ تعجب نہیں کہ سخت سفر بد دیکھنا پڑے۔ آپ نے اخیر میں یہ ہنیہ کر لیا کہ مدینۃ النبی کو ہمیشہ کے لیئے چھوڑ دینا چاہیئے فوراً اس ارادہ کی تکمیل کی گئی۔ جس وقت آپ مدینہ سے نکلے ہیں آپ کے ساتھ معہ ملازمین و سپاہی و غلام۔ نوکر چاکر صرف نوسو آدمی تھے۔

چنانچہ مدینہ سے روانہ ہو کے آپ موضع ذی قار میں قیام پذیر ہوئے۔ مخالفت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ اگر آپ چند روز مدینہ سے نہ نکل آتے تو آپ کی جان بچنی محال تھی آپ جلدی میں اپنا سامان چھوڑ کے چل نکلے تھے۔ جس سے بچ گئے آپ نے موضع ذی قار سے چند آدمی سامان لینے کے لیئے مدینہ روانہ کیئے۔ اور یہ ظاہر کر دیا کہ میں تو اب کبھی مدینہ کا رخ بھی نہیں کرنے کا میرا دور سے مدینہ کو سلام ہے۔

اسی اثنا میں قیام کے بعد حسن آپکے بڑے صاحبزادے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غصہ اور افسوس کے لہجہ میں اپنے والد ماجد سے یہ خطاب کیا۔ ابا جان آپ کسی کا کہنا نہیں مانتے اور جو کچھ آپ کی بہتری کا مشورہ دیا جاتا ہے اس پر آپ توجہ نہیں کرتے اب فرمائیے تو سہی کہ آج آپ ہی کی ضد کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ہم دار الہجرت سے نکل کے اس بے آب و گیاہ موضع میں پڑے ہوئے ہیں اس پر حضرت علی نے فرمایا بیٹا کونسی نصیحت اور مشورہ تھا جو میں نے تمہارا یا کسی کا نہیں مانا۔ بتاؤ تو سہی۔ حضرت امام حسن نے عرض کیا کہ سنیئے۔

اوّل۔ آپ سے یہ عرض کیا گیا تھا کہ باغیوں نے عثمان کے مکان کا محاصرہ کر لیا ہے آپ فوراً مدینہ سے باہر چلے جائیں اس سے آپ کو یہ فائدہ پہنچیگا کہ اگر عثمان قتل بھی ہو جائیں گے جب بھی آپ پر ان کے قتل کا الزام لوگ نہیں لگانے کے۔ مگر آپ نے نہیں مانا۔

دوم۔ پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جب کوئی مسلمان آپ کی خلافت پر راضی نہیں ہے تو پھر آپ خلیفہ بننے کے دھن میں کیوں لگے ہوئے ہیں۔ آپ نے ایک نہ سُنی۔

سوم۔ میں نے عرض کیا تھا کہ طلحہ و زبیر صدیقہ کے ساتھ ملکے خون عثمان طلب کر رہے ہیں ایسی حالت میں آپ گوشہ تنہائی میں بیٹھ جائیں اور کل معاملات خدا وند تعالی پر چھوڑ دیں اور انتظار کریں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ مگر آپ نے نہ سنا۔
اس کا جواب حضرت علی نے اپنے بیٹے کو یہ دیا۔ یہ جو تم نے کہا کہ میں محاصرہ بیت خلافت کے وقت کیوں نہیں مدینہ سے نکل کے چلا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ باغیوں نے میرے مکان پر خالد بن سلم کو پہرانی مقرر کر دیا تھا کہ وہ مجھے مدینہ سے باہر نہ جانے دے۔ سب بڑے بڑے صحابہ پر باغیوں نے اسیطرح پہرہ بٹھا دیا تھا۔ دوسری بات کا حضرت علی نے یہ جواب دیا کہ خلیفہ کے لیئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام دنیائے اسلام اس کے ہاتھ پر بعیت کرے بلکہ اہل حرمین کی بعیت کفایت کرتی ہے۔ تمہارے مشورہ کے بموجب اگر میں طلحہ و زبیر کے معاملہ میں گوشہ نشین ہو جاتا تو اس میں خلل پڑنے کا پورا اندیشہ تھا۔
پھر آپ نے فرمایا سنو صاحبزادے جب ریاض رضواں میں رسول کریم تشریف لیگئے تو میں نے تمام صحابہ میں اپنے سے بہتر منصب خلافت اور تنظیم مصالح کا کفیل کسی کو نہیں پایا مگر میں کیا کروں مسلمانوں نے ابوبکر کے ہاتھ پر بعیت کر لی میں نے بھی اُن کے ساتھ اتفاق کر لیا اور جہاں تک مجھسے ہو سکا انھیں امور خلافت میں برابر مدد دیتا رہا۔ ابوبکر نے عمر کو اپنا خلیفہ بنا دیا میں اس پر بھی راضی ہو گیا اور مطلق مخالفت نہیں کی۔ مگر جب عمر نے انتخاب خلیفہ کے وقت حدیث شوری پیش کی اور خلایق نے عثمان کے ہاتھ پر بعیت کر لی تو میں بھی ان کے ساتھ ہمداستاں ہو گیا۔ اور کل کاموں میں انھیں مدد دیتا رہا۔ اور جب وہ قتل ہو گئے تو میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔
مگر لوگوں نے مجھے نہ چھوڑا اور میرے آگے خلافت پیش کی۔ میں ایک ہفتہ تک برابر انکار کرتا رہا اخیر جب میں نے دیکھا کہ خلیفہ کا ہونا ضرور ہے۔ ایسا نہو کہ امن میں خلل پڑ جائے ناچار سرداران قوم کی بعیت پر میں نے خلافت منظور کر لی اور بس۔
حضرت علی کو سپاہ کے فراہم کرنے کا فکر تھا۔ آپ جانتے تھے کہ بغیر سپاہ کے

کامیابی ممکن نہیں۔ بصرہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ آپ کو کوفہ کا بڑا اندیشہ تھا کہ اگر وہاں بھی دشمنوں کا قبضہ ہو گیا تو پھر بڑی بنے گی۔ آپ نے اسی خیال سے اپنے گیلڑ محمد بن ابو بکر اور اپنے بھتیجے محمد بن جعفر کو کوفہ روانہ کیا تاکہ لوگوں کو آپ کی موافقت پر آمادہ کریں اور اگر مخالفین کا کچھ اثر ہوا ہے تو اسے زایل کر دیں۔

غرض یہ دونوں محمد کوفہ پہنچے اور جو خط کوفیوں کے نام حضرت نے لکھا تھا وہ جامع مسجد میں ہزاروں مسلمانوں کے سامنے پڑھ کے سنا دیا گیا۔ اس پر کوفیوں نے اپنے گورنر ابو موسیٰ اشعری سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ علی بن ابی طالب ہم سے مدد چاہتے ہیں۔ ابو موسیٰ نے کہا سنو بات یہ ہے کہ علی ہوں یا طلحہ و زبیر یہ لوگ تو حکومت چاہتے ہیں تم ان کا کہاں تک ساتھ دو گے۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی فتنہ پیدا ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے اپنے اپنے گھروں میں بند ہو کے بیٹھ جائیں۔

محمد بن جعفر نے جب یہ سنا کہ ابو موسیٰ یہ کہتا ہے تو وہ مجمع میں ابو موسیٰ پر سخت برہم ہوئے اور کہا کہ تو امیر المومنین علی بن ابی طالب کی متابعت سے لوگوں کو برگشتہ کرتا ہے۔

ابو موسےٰ نے کہا سنو محمد بن جعفر عثمان کی بیعت کا طوق میری اور تمہارے صاحب (مراد از حضرت علی) کی گردن میں موجود ہے لہٰذا اگر تلوار اٹھائے بن نہیں آتی تو پہلے قاتلان عثمان سے مقاتلہ کرنا چاہیئے اور جب باغیوں سے پورا انتقام لے لیا جائے تو اسوقت دوسرا کام کرنا زیبا ہے۔

اس پر محمد بن جعفر خاموش ہو رہے۔ اور یہ دیکھ کے کہ اہل کوفہ سب ابو موسیٰ کے ستھے چڑھے ہوئے ہیں ہماری نہیں سُننے کے موضع ذی قار میں حضرت علی کی خدمت میں واپس چلے آئے۔ اور ساری کیفیت عرض کر دی۔

حضرت علی کو ابو موسیٰ کی ان باتوں پر سخت افسوس و تعجب ہوا۔ آپ نے پھر عبداللہ بن عباس اور مالک اشتر کو کوفہ روانہ کیا تاکہ ابو موسیٰ سے گفتگو کر کے قایل معقول کیا جائے اور کوفیوں کو حضرت علی کی طرفداری پر آمادہ کیا جائے۔ یہ دونوں قابل

رسول کوفہ پہنچے مگران کی ابوموسیٰ کے آگے ایک نہ چلی۔ بیچارے ناکام واپس چلے آئے۔

آخر حضرت علی نے اپنے بڑے صاحبزادے امام حسن کو عمار یاسر کے ساتھ کوفہ روانہ کیا تاکہ کوفیوں پر حجت پوری کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں صاحب کوفہ پہنچے۔ کوفیوں نے امام حسن کی بہت تعظیم کی اور آپ کا بڑی دھوم سے استقبال کیا۔ خود ابوموسیٰ بھی نہایت ادب اور عزت سے پیش آیا۔

یہاں پہنچ کے اور قدرے آرام لیکے امام حسن اور عمار یاسر دونوں جامع مسجد میں گئے۔ یہاں آدمیوں کا ہجوم بہت ہو گیا۔ حضرت امام حسن بیان کرنے کے لیئے کھڑے ہوئے تو مجمع میں آپ کی نظر ابوموسیٰ اشعری پر پڑی۔ آپ نے فرمایا کہ ابوموسیٰ تم میرے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب کی متابعت سے مسلمانوں کو کیوں روکتے ہو میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ہماری غرض سوائے صلاح امت کے اور کچھ نہیں۔

ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں یہ کام کیونکر کر سکتا ہوں یعنی آپ کے والد کی متابعت کے خلاف مسلمانوں کو کس طرح آمادہ کر سکتا ہوں جبکہ آپ کے نانا رسول کریم کی یہ پیش گوئی اور ارشاد موجود ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ عنقریب ایک فتنہ پیدا ہوگا جس میں قاعد قائم سے اچھا رہے گا۔ اور قائم سے ماشی اور ماشی سے راکب۔ اب یہ جماعت جو بصرہ میں ہے ہمارے بھائیوں کی ہے۔ خداوند عزو علا نے ان کے مال اور خون ہم پر حرام کر دیئے ہیں۔

یہاں تک ابوموسیٰ کہنے پایا تھا کہ عمار یاسر نے اُسے نہایت سخت سست کہنا شروع کیا۔ مورخون نے تو سب کا لفظ لکھا ہے جس کے معنی گالی گلوچ کے ہیں عمار یاسر کا جواب ایک کوفی نے ترکی تبرکی دیا۔ اور کہا ای عمار کل تو ہم تجھے باغیوں کے ساتھ ان کی مصاحبت میں سرگرم دیکھتے تھے اور آج تو ہمارے حاکم کے ساتھ سفاہت کر رہا ہے۔

اسی اثنا میں زید بن صوحان کھڑا ہوا۔ اور صدیقہ نے جو خط اہل کوفہ کو لکھا تھا

وہ اس نے پڑھنا شروع کیا اور صدیقہ پر طعن کرنے لگا کہ اہل بغی سے جدال و قتال کرنے کا کام تو مردوں کا ہے۔ صدیقہ نے کیوں یہ کام اپنے ہاتھ میں لیلیا ہے۔ انھیں تو گھر میں بیٹھنے کا حکم ہے۔ وہ تلوار لیکے مسلمانوں کا قتال کرنے گھر سے کیوں نکلیں اس کی ابوموسیٰ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اہل جلسہ سے مخاطب ہو کے کہا آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ رسول کریم کے جلیل القدر صحابہ عبداللہ عمر و سعد بن ابی وقاص و محمد بن سلمہ و اسامہ بن زید اس فتنہ سے علیحدہ رہنے کے لیے خانہ نشین ہو گئے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں پر تلوار اٹھانا حرام خیال کیا ہے۔ لہٰذا آپ لوگوں کو چاہیئے کہ ان صحابہ کی متابعت کر کے اس فتنہ سے پہلو بچائے رکھیں مبادا دین و دنیا دونوں سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

اس کا جواب قعقاع بن عمرو نے یہ دیا۔ سنو چی بات یہ ہے کہ بغیر حاکم کے کسیطرح بھی چارہ نہیں ہے ورنہ انتظام ممالک درہم برہم ہو جائے گا۔ اس وقت امیر المومنین علی موجود ہیں جو اعلیٰ درجہ کے منتظم اور رعایا پرور ہیں کیوں نہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی جاتی کہ یہ سارے جھگڑے پاک ہو جائیں۔ اسکی تائید میں عبد خیر کھڑے ہوئے اور ابوموسیٰ سے یہ دریافت کیا آیا تجھے معلوم ہے کہ طلحہ اور زبیر نے امیر المومنین علی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا نہیں۔ ابوموسیٰ نے کہا ہاں کی تھی۔ پھر عبد خیر بولا کہ علی سے کوئی ایسا امر سرزد ہوا جس سے شرعاً نقص بیعت ہو گیا۔ ابوموسیٰ بولے اس کی مجھے خبر نہیں۔ عبد خیر نے اس پر یہ اصرار کیا کہ جب تک تم اس امر سے واقف نہ ہو جاؤ گے ہم جلسہ کو برخاست نہیں کرنے کے۔

حضرت امام حسن کو اس تو تو میں میں پر غصہ آگیا اور آپ نے تہدید آمیز لہجہ میں ابوموسیٰ سے خطاب کیا کہ اے ابوموسیٰ جب تو امیر المومنین علی کی متابعت سے انحراف کرتا ہے تو تجھے زیبا نہیں ہے کہ تو ممبر پر چڑھا رہے۔ خیر اسی میں ہے کہ تو یہاں سے اتر جا ابوموسیٰ نے رسول کریم کے نواسہ کے اعزاز کو ہاتھ سے نہیں دیا اور فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اگرچہ اسے رنج اور انفعال ضرور ہوا۔ جلسہ میں ادھر یہ واقعات گزر رہے تھے اور ادھر صعصعہ بن صوحان اور عمار یاسر لوگوں کو حضرت علی کی متابعت کے لیے

اٹھا رہے تھے۔ کہ امام حسن ابو موسٰی کے ممبر پر سے اترتے ہی آپ چڑھ گئے۔ اور یہ واعظ شروع کیا۔
ایہا النّاس آپ پر روشن ہے کہ خدوکہ ملت وامام امت علی بن طالب ہیں۔ اس وقت وہ ایک باغی قوم کی سرکوبی کے لیئے لشکرکشی کی تیاری کر رہے ہیں۔ اب تم سے وہ یہ کہتے ہیں کہ میں اس معاملہ میں مظلوم ہوں یا ظالم اگر مظلوم ہوں تو میری مدد کرو اور اگر ظالم ہوں تو مظلوموں کی داد مجھسے لینی چاہیئے۔ اول جن لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی وہ طلحہ و زبیر ہیں۔ مگر بلا وجہ انھوں نے نقض پیمان کیا۔ مناسب ہے کہ وضیع و شریف غنی و فقیر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوں اور اس میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہ کریں امام حسن کی تائید بلند آواز سے محمد بن عدی الکندی نے کی۔ اس کا اثر کوفیوں پر اچھا ہوا مجمع میں سے آوازیں بلند ہونے لگیں ہم امیر المومنین علی بن ابی طالب کے ساتھ ہیں چنانچہ جس وقت امام حسن کوفہ سے روانہ ہوئے ہیں تو سات ہزار نفران کے ساتھ ہو گئے۔ اور ان کے دوست مالک اشتر نے بڑی کارگزاری یہ دکھائی کہ بارہ ہزار آدمی اور بھی جمع کر لیئے اور انھیں لیکے حضرت امام حسن کے پیچھے ذی قار روانہ ہو گیا گویا انیس ہزار آدمی حضرت علی کو کوفہ سے مل گئے۔

حرب جمل کا قصہ

حضرت علی کو جب خبر لگی کہ سات ہزار آدمی تو امام حسن اپنے ساتھ لا رہے ہیں اور بارہ ہزار مالک اشتر لا رہے ہیں تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے دو لشکروں کا بڑی دھوم سے آگے بڑھکے استقبال کیا۔ انھیں دعا دی اور ان کی بہت تعریف کی اور کہا تمھیں تکلیف دینے کی غرض محض یہ ہے کہ ہماری کچھ بھائیوں نے ہم سے سرکشی کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے مصالحت کے ساتھ معاملہ کو طے کر لوں اور اگر اس صورت سے معاملہ طے نہ ہو تو رفق و مدارا کو کام میں لا کے اس جھگڑے کو انجام تک پہنچا دوں اور اگر یوں بھی نہ ہو تو جس طرح اللہ و رسول کا ارشاد ہے اس پر عمل کروں۔

یہ فرما کے حضرت علی نے باری باری سے اعیان کوفہ سے ملاقات کی اور انھیں اُن کی جائے قیام تبادی پھر آپ نے قعقاع بن عمرو کو جو آپ کی نظر میں نہایت صاحب فراست تھے بطور پیغام بر صدیقہ اور طلحہ وزبیر کے پاس روانہ کیا۔ اور آپ لشکر کی ترتیب دے کے اس کے پیچھے بصرہ روانہ ہوئے۔

قعقاع بن عمرو منازل طے کرتا ہوا بصرہ میں داخل ہوا اور پہلے صدیقہ کے حضور پیش کیا گیا۔ صدیقہ نے دریافت کیا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے۔ قعقاع نے کہا مسلمانوں کی اصلاح حال اور طلب خون عثمان کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ طلحہ وزبیر کو بھی یہاں بلوالیں تو جو کچھ مجھے کہنا ہے۔ وہ بھی گوشگزار کرلیں۔ صدیقہ نے دونوں صحابہ کو اسیوقت اپنے پاس طلب کرلیا۔

جب دونوں صحابہ آگئے تو قعقاع نے دریافت کیا آپ چاہتے کیا ہیں۔ طلحہ وزبیر نے جواب دیا خون عثمان قعقاع نے کہا اس سے آپنے کیا نتیجہ سوچا ہے۔ جواب دیا گیا اصلاح اُمت قعقاع بولا آپ اب تک طلب خون عثمان میں کتنے قتل کرچکے ہیں جواب دیا گیا کہ چھ سو نفوس قعقاع نے کہا یہ صلاح امت کیا ہوئی بلکہ امت کی بربادی اور اس میں فساد پیدا کرنا مقصود ہوا کیونکہ جتنے آدمی آپ قتل کرچکے ہیں اُن کے احباب اور رشتہ داروں کی عداوت تو آپ سے مسلم ہوچکی۔ پھر اسیطرح آپ اور قتل کریں گے تو بتائیے اس سے فساد بڑھیگا یا نہیں اس پر صدیقہ نے کہا قعقاع تو سچ کہتا ہے تو اب تو رائے دے کہ کیا کیا جائے قعقاع نے کہا کہ مخالفت کا بساط لپیٹ دیجے اور امیرالمومنین علی سے صلح کر لیجے۔ طلحہ وزبیر نے کہا ہم راضی ہیں۔ تم جاؤ اور امیرالمومنین علی سے کہکے ہماری صلح کرادو چنانچہ قعقاع امیرالمومنین کی خدمت میں واپس آیا اور ساری کیفیت بیان کردی حضرت علی کو یہ سن کے بہت تعجب ہوا۔ آپ نے قعقاع کی فراست پر آفرین کہی۔

اسی اثنا میں آپ حدود بصرہ تک پہنچ گئے تھے کہ بصری جوق جوق لشکر گاہ میں آنے لگے اور کوفیوں سے دریافت کرنے لگے کہ صدیقہ سے جنگ کرنے کا ارادہ ہے۔ یا صلح کا۔ کوفیوں نے کہا جو کچھ حضرت علی کی مرضی ہوگی ہم اسی پر عمل کریں گے۔ اس کے بعد کوفیوں نے اپنے

بھائی بصریوں میں سے چند آدمی انتخاب کر کے حضرت علی کی خدمت میں پیش کر دیئے آپ نے سارا قصہ دوھرایا کہ اس طرح باغی مدینہ میں گھس آئے اور عثمان پر یہ الزام لگائے اور اخیر اسے قتل کر ڈالا۔ میں برابر ایک ہفتہ تک گھر میں چھپا بیٹھا رہا۔ مگر باغیوں نے مجھے چین نہ لینے دیا۔ اخیر میں گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہوا۔ مجھ سے کہا تم خلافت قبول کرو۔ میں نے کہا جب تک طلحہ و زبیر نہ ہوں گے میں خلافت قبول نہیں کر سکتا۔ چنانچہ یہ دونوں کشاں کشاں میرے سامنے لائے گئے ان کی صورت دیکھتے ہی میں نے ان سے کہا لو یہ خلافت حاضر ہے تم لے لو۔ انھوں نے یہ سن کے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ نہیں ہماری توبہ ہے ہمیں یہ خلافت منظور نہیں ہے۔ چنانچہ ناچار مجھے خلیفہ ہونا پڑا اور پھر ان دونوں نے بطیب خاطر میرے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب بیعت کر چکے تو مجھ سے یہ حیلہ کیا کہ ہمیں عمرہ کرنا ہے۔ ہم مکہ جاتے ہیں میں نے انھیں جانے کی اجازت دے دی۔ یہ چلے گئے اور بیعت توڑ ڈالی اور ستم یہ کیا کہ اپنی بیبیوں کو تو پردہ سے باہر نہ نکالا مگر رسول کریم کی معزز و محترم بیوی کو میدان میں لے آئے۔ اور ناحق ہوں کے بیچ میں بصرہ میں لا کھڑا کیا۔ اور حضرت رسالت سے ذرا بھی شرم نہیں کی۔ اور نہ اپنی بیعت توڑنے کی انھیں کچھ حیا دامنگیر ہوئی فساد کرتے پھرتے ہیں اور خونریزی پر کمر باندھی ہے بھائیوں میری غرض یہاں آنے سے صرف یہ ہے کہ مذموم رسوم کو دفع کر دوں اور آدمیوں کی اصلاح حال میں کوشش کر دوں۔ کینہ و غضب جو ارباب سلیم کی نظر میں ناجموود ہے۔ محمد رسول اللہ کی امت میں سے اڑا دوں۔ میں ان کے مقابلہ میں اگر وہ راستی پر آ گئے تو کبھی تلوار نہیں اٹھانے کا اور اگر انھوں نے نہ مانا تو مجبوراً تلوار غلاف سے نکالنی پڑے گی۔

بصریوں نے حضرت علی کی اس تقریر کو بہت غور سے سنا۔ سمجھا اور اس پر توجہ کی اور سب آپ کے ساتھ ہو گئے اور کہا جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس سے بہتر بات اور نہیں ہو سکتی۔ اس پر حضرت علی نے یہ فرمایا کہ تم میرے ہاتھ پر بیعت کرو تو اس پر ان کے سردار عاصم بن کلب نے کچھ عذر کیا۔ مگر حضرت علی نے نہ مانا اور کہا تمھیں بیعت کرنی ہو گی۔ ناچار ان سو آدمیوں نے بیعت کر کے بصرہ کی راہ لی۔ اور یہاں

آکے اُنھوں نے اہل بصرہ سے ساری کیفیت بیان کر دی ادھر حضرت علی نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ حکم ہوتے ہی فوج بصرہ کی دیواروں کے نیچے آگئی۔ اس سے پہلے طلحہ وزبیر اپنی تیس ہزار سپاہ لیکے شہر کے باہر نکل چکے تھے۔ دونوں فوجوں کے خیمے آمنے سامنے نصب ہوگئے اور اب طرفین میں رسل و رسائل کا سلسلہ شروع ہوگیا جو خط طلحہ وزبیر کی طرف سے حضرت علی کو بھیجا گیا تھا اس کا یہ مضمون تھا کہ اگر آپ قاتلان عثمان کو اپنے لشکر گاہ سے نکال دیں تو ہم ابھی صلح کرتے ہیں۔ ورنہ صلح محال ہے منجملہ پانسو قاتلان عثمان کے یہ چند نام خط میں خصوصیت سے درج کیے گئے تھے۔

مالک اشتر۔ ابن الہیثم عدی بن حاتم طائی۔ ثابیم بن ثعلبہ علیلے۔ شریح بن وفی خالد بن ملجم۔

اب حضرت علی نے سوچا کہ بات تو معقول ہے اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے۔ ناچار ان لوگوں سے کہا مصلحت اسی میں ہے کہ فی الحال تم میرے لشکر گاہ سے نکل جاؤ جب صلح ہوجائے گی اس وقت دیکھا جائے گا۔

انھیں اس حکم کی تعمیل کرنی پڑی اور وہ دور فاصلہ پر وہاں سے چلے گئے اور اب انھیں حضرت علے کی طرف سے سخت غدغہ پیدا ہوگیا۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا بھائیوں یہاں تو جان کے لینے کے دینے پڑ گئے علی اور طلحہ وزبیر کی صلح ہی اسی بنا پر ہوگی کہ ہمیں قتل کر دیا جائے۔ علی بہت ہوشیار اور دانا آدمی ہیں وہ تمہاری جان بچانے کے لیے طلحہ وزبیر سے جنگ نہیں کرنے کے وہ قطعی ہماری قتل پر صاد کر دیں گے اور ہم مفت میں مارے جائیں گے۔ کام ان کا نکل چکا ہے اب ہماری ان کی نظروں میں کیا وقعت ہے انھیں اس وقت طلحہ وزبیر کی طرح اپنا دشمن سمجھنا چاہیئے۔ مناسب یہی ہے کہ ہم سب ملکے جانب مغرب چلے چلیں تاکہ ہماری جان بچے

اس پر عدی بن حاتم بولا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم عرصہ سے یہیں رہتے ہیں۔ یہیں ہمارے اہل و عیال ہیں۔ یہیں ہماری کاروبار پھیلے ہوئے ہیں یہیں ہمارے احباب ہیں۔ بھلا دوسرے مقام میں جا کے ہم کس طرح خوش زندگی گزار سکتے ہیں۔

عدی کی اس تقریر نے سب پر اثر کیا۔ انھوں نے کہا بات تو سچ ہے مگر کریں کیا بہت بری

گئی ہے۔ ان میں سے بعض آدمی بوئے بھائی جان بچانے کی ترکیب یہ ہے کہ مثل عثمان کے علی کو قتل کر دو پس چھپی مٹ جائے گی اس سے یہ نتیجہ نکلیگا کہ طلحہ و زبیر ہمارے دوست بن جائیں گے۔ اس پر شیم نے یہ کہا واہ واہ صد آفرین ہے تمھاری ہمت پر کہ کل تو تم عثمان کو قتل کر چکے ہو اور آج علی کو قتل کرتے ہو۔ بھلا ہماری یہ کارروائی دیکھ کے طلحہ و زبیر کو ہم پر کیا اعتماد رہے گا۔ وہ سمجھیں گے۔ کہ ایک دن ہم انھیں بھی اسیطرح موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ سب نے شیم کے خیال کو پسند کیا۔ اخیر باہم یہ طے پایا کہ طلحہ و زبیر اور علی کو لڑ وا دیا جائے۔ چنانچہ ایک دن آخری شب ان سب قاتلان عثمان نے مسلح ہو کے طلحہ و زبیر کے میمنہ پر حملہ کیا۔ یہ لوگ سمجھے کہ حضرت علی نے شب خون مارا ہے تیروں کی باغیوں کی طرف سے بارش ہو رہی تھی۔ کہ سپاہ طلحہ و زبیر آراستہ ہو کے مقابلہ میں آئی اور ان باغیوں کو صبح ہونے سے پہلے مار کے بھگا دیا۔

اس کا اثر اچھا نہیں ہوا۔ طلحہ و زبیر کو یہ یقین ہو گیا کہ علی جنگ کیئے بغیر نہیں ماننے کے اور یہ نامہ و پیام محض وقت حاصل کرنے کے لیئے کیا گیا تھا۔ اخیر دونوں نے فوج کی ترتیب دی اور آمادہ جنگ ہو گئے ادھر حضرت علی نے طلحہ و زبیر کو تیار پا کے اپنی فوج کو ترتیب دیا اور قلب لشکر میں آپ کھڑے ہو گئے۔

ہزیمت خوردہ باغیوں نے موقع غنیمت جان کے حضرت علی کے قلب لشکر کا رخ کیا۔ یہ لوگ اپنی کوشش میں تو پورے کامیاب ہو چکے تھے اب انھیں اپنے سرپرست حضرت علی کی خدمت میں اس لیئے حاضر ہونا تھا کہ اگر کوئی کسر رہگئی ہو تو اُسے پورا کر دیں۔

غرض قلب لشکر میں پہنچ کے حضرت علی کو سلام کیا اور یہ عرض کیا کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے تو صرف طلحہ و زبیر کے راضی کرنے کے لیئے ہم جیسے وفاداروں کو بھی اپنے لشکر گاہ سے نکال دیا تھا مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں پر ان مراعات کا کچھ بھی اثر نہوا اور وہ آپکے مقابلہ میں بلا وجہ شمشیر بدست ہو گئے۔ اب ہم حاضر خدمت ہوئے ہیں تاکہ اس معرکہ میں سرفروشی کریں اور داد مردانگی دیں ان باغیوں کی طرف سے مالک اشتر اور عدی بن حاتم نے بہت فصاحت و بلاغت سے تقریر کی تھی جس سے حضرت علی جوش میں بھر آئے اور طلحہ و زبیر کی مخالفت بہت شدید کے

ساتھ کر کے اپنی فوج کے آگے یہ تقریر کی۔

اے سپاہیوں تم پر یہ پوشیدہ نہ رہنا چاہیئے کہ میں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ مدارا اور مواسا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی انھیں بار ہا نصیحت کی کہ وہ اپنے اعمال سے باز آئیں مگر میری مشفقانہ باتیں انھوں نے قبول نہیں کیں اور دامن انصاف سے ہاتھ چھڑا کے اجلاف اور اعتاف کا لباس پہن لیا۔ اور اب وہ مجھ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے طلحہ سے تعجب ہے کہ خود تو قتل عثمان کی تحریص لوگوں کو دیتا تھا اور اب اس کا خون طلب کرنے نکلا ہے۔ طلحہ کے افعال عقل راست میں تو نہیں آسکتے۔ اگر عثمان ظالم تھا تو اس کے قاتلوں سے بجائے دشمنی کے دوستی پیدا کرنی چاہیئے تھی اور اگر مظلوم تھا تو وقت پر اسے کیوں نہیں مدد دی۔ اور اگر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی تو اب بھی گوشہ نشین ہی بنا رہنا چاہیئے تھا۔ حالانکہ اس نے یہ نہیں کیا۔ وہ آیا اور اس نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر اس سے مخالفت کر کے اب میرے مقابلہ کے لیئے تلا ہوا ہے۔ یا اللہ تو اسے اسکی کیفر کردار کو پہنچا اور ذرا بھی مہلت نہ دے۔

لہٰذا میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس گروہ سے مقابلہ کرنے میں خوشی مناؤ۔ ایسا اچھا موقع تمھیں ہاتھ نہیں لگنے کا۔ ان کے قتل کرنے میں کسی قسم کا اندیشہ نہ کرنا۔ کہ انھوں نے میرا عہد توڑ ڈالا ہے ابن حنیف جو پہلے سے یہاں کا گورنر تھا کس طرح ان کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوا۔ اور کس طرح بیچارہ بھاگ کے مدینہ پہنچا۔ ان لوگوں نے بیت المال پر قبضہ کر لیا اور صلحائے اُمت یعنی حکیم اور اس کے بھائی اور بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور مکہ کے بعض مسلمان جو خوف جان سے بھاگ گئے تھے انھیں تعاقب کر کے گرفتار کر لیا ہے اور ان پر ظلم توڑے جاتے ہیں۔ بعض ان میں سے قتل کر دیئے گئے ہیں۔

دیکھنا تم جنگ میں بھاگ نہ جانا کہ اس سے زیادہ مرد کے لیئے کوئی شرمناک امر نہیں ہے۔ ایسا شخص جہنم کا سچا وارث ہوتا ہے۔ تم یقین ہی کر لو کہ بہترین موت قتل ہے قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں ابو طالب کے بیٹے کی جان ہے وہ بستر پر مرنے سے تلوار کی سو ضربیں کھانی بہتر سمجھتا ہے غرض یہ ہے کہ تم بے دغدغہ قوم آگے رکھو اور اپنے اعمال کے جزا ید کو جبن و بدولی سے نہ لکھو۔ کیونکہ موت مقدر ہے۔ اور اس سے کسی حیلہ و تدبیر سے انسان گلوخلاصی نہیں حاصل کر سکتا۔

وہ جماعت جو ہم سے جنگ کرنے آئی ہے مسلمان بھی ہے اور اہل قبیلہ میں سے بھی ہے جب تک وہ تم پر حملہ نہ کرے تم اس کے ساتھ قتال نہ کرنا۔ ہاں جب ان کی طرف سے حملہ ہو تو تم محض اس کے دفع کرنے کے لئے ان سے جنگ کرو۔ ایسی حالت میں اگر وہ مارے جائیں گے تو تمہاری گردن پر ان کا خون نہیں ہونے کا۔ اور یاد رکھو اگر وہ بھاگیں تو ان کا تعاقب بھی نہ کرنا۔ اگر ان کی طرف سے ایک زخم لگے تو تم بھی ایک ہی زخم پہنچانا۔ فقط۔

اس وعظ کا جو کچھ اثر ہوا ہو اسکی تو خبر نہیں مگر یہ ضرور تھا کہ حضرت علی کو ان رنگروٹوں پر کامل بھروسہ نہ تھا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ طرفین کی باتوں نے انھیں مذبذب کر دیا ہے اور اسی وجہ سے اہل بصرہ کی تین ٹکڑیاں ہو گئی تھیں۔ ایک ٹکڑی تو حضرت علی کے ساتھ تھی ایک طلحہ اور زبیر کے ساتھ اور ایک نیوٹرل تھی یعنی غیر جانب دار نہ ادھر نہ اُدھر۔

آپ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے طلحہ و زبیر کے پاس آدمی بھیجا کہ تم دونوں مجھ سے آکے میرے لشکرگاہ میں مل جاؤ۔ چنانچہ آدمی کے ساتھ تن تنہا دونوں حضرت علی کے پاس ان کے لشکر میں چلے آئے آپ نے فرمایا "اس سے پہلے مجھ میں اور تم میں استحکام کے ساتھ اخوت کے قواعد بنے ہوئے تھے ہم آپس میں ایک دوسرے کا آزار خاطر جائز نہیں رکھتے تھے"۔

طلحہ و زبیر بولے۔ ہاں یہ سچ ہے۔ حضرت علی نے فرمایا پھر اس میں تجدد کیوں ہوئی کہ تم میرے ساتھ قتال تک روا رکھنے لگے۔ اور میرا خون تم نے حلال سمجھ لیا۔ دشمنی کا علم بلند کر لیا۔ اس کا جواب صاف الفاظ میں طلحہ نے یہ دیا۔ سنیئے حضرت بات یہ ہے کہ پہل آپ کی طرف سے ہوئی ہے آپ ہی اس جنگ کے بانی مبانی ہیں۔ آپ ہی نے فتنہ کو مختلف اطراف سے جمع کیا ہے اور آپ ہی نے خلیفہ مظلوم کے قتل کی باغیوں کو تحریص دی ہے۔

حضرت علی نے بات کاٹ کے کہا کیا خون عثمان کا قصاص تم مجھ سے چاہتے ہو حالانکہ ابھی تک اس کا خون تمہاری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ یاد رکھو تم میں او رخداوند تعالیٰ کی خوشنودی میں بعد المشرقین ہے۔ آؤ ہم دونوں مباہلہ کریں اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہیں کہ جس شخص کی تم میں سے قتل عثمان میں سازش ہو اس پر غضب الٰہی نازل ہو اور سرداری کا تاج اس کے سر سے اتر جائے طلحہ و زبیر نے مباہلہ سے اعراض کیا۔ پھر حضرت علی نے فرمایا۔ تم نے اپنی بہو بیٹیوں اور بیویوں کو تو

پردہ کے پیچھے بٹھا دیا ہے اور رسول خدا کی حرم محترم کو حجلہ سے باہر نکال کے میدان جنگ میں لا کھڑا کیا اور اس کے پردہ کی تم نے سخت ہتک کی۔ خود ہی کہو یہ صورت انصاف کی ہے یا محض اعتساف کی طلحہ و زبیر نے جواب دیا کہ ہم صدیقہ کو میدان جنگ میں لیکے نہیں آئے بلکہ وہ خود اپنی قوم کی اصلاح کے لیے نکلی ہیں اس پر حضرت علی بولے واہ کیا خوب کہا صدیقہ کو بجائے دوسروں کی اصلاح کرنے کے اپنی اصلاح حال کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ یہ کہکے آپ جوش غصہ میں فرمانے لگے۔ بس اب آپ دونوں صاحب تشریف لیجائیں اس وقت آپ کے لیے عار ہے اور کل ہا رفتار دونوں تیار رہیں۔ یہ سن کے جب دونوں چلنے لگے تو حضرت علی نے ٹھیرایا اور کہا کہ بات اور سنتے جاؤ۔ وہ ٹھیر گئے حضرت علی نے زبیر کی طرف خطاب کرکے کہا۔ اے زبیر تمھیں یاد ہے کہ ایک دن میں اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ رسول اللہ نے تم سے فرمایا تھا کہ کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو۔ تم نے جواب دیا تھا ہاں یا رسول اللہ۔ حضور انور نے ارشاد کیا تھا کہ عنقریب علی سے تو جنگ کرے گا جس میں ظالم تو ہو گا۔

یہ سن کے زبیر نے کہا یا ابالحسن جو کچھ آپ نے اب کہا ہے اگر مجھے پہلے سے اس کا علم ہوتا تو میں آپکو قتل کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ خدا کی قسم اب میں آپ سے قتال نہیں کرنے کا اور نہ کبھی تم کی مخالفت رکھوں گا۔ یہ قسم کھا کے زبیر اپنے لشکر گاہ میں واپس چلے گئے۔ ادہر حضرت علی نے ان کے جاتے ہی سرداران فوج کو جمع کرکے کہا دیکھو زبیر یہ قسم کھا کے گئے ہیں۔

جب زبیر صدیقہ کے پاس پہنچے تو ان سے یہ بیان کیا کہ کم سنی سے سن شعور تک میں جستنی لڑائیوں میں شریک ہوا وہ کل حق پر لڑی گئیں سوائے اس موقع کے۔

صدیقہ نے کہا۔ زبیر آخر اس سے تمھارا کیا مطلب ہے۔ زبیر نے کہا صدیقہ علی بن ابی طالب نے رسول کریم کی ایک حدیث مجھے پڑھ کے سنائی اگر اس حدیث کا مجھے پہلے سے علم ہوتا تو میں ہرگز اس معرکہ میں شریک نہ ہوتا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ابھی میں یہاں سے چلا جاؤں اور کنج عافیت میں اپنی زندگی گزاروں۔

صدیقہ نے کہا زبیر میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے۔ کہ تمھاری یہ گریز محض ان لوگوں کے خوف سے ہے جو ابو طالب کے بیٹے کے جھنڈے کے نیچے جمع ہیں۔ مگر تم اپنی اس پہلو تہی کو کہانیاں کہکے

چھپانا چاہتے ہو۔ میں نے یہ عزم بالجزم کیا ہے کہ میں جہاد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گی۔ میں امید کرتی ہوں کہ مجھ میں اور ابوطالب کے بیٹے میں اللہ تبارک و تعالیٰ حکم بن کے فیصلہ کر دے گا۔
یہ سن کے زبیر مارے غصہ کے کانپ گئے۔ اور انھوں نے اپنی شجاعت دکھانے کے لیئے حضرت علی کے لشکر پر تین حملے کیئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے دور تک گھستے چلے گئے مگر ان کی تلوار سے حضرت علی کا کوئی سپاہی زخمی نہیں ہوا۔ پھر زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ میں نے اپنی شجاعت صدیقہ کو دکھا دی بس اب میں مراجعت کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر عبداللہ بولے ایسا ہرگز نہ کیجے گا کری کرائی سب خاک میں مل جائے گی۔ زبیر نے جواب دیا بیٹا میں قسم کھا کے آیا ہوں کہ علی کے مقابلہ میں کبھی تلوار نہیں اٹھانے کا عبداللہ نے کہا۔ ابا جان یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے آپ قسم کے کفارہ کے لیئے ایک بردہ آزاد کر دیں چلو چھٹی ہوئی۔ اس کے بعد اور بھی کچھ باپ بیٹوں میں قیل و قال ہوئی آخیر عبداللہ کی انحلاح وزاری نے زبیر پر قابو پالیا اور زبیر نے مکحول نامی چھوکری کو آزاد کر کے تلوار پر ہاتھ ڈالدیا۔
حضرت علی نے جب یہ دیکھا کہ طلحہ و زبیر اور صدیقہ اپنی شوکت پر بہت مغرور ہیں اور وہ مصالحہ اور مسامحہ سے بہت دور ہو گئے ہیں تو آپ نے آخیری حجت پوری کرنے کے لیئے سرداران فوج سے مخاطب ہو کے کہا۔ تم میں کوئی جانباز ایسا ہے جسے اپنی جان کی پروا نہو اور وہ قرآن مجید اپنے ہاتھ میں لیکے اس گروہ کی طرف جائے اور ان لوگوں سے کہے کہ جو کچھ اس مصحف مجید میں لکھا ہے اس پر کیوں نہیں عمل کرتے۔ مجمع میں سے ایک شخص مسلم نامی بول اُٹھا کہ میں یہ کام کر سکتا ہوں۔ حکم ہوا اچھا قرآن مجید لو اور جاؤ۔ چنانچہ مسلم قرآن مجید لیکے گیا اور صدیقہ کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو کے اس کو للکارا کہ میں تمھیں اس کتاب کی دعوت دینے آیا ہوں۔ صدیقہ کی فوج میں سے ایک سپاہی نے اسے تلوار ماری۔ اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس نے وہ قرآن دوسرے ہاتھ میں لیلیا۔ یہ ہاتھ بھی حملہ آور کی تلوار کے نذر ہوا۔ مسلم نے دونوں بازوں سے قرآن مجید پکڑ کے اپنی چھاتی سے لگالیا۔ مگر حملہ آور کی تیسری تلوار نے مسلم کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کر دیا۔
حضرت علی کے لشکر ی مسلم کی لاش اُٹھالائے۔ حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور ڈھی پھر

خاک لیکے صدیقہ کے لشکر کی طرف پھینکی اور اس کی بربادی کی دُعا کی۔
پھر صدیقہ کی فوج کی طرف سے باقاعدہ جنگ شروع کر دی گئی۔ حضرت علی نے غل مچا کے کہا۔ عائشہ یہ دشمنوں کی جنگ نہیں ہے۔ تمھارا پردہ میں بیٹھنا اس قتال سے ہزار درجہ بہتر ہے اس کے بعد حضرت علی نے اپنی فوج کو بھی بڑھنے اور جنگ کرنے کا حکم دیا پہلے تو طرفین سے تیروں کی بارش ہوتی رہی اس کے بعد بڑھتے بڑھتے جب دونوں فوجیں قریب ہوگئیں تو اب تلوار چلنے لگی تلوار کا چلنا تھا کہ غضب برپا ہوگیا۔ گردنیں اڑنے لگیں اور زمین آنا فاناً میں لالہ زار بن گئی بس یہ معلوم ہو رہا تھا کہ آسمان سے خون برس رہا ہے۔
یہ ہولناک خونریزی دیکھ کے صدیقہ سخت متاثر ہوئیں۔ انھوں نے کعب سے جو آکے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوا تھا کہا کہ تو علی کے پاس جا اور انھیں قرآن پاک کی دعوت دے۔ کعب حکم ہوتے ہی قلب لشکر کی طرف آیا اور قرآن کریم کی دعوت دی۔ مالک اشتر نے جب کعب کی دعوت سنی تو اس خیال سے کہیں علی نہ سُن لیں اور جنگ سے دست بردار ہو جائیں فوراً کعب کے قتل کرنے کے لیے لپکا فقط یہ قصہ تو یہیں تک فی الحال چھوڑا جاتا ہے۔ پہلے آپ زبیر کے قتل کی داستان گوشگزار کرلیں۔ زبیر نے جب یہ دیکھا کہ علی کی مخالفت ٹھیک نہیں ہے تو وہ میدان جنگ سے سیدھے حجاز کی طرف ہولیے کہ وہاں جا کے گوشہ نشینی اختیار کریں گے۔ راستہ میں جب وہ وادی سباع پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں احنف بن قیس رہتا ہے احنف نے دور سے زبیر کو آتے دیکھ کے پہچان لیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو یہ زبیر ہے جو اُدھر جا رہا ہے۔ تم میں سے ایک شخص ابھی جائے اور اس سے دریافت کرے کہ عائشہ اور علی کا کیا معاملہ ہوا تو کیوں وہاں سے چلا آیا۔ یہ سن کے عمر بن جرموز نے کہا اگر تیری اجازت ہو تو میں جا کے اس سے حال دریافت کروں۔ احنف نے کہا اچھا تم ہی جاؤ۔
عمرو تلوار کمر سے باندھ کے گھوڑے پر سوار ہو کے اس موقع پر آیا جہاں زبیر نے نماز ظہر کے لیے قیام کیا تھا۔ صاحب سلامت کے بعد عمرو نے پوچھا یا ابا عبد اللہ عائشہ کی سپاہ حضرت علی کے ساتھ کیا کر رہی ہے۔ زبیر نے کہا میں انھیں لڑتا چھوڑ آیا ہوں۔
عمرو نے دریافت کیا کہ آپ عائشہ سے الگ ہو کے کیسے چلے آئے۔ زبیر نے جو کچھ سبب تھا وہ کہدیا۔ پھر دونوں آگے چل پڑے اسی اثنا میں زبیر نے نماز پڑھنی چاہی۔ آپ اس ارادہ سے سواری پر سے اتر پڑے

اور کہا عمرو مجھ سے تو امین ہو کیا میں بھی تجھ سے امین ہو جاؤں۔ عمرو نے جواب دیا ہاں امین ہو جاؤ اور بے فکر نماز پڑھ لو۔ زبیر نے نماز پڑھنی شروع کی جب وہ سجدہ میں گئے تو عمرو نے ایک ہی وار میں زبیر کی گردن اڑا دی۔ اور ان کا گھوڑا۔ جوشن اور زرہ لیکے سیدھا حضرت علی کے پاس آیا اور خوشی خوشی یہ ساری چیزیں پیش کیں اور اپنی بہادری کی داستان کہنے لگا۔
جوں ہی حضرت علی کی نظر زبیر کی تلوار پر پڑی اور آپ نے اس کے دوسرے سامان کو دیکھا تو عمرو کی طرف یہ خطاب کیا "ابشر یا قاتل بن صفیہ بالنار" یعنی اے قاتل ابن صفیہ تجھے آتش دوزخ کی بشارت ہو۔
حضرت علی سے خلاف امید اس صدمے پر عمرو جل گیا اور اس نے بڑی دلیری سے کہا یقیناً اے علی تو بلائے آسمان ہے جو شخص خواہ تیری مخالفت کرے یا موافقت قطعی دوزخی ہے۔ یہ کہکے عمرو نے غصہ اور غضب کی حالت میں تلوار سے اپنا پیٹ چاک کر ڈالا اور وہیں اس کا کام تمام ہو گیا۔

طلحہ کی وفات کا قصہ

جب طلحہ نے زبیر کی کیفیت سنی کہ انھوں نے صدیقہ سے تخلف کیا ہے اور وہ حجاز چلے گئے ہیں تو خود بھی چلا جانا چاہا آخر صدیقہ کو ان کی قسمت پر چھوڑ کے طلحہ بھی چل نکلے۔ جب مروان بن الحکم کو معلوم ہوا کہ طلحہ بھی جاتے ہیں تو اس نے ایک تیر چلایا جو طلحہ کے ٹخنہ میں لگ گیا۔ اس کثرت سے خون بہا کہ طلحہ بہت ضعیف ہو گئے۔ انھوں نے اپنے غلام سے کہا دیکھنا میں گھوڑے پر سے گر پڑوں گا تو میرے پیچھے سوار ہو کے مجھے پکڑے رہ حکم ہوتے ہی غلام نے سوار ہو کے پیچھے سے طلحہ کی کولی بھر لی پھر طلحہ نے غلام سے کہا تو مجھے کسی شہر کی طرف لیجا۔ کیونکہ میں اس زخم سے بچتا نہیں معلوم ہوتا۔ غلام ایک ویرانہ کی طرف لیگیا۔ اسی اثنا میں طلحہ کی نظر ایک سوار پر پڑی۔ اسے آواز دلوائی۔ وہ آیا۔ طلحہ نے دریافت کیا تو کس لشکر کا سوار ہے اس نے کہا علی بن ابی طالب کے لشکر کا طلحہ نے کہا میں جناب امیر کی بیعت کی تجدید تیرے ہاتھ پر کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بہت خوب ہاتھ پھیلایا طلحہ نے بیعت کی۔ اور فوراً ہی آپ کی وفات ہو گئی جب حضرت علی امیر المومنین سے کہا گیا کہ طلحہ کا یہ واقعہ ہوا۔ آپ نے فرمایا بہشت پر قبضہ کرنے کی غرض سے ایسا کیا گیا۔

فسانہ فتح جمل

کعب کے قتل ہوتے ہی قبیلہ بنی ازد اور اُمیہ میں ایک جوش پیدا ہوگیا کیونکہ یہ شخص بنی ازد کا سردار تھا اور صدیقہ کے اونٹ کی نکیل اس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ شدت غضب میں حضرت علیؑ کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور اب نئے سرے سے بازار جنگ و جدال گرم ہوا۔ جب حضرت علی نے مضاربت کی یہ شدت دیکھی۔ تو مالک اشتر عدی بن حاتم۔ عمار بن یاسر اور عمرو بن حمق کو حکم دیا کہ تم نبرد آزما دلیر چھانٹ کے قلب لشکر میں گھس جاؤ اور عائشہ کے اونٹ کے پیر کاٹ ڈالو۔
حکم ہوتے ہی یہ لوگ فوج کے کئی دستے ساتھ لیکے قلب لشکر کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہ یکایک عبداللہ بن زبیر کی نظر ان کی نقل و حرکت پر پڑی فوراً ہی اس نے اپنے پرے کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا اور کہدیا خواہ کچھ ہی قربانی کیوں نہ کرنی پڑے قلب کی طرف یہ لوگ نہ جانے پائیں۔ ان میں سے اکثر قاتلان عثمان ہیں اور تمھیں اس سے بہتر موقع انتقام لینے کا اور نہیں ملنے کا۔
اس سے یہ لوگ اور بھی جوش میں بھر گئے پھر جو گھمسان کی جنگ ہوئی ہے تو کچھ نہ پوچھو طرفین نے مردانگی کی داد پوری ہی ادا کی۔ مگر بالآخر عبداللہ بن زبیر کے پرے کو شکست ملی اور عمار یاسر کی فوج غالب آئی اور یہ لوگ قلب لشکر میں گھس آئے اور صدیقہ کے اونٹ کو گھیر لیا۔ ایک شخص صدیقہ کے اونٹ کی نکیل پکڑتا تھا اور حضرت علی کے سپاہی فوراً اسکے ہاتھ اڑا دیتے تھے۔ چنانچہ اس دار و گیر میں قبیلہ بنی اُمیہ کے ۹۲ سپاہیوں کے ہاتھ قلم ہوگئے۔
اس وقت خود حضرت علی بھی تازہ دم سپاہ کی کمک لیکے یہاں آگئے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے بھی اس قدر شمشیر بازی کی کہ آپ کی ذوالفقار دوہری ہوگئی۔ اس ہولناک جنگ میں یکایک صدیقہ کی فوج میں سے عمرو بن اشرف کچھ سپاہ لیکے مدد کے لیئے آگے بڑھا پہلے ہی حملہ میں اس نے حضرت علی کے کئی دستوں کا مونہ پھیر دیا۔ قریب تھا کہ اس فوج کے قدم اکھڑ جاتے کہ یکایک حارث بن زہیر نے آکے عمرو بن اشرف سے مبارزت طلب کی اور ان دونوں کی جنگ ہونے لگی۔ مگر دونوں ہی ایک دوسرے کے زخم سے جانبر نہو سکے۔

جب جنگ کا رنگ بدلتا ہوا دیکھا تو عبد اللہ بن زبیر نے صدیقہ کے اونٹ کی نکیل اپنے ہاتھ میں لیلی یہ دیکھتے ہی مالک اشتر عبد اللہ پر لپکا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ عبد اللہ نے اُسے دے ٹپکا۔ مالک بمشکل چیلے حوالے کر کے عبد اللہ سے جان بچا کے بھاگا۔

جنگ برابر ہو رہی تھی اور کوئی صورت کی کی نظر نہ آتی تھی۔ حضرت علی نے دیکھا کہ باوجود محاصرہ کے بھی ان لوگوں کا دل نہیں ہارا اور یہ برابر قتال کئے جا رہے ہیں۔ آپ نے محمد بن ابی بکر صدیقہ کے سوتیلے بھائی۔ مالک اشتر اور سعد بن قیس کو حکم دیا کہ جس صورت سے ممکن ہو تم عایشہ کے اونٹ کی ٹانگیں کاٹ ڈالو جب تک اونٹ نہ گر پڑے گا جنگ بند نہیں ہونے کی۔ اس حکم کی تعمیل سب سے پہلے مالک اشتر نے کی۔ بہت دلیری سے آگے بڑھ کے اس نے ایک پیر پر تلوار مار کے صاف بھٹا سا اُسے اڑا دیا۔ مگر اونٹ کو جنبش نہ ہوئی۔ مالک نے دوسرے پیر پر تلوار چلا کے اُسے بھی کاٹ ڈالا مگر اونٹ جب بھی نہیں گرا۔ یہ دیکھ کے مالک ڈر گیا کہ یہ کیا راز ہے کہ اتنے میں حضرت علی بھی وہاں جا پہنچے۔ آپ نے فرمایا ڈرتا کیوں ہے۔ اس اونٹ کو جن تھامے ہوئے ہے۔ تو تیسرے پیر میں تلوار مار یہ قطعی آ پڑے گا۔ اس نے تیسرا پیر بھی اڑا دیا مگر وہاں جبرے بنا شد آخر اعمش بن حنیفہ نے ایک ضرب مار کے اسے گرا دیا۔ اس وقت ہودج بھی زمین پر آ گرا۔ حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو کہا دوڑ اور اپنی بہن کو سنبھال دیکھ کوئی زخم تیر و تلوار کا یا کوئی چوٹ انھیں نہ لگے۔ محمد نے ہودج میں ہاتھ ڈالا کہ اس کا ہاتھ صدیقہ کے ہاتھ میں لگا صدیقہ نے غل مچایا یہ کون شخص ہے جس نے میرے ہاتھ کو ہاتھ لگایا۔ رسول اللہ کے سوا آج تک کسی کا ہاتھ میرے ہاتھ سے نہیں لگا۔ محمد نے جواب دیا کہ میں تیرا بھائی ہوں اور تیرا سب سے بڑا دشمن بھی میں ہی ہوں

جب صدیقہ نے اپنے سوتیلے بھائی کی صورت پہچان لی اس وقت خاموش ہو رہیں۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ عایشہ کو صفیہ بن عبد اللہ کے گھر پہنچا دو۔ اس کے بعد حضرت علی نے یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ نہ کوئی بھاگتے ہوئے کا تعاقب کرے۔ نہ زخمی کو مارے اور نہ اس شخص سے تعارض کرے کہ جو ہتیار برطرف کر کے خانہ نشین ہو گیا ہو۔

اس پر ایک شخص نے سوال کیا اے امیر المومنین یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس گروہ کا خون تو آپ نے حلال قرار دیا مگر اس کا مال حرام کہتے ہو۔ آیا یہ جماعت مشرکوں کی ہے یا نہیں حضرت علی نے

نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ لوگ تو شرک سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ سائل نے پھر یہ دریافت کیا آیا یہ منافق ہیں۔ فرمایا نہیں منافق تو خدا کی عبادت اس کثرت اور خضوع و خشوع سے نہیں کرتے۔ سائل نے پوچھا آخر یہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا میرے بھائی ہیں۔ مجھ سے انھوں نے بغاوت کی ہے اور بس۔

پھر آپ نے سائل سے فرمایا کیا تو یہ گوارا کرے گا کہ اپنی ماں کا مال و اسباب لوٹ لے اس نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ عائیشہ ہماری ماں ہیں۔ ہم کیونکر ان کا مال لوٹ لیں۔ اس جواب سے سائل خاموش ہو گیا۔ اسی اثنا میں مروان حکم عمرو بن عثمان۔ سعید برادر عمرو اور سعید بن عمرو العاص گرفتار ہو کے حضرت علی کے حضور پیش کئے گئے۔ عمار یا سر نے کہا انھیں قتل کا حکم دیجے۔ حضرت علی نے کہا سرداران قبیلہ کو میں قتل نہیں کیا کرتا۔ ان کی پشیمانی ان کے لیئے کافی سزا ہے۔

کہتے ہیں اس جنگ میں نو سو آدمی حضرت علی کی طرف کے مارے گئے اور ستر ہزار عائیشہ کی طرف کے قتل ہوئے۔

صدیقہ اور علی

فتح کے بعد حضرت علی بصرہ کی جامع مسجد میں آئے خطبہ میں خدا کی حمد اور رسول کی نعت کے بعد آپ نے بصرہ پر بڑی لعن طعن کی۔ وجہ لعن طعن کی کسی شیعی مورخ نے نہیں لکھی۔ سب نے خاموشی سے سنا اور ہوں ہاں کچھ نہیں کی۔ آپ نے ان لوگوں کے عیب بھی ان کے آگے بیان کئے اور جو کچھ کہنا تھا سب کچھ کہا پھر نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد جائے قیام پر آکے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ تم عائیشہ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے یہ پیغام دو کہ تم مدینہ چلی جاؤ اور اپنے مکان میں اپنی عمر گزار دو۔

عبداللہ بن عباس صدیقہ کے پاس آئے اور علی کا پیغام دیا۔ صدیقہ نے پردہ ڈال کے عبداللہ سے باتیں کیں۔ سب سے پہلے صدیقہ نے کہا کہ عبداللہ تو نے اپنے پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کی کہ بغیر میری اجازت کے تم میرے مکان میں کیوں چلے آئے۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ علم سنت صرف ہماری وجہ سے تمھیں حاصل ہوا ہے اب تم ہمیں تعلیم دینے بیٹھی ہو۔ خود آپ نے سنت پر جو عمل کیا ہے وہ ظاہر ہے۔ خدا کی قسم تمھارا گھر تو وہ ہے جہاں رسول اللہ نے تمھیں چھوڑ کے وفات پائی۔ تم نے

اپنے نفس پر ظلم کیا کہ حجلۂ عصمت سے باہر نکل آئیں اور رضائے الٰہی کے خلاف تم نے کام کیا۔ ہاں میں کہتا ہوں کہ جب تم اپنے گھر میں چلی جاؤ گی تو میں یقیناً بغیر تمہارے حکم کے ہرگز وہاں قدم نہیں رکھنے کا۔ عایشہ نے کہا خدای عزّ و علا امیر المومنین علیہ پر رحمت کرے۔ ابن عباس نے کہا خدا کی بے منت مغفرت اور بے ضمانت فیض اس پر نازل ہو وہ سعادتمند جس کے پاس سے میں بطور پیغامبر آیا ہوں امیر المومنین علی ہے۔ کہ خویشی اور قرابت سے سب سے زیادہ رسول اللہ کے قریب ہے اس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ شریعت کے رونق دینے میں اس کے آثار سب سے زیادہ ہیں۔ اس کے حقوق ابوبکر و عمر کے حقوق سے تیرے ذمہ بہت ہیں۔

اس کا جواب صدیقہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ اے ابن عباس کیا تم میرے پاس یہ کہانیاں کہنے کو آئے ہو پھر باہم خوب تو تو میں میں ہونے لگی یہاں تک کہ صدیقہ نے یہ کہا اے ابن عباس میں تجھ سے زیادہ اپنا دشمن اور کسی کو نہیں جانتی۔ اور اس بستی کو اپنا سب سے زیادہ دشمن سمجھتی ہوں جہاں تیرا قیام ہو۔ یہ سن کے عبداللہ بن عباس واپس حضرت علی کے پاس چلے آئے اور ساری کیفیت بیان کر دی۔ شاہ ولایت پناہ یعنی حضرت علی نے فرمایا کہ جب میں نے تمھیں عائشہ کے پاس بھیجا تھا میں سمجھ گیا تھا کہ وہ ضرور ایسی باتیں کریں گی۔ خیر کچھ مضایقہ نہیں۔

یہ کہکے آپ نے مالک اشتر کو بلا کے کہا کہ تم عایشہ کے پاس جاؤ اور صدیقہ کو مدینہ جانے کی تحریص ترغیب دو۔ مالک اشتر گیا مگر سوائے خشونت آمیز کلمات کے طرفین سے اور کچھ ہمرزد نہوا اور نہ صدیقہ مدینہ جانے پر رضامند ہوئیں۔

بعض شیعی مورخوں نے لکھا ہی کہ جب مالک اشتر بھی ناکام ہو کے واپس چلے آئے تو شاہ ولایت پناہ خود قیام گاہ عایشہ پر تشریف لیگئے۔ اور جب قصر عبداللہ بن خلف الخزاعی میں جہاں عایشہ مقیم تھیں داخل ہوئے تو سب سے پہلے صفیہ سے جو ام الطلحہ کہلاتی تھی آپ کا سامنا ہوا۔ وہ عبداللہ کے قتل ہونے پر رو رہی تھی۔ اس نے حضرت علی کی صورت دیکھتے ہی یہ کہا۔ یا قاتل الاحبہ خدائے تعالیٰ تیرے بچوں کو بھی یتیم کر دے کہ تو نے میرے بچہ کو قتل کر کے اس کے معصوموں کو یتیم بنا دیا ہے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ اگر تیرے کہنے کے مطابق میں دوستوں کا قاتل ہوں تو اس مکان میں جتنے آدمی پناہ گزیں ہیں ابھی سب کے قتل کا حکم دیتا ہوں۔ کیونکہ عبداللہ بن زبیر

ساتھ ایک پوری جماعت مجروح حالت میں یہاں پناہ گزیں ہے مگر ایسا نہیں کرنے کا کیونکہ میں دوستوں کو قتل نہیں کیا کرتا۔

اس سوال و جواب کے بعد آپ عائشہ کے محلہ میں تشریف لے گئے اور یہ فرمایا۔ یا حمیرا اگر تم اپنے کیے پر پشیمان ہو تو میری رائے ہے تم مدینہ روانہ ہونے کا سامان کرو۔ سوائے وہاں کے تم اور کہیں نہیں رہ سکتیں۔ چار و ناچار وہیں جانا پڑے گا۔ مجھ سے تو رسول اللہ کہہ گئے تھے کہ میری بیویوں میں سے ایک بیوی تیرے ساتھ قتال کرے گی اور جب تو اس پر فتح پالے تو اسے اس کے گھر پہنچا دیجو۔ اب تمہارا گھر سوائے مدینہ کے اور کہاں ہے لہذا تمہیں وہیں چلا جانا چاہیئے۔ آخر طوعاً و کرہاً عائشہ مدینہ جانے پر راضی ہو گئیں۔

حضرت علی نے بصرہ کی چند عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کے آپ کی ہمراہی میں مدینہ جانے کا حکم دیا۔ اور محمد بن ابی بکر کو بھی عائشہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ اپنی بہن کو بحفاظت وہاں پہنچا دے۔ حضرت علی خود بھی عائشہ کی سواری کے ساتھ تین میل تک برابر آئے۔ اور حدود بصرہ سے باہر ہونے پر آپ عائشہ سے رخصت ہو کے واپس لشکر گاہ چلے آئے۔

راستہ میں عائشہ جب سپاہیوں کے اس دستہ کو دیکھتی تھیں تو حضرت علی کی طرف سے سخت دلتنگ ہوتی تھیں اور کہتی تھیں کہ علی نے تو ان نامحرموں کو ساتھ کر کے حرمت رسول کا بھی مطلق خیال نہ کیا۔ مگر جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور سپاہیوں کا یہ دستہ اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوا تو صدیقہ حضرت علی سے بہت خوش ہوئیں اور شاہ مرداں شیر یزداں کی بہت تعریف کی۔

علی سے صدیقہ کی مخالفت کی وجہ

ایک دن جب حضرت علی نماز جمعہ جامع مسجد بصرہ میں پڑھنے گئے اور خطبہ شروع کیا تو بعض لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ عائشہ تمہاری بہت شکایت کرتی تھیں کہ تم نے ان کے ساتھ ہمیشہ مخالفت کی اور ان کے خلاف رائے دیتے رہے اس کی اصلیت کیا ہے۔

حضرت علی نے اس کا یہ جواب دیا۔ کہ یہ شکایتیں بے بنیاد تو نہیں ہیں چند امر ایسے واقع ہوئے

ہیں کہ عایشہ کو وجہ شکایت پیدا ہو گئی۔
اوّل۔ تو یہ واقعہ ہوا کہ آیہ حجاب کے نزول سے پہلے میں عایشہ کے حجرہ میں گیا تو رسول اللہ نے مجھے اپنے پہلو میں جگہ دی اور میرے زانو پر سر رکھ کے آپ لیٹ گئے۔ یہ دیکھ کے عایشہ سخت غصہ میں بھر گئیں۔ اور بڑی تیزی سے مجھے للکارا اور کہا اے ابو طالب کے بیٹے تو مجھمیں اور رسول اللہ میں زبردستی آ کے حایل ہو گیا۔ رات دن تو لپٹا ہی رہتا ہے اور رسول اللہ کو دم بھر کی فرصت نہیں دیتا۔ تو کسی طرح بھی رسول کریم کا پیچھا چھوڑے گا۔
اس پر میں تو کچھ نہ بولا رسول اللہ نے عایشہ کو یہ جواب دیا۔ اے عایشہ علی کے ساتھ کوئی برابری نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو شخص مجھپر پہلے ایمان لایا وہ علی ہے۔ اور جو شخص سب سے پہلے حوض کوثر پر مجھسے ملیگا وہ علی ہوگا۔ اور جو شخص قیامت کے دن میرے ساتھ سب سے پہلے مصافحہ کرے گا علی ہوگا۔
دوم۔ جب رسول اللہ نے ابوبکر کو حج کرنے۔ قرآن پڑھنے اور سورۂ برات کو تلقین کرنے کے لیے روانہ کیا تو ان کے پیچھے مجھے بھیج دیا۔ تاکہ میں ان سے سورہ برات لیکے حجاج اور امم مختلفہ کے آگے سنا دوں۔
سوم۔ باوجود دیگر جلیل القدر صحابہ کے رسول اللہ نے مجھے اپنا وصی قرار دیا۔
چہارم۔ روز افک میں میں نے رسول اللہ سے کہا تھا کہ دنیا میں عورتیں بہت ہیں۔ اگر عایشہ کی طرف سے آپ کو کچھ دغدغہ ہو تو آپ اسے طلاق دیدیں اور دوسری عورت سے نکاح کر لیں۔ فقط بس ان چار وجوہات سے عایشہ میری دشمن ہو گئی۔ اس کے سوائے اور کوئی وجہ دشمنی میں نہیں پاتا۔ اس کے مقابلہ میں شیعی مورخوں نے صبیح بن عمرو کی ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ اسیطرح عایشہ سے کسی نے دریافت کیا کہ امیرالمومنین علی کے حق میں آپ کیا کہتی ہیں۔
عایشہ نے جواب دیا کہ ایسے شخص کی بابت تو مجھسے کیا دریافت کرتا ہے کہ حالت نزع میں رسول اللہ کا آب دہن اس نے نیچے نہ گرنے دیا اور سب لیکے اپنے سونہ پر مل لیا۔ اور جب آپ کی وفات ہو گئی تو اس امر میں صحابہ کا اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفنائیں۔ یہ حضرت علی ہی تھے جنہوں نے یہ رائے دی کہ جس مقام پر رسول اللہ نے وفات پائی ہے آپ کے دفن کے لیئے اس سے بہتر مقام اور نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد عایشہ نے حضرت علی کی اور بھی بہت سی خوبیاں دھرائیں۔

سائل نے تو دریافت کیا جب آپ حضرت علی کو ایسا شخص سمجھتی تھیں تو ان سے جدال و قتال کرنے کیوں چلی گئیں۔ یہ سن کے عایشہ رونے لگیں اور کہا بنی آدم صواب و خطا کے مصدر بنائے گئے ہیں میں بھی انسان ہوں مجھ سے بیشک یہ خطا سرزد ہوگئی ہے میں توبہ کر چکی ہوں اور اپنے کیے پر پشیمان ہوں۔

ایک شیعہ مورخ لکھتا ہے کہ جب عایشہ بصرہ سے مدینے روانہ ہونے لگی ہیں تو اشراف بلدہ کی خواتین اور حضرت کی سب بال بچے تین منزل تک صدیقہ کو رخصت کرنے سواری کے ہمراہ آئے عایشہ نے انھیں رخصت کرتے وقت یہ کہا کہ علی میرا داماد ہے اور جو تعلق ساس کو داماد سے ہوتا ہے وہی تعلق میرا ان سے ہے۔ علی میرے نزدیک سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ افضل ہے۔

پھر ایک شیعی مورخ لکھتا ہے کہ عین بصرہ کے دن جبکہ خونریزی خوب زوروں پر تھی خالد بن ابو ثمہ سے جو اپنی لاثانی فصاحت و بلاغت حسن عبارت لطف استعارت کمال عقل اور وفور فضل سے مقرب بنا ہوا تھا عایشہ نے دریافت کیا کہ میرے اصحاب کہاں ہیں۔ جواب دیا کہ طلحہ تو قتل کر دیے گئے اور زبیر دوپہر سے پہلے لشکر گاہ سے چلے گئے۔ شام کو ان کے قتل کی خبر بھی شایع ہوگئی۔ اور باقی اصحاب بھی اپنے دوستوں کی خوبی قسمت کے حصہ دار بنے۔

یہ سن کے عایشہ نے کہا اللہ ان پر رحمت کرے۔ پھر خالد بولا کہ علی کا ہوا دار اور دوست زید بن صوحان بھی مارا گیا۔ عایشہ نے کہا وہ بھی مرحومین کے زمرہ میں ہے۔ خالد نے تعجب سے دریافت کیا کہ کیا خداوند تعالیٰ ان دو جماعتوں کو جنہوں نے ایک دوسرے کا گلا کاٹا ہے ایک ہی جگہ جمع کیے گا عایشہ نے جواب دیا کہ خداوند قدوس کی رحمت جس قدر بیان میں آتی ہے اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے کاموں میں کسی کو بھی چون و چرا کی مجال نہیں ہے۔

یہ کلمات سن کے خالد بہت پشیمان ہوا کہ میں نے ناحق ایسے سوالات کیے۔ اور کچھ تامل کے بعد سیدھا حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور ساری کہانی بیان کر دی اور اخیر تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

ایک اور شیعہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ واقعہ جمل کے ایک عرصہ بعد ابو ذر غفاری ام المومنین ام سلمہ کے پاس گئے ام المومنین بہت مہربانی سے پیش آئیں اور فرمایا کہ ان دنوں جبکہ دل کے پرندے بدنوں کے آشیانوں سے پرواز کر رہے تھے تم کہاں تھے۔ انھوں جواب دیا کہ میں امیرالمومنین علی کے ہم رکاب ان کے مخالفوں سے جنگ کر رہا تھا۔ جب میں اس کام سے فارغ ہو گیا تو

ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ام سلمہ ام المومنین نے فرمایا تم نے بہت اچھا کیا مجھے یاد ہے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے متفرق نہیں ہوسکے۔ جب تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے نہ مل لیں۔

ایک درشیعی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ عین جدال و قتال کے وقت عائشہ کے لشکر کی کچھ آوازیں حضرت علی کے گوش حقیقت نیوش میں پہنچیں۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں جواب دیا گیا کہ عثمان کے قاتلوں پر لعنت بھیج رہے ہیں حضرت نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرے۔

کہتے ہیں کہ آپ نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور ان کا نائب بن سعید کو بنا دیا ابن عباس کو دربار حضرت علی سے خلیفہ زمان کا خطاب عطا ہوا۔ ما لک اشتر جو حضرت علی کا دلدادہ بنا ہوا تھا اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے برابر مخالفوں سے قتال کرتا رہا یہ جدید تقرر دیکھ کے سخت غضبناک ہوا اور کہنے لگا کہ عجب حالت ہے۔ تلوار تو ہم چلائیں اور عباس کے بچے حکومت کریں

اسی غصہ اور جوش کی حالت میں بغیر اذن اور رخصت سیدھا کوفہ چلا گیا۔ جب حضرت علی نے اس کی روانگی کوفہ کا حال سنا تو آپ کو سخت اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے خلاف کوفیوں کو برانگیختہ نہ کرے۔ اس اندیشہ سے آپ خوفزدہ ہو کے خود بہ نفس نفیس اس کے پیچھے ہو لیئے اور دو منزلہ کا یک منزلہ کر کے اسے جا لیا۔ اور نہایت مہربانی سے ٹھیرایا اور کہا مالک یہ تم نے کیا کیا کہ بغیر مجھ سے ملے تم بصرہ سے چلے آئے مجھے تم سے کچھ دریغ نہیں ہے۔ کسی صوبہ کی حکومت تمہارے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ تیری موجودگی میرے لیئے بہت ہی گراں قیمت ہے اور مجھے تیری حضوری کی بہت ضرورت ہے۔ میں تجھے اپنے پاس سے علیحدہ کرنا نہیں چاہتا۔ بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ شام کی مہم درپیش ہے۔ میں تجھے اپنے لشکر کا سپاہ سالار کرتا ہوں۔ تو قطعی اس عہدۂ جلیلہ سے مطمئن اور شاد ہو گیا ہو گا۔ اب تو دل سے میرے کاموں میں میری مدد کیجو۔ فقط۔

صوبہ مصر کی خلش

حضرت علی خلیفہ تو بیشک بن گئے تھے مگر خلیفہ بنتے ہی دن کا آرام اور رات کی نیند بالکل اڑا دی تھی۔ آپ اسلام میں پہلے خلیفہ ہوئے ہیں جن کے عہد میں سب سے اول رسول کریم کے صحابہ میں تلوار چلی۔ آپ پر پریشانیوں کا دروازہ کھل گیا۔ اور تمام اسلامی صوبوں میں آپ کی مخالفت کی آگ بھڑک گئی۔

مدینہ جائے قیام رسول سب سے پہلے آپ کا مخالف بنا۔ اور مخالفت کی حد یہاں تک ہوئی کہ آپ کو ایسی جلدی میں وہاں سے نکلنا پڑا کہ آپ اپنا سامان بھی ساتھ نہ لا سکے۔

حضرت عمر یا حضرت عثمان کو آپ نے قتل کرایا یا نہیں یہ دوسرا سوال ہے مگر عام بیزاری جو مسلمانوں کو آپ سے تھی وہ صرف اس وجہ سے زیادہ تھی کہ عثمان کے قاتل آپ کے مصاحبین کے زمرہ میں تھے اور باوجود پے در پے شکایات کے بھی آپ نے اپنی مصاحبت سے انھیں خارج نہیں کیا تھا منجملہ بہت سے زرخیز صوبوں کے مصر کا صوبہ بھی ایسا تھا جس کا خیال حضرت علی کو ہو سکتا تھا ادھر امیر معاویہ بھی تاک میں لگے ہوئے تھے کہ علی سے پہلے ان صوبوں پر اگر ممکن ہو تو اپنا عملہ دخلہ کر لیں۔ حضرت علی کی خلافت سے پہلے یہاں کا گورنر محمد بن ابی حذیفہ تھا مگر حضرت علی نے خلافت پاتے ہی اس کی جگہ قیس بن سعد کو مصر کا گورنر بنا کے روانہ کر دیا تھا۔

قیس کے پہنچنے سے پہلے امیر معاویہ نے عمرو بن العاص کو ایک شاندار جماعت کے ساتھ بطور وفد مصر روانہ کیا (بقول شیعی مورخین) تاکہ ترکیب سے محمد بن ابی حذیفہ کو جیل میں لا کے مصر کو حضرت علی سے منحرف بنا دے مصر کی کیفیت اس سے پہلے یہ تھی کہ آدھا مصر تو حضرت علی سے موافق بھی تھا اور خراج دینے پر بھی رضامند تھا۔ اور آدھا مصر آپ کا مخالف بھی تھا اور خراج دینے سے بھی اس نے انکار کر دیا تھا۔ مگر محمد بن ابی حذیفہ نے نہایت دانائی سے مخالفوں کو مطلق چھیڑا نہ تھا اور انہیں ان کے حال پر رہنے دیا تھا۔ اور یہ شخص طبعاً حضرت علی کے موافقوں میں سے نہایت جہاندیدہ اور بہت ہوشیار شخص تھا۔

عمرو بن العاص جب حدود مصر میں پہنچے تو شہر کے باہر قیام کر کے محمدؐ کے پاس قاصد بھیجا اور پیغام دیا کہ میں نے معاویہ سے بیعت توڑ ڈالی ہے ظاہر ہے کہ علی معاویہ سے بہر حال اچھے ہیں کیونکہ اعلاء اسلام اور کفار کے فنا کرنے میں تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ اس وقت میں معاویہ کی صحبت سے پشیمان ہو کے یہاں آیا ہوں تاکہ تم سے عہد و پیمان کر کے علی کی معاونت اور معاضدت میں حتی المقدور کوشش کروں۔ اور جب تک میری جان باقی ہے ادائے حقوق خلافت میں تمہارا سہیم و شریک رہوں۔ میرا منشا یہ ہے کہ ایک علیحدہ مکان ملاقات کا قرار دیا جائے اور وہاں میں تم دونوں جمع ہوں اور پھر تمام امور پر اچھی طرح بات چیت ہو کے فیصلہ ہو جائے۔

محمد بن ابی حذیفہ پر عمرو بن العاص کا افسوں پورا چل گیا۔ وہ علیحدہ مکان میں ملنے پر راضی ہو گیا اس نے عمرو کو دعوت دی۔ عمرو معہ اپنے ساتھیوں کے وہاں پہنچا۔ باہم دوستانہ باتیں ہونے لگیں۔ عمرو نے پہلے ہی سے اپنے آدمیوں کو سنکار رکھا تھا کہ اشارہ ہوتے ہی آپڑنا اور ابن حذیفہ کو قید کر لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ خوب باتوں میں لگ گیا تو عمرو کے آدمی اس پر آپڑے اور فوراً اس کی مشکیں کس لیں اور اسے لیکے چلتے بنے۔ ان کے پیچھے عمرو بھی ہو لیا اور اب یہ ابن حذیفہ کو لیکے دمشق معاویہ کے پاس پہنچ گئے اور اسے دربار معاویہ میں پیش کر دیا معاویہ نے فوراً اسے جیل خانہ بھیج دیا محمد بن حذیفہ کی چچازاد بہن امیر معاویہ سے منسوب تھی۔ اسے اپنے بھائی کی قید پر سخت افسوس ہوا وہ برابر خیال میں لگی رہی کہ کیا تدبیر کروں جس سے بھائی کو قید سے نجات مل جائے چنانچہ اس نے ایک دن جب بھائی کو کھانا بھیجا تو اس میں سوہان چھپا کے رکھ دیا۔ ابن حذیفہ سوہان کو دیکھ کے بہت خوش ہوا اس نے اس سوہان سے اپنے بندھن کاٹ کے قید خانہ سے نجات حاصل کی اور شباشب وہاں سے بھاگ کے ایک بستی میں جا چھپا۔ امیر معاویہ کو اس کے فرار کی اطلاع دی گئی۔ اس نے عبداللہ بن عمرو خثعمی کو اس کے عقب میں دوڑایا۔ آخر عبداللہ نے اسے پا لیا اور پھر گرفتار کر لیا اور فوراً ہی اسے وہیں قتل کر ڈالا۔ اس خیال سے کہ اگر امیر معاویہ کے سامنے لیگیا تو وہ قرابت قریبہ کی وجہ سے اسے قتل نہیں کرنے کا۔ اور یہ پھر کبھی نہ کبھی قید خانہ سے نکل بھاگیگا۔

اب مصر کی کیفیت سنئے۔ ابن حذیفہ کے گرفتار ہو جانے پر گورنری تو پہلے ہی سے خالی ہو گئی تھی کہ اسی اثنا میں قیس پہنچا اور یہاں کا گورنر بن گیا۔ قیس کے گورنر ہونے سے معاویہ کو بہت تردد ہوا

کیونکہ یہ شخص نہ صرف خود اچھا سپاہی تھا بلکہ سپاہ سالار بھی بہت اچھا تھا۔ رسول کریم کے زمانہ میں انصار کا جھنڈا اسکے ہاتھ میں رہتا تھا۔ معاویہ جانتے تھے کہ اگر حضرت علی نے عراق عرب سے اور قیس نے مصر سے شام کا رخ کیا تو میں خطرہ میں پھنس جاؤں گا۔ جس طرح ہو سکے قیس کو اپنے داؤں میں لینا چاہیئے۔ یہ سوچ کے امیر شام نے قیس کو خط لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ عثمان کے مناقب اور مفاخر کی تعداد بے حد و پایاں ہے۔ ایسا شخص ظلم کی تلوار سے قتل کیا گیا۔ اس معاملہ میں علی کو پورا پورا دخل تھا اور کچھ نہ کچھ تمہاری بھی شرکت ضرور تھی۔ اگر تم توبہ کرو اور میری مدد پر کمربستہ ہو جاؤ تو کامیابی کے بعد عراق عرب و عجم کی حکومت میں تمھیں دیدوں گا اس کے علاوہ اس وقت بھی جو کچھ تم طلب کرو مجھے دینے میں عذر نہیں ہونے کا۔ فقط

قیس نے اس خط کا یہ جواب دیا۔ عالم الغیب والشہادۃ اسے بہتر جانتا ہے کہ میں نے ہرگز عثمان کے مخالفوں کے ساتھ شرکت نہیں کی۔ نہ ان کا قتل میری رضامندی سے ہوا۔ نہ مجھے یہ علم ہے کہ امیر المومنین علی نے ان کے قتل پر تحریص کی۔ اب رہی تمھاری متابعت اور مبایعت اس میں مجھے تامل ہے۔ ہاں یہ میں تمھیں اطمینان دیتا ہوں کہ میری طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو تمھاری طبیعت کو مکروہ معلوم ہو فقط۔

امیر معاویہ نے اس خط کا یہ جواب دیا۔ قیس مجھے تیرے گومگو کے کیرکٹر میں شبہ پڑ گیا۔ تو صاف الفاظ میں لکھ کہ آیا تو میرا دشمن ہے یا دوست۔ بس میں ایسا دو ٹوک جواب چاہتا ہوں اور بس قیس نے جواب الجواب یہ دیا۔ واہ کیا خوب تم مجھے ایسے شخص سے منحرف کرنا چاہتے ہو کہ جو بہ نسبت اوروں کے خلافت و ریاست کے لیئے اولی اور سیرت و قرابت کے لحاظ سے رسول اللہ سے اقرب ہے کیا مجھے یہ مناسب ہے کہ میں اسے چھوڑ کے ایسے شخص کی اطاعت کروں جو بالکل اس کی ضد ہے۔ فقط۔

امیر معاویہ کا جب یہ داؤں خالی گیا اور وہ اپنی چال میں قیس کو نہ لا سکے۔ تو اب انھوں نے یہ تدبیر کی کہ خود امیر المومنین علی قیس کو مصر کی گورنری سے ہٹا دیں۔ چنانچہ یہ عمل شروع کیا کہ اپنے دربار میں ہر محل پر جمعہ کے خطبہ میں۔ معمولی گفتگو میں غرض ہر جگہ معاویہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ قیس مجھسے ملا ہوا ہے اس کے خط میرے پاس موجود ہیں۔ وہ وقت کا منتظر ہے میرا اشارہ

ہوتے ہی میری مدد پر اٹھ کھڑا ہوگا۔ دمشق میں حضرت علی کے مخبر بھی لگے ہوئے تھے انھوں نے یہ ساری کیفیت حضرت علی کے کان تک پہنچا دی۔ یہ باتیں سنکے آپ کا اعتماد قیس پر سے اٹھ گیا۔ آپ نے پریشان ہو کے محمد بن ابی بکر اور عبداللہ بن جعفر طیار سے مشورہ لیا کہ قیس کے متعلق کیا فیصلہ کروں یہ یہ سننے میں آرہا ہے کہ وہ اندر پردہ معاویہ سے ملا ہوا ہے۔

دونوں نے یہ رائے دی کہ اگر فی الحقیقت آپ کا اعتماد اس پر سے اٹھ گیا ہے تو آپ اسے گورنری سے علحدہ کر دیجے۔ مگر پہلے اسے آزما لیجے اور حکم دیجے کہ جن لوگوں کے دلوں پر عثمان کی محبت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور ابھی تک انھوں نے آپ سے بیعت بھی نہیں کی ہے وہ انھیں بزور شمشیر آپ کی بیعت پر راضی کرے۔ اگر اس حکم کی تعمیل اس نے مستعدی سے کی تو فبہا ورنہ اسے موقوف کر کے کسی دوسرے معتبر شخص کو اسکی جگہ بھیج دیجے گا۔

یہ رائے حضرت علی کو بہت پسند آئی۔ آپ نے اپنے خیال میں قیس کا امتحان لینے کے لیے اُسے یہ فرمان بھیجا کہ مصر کے فلاں موضع کے لوگوں نے جو ہم سے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے تو انھیں ہماری بیعت کی دعوت دے اگر وہ راضی ہو جائیں تو فبہا ورنہ ان سے قتال کر۔

قیس نے حضرت علی کے فرمان کا یہ جواب دیا۔ کہ یہ لوگ اشراف قوم اور بہت دولتمند ہیں اور ان کے ہوا خواہ مصر میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اگر میں نے انھیں چھیڑا تو میں ان ہی کا ہو کے رہجاؤنگا اور پھر دوسرا کوئی بڑا کام مجھسے نہ ہوسکیگا۔ سوتے فتنہ کو جگانے کا یہ وقت نہیں ہے۔ میری رائے ہے کہ انھیں ان کی حالت پر فی الحال چھوڑ دینا چاہیے۔ ہمارے لیے یہی بہتر ہے۔

قیس کا یہ خط جوں ہی حضرت علی کے ملاحظہ سے گزرا آپ معاً سمجھ گئے کہ یہ شخص دشمن سے ملا ہوا ہے۔ آپنے فوراً محمد بن ابی بکر کو گورنر مصر بنا کے روانہ کر دیا۔ اور قیس کو معزول کر کے مصر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ قیس کے پاس جب معزولی کا فرمان پہنچا تو اسے سخت رنج ہوا۔ ناچار محمد بن ابی بکر کو گورنری کا چارج دے کے آپ مدینہ واپس چلا آیا۔

جب یہاں حسان بن ثابت سے ملا تو اس نے کہا واہ واہ خوب ہوا۔ علی کے اشارہ سے تو تم نے قتل عثمان میں شرکت کی اور اب علی ہی نے تمھیں گورنری سے معزول کر دیا۔ تمھارا یہی علاج تھا یہ سن کے قیس مارے غصہ کے کانپ گیا اور حسان سے کہا تو ابھی میرے مکان سے باہر چلا جا۔ اگر مجھے یہ [illegible]

نہوتا کہ میرے اور تیرے قبیلہ میں سخت خونریزی ہو جائے گی تو میں ابھی تیری گردن اتار لیتا۔ اس کے بعد مروان سے بھی یہی تیز و تند اسی ہوئی اور با وجود ان سب باتوں کے قیس مدینہ چھوڑ کے حضرت علی کے پاس بمقام صفین میں چلا گیا۔
جب امیر معاویہ کو اس کے جانے کی اطلاع ہوئی تو اس نے مروان کو لکھا کہ اگر ایک لاکھ نیزہ بردار سوار میری فوج سے نکل کے علی سے مل جاتے تو مجھے اتنا صدمہ نہوتا جتنا ایک قیس کا علی کے پاس چلے جانے سے ہوا ہے۔ اب مصر کی کیفیت سنئے کہ محمد بن ابی بکر نے گورنری کا چارج لیتے ہی مرکش موضع میں وہاں کے سرغنہ کو یہ پیغام بھیجا کہ یا تو تم علی کی بیعت پر راضی ہو جاؤ ورنہ حدود مصر سے نکل جاؤ۔ انھوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہمیں اس کے متعلق سوچنے اور باہم مشورہ کرنے کی مہلت دینی چاہئے۔ جواب دیا گیا کہ مہلت نہیں ملنے کی۔ انھوں نے کہلا کے بھیجا کہ نہ ہم علی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور نہ مصر کی حدود سے باہر جائیں گے۔ یہ سنتے ہی محمد بن ابی بکر نے ایک افسر کی سرکردگی میں ان سے جنگ کرنے کے لیے فوج روانہ کی سخت خونریزی کے بعد شاہی فوج کو شکست ملی۔ پھر محمد بن ابی بکر خود بہت سی فوج لیکے اس موضع پر حملہ آور ہوئے جنگ کے بعد انھیں بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔
اخیر محمد نے حضرت علی کو لکھ کے بھیجا کہ یہاں کی یہ کیفیت ہے۔ ہماری فوج دوبار شکست کھا چکی ہے وہ لوگ بہت قوی ہیں۔ میں انھیں مغلوب کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اب جو حکم ہو وہ کیا جائے حضرت علی کو اس تحریر کے دیکھنے سے سخت تاسف ہوا اور آپ نے اپنی غلطی معلوم کر کے سخت پشیمانی اٹھائی اور کچھ عرصہ کے بعد امیر معاویہ کی چال بھی آپ پر کھل گئی۔ اس سے ایک یہ بات ضرور ہوئی کہ قیس کی عزت آپ کی نظروں میں بہت بڑھ گئی۔

شام میں حضرت علی کے خلاف جوش

امیر معاویہ اور حضرت علی

اس سے انکار کرنا نفس حقیقت سے چشم پوشی کرنا ہے کہ عثمان کے قتل میں علی کی سازش

قریب قریب سارے مدینہ میں مسلم ہو چکی تھی۔ جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔ اب وہ جماعت جسے عثمان سے قرابت قریبہ تھی اور جس کا یہ گمان تھا کہ باغی اُسے ستائیں گے وہ جماعت مدینہ سے نکل بھاگی تھی۔ اور جس نے دمشق میں جا کے پناہ لی تھی۔

یہ جماعت معاویہ کو ابھار رہی تھی کہ قاتلان عثمان سے قصاص لینے کے لیے کمر بستہ ہو اور دمشق میں حضرت علی کے خلاف جوش پھیلا رہی تھی۔ لوگوں کے عقاید حضرت علی سے بگڑ رہے تھے اس مخالفت میں بی بی نائلہ کی بریدہ انگلیوں نے اور بھی آگ میں تیل کا کام دیا۔ یہانتک کہ ایک دن جامع مسجد میں عثمان کا خون آلودہ پیراہن اور نائلہ کا نصف ہاتھ کٹا ہوا عام مسلمانوں کو دکھایا گیا۔ اور بیان کیا گیا کہ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب علی کے کوتک ہیں محض ان کی وجہ سے مظلوم خلیفہ مارا گیا۔

یہ دیکھ کے اور سن کے مسلمان مارے غصہ کے کانپ گئے اور ایک مجمع کثیر نے قسم کھا کے کہا کہ جب تک ہم قاتلان عثمان سے انتقام نہ لیں گے نہ ٹھنڈا پانی پییں گے اور نہ نرم بستر پر سوئیں گے۔ یہ معاملہ ہر جمعہ جامع مسجد میں ہونے لگا۔ اسی اثنا میں عمرو بن العاص فلسطین سے واپس دمشق پہنچے اور یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے معاویہ سے کہا۔ ہر جمعہ ایسا مت کیا کرو۔ ورنہ ان چیزوں کا اثر جاتا رہے گا اور لوگوں کی نظروں میں یہ چیزیں اور باتیں معمولی ہو جائیں گی انھیں کسی خاص موقع کے لیے رہنے دو اُس وقت تمھیں اس سے معقول مدد ملے گی معاویہ یہ سن کے خوش ہوئے اور کہا بیشک یہ صائب رائے ہے۔ فوراً ان چیزوں کو ایک خاص جگہ مقفل کرا دیا اور حکم دیدیا کہ عمرو بن العاص کے اختیار میں ہے جب وہ چاہیں گے انھیں نکالیں گے کوئی دوسرا شخص ان چیزوں کو نہیں چھیڑ سکتا۔

ایک نجومی کی کہانی

شیعی مورخوں نے کسی ایک نجومی کی کہانی لکھی ہے کیونکہ ان فرضی واقعات کو صحت کا جامہ پہنانے کے لیے غیر نجومیوں کی مدد اور کراموں یا معجزات کے انبار کے اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

لکھا ہے کہ جب باغیوں نے مدینہ میں بیت خلیفہ کا محاصرہ کر لیا تو عمرو بن العاص اپنے بال بچوں کو لیکے فلسطین چلے گئے تھے۔ یہاں اس زمانہ میں ایک بہت ہی مشہور و معروف نجومی تھا جو آئندہ کا حال من وعن بتا دیا کرتا تھا۔ اور وہ صحیح نکلتا تھا۔ جب عمرو نے نجومی کا نام سنا تو اس کے پاس جاکے پوچھا کہو عثمان کی مہم کا انجام تمھیں کیا دکھائی دیتا ہے۔ نجومی نے اپنی جوتش کے زور سے آسمانی اور سیاری گردشوں کو ملاکے یہ نتیجہ نکالا کہ عثمان قتل کر دیئے جائیں گے پھر عمرو نے استفسار کیا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ان کے قتل ہونے پر خلیفہ کون شخص بنے گا۔
نجومی نے پھر کچھ نقشے وغیرہ بنا کے بتایا کہ ایسا شخص خلیفہ بنے گا جو فضیلت میں لاثانی ہوگا اور جس سے بہتر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا۔ مگر پیشتر اس کے کہ جمیع مسلمین اس کے ہاتھ پر بیعت کریں ایک شخص کی ظلم کی تلوار سے قتل کر دیا جائے گا۔
اس پر پھر دریافت کیا گیا اس کے بعد کون خلیفہ بنے گا۔ نجومی بولا کہ وہ شخص خلیفہ ہوگا جو اس وقت شام کا گورنر جنرل ہے اور جس کا نام معاویہ ہے۔ بس یہ سن کے عمرو بن العاص کے دل میں یہ بات جم گئی کہ علی کو چھوڑ کے معاویہ سے مصافحہ کرو تاکہ کار برآری ہو۔ اسی خیال سے عمرو معاویہ کے پاس دمشق چلے آئے تھے۔ فقط
شیعہ مورخ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ جب عثمان قتل ہو چکے تو عمرو نے اپنے دو بیٹوں عبداللہ اور محمد سے مشورہ لیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے آیا ہم علی کے پاس چلے جائیں یا معاویہ سے جاکے مل جائیں لڑکوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین علی کا شرف فضل و حسب نسب اس پر و جمیع عالم پر روشن ہے ہماری یہی رائے ہے کہ علی ہی کے پاس چلنا چاہیئے۔ عمرو نے یہ سن کے تامل کیا اور قدرے سوچنے کے بعد اپنے بیٹوں سے یہ کہنے لگا دیکھو علی علیہ السلام ہم جیسے آدمیوں سے مستغنی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی حسن تدبیر اصابت رائے۔ حلیہ شجاعت اور زیور شہامت سے اپنے ابنائے روزگار سے امتیاز تام رکھتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یقین ہے کہ خواہ میں کتنی ہی جاں نثاری کیوں نہ کروں گا اور ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں کیسی ہی جان کیوں نہ لڑا دوں گا میری مطلب برآری ہرگز نہیں ہونے کی۔
یہ سن کے عبداللہ نے کہا۔ ابا جان جب علی کی اطاعت اور جنت لازم و ملزوم ہے تو پھر آپ کیا

کریں گے آیا معاویہ کی متابعت میں دوزخ قبول ہے یا کیا۔
عمرو نے اپنے بڑے بیٹے کی اس نصیحت کو مطلق نہ سنا اور سیدھا معاویہ کے پاس دمشق چلا گیا۔ راستہ میں جب اس مقام پر پہنچا جہاں عراق و شام کی سرحد ملتی ہے تو اس نے اپنے غلام سے دریافت کیا کہ یہ دو راستے کدھر کدھر جاتے ہیں۔ پہلے عراق کے راستہ کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا تو غلام نے جواب دیا کہ یہ راستہ سیدھا جنت کی طرف جاتا ہے پھر شام کے راستہ کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا تو غلام نے کہا کہ اس طرف کا جانے والا سیدھا جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔
عمرو نے اپنے غلام کی بہت تعریف کی اور کہا تو سچ کہتا ہے۔ پھر اس نے حضرت علی کی تعریف میں چند اشعار بھی موزوں کیے اور انھیں لہک لہک کے پڑھنے لگا اس پر ان کے بیٹے عبد اللہ نے کہا بابا جان یہ تو آپ سب کچھ کر رہے ہیں مگر رخ آپ کا شام ہی کی طرف ہے۔
عمرو نے جواب دیا بات اصل یہ ہے کہ علی کی متابعت بیشک جنت میں لیجائے گی۔ مگر میں کیا کروں دنیا کی دولت اور وجاہت مجھے علی کا ساتھ چھوڑنے پر برانگیختہ کر رہی ہے میں تو معاویہ ہی کے ساتھ ہوں گا بلا سے کچھ ہوا کرے۔

زاں نمی ترسم کہ گردو قعر دوزخ جائے من　　وائے گر باشد ہمیں امروز من فردائے من

عبد اللہ نے کہا ابا جان آپ کیا فرما رہے ہیں۔ باری عز و علا کے سخط و غضب سے ڈریئے۔ خواہ مخواہ بیٹھے بیٹھے کیوں جہنم کے سچے وارث بنتے ہو۔ خیر اس پر بھی آپ نہیں مانیں گے تو میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔ عمرو۔ بیٹا یہ کیا کہا والدین کی اطاعت سب امور سے زیادہ فرض ہے عبد اللہ۔ وہ ایسے وقت میں کہ جب ماں باپ خدا کی بغاوت کر رہے ہوں تو اولاد کو کبھی ان کی اطاعت لازم نہیں ہے۔ علی کے ساتھ محاربہ اور مقاتلہ کرنا ایک ایسی معصیت ہے جس سے زیادہ اور کوئی معصیت نہیں ہونے کی۔
عمرو۔ اچھا بیٹا کچھ مضایقہ نہیں تو میرے ساتھ شام چلا چل۔ علی سے جب قتال کا موقع آئے گا تو قتال نہ کیجو۔ چلو چھٹی ہوئی یہ سن کے عبد اللہ باپ کے ساتھ شام چلا آیا۔
جب تینوں باپ بیٹے دمشق پہنچے تو معاویہ بہت خوش ہوا اور ان کی بہت آؤ بھگت کی پچاس ہزار درہم

اور قیمتی گھوڑے بطور ہدیہ کے عمرو بن العاص کو بھیجے۔ اسیطرح اس کے بیٹوں کو بھی ہدیے دیئے مگر عبداللہ نے یہ کہکے ہدیہ واپس کر دیا کہ تو اس مال کا جو کافہ مسلمین کا ہے کس طرح مالک بن گیا۔ لہذا میں یہ غصب کیا ہوا مال نہیں لیتا۔

ان کہانیوں سے بعض شیعی مورخ انکار کرتے ہیں اور بعض اقرار مگر یہ کہانیاں شامل ان کہانیوں کے ہیں جو گزشتہ صفحات میں آپ دیکھ چکے ہیں۔ وہ معجزات کے رنگ میں تھیں اور یہ تواریخی پیرایہ میں بیان ہوئی ہیں۔ فطرت دونوں کی ایک ہی ہے۔

مالک اشتر کے حملہ کی کہانی

جزیرہ عرب کے بعض شہروں میں (حضرت) عثمان کے قتل کے بعد حضرت علی سے سخت مخالفت کی جانے لگی تھی اور اسی وجہ سے وہاں کے آدمیوں نے امیر معاویہ سے بیعت کر لی تھی۔ اور ان ہی کو خراج بھی دیتے تھے۔ جب حضرت علی کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے مالک اشتر کو وہاں کا گورنر بنا کے بھیج دیا۔ اس وقت یہاں کا حاکم ضحاک بن قیس مروی تھا۔ وہ یہ سنتے ہی کہ مالک اشتر آرہا ہے چوکنا ہو گیا اور رقہ کے لوگوں سے مدد طلب کی تاکہ اسے ناکام واپس کر دے مالک اشتر معقول تعداد سپاہ کی اپنے ساتھ لیگیا تھا جب وہ مقام حران میں پہنچا تو ضحاک لڑنے والوں کی ایک جماعت لیکے اس کا سدراہ ہوا۔ باہم تلوار چلنے لگی۔ صبح سے شام تک خوب خونریزی ہوئی۔ اخیر ضحاک کو شکست ملی اور وہ بھاگ کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا مالک اشتر نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر امیر معاویہ کو جوں ہی خبر ہوئی انھوں نے عبد الرحمن خالد بن ولید کو فوج کے ساتھ ضحاک کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ مالک اشتر کو جب مخبروں نے یہ خبر دی تو اس نے قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کے شامی فوج کو راستہ میں روکنے کے لئے کوچ کر دیا۔ اخیر عبد الرحمن اور مالک میں سخت جنگ ہوئی۔ مگر یہاں بھی مالک ہی فتح نصیب رہا۔ عبد الرحمن شکست کھا کے بھاگ گیا۔

مالک اشتر اس سے فارغ ہو کے موضع رقہ کی طرف متوجہ ہوا اور پھر یہاں کے قلعہ کا محاصرہ

کر لیا۔ ضحاک اسیطرح سے محصور ہو گیا۔ مگر اب کے اس نے استحکام زیادہ کر لیا تھا۔
امیر معاویہ نے جب اپنے لشکر کے انہزام کی خبر سنی تو اس نے فوراً ایمن بن حریم الاسدی کو ضحاک کی مدد پر روانہ کیا۔ مگر مالک اشتر نے اسے بھی شکست دے کے بھگا دیا۔ اب چونکہ ضحاک بے پناہ رہگیا اس لیئے چند روز کے بعد اسے بھی ہتیار ڈالدینے پڑے۔
شیعی مورخ لکھتے ہیں کہ مالک اشتر نے یہاں لوگوں کا خون بھی بہایا اور ان کا گھر بار بھی لوٹ لیا۔ اور تلوار کے زور سے اخیر رقہ پراس سرے سے اس سرے تک قبضہ کر لیا۔ اور اپنی ان شاندار فتوحات کی پوری خبر حضرت علی کو کوفہ لکھ کے بھیج دی۔
حضرت نے جب امیر معاویہ کی کھلم کھلا مخالفت کی یہ خبر سنی تو آپ بہت برہم ہوئے اور آپ نے کوفہ کے اعیان و اشراف کو جمع کر کے ان کے آگے یہ بیان کیا۔
باری سبحانہ تعالی جو جمیع مخلوق کا خالق ہے اپنے بندوں سے سوائے سلوک جادۂ مستقیم کے اور کسی بات سے راضی نہیں ہوتا لہذا جب تک عباد میں محبت اور دوستی رہے انھیں لازم نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے پر سب و شتم کریں اس سے یہ بات ہوگی کہ ہر قسم کا انتظام قایم رہے گا اور تمام برکتیں لوگوں پر نازل ہوں گی اور اگر ان میں عملاً اور قولاً مخالفت ہوگی تو کثرت سے خرابیاں بھی پیدا ہو جائیں گی اور انتظام بھی درہم برہم ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہونے کا۔
آپ کو معلوم ہے کہ معاویہ میری طرف سے اہل شام کو بدظن کر رہے ہیں اور میری متابعت سے انھیں منحرف کر دیا ہے اور سارے میں یہ شہرت دیدی ہے کہ عثمان بن عفان کو علی بن ابی طالب نے قتل کرایا ہے۔ اسی اہتمام پر قناعت نہیں کی بلکہ میرے گورنر مالک اشتر کے خلاف جبکہ وہ ایک باغی صوبہ کی سرکوبی کر رہا تھا دو بار سپاہ بھیجی۔ پھر اس سے بھی آگے قدم رکھا ہے یعنی میرے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے انھیں ایک خط لکھ کے بھیجوں اور ساری باتیں انھیں سمجھا دوں شاید وہ اپنی ان حرکات سے باز آجائیں اور فساد و خونریزی کی یہ گھٹا اوپر کی اوپر ٹل جائے۔ اب بتاؤ کہ تمھاری اس میں کیا رائے ہے۔ فقط "

امیر المومنین علی کے مونہ سے اتنا نکلنے پایا تھا کہ چاروں طرف سے تحسان کے آوازے بلند ہونے لگے اور سب نے یکزبان ہوکے کہا کہ رائے تو جناب امیر کی رائے ہے۔ ہم تو آپکے اسیطرح مطیع ہیں جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ اخیر صلاح مشورہ کے بعد ایک خط امیر معاویہ کو لکھا گیا جسے شیعہ مورخین حضرت علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتاتے ہیں۔

حضرت علی اور امیر معاویہ کی خط کتابت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من عبد اللہ امیر المومنین علی علیہ السلام الی معٰویۃ بن ابی سفیان اما بعد تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ مدینہ میں جبکہ انصار و مہاجرین طبقات نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو تم گو اس وقت وہاں نہیں تھے مگر تم پر میری اطاعت لازم آگئی۔ کیونکہ جن لوگوں نے ابوبکر۔ عمر۔ عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہی لوگ میری خلافت پر راضی اور میری امامت پر ہمداستان ہوگئے اور رغبت اور خلوص سے انھوں نے میری متابعت اپنے اوپر لازم کرلی۔ اس روز مہاجر وانصار دونوں موجود تھے نہ کسیکو مجال اعتراض ہوئی اور نہ توقف و تخلف کا کسی کو یارا ہوا جو لوگ حاضر نہ تھے انھیں بھی اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ ہاں عثمان کے قتل کا معاملہ بیشک ایک مشکل کام ہے۔ لیکن جس نے اس قتل کی کیفیت سے تمہیں اطلاع دی ہے۔ وہ آنکھوں کا اندھا ہوگا بات کچھ بھی نہ تھی۔ ایک جماعت اس پر عیب لگاتی تھی اخیر اس نے غلبہ پاکے اسے قتل کرڈالا۔ مگر اس کے دوستوں نے جو اسے اچھا سمجھتے تھے اسے مدد دی بہرحال عام وخاص نے میری ہاتھ پر بیعت کرلی ہے اور اکثر والیوں نے میرے آگے گردن جھکادی ہے۔ میری بیعت سے جو شخص مخالفت کرے گا یقیناً اس نے حق کی مخالفت کی عافیت میری موافقت اور اطاعت ہی میں ہے۔ میرے ساتھ سرکشی کرنے سے تمھیں احتراز کرنا چاہیے۔ والسلام۔

حضرت علی نے یہ خط حجاج بن خزیمہ انصاری کے ہاتھ معاویہ کو روانہ کیا۔ حجاج منازل طے کرتا ہوا

دمشق پہنچا اور دربار معاویہ میں حاضر ہو کے معاویہ کے ہاتھوں میں امیر المومنین کا خط دیدیا۔ خط پڑھنے سے پہلے معاویہ اور حجاج میں زبانی گفتگو ہونے لگی۔ اثنائے گفتگو میں حجاج نے کہا اب تو عثمان کی محبت کا دم بھر رہا ہے اور جب عثمان مصیبت میں پھنس گیا تھا اور اس نے تجھ سے مدد طلب کی تھی تو تو خبر بھی نہ ہوا تھا وہ بیچارہ تیری مدد کے آنے کے انتظار میں قتل کر دیا گیا

یہ سن کے معاویہ کو سخت غصہ آیا۔ اس نے حجاج سے کہا بس تو یہاں سے چلا جا۔ تیرے ہاتھ میں اس نامہ کا جواب نہیں بھیجنے کا۔ اپنے خاص قاصد کے ہاتھ روانہ کر دوں گا میں تجھے دمشق میں نہیں دیکھنا چاہتا حجاج یہ سن کے واپس کوفہ چلا آیا اور ساری کیفیت حضرت علی سے بیان کر دی۔

معاویہ نے چند سادے کاغذ ایک لفافہ میں بھر کے اس لفافہ پر مہر لگا دی اور اس پر یہ لکھ دیا ''

من معاویۃ الی علی بن ابی طالب علیہ السلام'' پھر وہی سادے کاغذ بند لفافے میں بنی عبس کے ایک شخص کو جو بہت فصیح و بلیغ اور طلاقت لسانی میں مشہور تھا حوالہ کیے اور اسے سب اُتار چڑھاؤ سمجھا دیے اور کہدیا کہ تو زبانی طور پر لوگوں کو ساری باتیں سمجھا دیجو۔

قاصد فرضی نامہ لیکے کوفہ پہنچا۔ یہاں غل مچ گیا کہ امیر معاویہ کا نامہ بر آیا ہے۔ شاید گفتگوے صلح کا منشا ہوگا۔ کیونکہ لفافہ کی مٹائی سے ہر شخص یہ سمجھا کہ دمشق کے اعیان و اشراف کی طرف سے محضر نامہ ہے اور وہ حضرت علی کی متابعت چاہتے ہیں غرض خوب خوب قیل و قال ہوئی آخر لوگوں نے حضرت علی کے دربار میں قاصد کو پیش کر دیا۔

دریافت کیا گیا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں معاویہ کا رسول ہوں اس نے یہ سر بمہر لفافہ آپکو بھیجا ہے اور میں بنی عبس کے قبیلہ کا ایک شخص ہوں۔

لفافہ اس کے ہاتھ سے لیا گیا اور جب حضرت علی نے کھول کے دیکھا تو سادے کاغذ پائے آپ ہوں ہاں کچھ نہ کی اور خاموش ہو رہے۔ صرف اس فرضی قاصد سے اتنا دریافت فرمایا کیا تو بتا سکتا ہے کہ شامیوں کا خیال ہماری طرف کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ پچاس ہزار عثمان کے قبیلہ کے صالح اور متقی مرد اس کا خونی پیرہن اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اور سب جمع ہو کے اس خون آلود کپڑے کو جب کھولتے ہیں تو ان کی ڈاڑھیاں اور رخسارے آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتے ہیں

بلکہ ویسے بھی وہ شب و روز روتے رہتے ہیں۔ انھوں نے تلواریں سوت لی ہیں اور عہد کر لیا ہے کہ جب تک عثمان کے قاتلوں کو ان کے کیفر کردار تک نہ پہنچا لیں گے تلواریں میان میں نہیں کرنے کے۔ جوش بہت بڑھ گیا ہے یہاں تک کہ مرنے والے اپنے بچوں کو وصیت کر جاتے ہیں کہ خون عثمان قطعی لینا۔ یہاں تک کہ عورتیں اپنے بچوں کو خون عثمان کے طلب کرنے کی تحریص و ترغیب دیتی ہیں۔ عام طور پر لوگ پہلے شیطان پر لعنت بھیجا کرتے تھے مگر اب قاتلان عثمان پر لعنت بھیجا کرتے ہیں۔ یہ سن کے حضرت امیر المومنین علی نے دریافت کیا اچھا یہ تو بتا کہ ان کی اور تیری رائے میں قاتلان عثمان کون لوگ ہیں۔ اس نے فوراً ہی جواب دیا ان میں سے ایک تو حضور ہی تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا تیرا منہ خاک سے بھر جائے بھلا قتل عثمان کا جرم تو مجھ پر عاید کرتا ہے۔

اس مجمع میں بنی عبس ہی کے قبیلہ کا ایک شخص حضرت علی کے مریدوں میں موجود تھا۔ اس نے بڑے زور سے اس فرضی قاصد کو للکارا اور کہا کہ تو ایک ایسا فرضی قاصد ہے جس کے ہاتھ معاویہ نے سادے کاغذوں کا لفافہ بھیجا ہے۔ اسی طرح تو بدزبان بھی ہے کہ ایسے سبک الفاظ تو امیر المومنین کی شان میں کہتا ہے اور بے غیرت بھی ہے کہ حضرت امیر المومنین اور آپ کے انصار کو شامیوں کے رونے سے ڈراتا ہے۔

سن پیراہن عثمان نہ تو پیراہن یوسف ہے اور نہ شامیوں کا گریہ گریۂ یعقوب ہے۔ ان کا رونا اس وقت فضول ہے۔ جب ان لوگوں کو عثمان کی اتنی محبت ہے تو یہ اس کے محصور ہونے کے وقت کیوں نہیں اس کی مدد کو آئے۔ اب اس وقت جو وہ امیر المومنین سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ہمیں کچھ خوف نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ ہمارا مددگار ہے۔

باہم جب قیل و قال زیادہ بڑھ گئی تو حضرت علی کے خاص ملازمین اس فرضی قاصد کی گردن اُڑانے کے لئے لپکے مگر حضرت علی نے انھیں روک دیا اور فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ قاصد قید اور قتل سے آزاد ہوتا ہے۔ یہ سُن کے وہ لوگ رُک گئے اور قاصد کی گردن بچ گئی۔

قاصد اُٹھا اور حضرت علی کے پیروں پر گر پڑا اور کہا کہ شامیوں کے مشتعل کلمات سے میں جناب کا دشمن ہو گیا تھا مگر اب آپ کے اس حلم اور التفات نے مجھے آپ کا بے داموں کا غلام بنا دیا۔

آپ کی دل آویز باتیں میرے دل پر جم گئیں میرے نزدیک آپ سے زیادہ میرا کوئی دوست نہیں ہے مجھے یقین ہو گیا کہ شامی بحر ضلالت میں غرق ہیں۔ طریق صواب اور راہ راست کا مسلک علی اور ان کے متبعین کا ہے خدا کی قسم میں نہ آپ سے مفارقت کروں گا اور نہ آپ کے مقابلہ میں دوسرے کو پسند کروں گا یہ کہکے اسیوقت اس شخص نے حضرت علی کی تعریف اور معاویہ کی برائی میں چند شعر موزوں کیے اور وہ اشعار بعد ازاں لکھ کے معاویہ کے پاس بھیج دیئے۔

معاویہ نے وہ اشعار پڑھے۔ اسے سخت صدمہ ہوا بیساختہ اس کی زبان سے نکل گیا۔ کاش اگر میں جانتا کہ ایسا ہو گا تو اس مرد فصیح کو کبھی قاصد بنا کے نہ بھیجتا۔ اب دیکھئے ہمارے خلاف کیا آگ لگاتا ہے اور یہاں کے حالات کیا کیا بیان کرتا ہے۔

اس کے بعد معاویہ نے ایک یمنی کے ہاتھ مفصلہ ذیل خط حضرت علی کو بھیجا جس کا یہ ترجمہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من معاویۃ الی علی بن ابی طالب۔ اما بعد حضرت باری سبحانہ تعالی نے اپنی مخلوق میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چن کے عرب کے اعیان واشراف کو آپ کی مدد کے لیے کھڑا کر دیا۔ ان لوگوں میں ناصح تریں اور فاضل تریں ابوبکر صدیق خلیفہ رسول اللہ تھے ان کے بعد عمر فاروق ہوئے اور پھر عثمان بن عفان۔ تم نے ان تینوں سے سخت حسد کیا۔ اور ان کی بیعت میں تم ہمیشہ تاخیر کرتے رہے مگر ناچار ہو کے محض اکراہ اور اضطراب سے ان سعادتمندوں کے ہاتھوں پر بیعت کی ان میں تم عثمان سے زیادہ حسد کرتے تھے حالانکہ قربت قرابت میں تمھارے ساتھ وہ ان دونوں سے زیادہ امتیاز رکھتے تھے۔ ان کے محاسن افعال کو تم نے قباح اعمال کے لباس میں جلوہ دیا۔ اور صلہ رحم کا قطع کرنا تمھیں روا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک گروہ کو ابھار کے اپنی آنکھوں کے آگے اسے قتل کرا دیا۔ تم نے ان کی نصرت اور معاونت میں اپنے کو معذور قرار دیا اس واقعہ کے صدق کی بین دلیل یہ ہے کہ عثمان کے قاتل آج تمھارے اعیان وانصار بنے ہوئے ہیں اور ہر وقت تمھارے ساتھ

رہتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ قاتلان عثمان ہی ہیں سے آپ اپنا قاصد منتخب کر کے میرے پاس بھیجتے ہیں صاف سن لیجے کیا تو قاتلان عثمان اپنی کیفر کردار کو پہنچائے جائیں ورنہ مجھمیں اور تم میں تلوار و خنجر حایل رہیں گے میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ قاتلان عثمان بحر میں ہوں یا دشت و صحرا اور پہاڑوں میں جب تک میں انھیں نیست و نابود نہ کر دونگا چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ فقط۔

یہ نامہ لیکے یمنی بعد طے منازل کوفہ پہنچا۔ اس شخص کے زہد و تقوی کی شیعی مورخوں نے بڑی تعریف لکھی ہے یہاں تک حضرت علی نے ان کے قول کے بموجب محض اس کی پارسائی پر اپنے دربار میں اسکی بہت عزت و توقیر کی۔ اس نے حضرت علی سے اثناء گفتگو میں کہا۔ حضرت بات تو یہ ہے کہ میں بذات خود یہ گواہی دیتا ہوں کہ خلیفہ اور حاکم آپ سے زیادہ کوئی قابل نہیں ہے باطن اور ظاہر کے مناقب و مفاخر میں کوئی شخص آپ کا شریک و سہیم نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ میں مانتا ہوں کہ عثمان بیداد کی تلوار سے قتل کیے گیے۔ امیر معاویہ نے آپ کی مخالفت میں قتل عثمان کو ایک حیلہ بنا لیا ہے۔ میری یہ رائے ہے کہ قاتلان عثمان میں سے جتنے آدمی آپ کی خدمت میں موجود ہیں آپ ان سبکو معاویہ کے سپرد کر دیں تو یہ عظیم خونریزی جس کی گھٹا گھری ہوئی ہے جاتی رہے گی آگے جو کچھ رائے عالی ہو۔ وہی انسب و اعلی ہے۔

حضرت علی نے فرمایا لاحول ولا قوۃ میں تو سمجھتا تھا کہ تو ایک عقلمند اور صائب رائے ہے مگر تو تو کودن محض نکلا۔ بھلا معاویہ کون ہے کہ میں اس کے سپرد قاتلان عثمان کو کر دوں معاویہ کو چاہیے کہ وہ پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کر لے اور اس کے جس قدر اعیان و انصار ہیں سب میرے مطیع ہو جائیں اس کے بعد یہ ہو سکتا ہے کہ اولاد عثمان سے کہا جائے کہ تم کس کس پر شبہ رکھتے ہو تاکہ ان پر باقاعدہ خلیفہ کے دربار میں مقدمہ چلایا جائے اور اس وقت جو قصوروار نکلے اسے سزائے موت دی جائے۔ فقط

چند روز کے بعد معاویہ کے قاصد کو حضرت علی نے خط کا جواب دے کے واپس کر دیا۔ اس خط کا خلاصہ مضمون یہ ہے تمھارا نوشتہ پہنچا۔ اس کے مضمون پر اطلاع ہوئی۔ ابوبکر و عمر کے محاسن اعمال اور مکارم اخلاق کی بابت جو تم نے لکھا ہے اس سے مجھے یا اور کسی کو کب انکار ہے۔ لیکن عثمان کی بابت میں صرف اسیقدر کہتا ہوں کہ اگر وہ نیکوکار تھا تو جوار رحمت پروردگار میں پہنچ گیا

کیونکہ محسنوں کو محسن وہ جو ان کے اعمال کی جزا ملا کرتی ہے۔ اگر وہ نیکوکار نہ تھا تو بھی شرق
خداوندی کے جلال میں پیوست ہوگیا۔ کیونکہ ثمرہ موہبت اور اُس کا احسان بے حد و پایاں
ہے۔ جب یہ بات مرتبۂ یقین تک پہنچ گئی ہے کہ حضرت ارحم الرحمن پاداش اعمال محسنان
کو ان کی جمیلہ کوششوں کے مطابق ارزانی فرماتا ہے۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ میں اور اہلبیت
رسول اللہ کو بہت کچھ بے حد و حساب صلہ ملیگا دیکھ جس نے سب سے پہلے تصدیق رسالت
و نبوت کی وہ ہم تھے۔ ابتداء بعثت میں جبکہ دشمنوں نے آپکو قتل کرنا چاہا تو ہم نے ہی
سرفروشی کی تھی۔ اور اس امر میں رضائے الٰہی و خوشنودی رسول ہمارا مقصود تھی۔
جب قریشیوں نے باہم آپ کے برباد کرنے کا عہد کرلیا تو آپ شعب میں چلے گئے اور ہم بھی
آپ کے ساتھ وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اور جب حق عزو علا نے اس بلا سے خلاصی
دی تو ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور پھر اسی سرگرمی سے حضور انور کی ملازمت میں
مستعد ہو گئے۔ اور جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ہم بھی اپنا مالوف وطن چھوڑ کے
آپ کے ہمرکاب مدینہ چلے آئے۔ اور جب لڑائیاں ہوئیں تو ہم نے اپنی جانیں قربان
کرنے میں کبھی دریغ نہیں کی چنانچہ میرا چچازاد بھائی عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب
غزوہ بدر میں زخمی ہو کے مارا گیا۔ اسی طرح میرا چچا حمزہ غزوہ احد میں کافروں کی تلوار
کی نذر ہوا۔ میرا بھائی جعفر معرکہ موتہ میں شہید ہوگیا۔ میں خود لڑائیوں میں برابر شریک
ہوتا رہا اور آمادگی سے شرط جہاد پوری کرتا رہا میرا مقصود اعظم شہادت تھی مگر وہ مجھے
مثل اپنے بھائیوں کے نصیب نہ ہوئی۔ کاش میں شہید ہوجاتا تو آج کو تجھ جیسے شخص کے
ساتھ نامہ و پیام کرنے کا مجھے موقع ہی کیوں ملتا۔ اور میں اس مصیبت سے رہائی
بھی پالیتا۔

تعجب ہے کہ مجھے تو خط لکھ رہا ہے اور صحابہ کے مناقب بیان کر رہا ہے مگر اہل
بیت رسول کا اشارہ بھی نہیں کرتا۔ اور ان کی جان فروشیوں کو تو نے مس تک
نہیں کیا۔

یہ جو تو نے حسد اور بغی کا الزام مجھ پر لگایا ہے کہ میں خلفاء سے رکھتا تھا حاشا و کلا مثل

تیرے میں کیوں ہونے لگا جس نے طریق باطل اختیار کر رکھا تھا اور برابر خلفاء کی مخالفت پر تُلا رہا۔

اب رہا خلفاء کی بیعت میں تاخیر کرنے کی بابت جو تو نے لکھا ہے تو یہ بات سب پر روشن ہے کہ جب رسول اللہ کا وصال ہوا ہے اعیان اسلام اور اصحاب کرام میں اختلاف پیدا ہوا۔ انصار نے تو اس پر اصرار کیا تھا کہ منا امیر و منکم امیر یعنی ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو اور وہ اپنے اس ادعا میں حق پر تھے کیونکہ رسول اللہ کے لئے انھوں نے اپنے سینوں کو ہدف سہام بلا و محنت بنا رکھا تھا اور رسول اللہ کے مقابلہ میں اپنے دلوں کو اولاد اور مال کی محبت سے خالی کر دیا تھا۔ مگر قریشیوں نے اپنے حصول مطلب کے لئے ان کے آگے یہ دلیل پیش کی کہ ہماری فضیلت تم پر اس لئے ہے کہ رسول اللہ جو بہترین خلایق تھے وہ ہم میں سے چُنے گئے تھے۔ اس دلیل سے انصار خاموش ہو گئے پھر انھوں نے اور اپنے مُدعا پر اصرار نہیں کیا۔ اگر تیرے خیال میں یہ دلیل حق تھی تو اب اس وقت بتا کہ سوائے میرے بہترین خلایق کون ہے اور اصحاب میں آنحضرت سے نزدیک تر زیادہ کون ہو سکتا ہے۔ مجھے رسول اللہ نفسک نفسی فرما چکے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر تجھ پر یہ بات چھپی ہوئی ہو تو ان لوگوں سے دریافت کر لے جو اس وقت موجود تھے کہ رسول کریم کی رحلت کے بعد تیرا باپ ابی سفیان اور میرا چچا عباس دونوں میرے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ میں نے صحابہ کی رفاقت ترک کرنی مناسب نہ جانی۔ ان سے کہدیا کہ میں بیٹھے بیٹھائے خواہ مخواہ فساد کرنا نہیں چاہتا۔ وہ دونوں خاموش ہو رہے۔

میں دنیا کی کچھ حقیقت نہیں جانتا۔ مجھے علم ہے کہ اس عالم کی نعمتیں مثل پانی کے ہیں جس کا رنگ و مزا برابر بدلتا رہتا ہے۔ دنیا کو ایک ایسا لقمہ سمجھنا چاہئے جو حلق میں اٹکتا ہو۔

میری حالت بیشک اس وقت بہت نازک ہے۔ اگر میں خلافت چاہتا ہوں

تو لوگ مجھے حریص کہتے ہیں اور اگر میں گوشہ نشینی اختیار کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جان کے خوف سے چھپ کے بیٹھ رہا۔ ہیہات ہیہات خدا کی قسم ابو طالب کا بیٹا موت کا اس سے زیادہ مشتاق ہے جتنا شیر خوار بچہ اپنی ماں کی چھاتی کا ہوتا ہے۔ اور چونکہ میں مخفیات علوم اور مکتوم خزائن پر پوری اطلاع رکھتا ہوں اگر ان کا ایک شمہ تجھ پر ظاہر کر دوں تو مضطرب ہو کے بید کی طرح کانپنے لگے۔ مگر میں فی الحال اسے مناسب نہیں جانتا۔

اس کے بعد آخری الزام تو نے مجھ پر یہ لگایا ہے کہ قتل عثمان میری تحریص سے ہوا یہ دروغ اور کذب بلا فروغ ہے۔ میں نے تو محاصرہ کے وقت اپنے دونوں بچوں حسن حسین کو بھیج دیا تھا کہ دیکھنا عثمان پر آنچ نہ آئے مگر مشیت ایزدی کے آگے وہ کیا کر سکتے تھے۔

تو اپنی تو کہ عثمان کو تنہا چھوڑ کے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے شام چلا گیا اور اب تو نے حکومت حاصل کرنے کا حیلہ طلب خون عثمان کو بنا رکھا ہے۔ اگر فی الواقع تو قاتلان عثمان کو چاہتا ہے تو پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کر اور پھر ان کی گرفتاری کی درخواست دے۔ اس وقت میں شریعت غرا کے قوانین کے مطابق ان کی گرفتاری کا حکم نافذ کروں گا۔ فقط۔

حضرت علی کا قاصد عمرو بن العاص و امیر معاویہ

نامہ تیار کرنے کے بعد حضرت علی نے سوچ سمجھ کے گورنر ہمدان جریر بن عبد اللہ البجلی کو طلب کیا۔ یہ شخص عثمان بن عفان کا مقرر کیا ہوا تھا۔ حضرت علی کے طلب کرنے پر فوراً چلا آیا۔ آپ نے پہلے بیعت طلب کی۔ اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جریر رسول کریم کے اصحاب میں سے تھے۔ حضرت علی نے جریر سے بہتر اس کام کے لیے اور کسی شخص کو موزوں نہ سمجھا۔ شیعی مورخ یہ بھی کہتے ہیں کہ خود جریر نے درخواست کی تھی کہ قاصدی کا فرض مجھ سے بہتر کوئی اور نہیں کر سکتا۔ شام میں میرے رشتہ دار اور دوست بہت سے ہیں اور میں شامیوں کی طبیعت سے بھی خوب واقف ہوں میں جو کچھ کر کے آؤں گا دوسرا نہیں کر سکے گا۔

اس پر مالک اشتر کو سخت غصہ آیا۔ اس نے حضرت علی سے کہا کہ میں اس کی مداہنت سے خوب

واقف ہوں یہ شخص قابل اعتبار نہیں ہے۔ جریر یہ سن کے آگ بگولا ہو گیا اور مالک اشتر سے کہنے لگا بتا تو سہی میں نے کیا مداہنت کی اور میری کونسی تقصیر تیرے مشاہدہ سے گزری کہ تو کھلم کھلا خیانت کا الزام مجھ پر لگاتا ہے۔

مالک بولا سن۔ حال کے معرکہ میں حضرت امیر المومنین علی نے تجھے طلب کیا تھا مگر تو حیلہ حوالہ کر کے ٹال گیا۔ اور ہمدان کی گورنری نہ چھوڑی مگر جب آپکو طلحہ و زبیر پر فتح ہو گئی تو ایک اشارہ سے یہاں چلا آیا۔ اور فوراً ہی بیعت بھی کر لی حضرت علی نے مالک اشتر کی اس گفتگو پر مطلق التفات نہ کیا اور جریر کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا اے جریر راستہ کی تکلیف اور محنت سفر کا خیال نہ کر کے فوراً دمشق جانے پر تیار ہو جا۔ جب تو دمشق پہنچ کے معاویہ کے دربار میں پہنچے تو اسے بیعت کی دعوت دیجو اگر وہ ہماری بیعت پر راضی ہو جائے تو فبہا ورنہ اُس پر ہماری حجت پوری ہو جائے گی جریر کوفہ سے روانہ ہو کے طے منازل کے بعد دمشق میں پہنچے۔ جب معاویہ کو معلوم ہوا کہ جریر حضرت علی کے قاصد بن کے آئے ہیں تو ان کی بہت خاطر تواضع کی اور ایک شاندار قصر میں انھیں اُتارا۔ جب جریر کلفت سفر سے تازہ دم ہو گئے تو معاویہ کے دربار میں آئے۔ اور نہایت عمدہ پیرایہ میں معاویہ کو بیعت کی دعوت دی۔ معاویہ نے کہا اس کے لیے میں کچھ مہلت چاہتا ہوں۔ جریر نے کہا کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ یہ کہکے جریر اپنی فرودگاہ پر واپس چلے آئے۔ ادھر معاویہ نے شرجیل بن شمط کو بلا کے حکم دیا کہ شام کے دیار و امصار میں جا کے لوگوں میں خون عثمان طلب کرنے کا جوش پھیلاؤ۔ چنانچہ شرجیل نے جا کے مسلمانوں کو ورغلانا شروع کیا۔ اور سب کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکا دی۔

جب شرجیل کو اپنی مہم میں پوری کامیابی ہو گئی تو معاویہ نے مختلف مقامات سے اعیان و اشراف طلب کئے اور ان کے جلسہ میں یہ گویا ہوا اس میں تو شک نہیں کہ عثمان مظلوم مارے گئے۔ لہذا قاتلوں سے انتقام ضرور لینا چاہیے۔ تم لوگ بتاؤ کہ تمھاری اس میں کیا رائے ہے۔ انھوں نے یک زبان ہو کے کہا کہ ہم طلب خون عثمان میں آپکے ساتھ متفق ہیں۔ اس پر عتبہ بن ابی سفیان بولا کہ ابھی اس فیصلہ کو ملتوی رکھیئے۔ پہلے فلسطین سے عمرو بن العاص کو بلا لیجے اور ان کی رائے بھی اس معاملہ میں لے لیجے۔ معاویہ نے اس رائے پر صاد کر دی اور فوراً عمرو کو ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

تمھیں معلوم ہے کہ علی کے ہاتھ سے طلحہ و زبیر اور عائشہ کی کیا گت بنی۔ اب علی کی توجہ میری طرف مبذول ہوئی ہے۔ انھوں نے جریر کو بھیجا ہے اور مجھے بیعت کی دعوت دی ہے یہ کام بغیر تمھاری رائے کے نہیں ہو سکتا۔ لہذا تم اس خط کو دیکھتے ہی فوراً دمشق چلے آؤ فقط جوں ہی یہ خط عمرو کو پہنچا۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کو ساتھ لیکے فلسطین سے دمشق چلے آئے پھر چند روز سفر کی تکان اتارنے کے بعد معاویہ کے قصر میں آئے۔ معاویہ صورت دیکھتے ہی بغلگیر ہوئے اور بہت خاطر تواضع سے پیش آئے۔ اس کے بعد تخلیہ کیا گیا معاویہ نے کہا سنو تین باتوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ اول تو یہ ہے کہ محمد بن حذیفہ قید خانہ سے نکل کے مصر یا بصرہ چلا گیا۔ دوم شاہ روم شام کی سرحدات پر فوجیں جمع کر رہا ہے اور مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ سوم علی نے جریر کو میرے پاس بھیجا ہے اور صاف طور پر یہ پیغام دیا ہے کہ یا تو معاویہ اور شامی میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے راضی ہو جائیں ورنہ جنگ کے لئے تیار رہیں۔ اب تم بتاؤ میں کیا کروں۔

عمرو نے کہا محمد بن حذیفہ کے بھاگ جانے کا تو خیال نہ کرو۔ چند آدمی اس کی گرفتاری کے لیے بھیج دو اگر وہ گرفتار ہو جائے تو فبہا اور نہیں تو اس سے اندیشہ کی کوئی بات نہیں ہے وہ ہمیں کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا دوسرے شاہ روم کا بھی کچھ خیال نہ کرو۔ اگر وہ حملہ آور ہو تو وہ نصرانی قیدی جو تمھارے ہاں موجود ہیں انھیں شاہ روم کے حوالہ کر کے صلح کر لینا۔ وہ یقیناً راضی ہو جائے گا۔ اور تیرا ممنون ہوگا کیونکہ اس میں تجھ سے جنگ کرنے کا دم درود نہیں ہے۔ خالی اپنی گیدڑ بھبکیاں ہیں۔ تیسرا امر واقعی غور طلب ہے کیونکہ اس میں علی بن ابی طالب کا مقابلہ ہے۔ اہل لمت اسو جیسی۔ نبی صور ولی دیکھتی ہیں علی ہی کو غلبہ دیتے ہیں اور ان کی فضیلیں تجھ سے سمجھتے ہیں معاویہ نے جواب دیا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ علی نے جب خلیفہ عثمان کو قتل کرایا باغیوں اور قاتلوں کو اپنے ہاں پناہ دی اور مسلمانوں میں خونریزی کرائی پھر بھی لوگ ان سے اچھا ہی سمجھے جائیں گے عمرو نے کہا ان سب باتوں کو بھی تسلیم کر کے میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ اسلام قبول کرنے میں انھوں نے جو سبقت کی حضرت پیغمبر اسلام کا جو انھیں قرب حاصل ہے وہ تجھے نہیں ہے۔

یہ سن کے امیر معاویہ خاموش ہو رہے تھوڑی دیر کے بعد عمرو سے کہا جو کچھ تم نے کہا یہ امر واقعہ ہے مگر ہمیں تو مکر و حیلہ سے کام کرنا چاہیے اور امر باطل کو حق کے کپڑے پہنا کے لوگوں کے آگے پیش کرنا چاہیے۔ تمہیں تو یہ کمال ہے کہ میں تجھ جیسے شخص کو جو فراست کیاست میں اپنی نظیر نہیں رکھتا ایسا چکمہ دوں کہ تو بھی میرے فریب میں آجائے پھر ایسے ویسے کی تو میرے آگے کیا ہستی ہے۔

عمرو بن العاص بولا واہ واہ کیا کہنے۔ مانتا ہوں بیشک آپ ایسے ہی ہیں میں خوب جانتا ہوں کہ شیطان آپ کے مکتب کا ادنے شاگرد ہے مگر تو مجھے فریب نہیں دے سکتا کیوں کہ میں تیرے مافی الضمیر سے واقف ہو گیا ہوں معاویہ نے گفتگو کے اس سلسلہ کو اڑا کے ادھر ادھر کی باتیں ملانی شروع کیں۔ اثنائے گفتگو میں عمرو سے کہا ذرا کان آگے لاؤ میں ایک خاص بات تجھ سے کہوں۔ عمرو کان آگے لایا۔ معاویہ نے کان کو دانتوں سے پکڑ لیا اور کہا دیکھا میں نے تجھے ابھی میں پیچھے فریب دیدیا عقلمند شخص اس جگہ میرے اور تیرے سوا جب دوسرا نہیں ہے تو تو کان آگے کیوں لایا اور کیوں نہیں کہا کہ جب اتنے بڑے ہال میں سوائے میرے اور تیرے کوئی نہیں ہے پھر کان آگے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو کچھ کہنا ہے دور سے کہہ۔

یہ مذاق کر کے معاویہ نے کہا چلو ان مسخرا پن کی باتوں کو تو ختم کرو۔ مطلب کی بات سنو ہمیں اور تمہیں ایک ہو جانا چاہیے۔ تاکہ علی بن ابی طالب کو درمیان سے اڑا کے تمام جہان پر قبضہ کریں عمرو بولا دین کو دنیا کے عوض فروخت کرنیکا کام بڑا مشکل درجہ کا ہے اور یہ بات سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ علی سے مخالفت کرنا اور تیری موافقت میں تلوار اٹھانا جہنم کا سچا وارث بننا ہے۔ ہاں ان سب باتوں کے نظر کرتے اگر تو میری رضا جوئی میں کسر نہ کرے اور میرے مطالبات پورے کر دے تو بیشک میں تیرا ساتھ دے سکتا ہوں۔ معاویہ نے کہا تو اپنے مطالب بیان کر میں ان کے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ عمرو نے کہا کہ جب ولایت مصر تیرے قبضہ میں آجائے مع اس کے مضافات کے میرے سپرد کر دیجو۔ معاویہ نے حیرت زدہ ہو کے جواب دیا۔ مصر جیسی بڑی سلطنت جو عراق کے برابر ہے کیسے دی جا سکتی ہے۔ عمرو تعجب کیا ہے جب سارے عالم پر تو قابض ہو جائے گا تو مصر میرے حوالے کرنے میں تجھے کیوں پس و پیش ہے

یہ سنکے معاویہ خاموش ہو رہے اور انہیں منظور نہوا کہ مصر جیسی سلطنت اس کے سابق فاتح
کی طرف لوٹا دے عمرو نے معاویہ کو خاموش اور سنجیدہ دیکھ کے کہا۔ میں اس وقت تو
مصر نہیں چاہتا جب تیرا قبضہ مصر پہ ہو جائے اور یہ اس وقت ہو گا کہ جب علی بن
ابی طالب مغلوب ہو جائیں گے تو اس وقت مصر میرے حوالہ کر دیجو معاویہ برابر گردن
ہلا رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ تیری درخواست قبول نہیں ہے۔
عمرو معاویہ کا یہ رنگ دیکھ کے اپنی فرودگاہ پر اٹھ کے چلا آیا۔ کہ اتنے میں معاویہ کا
بھائی عتبہ بن ابی سفیان آیا اور اس نے اپنے بھائی کو للکارا اور کہا بھائی تیری عقل
ماری گئی ہے۔ عمرو جیسے دانا۔ صائب رائے اور بے نظیر سپاہ سالار کو تو اپنے
ہاتھ سے کھوتا ہے۔ مصر اس وقت تیرے قبضہ میں نہیں ہے۔ پھر تجھے ایسی
چیز کے دینے سے کیوں انکار ہے جو معلوم نہیں کہ تیرے قبضہ میں آئے گی یا نہیں۔
معاویہ بھائی کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور فوراً بھاگا ہوا عمرو کے پاس اس
کی فرودگاہ پہ آیا اور کہا کہ میں ملک مصر دینے پر راضی ہوں۔ تم مزید اطمینان کے لیے
مجھ سے اقرار نامہ لکھوا لو۔ چنانچہ اقرار نامہ لکھا گیا اور اس پہ امرائے شام کی گواہیاں
ہوئیں۔ اور وہ اقرار نامہ عمرو کے سپرد کر دیا گیا۔
جب یہ سب کچھ ہو چکا تو معاویہ نے عمرو سے پوچھا کہو استاد علی بن ابی طالب جو اہل
زمانہ میں فاضل ترین شخص ہے۔ کیونکر مغلوب ہو سکتا ہے۔ عمرو نے جواب دیا
سنو جی بات یہ ہے بڑی مشکل جریر جو سرداران عراق کا سرتاج ہے علی بن ابی طالب
کا قاصد بن کے آیا ہے۔ وہ نہ صرف تجھے بیعت کی دعوت دیتا ہے بلکہ اہل شام کو
علی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے بلا رہا ہے۔ اس کے مات کرنے کی یہ ترکیب ہے
کہ تو ریاست دیار شام کے حاکم شمط الکندی کو طلب کر۔ اور پہلے سے اس کے
راستہ میں چند معتمد اور زبان زور آدمیوں کو بٹھا دے۔ کہ جب یہ وہاں سے گزریں
سے گزرے تو یہ لوگ اپنی اپنی باری پہ اکیلے ہی زبان بولیں کہ عثمان بن عفان کو علی نے
قتل کرا دیا ہے۔ بس اسے یقین ہو جائے گا اور سارا شام [illegible]

کہ بیشک یہ فعل علی کا ہے اس سے جنگ کرنی چاہیئے۔
معاویہ کو عمرو کی یہ رائے پسند آئی۔ اس نے زید بن بشر بن ارطاۃ۔ سفیان بن عمرو۔ مخارق بن الحارث حمزہ بن مالک اور حابس بن سعد وغیرہ کو بلا کے اس کے متعلق ہدایت کر دی کہ یوں کہنا اور یوں کہنا وغیرہ وغیرہ غرض راستہ میں جب شرحبیل کے اس طرح کان بھرے گئے تو وہ غصہ میں کانپتا ہوا معاویہ کے پاس آیا اور بولا علی بن ابی طالب نے غضب کیا کہ عثمان بن عفان کو مروا ڈالا۔ تمام دیار وامصار میں اس کا غل مچ رہا ہے اور میں نے ایسے ایسے وجیہ لوگوں کی زبانی سنا ہے جن پر مجھے ہر قسم کا اعتبار ہے:
خدا کی قسم معاویہ اسے اچھی طرح سمجھ لیجو کہ اگر تو نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تو ہم تجھے ملک شام سے نکال باہر کریں گے۔
معاویہ بولا بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری مخالفت کروں گا ہم دونو تو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں تمہارے سوا میرا پناہ اور کون ہے۔ شرحبیل نے یہ سن کے کہا اچھا تو اب تم جریر کو رخصت کر دو تا کہ وہ حضرت علی سے جا کے کہدے کہ آپ کی مخالفت میں سب شامی متفق ہو گئے ہیں۔
یہ سن کے معاویہ نے سر ہلایا اور کہا کہ ابھی اسے رخصت دینے کی میری رائے نہیں ہے۔ جب تک مجھے یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ سارا شام میرے ساتھ ہے میں اسے رخصت نہیں کر سکتا۔ مناسب یہ ہے کہ تو سارے شام میں چکر لگا اور لوگوں کو ایک تو میری بیعت پر آمادہ کر دوسرے خون عثمان طلب کرنے پر ابھار
شرحبیل یہ سنتے ہی فوراً روانہ سفر ہو گیا اور اس نے قریہ در قریہ پھرنا شروع کیا اور یہ وعظ کہا کہ علی نے عثمان کو قتل کرا کے سارے ممالک پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ اب شام کو تاخت وتاراج کرنا چاہتے ہیں سوائے معاویہ کے کوئی ایسا زبردست شخص نہیں دکھائی دیتا کہ جو تمھیں اور تمھارے ملک کو علی بن ابی طالب کے حملہ سے بچا سکے لہذا تم فوراً جوق جوق دمشق جاؤ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو اور خون عثمان لینے کے لیئے اسے مدد دو۔ غرض شرحبیل نے ایک جوش ان لوگوں میں پیدا کر دیا اور

وہ جوق جوق دمشق میں آنے لگے اور معاویہ کے ہاتھ پر بیعت ہونی شروع ہوئی۔
جب معاویہ کو اپنی تدبیریں پوری کامیابی ہوگئی تو اس نے جریر کو بر سر دربار بلا کے
کہا کہ بس اب تم کوفہ واپس جاؤ اور علی بن ابی طالب سے کہدو کہ کل شامی خون عثمان
کی طلبگاری میں مجتمع ہو گئے ہیں آپ ان کی متابعت کا خیال چھوڑ دیجے اور عثمان
کے قاتلوں کو حوالہ کر دیجے۔
یہ سن کے جریر کوفہ واپس چلے آئے۔ شیعہ مورخ لکھتے ہیں کہ جریر کا قیام دمشق میں
پورے چار مہینے رہا۔ انھوں نے من وعن ساری کیفیت حضرت علی سے کہدی۔
اس پر مالک اشتر نے کہا حضرت اگر آپ جریر کی جگہ مجھے بھیجتے تو میں آپ کا کام بنا لاتا۔
آپ نے جریر کو بھیج کے مطلب کو ہاتھ سے کھو دیا۔ میں اس کا ایسا گلا گھونٹتا کہ اس
کا سارا فسانہ آنکھوں کے رستہ نکل جاتا۔ اور جو حیلہ وہ کرتا اُسے فوراً کاٹ دیتا۔
اور اکلتہ الاکیاد یعنی معاویہ کی حقیقت کا اظہار اہل شام پر کر کے اسکو نظر اعتبار سے
گرا دیتا۔ میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہدیا تھا کہ آپ جریر کو تو ہرگز اپنا قاصد بنا کے
نہ بھیجیں کیونکہ یہ شخص بہت سست ہے۔ چار مہینے تک معاویہ کے ٹکڑوں پر
پڑا رہا اور پھر بے نیل و مرام واپس چلا آیا۔ ملک و ملت کے کاموں میں اس کی سفارش
سے سخت خلل پڑ گیا ہے۔ یہ سن کے جریر سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا اے مالک
اشتر تو یہیں بیٹھا ہوا باتیں بنا رہا ہے اگر امیر المومنین علی تجھے سفارت میں بھیج دیتے
تو بس ایک ہی روز میں تیرا خاتمہ ہو جاتا اور تو ضرور کسی شامی کی تلوار کی نذر ہو جاتا۔
کیونکہ وہ تجھے قاتلان عثمان کے زمرہ میں سمجھتے ہیں
مالک اشتر۔ بس ان طفلانہ باتوں کو جانے دو خدا کی قسم اگر میں تمھاری جگہ ہوتا تو واقعی
بڑا کام کر کے آتا۔ اور اسے مجبور کر دیتا کہ وہ طوعاً و کرہاً میرا کہنا مانتا۔ اور یہ معاملہ خیر و
خوبی کے ساتھ اختتام کو پہنچ جاتا تو چار مہینے تک اس کی درباداری کرتا رہا اور
اخیر اس کے فریب میں آگیا۔ معاویہ کی محبت بلاشک تیرے دل پر چھا گئی کیونکہ
تو اسی کی گائے جاتا ہے اور برابر یہی کہے جاتا ہے کہ امیر المومنین کی مخالفت میں

سب یک دل وجاں ہوگئے ہیں۔ اور ان کی قوت دکھا کے ہمیں خوفزدہ کر رہا ہے
جریر۔ اخیر اس بحث ومباحث کا کیا نتیجہ ہے۔ جب تو یہ سمجھتا ہے کہ تیرے جانے سے
کامیابی ہوگی تو اب کیوں نہیں چلا جاتا۔ مالک اشتر۔ معاملہ تو سب بگاڑ کے آگیا
اب میرے جانے سے کیا ہوگا۔
جریر۔ سخت منفعل ہو کے۔ خیر جو کچھ ہونا تھا ہوچکا۔ اب جو تمھارا جی چاہے کہو۔
مالک اشتر۔ دانت پیس کے۔ کیا کہوں اگر امیرالمومنین علی کا خیال نہ ہوتا تو تجھے اور تیرے
ساتھ تیرے دوستوں کو اس دربار سے نکال دیتا اور کبھی یہاں نہ پھٹکنے دیتا۔

عبداللہ بن عمر فاروق معاویہ اور دیگر صحابہ اور خط کتابت کی کہانیاں

شیعی علما مورخین یہ داستان بیان فرماتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن عمر فاروق کے بیٹے
عبداللہ نے اپنے باپ کے قتل پر غصہ میں آکے ہرمزان مجوسی کو جو حضرت امیر علیہ السلام
کے دوستکدہ میں رہتا تھا اور خود فاروق کے قتل میں شریک تھا قتل کر دیا تھا۔ اس پر جب
عثمان خلیفہ ہوئے ہیں تو انھوں نے (قرآن مجید کے حکم کے مطابق) اس کے رشتہ
داروں کو دیت یعنی خون بہا دیدی تھی۔ مگر جب جناب امیر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے
عبداللہ کو ماخوذ کرنا چاہا۔ عبداللہ جان بچا کے معاویہ کی پناہ میں دمشق چلا آیا۔
معاویہ نے عبداللہ کی بہت خاطر مدارات کی۔ ایک دن مجلس میں معاویہ نے کہا استاد
خوب ملکہ علم کھا کے علی کو برا کہو اور نقارہ پیٹ دو کہ عثمان کو علی ہی نے قتل کرایا ہے۔
یہ سن کے عبداللہ غصہ میں لال پیلے ہوگئے۔ اور کہا میں ایسے شخص کو کس طرح برا کہہ سکتا
ہوں جو حسب نسب اور ظاہری وباطنی خوبیوں میں جمیع مسلمین سے اچھا ہے اور

اس کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ہاں تجھے خوش کرنے کے لیئے یہ تو ہو سکتا ہے کہ عثمان کے قتل کا الزام اس پر لگاؤں اور بس۔

اتنا کہکے عبداللہ باہر نکل آیا۔ معاویہ نے عمرو عاص سے کہا اگر علی کی تلوار کا ڈر مجھے نہوتا تو میں ابھی عبداللہ کی گردن اُتار لیتا۔ عمرو عاص بولا بس کیا کہتا ہے۔ عبداللہ نے جو کچھ کہا سچ کہا۔ علی تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ ہم نے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر کے تیرا ساتھ دیا ہے بس ہم سے یہ ہوسکتا ہے کہ علی کو عثمان کا اصلی قاتل لوگوں کی نظروں میں قرار دیں اور بس۔ ہم اپنے کیئے پر سخت شرمندہ ہیں ہم ہرا چاہتے ہیں کہ ہدایت کے راستہ پر آ لیں مگر دہ پر کا لالچ مانع آتا ہے۔ اس لیئے تو ہم نے تیرا ساتھ دیا ہے۔ تو ہم سے زیادہ توقع نہ رکھ ہم علی کو گالیاں نہیں دینے کے۔

عبداللہ کے وعظ کی کہانی

جمعہ کو بقول شیعی علما عمر فاروق کا بیٹا عبداللہ ممبر پر چڑھا پہلے اس نے خدا کی حمد کی اور پھر سرور کائنات کی نعت پڑھی اس کے بعد لوگوں کو کچھ نصیحت کی باتیں کرتا رہا۔ اور پھر ممبر پر سے اُتر آیا۔ معاویہ نے کہا واہ واہ تم نے نہ علی کا بیان کیا اور نہ عثمان کے قتل کا۔ تو نے تو وعدہ کیا تھا کہ میں عثمان کے قتل کا الزام علی پر لگاؤں گا تو نے سخت خیانت کی اور تیرے عجز اور ماندگی کی بھی حد ہوگئی۔ لاحول ولا قوۃ۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ وعدہ تو میں نے بیشک کیا تھا مگر رسول اللہ کی شرم دامنگیر ہوگئی۔ میں جھوٹا الزام علی پر کس طرح لگاتا۔ اگر میں آنکھ بند کر کے یہ بیان کر بھی دیتا تو اس کذب بے فروغ کے وبال سے نہ تو بچ سکتا اور نہ تو۔

عبداللہ کی اس صاف بیانی سے معاویہ ناراض ہوگیا اسکی پھری ہوئی آنکھیں دیکھ کے عبداللہ نے بھی کنارا کیا۔ مگر ایک مدت گزرنے کے بعد عبداللہ بن عمر نے عثمان کے قتل کا مرثیہ لکھا اور لوگوں کو اشعار سنا کے ان سے واہ کا خواہاں ہوا۔ شدہ شدہ ان اشعار کو

معاویہ نے بھی دیکھ لیا۔ ساری ناراضی معاویہ کی جاتی رہی وہ یکلخت عبداللہ کی طرف رجوع ہوگیا۔ اور عبداللہ کو بلا کے بہت کچھ معذرت کی اور جب تک عبداللہ جنگ صفین میں نہ مارا گیا برابر اس پر نظر التفات رہی۔

چند روز کے بعد معاویہ نے عمرو بن العاص اور عبداللہ سے تخلیہ میں یہ مشورہ کیا کہ میں چاہتا ہوں اہل مدینہ کو اپنی بیعت کی دعوت دوں اس میں آپ دونوں صاحبوں کی کیا رائے ہے۔ عبداللہ نے کہا یہ ہرگز قرین مصلحت نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مدینہ میں تین جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت تو جناب امیر کی مرید ہے وہ تیری دعوت پر تجھسے سخت مخالفت کرے گی۔ دوسری جماعت عثمان کی ہواخواہ ہے مگر انتہا درجہ کمزور اور عاجز جو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ تیسری جماعت نیوٹرل یعنی غیر جانب دار ہے اور گوشہ نشین ہے نہ وہ علی کو جانے اور نہ عثمان کو اللہ اللہ کرنا اس کا کام ہے اور بس۔ میری آخری یہ رائے ہے۔ کہ اگر تو نہیں مانتا اور اپنی بیعت کی تحریک ہی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا کر کہ اہل مدینہ کے نام ایک خط بھیج دے۔ اگر اس سے کچھ نیجہ نہ بھی نکلا تو تجھے کچھ نقصان بھی نہیں پہنچنے کا۔

اس رائے معاویہ نے صاد کردی۔ اور تینوں کے مشورہ سے اہل مدینہ کے نام یہ سمویا ہوا خط لکھا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ جب باغیوں نے عثمان پہ ہجوم کیا اور اس کے گھر کو گھیر کے اس پر آب و دانہ بند کر دیا اور پھر اسے قتل کر ڈالا تو میں اس وقت مدینہ میں نہ تھا لہذا مجھے نہیں معلوم کہ اصل واقعات کیا ہیں۔ تم بتاؤ علی کی نسبت جو یہ سنا جاتا ہے کہ وہ باغیوں کے ساتھ شریک ہوگیا اور قصر خلافت کے منہدم کرنے میں اس نے اپنے گھٹنوں تک کا زور لگا دیا۔ اگر یہ صحیح ہو اور غالبا ہوگا کیونکہ عثمان کے قاتل اس کے خواص بنے ہوئے ہیں اور ہر وقت اس کے دائیں بائیں موجود رہتے ہیں تو میں خون عثمان طلب کرنے کے لیے قاتلوں کو علی سے مانگوں اگر اس نے مجھے دیدئے تو پھر علی سے مجھے کچھ سروکار نہیں ہے۔ اب رہی خلافت اسے میں شوری پر چھوڑتا ہوں جس طرح فاروق اعظم نے چھوڑی تھی۔ اگر علی اس پر راضی

نہ ہوئے اور قاتلوں کو میرے حوالہ نہ کیا تو میں ان سے قتال کروں گا۔ تم میں سے جو صاحب میری تائید کریں وہ فوراً بھاگوں بھاگ میرے پاس دمشق چلے آئیں فقط۔

اہل مدینہ نے معاویہ کا یہ خط پڑھا اور اس کا فوراً یہ جواب دیا کہ یہ خط تو نے عمرو بن العاص کے مشورہ سے لکھا ہے بس ہم جان گئے۔ سُن بات یہ ہے کہ تو طلیقی ہے اور عمرو بن العاص خائن ملت ہے تجھے خلافت سے کیا تعلق۔ تو نے ہم دور افتادوں کو کیوں چھیڑا۔ بس تجھے لکھ دیا جاتا ہے کہ آیندہ ایسی بیہودہ تحریر ہمیں نہ لکھیو۔

جب یہ خط معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے افسوس کرکے یہ کہا کہ ہم نے سخت غلطی کی کہ مدینہ کے اوباشوں کو لکھا حالانکہ رسول اللہ کے جلیل القدر صحابہ مثل عبداللہ بن عمر[1] بن الخطاب۔ سعد بن ابی وقاص۔ محمد بن سلمہ انصاری موجود تھے انھیں لکھنا چاہیے تھا۔ اب میں ان میں سے ہر ایک صحابی کو خط لکھوں گا اور اپنی بیعت کی انھیں دعوت دوں گا بعض شیعی مورخ یہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر جو معاویہ کے پاس موجود تھے انھوں نے معاویہ کو یہ رائے دی تھی کہ میرے دو بھائیوں اور فلاں صحابی کے نام تم ضرور خط لکھو۔ اس پر عمرو بن العاص نے کہا دیکھو معاویہ ایسا نہ کیجو۔ طلحہ۔ زبیر اور عائشہ جب

---

[1] دروغ گورا حافظہ نباشد۔ کبھی تو شیعی مورخ یہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر بن الخطاب معاویہ کے پاس بھاگ کے چلے آئے تھے۔ کبھی لکھتے ہیں کہ انھوں نے مدینہ سے کبھی قدم ہی باہر نہیں نکالا۔ کبھی لکھتے ہیں جناب امیر نے خلیفہ بنتے ہی عبداللہ بن عمر کی گرفتاری کا وارنٹ کاٹ دیا تھا۔ کبھی عبداللہ کے مونہ سے حضرت علی کی تعریف کرواتے ہیں۔ کبھی جب عبداللہ بن عمر آتا ہے تو ان کے مونہ سے حضرت کو سازشی قرار دیتے ہیں۔ غرض یہ عجیب کہانیاں ہیں جن سے زیادہ دلکش بوستان خیال کا مصنف بھی نہیں لکھ سکتا۔ اچھی تاریخ نویسی اور ترتیب واقعات ہیں۔

ان واقعات کو غور سے پڑھنے کے بعد ہر شخص ان کی سچائی کی گہرائی پوری سمجھ سکتا ہے۔ بلا مبالغہ ایک واقعہ بھی صحیح نہیں ہے۔ چونکہ جمل اور صفین کی لڑائیاں محض من گھڑت ہیں اس لیے اس کے

ہر طرح افضل ہیں انھوں نے بہتیری کوشش کر لی مگر یہ صحابہ ان کے ساتھ ہوئے پھر وہ تیرا ساتھ کیوں دینے لگے۔ یہ لوگ تو گوشہ نشین ہو گئے ہیں نہ انھیں تجھ سے مطلب ہے نہ علی سے وہ تو اس فساد میں پڑنا ہی نہیں چاہتے۔ باقی جو ان کے علاوہ ہیں وہ علی کے ساتھ ہیں اور جنھیں تیرا ساتھ دینا تھا وہ تیرے ساتھ موجود ہیں یعنی ابو ہریرہ۔ ابو درداء۔ ابو رسامتہ الباہی اور نعمان بن بشیر۔

معاویہ نے عمرو بن العاص کے اس مشورہ پر توجہ نہیں کی اور عبداللہ بن عمر بن الخطاب کو خط لکھ ہی دیا۔ اور ساتھ ہی مذکور صحابہ کو بھی تحریریں روانہ کر دیں۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ ہم طلب خون عثمان کے لئے کھڑے ہوئے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔

اس خط کا جواب عبداللہ بن عمر نے یہ دیا مجھے تعجب ہے کہ تم مجھ سے بیعت چاہتے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ میں رسول اللہ کے صحابہ کو قتل کروں تمہارا مطلب طلب خون عثمان سے محض جاہ طلبی ہے اور بس۔ میں علی کی مخالفت نہیں کرنے کا۔ یہ سمجھ رکھو اگر میں نے کسی کا ساتھ دیا تو علی کا دوں گا۔ وہ سب صحابہ سے افضل ہے۔ رسول کا بھائی اور داماد ہے۔ اس کے بچے جوانان بہشت ہیں اس کی موافقت سے مومن جنت میں جاتا ہے اور مخالفت سے دوزخ میں۔ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنا میں بدترین گناہ جانتا ہوں اس لئے میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔

اس کے علاوہ میرے ماں باپ تیرے ماں باپ سے افضل ہیں اور میں تجھ سے افضل ہوں پھر تیرے ہاتھ پر کیوں کر بیعت کروں۔ کاش میں ایسی جگہ اس زمانہ فتن میں ہوتا کہ کوئی مجھے نہ جانتا نہ کسی کو میرا پتہ معلوم ہوتا تو سب سے اچھا تھا۔

دوراں چو بے وفاست خوشا آہوان دشت
کار امگاہ خویش بویرانہ ساختند

شیعی علماء یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اپنی آخری عمر میں تین باتوں کے فوت ہو جانے پر افسوس کیا کرتے تھے ایک تو یہ کہ علی بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہیں کی

دوم یہ کہ ان کے محافظوں سے میں نے جنگ کیوں نہیں کی تیسرے ایک دن شدت گرمی کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا۔ بس ان تین باتوں کا افسوس کرتے تھے اور روتے تھے فقط۔

سعد بن ابی وقاص کا جواب

سعد بن ابی وقاص نے معاویہ کے خط کا جواب دیا کہ تم نے محض غلط طریقہ سے مجھے بیعت کی دعوت دی۔ تو اپنے خط میں یہ بھی لکھتا ہے کہ عثمان ظلم سے مارا گیا۔ حق و باطل میں رب العلمین سے بہتر فرق کرنے والا کوئی نہیں۔ میں علی سے برسرپیکار ہونا نہیں چاہتا۔ نہ اس کے خلاف تجھے مدد دونگا۔ یہ یہ فتنہ جو مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے میں اس سے اپنا پہلو بچانا چاہتا ہوں۔ باقی طلحہ اور زبیر کی نسبت جو تو نے لکھا ہے کہ وہ تو طلب خون عثمان میں کھڑے ہوگئے تجھے پھر عذر کیوں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مناسب تو انھیں بھی ایسا نہ تھا اللہ ان کی خطاؤں کو معاف کریگا۔ فقط۔

محمد بن مسلمہ کا جواب

معاویہ میں نے تیرے خط کو پڑھا۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ملک گیری کی تو خواہش رکھتا ہے۔ یاد رکھ علی پر میں تجھے کبھی ترجیح نہیں دوں گا۔ اور نہ تیری خاطر سے اسکی مخالفت کروں گا۔ پھر یہ جو تو نے لکھا ہے۔ کہ تو نے اس وقت عثمان کو مدد نہ دی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں اپنے میں قدرت نہ دیکھتا تھا تو کیا خاک مدد کرتا۔ میں نے اپنی تلوار کو توڑ ڈالا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ میرے ساتھ کل صحابہ رسول گوشہ نشین ہو گئے۔ رسول اللہ نے مجھے اس فتنہ کی خبر دیدی تھی۔ تعجب تو تجھ پر ہے کہ زمانہ محاصرہ میں عثمان تجھ سے طالب مدد ہوا اور تیرے پاس قاصد بھیج

قاصد دوڑائے مگر تیرے کان پر جوں تک نہ چلی۔ حالانکہ تیرے پاس فوج بھی تو اس کی مدد کو آسکتا تھا مگر تو نہیں آیا اور تو نے اپنے آرام میں خلل نہ ڈالا۔ غرض باغی عثمان پر غالب آئے اب تجھے اچھا حیلہ ہاتھ لگ گیا۔ شاہی کا تاج سر پر اور خاتم مملکت انگلی میں پہنا چاہتا ہے فقط۔

تبصرہ

آپ نے جنگ جمل کی کہانیاں بھی پڑھیں اور امیر معاویہ حضرت علی اور دیگر صحابہ کی سرگوشیوں اور خط کتابت کو بھی ملاحظہ کیا۔ دنیا کی کوئی تاریخ بھی ایسی نہیں ملنے کی جس میں سرگوشیوں کی لفظ لفظ نقل اور باہمی بحث کی گفتگو ملاحظہ فرمائیں گے۔ خیال کیجے اس ہولناک اور مہیب دروغ گوکہ معاویہ اپنے محل میں بند عمرو بن العاص سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کے چار صدی کے بعد ایک شیعہ مورخ یہ سرگوشی نقل کر رہا ہے جتنی باتیں نقل ہوئی ہیں وہ اول سے آخر تک غلط ہیں کیوں کہ کسی خط یا گفتگو کی ضعیف سے ضعیف سند موجود نہیں ہے۔

یہ شیعی داستان نویسوں کی عنایت ہے کہ کہانیوں کا اتنا انبار ہو گیا۔

حضرت علی کے واقعات زندگی کے بیان میں یہ پہلی جلد ختم ہوئی ہے۔ دوسری جلد اس کے بعد آپ دیکھیں گے۔ اس جلد میں جنگ صفین کا پورا قصہ وضاحت سے بیان ہو گا۔ آپ کے سیاسی۔ اخلاقی اور انتظامی معاملات پر پوری روشنی ڈالی جائے گی۔ نہج البلاغۃ اور ایک دیوان پر جس کی نسبت آپ سے دی جاتی ہے پوری بحث ہو گی۔ آپ کی شہادت کی من وعن ساری کیفیت بیان کی جائے گی آپ کی نصائح اور ضرب الامثال کی پوری حقیقت کھولی جائے گی۔ غرض یہ دوسری جلد زیادہ دلکش ہو گی انشاءاللہ۔

اس کے بعد اصلی حالات سارے بیان کر دیے جائیں گے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے

اس پہلی جلد میں جہاں تک انکشاف حالات ہوا ہے یہ بھی اس صدی کا ایک معجزہ ہے
کہ وہ حالات جن سے علما بھی ناآشنا تھے عامہ خلائق کے سامنے آگئے۔ وہ دودھ کا دودھ
اور پانی کا پانی علیحدہ ہوگیا۔ ٭ ٭ ٭

کتاب شہادت کی
پہلی جلد ختم ہوگئی

قرآن مجید نمبر ۳ ۲۰/۲۶ دو صفحہ یعنی ۱۳ انچ لمبا اور ۱۰ انچ چوڑا۔ معہ ترجمہ و تفسیر بادامی دبیز کاغذ ۲؍ بجائے آٹھ روپے کے پانچ روپے ۴؍ ۔ رسمی سفید کاغذ بجائے سات روپے کے چار روپے ۴؍ ۔ چکنا ولایتی سفید کاغذ بجائے دس روپے کے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک جلد ایک روپیہ آٹھ آنے سے دس روپے تک بندھ سکتی ہے وزن دو اور ڈھائی سیر کے قریب سمجھئے ۔ صفحات ۶۰۸

قرآن مجید نمبر ۴ ۲۲/۲۹ چو صفحہ یعنی گیارہ انچ لمبا اور ساڑھے سات انچ چوڑا۔ معہ ترجمہ و تفسیر قیمت بجائے چھ روپے کے تین روپے جلد ایک روپے سے دس روپے تک بندھ سکتی ہے صفحات ۶۰۸ وزن ڈیڑھ سیر کے قریب سمجھئے۔

قرآن مجید نمبر ۵ ۲۰/۲۶ چو صفحہ یعنی ساڑھے چھ انچ لمبا اور پانچ انچ چوڑا۔ معہ ترجمہ و تفسیر مذکور قیمت بجائے چار روپے کے دو روپے۔ صفحات ۶۰۸ جلد ایک روپیہ سے پانچ روپے تک بندھ سکتی ہے۔ محصول ڈاک علاوہ وزن ایک سیر کے قریب سمجھئے

قرآن مجید نمبر ۶ ۱۸/۲۲ دو صفحہ یعنی گیارہ انچ لمبا اور نو انچ چوڑا۔ کاغذ چکنا سفید اول سے آخیر تک یکساں ۲؍ بجائے چار روپے کے دو روپے صفحات ۴۸۰ ۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی ۔ جلد ایک روپے سے پانچ روپے تک بندھ سکتی ہے وزن ایک سیر کے قریب سمجھئے۔

حمائل شریف نمبر ۷ ترجمہ تفسیر مرزا حیرت ۲۰/۲۶ آٹھ صفحہ یعنی ساڑھے پانچ لمبی اور پونے چار انچ چوڑی ترجمہ بین السطور حاشیہ پر کامل تفسیر بہت واضح اور صاف۔ صفحات ۸۳۲ زعفرانی۔ گلابی اور سفید کاغذ پر طبع ہوتی ہے قیمت بجائے چار روپے کے صرف تین روپے جلد ایک روپیہ سے پانچ روپے تک بندھ سکتی ہے

بخاری شریف نمبر ۸ ۲۰/۲۶ دو صفحہ کاغذ ولایتی چکنا اول سے اخیر تک یکساں خالص اردو ترجمہ معہ فہرست مضامین اور حواشی قیمت بجائے اٹھارہ روپے کے صرف پندرہ روپے علاوہ محصول ڈاک جلد دو روپے سے دس روپے تک بندھ سکتی ہے صفحات ۱۲۴۴

تمام درخواستیں بنام منیجر کتب خانہ کرزن گزٹ پریس دہلی آنا چاہئیں